روحانی خزائن

تصنیفات

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی

مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

۱۰

روحانی خزائن

مجموعہ کتب حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

Rūḥānī Khazā'in

Collection of the books of Ḥaḍrat Mirza Ghulam Ahmad Qādiānī, (1835-1908), The Promised Messiah and Mahdi, peace be on him

Volumes. 1-23

First published in Rabwah, Pakistan in 1960's
Reprinted in UK in 1984
Current Computerised edition published in Rabwah, Pakistan in 2008
(ISBN: 81 7912 175 5)
Reprinted in India in 2008
Reprinted in UK in 2009

Published by:
Islam International Publications Limited
Islamabad
Sheephatch Lane
Tilford, Surrey GU10 2AQ
United Kingdom

Printed in UK at:
William Clowes

ISBN: 978-1-84880-102-8 (Set Vol. 1-23)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

وعلیٰ عبدہِ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالنّاصر

واجعل لی من لدنک سلطنا نصیرا

انا فتحنا لک فتحا مبینا

لندن

10-8-2008

پیغام

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے ۔۔۔ اب میں دیتا ہوں اگر کوئی ملے امیدوار

اللہ تعالیٰ نے وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس زمانے کے امام اور مہدی کے طور پر مبعوث فرمایا کہ تا اس کی توحید کا دنیا میں بول بالا ہو اور ہمارے پیارے نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور قرآن کریم کی صداقت دنیا پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے۔

قرآن کریم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہی وہ زمانہ تھا کہ جب اسلام کی اشاعت اور تبلیغ ساری دنیا کے کناروں تک پہنچانے کے سامان اس خدائے قادر مطلق نے پہلے سے مقرر کر رکھے تھے۔ اسی لئے اس زمانے میں سائنسی ایجادات اتنی تیزی اور کثرت سے ہوئی ہیں کہ انسانی عقل وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَھَا کے مصداق حیران ہو جاتی ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ جس کے بارے میں وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ کی پیشگوئی فرما کر یہ بتلا دیا کہ اس زمانے میں ایسی ایسی ایجادات ہوں گی کہ کتابوں اور رسالوں کی نشر و اشاعت عام ہو جائے گی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''اور نشر صحف سے اس کے وسائل یعنی پریس وغیرہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ اللہ نے ایسی قوم کو پیدا کیا جس نے آلات طبع ایجاد کئے۔ دیکھو کس قدر

پریس ہیں جو ہندوستان اور دوسرے ملکوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے تا وہ ہمارے کام میں ہماری مدد کرے اور ہمارے دین اور ہماری کتابوں کو پھیلائے اور ہمارے معارف کو ہر قوم تک پہنچائے تا وہ ان کی طرف کان دھریں اور ہدایت پائیں"۔ (آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۴۷۳)

ایک اور کتاب میں آپؑ فرماتے ہیں:

"کامل اشاعت اس پر موقوف تھی کہ تمام ممالک مختلفہ یعنی ایشیا اور یورپ اور افریقہ اور امریکہ اور آبادئ دنیا کے انتہائی گوشوں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی تبلیغ قرآن ہو جاتی اور یہ اس وقت غیر ممکن تھا بلکہ اس وقت تک تو دنیا کی کئی آبادیوں کا ابھی پتا بھی نہیں لگا تھا اور دور دراز سفروں کے ذرائع ایسے مشکل تھے کہ گویا معدوم تھے......ایسا ہی آیت وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ اس بات کو ظاہر کر رہی تھی کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور ہدایت کا ذخیرہ کامل ہو گیا مگر ابھی اشاعت ناقص ہے اور اس آیت میں جو مِنْهُمْ کا لفظ ہے وہ ظاہر کر رہا تھا کہ **ایک شخص اس زمانہ میں جو تکمیل اشاعت کے لئے موزوں ہے مبعوث ہوگا جو آنحضرت** صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں ہوگا......اس لئے خدا تعالیٰ نے تکمیل اشاعت کو ایک ایسے زمانہ پر ملتوی کر دیا جس میں قوموں کے باہم تعلقات پیدا ہو گئے اور برّی اور بحری مرکب ایسے نکل آئے جن سے بڑھ کر سہولت سواری کی ممکن نہیں۔ اور کثرت مطابع نے تالیفات کو ایک شیرینی کی طرح بنا دیا جو دنیا کے تمام مجمع میں تقسیم ہو سکے۔ سو اس وقت حسب منطوق آیت وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ اور حسب منطوق آیت قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے بعث کی ضرورت ہوئی اور ان تمام خادموں نے جو ریل اور تار اور اگن بوٹ اور

مطابع اور احسن انتظام ڈاک اور باہمی زبانوں کا علم اور خاص کر ملک ہند میں اردو نے جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک زبان مشترک ہو گئی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بزبان حال درخواست کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تمام خدام حاضر ہیں اور فرض اشاعت پورا کرنے کے لئے بدل و جان سرگرم ہیں۔ آپ تشریف لایئے اور اس اپنے فرض کو پورا کیجئے کیونکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ میں تمام کافہ ناس کے لئے آیا ہوں اور اب یہ وہ وقت ہے کہ آپ ان تمام قوموں کو جو زمین پر رہتی ہیں قرآنی تبلیغ کر سکتے ہیں اور اشاعت کو کمال تک پہنچا سکتے ہیں اور اتمام حجّت کے لئے تمام لوگوں میں دلائل حقانیت قرآن پھیلا سکتے ہیں تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے جواب دیا کہ دیکھو میں بروز کے طور پر آتا ہوں۔ مگر میں ملک ہند میں آؤں گا۔ کیونکہ جوش مذاہب و اجتماع جمیع ادیان اور مقابلہ جمیع ملل و نحل اور امن اور آزادی اسی جگہ ہے‘‘۔

(تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۲۶۰-۲۶۳)

سو اس زمانے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ساری دنیا تک پہنچانے اور اسلام کی سچائی کو ساری دنیا پر ثابت کرنے اور خدائے واحد و یگانہ کی توحید کا پرچار کرنے کے لئے اسلام کا یہ بطل جلیل، جری اللہ، سیف کا کام قلم سے لیتے ہوئے قلمی اسلحہ پہن کر سائنس اور علمی ترقی کے میدان کارزار میں اترا اور اسلام کی روحانی شجاعت اور باطنی قوت کا ایسا کرشمہ دکھایا کہ ہر مخالف کے پرخچے اڑا دیے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا پرچم پھر سے ایسا بلند کیا کہ آج بھی اس کے پھریرے آسمان کی رفعتوں پر بلند سے بلند تر ہو رہے ہیں اور ساری دنیا پر اسلام کا یہ پیغام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات کے ذریعہ پھیل رہا ہے اور پھیلتا رہے گا۔ مسیح محمدی کی زندگی بخش تحریرات کی ہی یہ برکت ہے کہ ایک جہان روحانی اور جسمانی احیاء کی نوید سے مستفیض ہو رہا ہے اور صدیوں کے مردے ایک دفعہ پھر زندہ ہو رہے ہیں اور ایسا کیوں

نہ ہوتا کہ اسلام کی گزشتہ تیرہ صدیوں میں صرف آپ کا ہی کلام ایسا تھا جسے کبھی خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے ''مضمون بالا رہا'' کی سند نصیب ہوئی تو کبھی الہاماً یہ نوید عطا ہوئی کہ:

''درکلامِ تو چیزے است کہ شعراء را دراں دخلے نیست۔ کَلامٌ اُفْصِحَتْ مِنْ لَّدُنْ رَّبٍّ کَرِیْمٍ''۔ (کاپی الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام صفحہ ۶۲۔ تذکرہ صفحہ ۵۰۸)

ترجمہ: ''تیرے کلام میں ایک چیز ہے جس میں شاعروں کو دخل نہیں ہے۔ تیرا کلام خدا کی طرف سے فصیح کیا گیا ہے۔'' (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۱۰۶)

چنانچہ ایسی ہی عظیم الٰہی تائیدات سے طاقت پا کر آپ فرماتے ہیں:

''میں بڑے دعویٰ اور استقلال سے کہتا ہوں کہ میں سچ پر ہوں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اس میدان میں میری ہی فتح ہے۔ اور جہاں تک میں دور بین نظر سے کام لیتا ہوں تمام دنیا اپنی سچائی کے تحت اقدام دیکھتا ہوں اور قریب ہے کہ میں ایک عظیم الشان فتح پاؤں کیونکہ میری زبان کی تائید میں ایک اور زبان بول رہی ہے اور میرے ہاتھ کی تقویت کے لئے ایک اور ہاتھ چل رہا ہے جس کو دنیا نہیں دیکھتی مگر میں دیکھ رہا ہوں۔ میرے اندر ایک آسمانی روح بول رہی ہے جو میرے لفظ لفظ اور حرف حرف کو زندگی بخشتی ہے''۔ (ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۴۰۳)

ایک اور جگہ آپ فرماتے ہیں:

''میں خاص طور پر خدا تعالیٰ کی اعجاز نمائی کو انشاء پردازی کے وقت بھی اپنی نسبت دیکھتا ہوں کیونکہ جب میں عربی یا اردو میں کوئی عبارت لکھتا ہوں تو میں محسوس کرتا ہوں کہ کوئی اندر سے مجھے تعلیم دے رہا ہے''۔ (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۳۴)

پس یہ آپ کی دلی خواہش تھی کہ وہ آب حیات جو آپ کے مبارک قلم سے آپ کی کتابوں کی شکل میں دنیا کی روحانی اور علمی پیاس بجھانے کے لئے نکلا ہے اس سے سارا عالم فیضیاب ہو۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

''میں سچ سچ کہتا ہوں کہ مسیح کے ہاتھ سے زندہ ہونے والے مر گئے مگر جو شخص میرے ہاتھ سے جام پئے گا جو مجھے دیا گیا ہے وہ ہرگز نہیں مرے گا۔ وہ زندگی بخش باتیں جو میں کہتا ہوں اور وہ حکمت جو میرے منہ سے نکلتی ہے اگر کوئی اور بھی اس کی مانند کہہ سکتا ہے تو سمجھو کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں آیا۔ لیکن اگر یہ حکمت اور معرفت جو مردہ دلوں کے لئے آبِ حیات کا حکم رکھتی ہے دوسری جگہ سے نہیں مل سکتی تو تمہارے پاس اس جرم کا کوئی عذر نہیں کہ تم نے اس سرچشمہ سے انکار کیا جو آسمان پر کھولا گیا زمین پر اس کو کوئی بند نہیں کرسکتا''۔ (ازالہ اوہام ، روحانی خزائن جلد۳ صفحہ ۱۰۴)

عزیزو! یہی وہ چشمۂ رواں ہے کہ جو اس سے پئے گا وہ ہمیشہ کی زندگی پائے گا اور ہمارے سید و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی **یفیض المال حتی لا یقبلہ احد** (ابن ماجہ) کے مطابق یہی وہ مہدی ہے جس نے حقائق و معارف کے ایسے خزانے لٹائے ہیں کہ انہیں پانے والا کبھی ناداری اور بے کسی کا منہ نہ دیکھے گا۔ یہی وہ روحانی خزائن ہیں جن کی بدولت خدا جیسے قیمتی خزانے پر اطلاع ملتی ہے اور اس کا عرفان نصیب ہوتا ہے۔ ہر قسم کی علمی اور اخلاقی، روحانی اور جسمانی شفا اور ترقی کا زینہ آپ کی یہی تحریرات ہیں۔ اس خزانے سے منہ موڑنے والا دین و دنیا، دونوں جہانوں سے محروم اٹھنے والا قرار پاتا ہے اور خدا کی بارگاہ میں متکبر شمار کیا جاتا ہے، جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''جو شخص ہماری کتابوں کو کم از کم تین دفعہ نہیں پڑھتا۔ اس میں ایک قسم کا کبر پایا جاتا ہے''۔

(سیرت المہدی جلد اول حصہ دوم صفحہ ۳۶۵)

اسی طرح آپؑ نے فرمایا کہ:

''وہ جو خدا کے مامور اور مرسل کی باتوں کو غور سے نہیں سنتا اور اس کی تحریروں کو غور سے

نہیں پڑھتا اس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔ سو کوشش کرو کہ کوئی حصہ تکبر کا تم میں نہ ہو تا کہ ہلاک نہ ہو جاؤ اور تا تم اپنے اہل و عیال سمیت نجات پاؤ''۔

(نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۰۳)

پھر آپ نے ایک جگہ یہ بھی تحریر فرمایا کہ:

''سب دوستوں کے واسطے ضروری ہے کہ ہماری کتب کم از کم ایک دفعہ ضرور پڑھ لیا کریں، کیونکہ علم ایک طاقت ہے اور طاقت سے شجاعت پیدا ہوتی ہے''۔

(ملفوظات جلد ۴ صفحہ ۳۶۱)

یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہمیں اس امام مہدی اور مسیح محمدی کو ماننے کی توفیق ملی اور ان روحانی خزائن کا ہمیں وارث ٹھہرایا گیا۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم ان بابرکت تحریروں کا مطالعہ کریں تا کہ ہمارے دل اور ہمارے سینے اور ہمارے ذہن اس روشنی سے منور ہو جائیں کہ جس کے سامنے دجال کی تمام تاریکیاں کافور ہو جائیں گی۔ اللہ کرے کہ ہم اپنی اور اپنی نسلوں کی زندگیاں ان بابرکت تحریرات کے ذریعہ سنوار سکیں اور اپنے دلوں اور اپنے گھروں اور اپنے معاشرہ میں امن و سلامتی کے دئے جلانے والے بن سکیں اور خدا اور اس کے رسول کی محبت اس طرح ہمارے دلوں میں موجزن ہو کہ اس کے طفیل ہم کل عالم میں بنی نوع انسان کی محبت اور ہمدردی کی شمعیں فروزاں کرتے چلے جائیں۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

خاکسار

مرزا مسرور احمد

خلیفۃ المسیح الخامس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خصوصی ہدایات اور راہنمائی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جملہ تصانیف کا سیٹ ’’روحانی خزائن‘‘ پہلی بار کمپیوٹرائزڈ شکل میں پیش کیا جارہا ہے۔اس سیٹ کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

۱۔حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے تاکیدی ارشاد کی تعمیل میں ہر کتاب فسٹ ایڈیشن کے عین مطابق رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ایک سے زائد ایڈیشن چھپے ہیں تو آخری ایڈیشن کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

۲۔پورے سیٹ میں یہ التزام کیا گیا ہے کہ صفحہ کی سائیڈ پر ایڈیشن اوّل کا صفحہ نمبر دیا گیا ہے۔

۳۔ایڈیشن اوّل میں اگر سہو کتابت واقع ہوا ہے تو متن میں اس لفظ کو اسی طرح کمپوز کیا گیا ہے۔البتہ حاشیہ میں یہ نوٹ دیا گیا ہے کہ متن میں سہو کتابت معلوم ہوتا ہے اور غالباً صحیح لفظ یوں ہے۔

۴۔یہ ایڈیشن روحانی خزائن کے سابقہ ایڈیشن کے صفحات کے عین مطابق ہے تاکہ جماعتی لٹریچر میں گزشتہ نصف صدی سے آنے والے حوالہ جات کی تلاش میں سہولت رہے۔

۵۔حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی اجازت سے اس سیٹ میں مندرجہ ذیل اضافے کئے گئے ہیں۔

(ا) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک مضمون جو آپ نے منشی گردیال صاحب مدرس مڈل اسکول چنیوٹ کے استفسار کے جواب میں تحریر فرمایا تھا اور روحانی خزائن میں شامل نہیں ہو سکا تھا۔ اسے روحانی خزائن کے نئے ایڈیشن میں جلد نمبر۲ میں شامل اشاعت کردیا گیا ہے۔

(ب) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک اہم مضمون **’’ایک عیسائی کے تین سوال اور ان کے جوابات‘‘** جو پہلے ’’تصدیق النبی‘‘ کے نام سے سلسلہ کے لٹریچر میں موجود ہے اسے روحانی خزائن جلد نمبر۴ کے آخر میں شامل اشاعت کرلیا گیا ہے۔

(ج) روحانی خزائن جلد۴ میں الحق مباحثہ دہلی کے عنوان سے ایک کتاب شامل ہے۔اس کے صفحہ ۲۲۱ پر مراسلت نمبر۱ مابین مولوی محمد بشیر صاحب اور مولوی سید محمد احسن صاحب ہے۔اس کے بعد مراسلت نمبر۲ مابین منشی بوبہ صاحب و منشی محمد اسحاق و مولوی سید محمد احسن صاحب کسی وجہ سے روحانی خزائن میں شامل

ہونے سے رہ گئی ہے۔اسے روحانی خزائن جلد نمبر ۱۴ کے نئے ایڈیشن میں شامل کرلیا گیا ہے۔

(د) روحانی خزائن جلد نمبر ۵ آئینہ کمالات اسلام کے آخر میں ’’التبلیغ‘‘ کے نام سے جو عربی خط شامل ہے اس کے آخر میں عربی قصیدہ درج ہے۔ایڈیشن اوّل میں اس قصیدہ کے بعد ایک عربی نظم شائع شدہ ہے جو کسی وجہ سے روحانی خزائن جلد ۵ میں شامل نہیں ہوسکی تھی۔ نئے ایڈیشن میں یہ نظم شامل کر دی گئی ہے۔

(ہ) جلسہ اعظم مذاہب ۱۸۹۶ء کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تحریر فرمودہ بے مثال مضمون جو ’’اسلامی اصول کی فلاسفی‘‘ کے نام سے اردو اور دوسری زبانوں میں چھپ چکا ہے اس کے اصل مسودہ کے کچھ صفحات کسی وجہ سے شامل اشاعت نہیں ہو سکے تھے انہیں اصل مسودہ سے جو خلافت لائبریری میں موجود ہے نقل کر کے جلد نمبر ۱۰ میں شامل کیا گیا ہے۔

(و) ریویو آف ریلیجنز اردو کا پہلا شمارہ ۹ ؍جنوری ۱۹۰۲ء کو شائع ہوا۔اس میں صفحہ ۹ تا ۳۴ پر مشتمل ’’گناہ کی غلامی سے رہائی پانے کی تدابیر کیا ہیں؟‘‘ کے عنوان سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک بصیرت افروز مضمون شائع ہوا تھا۔اس مضمون کو روحانی خزائن جلد نمبر ۱۸ کے آخر میں کتاب نزول المسیح کے بعد شامل کیا جا رہا ہے۔

(ز) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک سے لکھا ہوا ’’عصمت انبیاء‘‘ کے عنوان سے ایک اور مضمون بھی ریویو آف ریلیجنز اردو مئی ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۷۵ تا ۲۰۹ میں شائع ہوا تھا۔ یہ مضمون اب تک کتابی شکل میں شائع نہیں ہوا۔اسے بھی روحانی خزائن جلد ۱۸ کے آخر میں شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔

اس جلد کی تیاری میں عزیزم محترم حبیب الرحمٰن صاحب زیروی نائب ناظر اشاعت کے ساتھ مکرم محمد یوسف صاحب شاہد، مکرم عمر علی صاحب طاہر، مکرم رشید احمد صاحب طیب، مکرم ظہور احمد صاحب مقبول، مکرم سلطان احمد شاہد صاحب، مکرم ظفر علی صاحب، مکرم ایاز احمد صاحب طاہر، مکرم کلیم احمد صاحب طاہر اور مکرم طاہر محمود احمد صاحب مربیان سلسلہ نے کام کیا احباب ان سب واقفین زندگی کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں

والسلام

سید عبدالحی

ناظر اشاعت

اکتوبر ۲۰۰۸ء

ترتیب

روحانی خزائن جلد ۱۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

تعارف

(از حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ)

روحانی خزائن کی یہ دسویں جلد ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب ’’آریہ دھرم‘‘ ’’ست بچن‘‘ اور ’’اسلامی اصول کی فلاسفی‘‘ پر مشتمل ہے۔ پہلی دو کا زمانۂ تصنیف ۱۸۹۵ء ہے اور تیسری کا ۱۸۹۶ء۔ آریہ دھرم اور ست بچن تقریباً ایک ہی وقت میں لکھی گئی تھیں اور ایک ہی وقت میں شائع ہوئیں۔

آریہ دھرم

’’آریہ دھرم‘‘ کی تالیف کی وجہ یہ ہوئی کہ قادیان کے آریہ سماجیوں نے پادریوں کی نقل کرتے ہوئے سیّد المعصومین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر نہایت گندے اور ناپاک الزامات لگائے اور بذریعہ اشتہار اُن کی اشاعت کی۔ دوسری وجہ یہ ہوئی کہ آپ کو جب یہ معلوم ہوا کہ پنڈت دیانند صاحب آریوں پر زور دے رہے ہیں کہ وہ نیوگ کو اپنی بیویوں اور بہو بیٹیوں میں وید کی شرائط کے موافق رائج کریں تو مسئلہ نیوگ کے متعلق آپؑ نے پوری تحقیق کی۔ اور اپنی تحقیقات کا نتیجہ اس کتاب میں ذکر کیا۔ اور نیوگ کی بُرائیاں اور مفاسد الم نشرح کیں اور تعجب کا اظہار فرمایا کہ نیوگ پر جو صریح زناکاری ہے عمل کرنے والے بھی سیّد المعصومین والمطہرینؐ پر ناپاک الزام لگاتے ہیں۔ اور اسلام کی اخلاقی تعلیم پر معترض ہیں۔ الغرض آپؑ نے اس کتاب میں نیوگ پر تفصیلی بحث کی ہے اور اسلام کے مسئلہ طلاق و متعہ وغیرہ پر آریوں کے اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔ اور فلسفۂ طلاق بیان فرمایا ہے۔

اور آخر کتاب میں مذہبی مباحثات سے متعلق تمام مذاہب سے خطاب کرتے ہوئے گورنمنٹ کی

خدمت میں ایک قانون پاس کرنے یا سرکلر جاری کرنے کے لئے ایک نوٹس اور ایک درخواست کا مضمون بھی لکھا ہے جس پر متعدد صوبہ جات اور مقامات کے مسلمانوں نے دستخط اور مواہیر بھی ثبت کیں اور گورنمنٹ سے یہ التماس کی ہے کہ وہ مذہبی مباحثات کے لئے یہ قانون پاس کرے یا سرکلر جاری کرے کہ اہل مذاہب معترضین دو۲ امر کے ضرور پابند رہیں گے۔ **اوّل** ۔ کوئی معترض ایسا اعتراض دوسرے فرقہ پر نہ کرے جو خود معترض کی اُن کتابوں پر پڑتا ہو جن پر اُس کا ایمان ہے۔ **دوم**۔ اگر کوئی فریق اپنی مسلمہ کُتب کے نام بذریعہ چھپے ہوئے اشتہار کے شائع کردے تو کوئی معترض اُن کتابوں سے باہر نہ جائے۔ اور اگر کوئی اس قانون کی خلاف ورزی کرے۔ تو دفعہ ۲۹۸ تعزیرات ہند میں مندرجہ سزا کا مستوجب ہو۔ مگر قارئین کرام یہ سن کر حیران ہوں گے کہ جس قانون کے نافذ ہونے سے عیسائیوں اور آریوں کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ذات پر اعتراض کرنے سے زبان بند ہوسکتی تھی اس درخواست کی مخالفت مسلمان کہلانے والے مولویوں خصوصاً مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے کی۔ (رسالہ اشاعة السنہ جلد ۱۶ نمبر ۱۲ صفحہ ۳۶۱)

نوٹ:۔ نظم مندرجہ آریہ دھرم صفحہ ۷۵۔۷۷ کے متعلق حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہان پوری وثوق اور یقین سے فرماتے ہیں کہ یہ حضرت میر ناصر نواب صاحب مرحوم کی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نہیں۔ اور حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل فرماتے ہیں کہ مجھے تو یہاں تک یاد پڑتا ہے کہ خود حضرت میر صاحب نے بھی مجھ سے ایسا ذکر کیا تھا۔ اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد نے فرمایا ہم نے بھی ایسا ہی سُنا ہے۔

ست بچن

کتاب ست بچن کی تالیف سے غرض جیسا کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے پنڈت دیانند کے باوانانکؒ پر بے جا الزامات مندرجہ ستیارتھ پرکاش کا رفع دفع کرنا ہے تا آریہ لوگ جنہیں خدا کا خوف نہیں وہ اس حقانی انسان کی راست گفتاری اور راست روی کو غور سے دیکھیں اور ہوسکے تو اُس کے نقشِ قدم پر چلیں۔ دوسرے باوانانکؒ صاحب کا یہ عقیدہ اور مذہب دنیا پر ظاہر کرنا مقصود ہے کہ وہ قول وفعل کے لحاظ سے سچے مسلمان تھے۔ انہوں نے ویدوں سے دستبرداری کا اظہار کیا اور اسلامی عقائد کو اختیار کیا اور اپنے اشعار میں یہ اقرار کیا کہ کلمہ طیبہ **لاالٰہ الّا اللہ محمّد رسول اللہ** ہی مدارنجات ہے اسلام کے مشائخ سے بیعت کی۔ اولیاء کے مقابر پر چلّہ نشینی اختیار کی۔ دو حج کئے۔ اپنے چولہ کو آئندہ نسلوں کے لئے بطور وصیت نامہ چھوڑ گئے۔

چولہ باوانانکؒ

چولہ صاحب باوانانکؒ کے مسلمان ہونے کی ایک عظیم الشان شہادت ہے۔حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کو چولہ صاحب کے متعلق یہ علم ہوا کہ سکھ کتب میں لکھا ہے کہ وہ چولہ آسمان سے اُترا تھااور قدرت کے ہاتھ سے لکھا گیا۔اور یہ کہ اُس پر قرآن لکھا ہوا ہےاور وہ باواصاحب کی ایک مقدس یادگار کےطور پر ڈیرہ بابا نانک میں محفوظ ہے۔تو آپ نے مفصّل تحقیقات کے لئے ایک وفد ڈیرہ بابانانک بھیجا۔(ست بچن۔روحانی خزائن جلد۱۰صفحہ۱۴۴) اُن کی رپورٹ سُننے پر کہ اس پر کلمہ طیّبہ لکھا ہوا ہے۔اور ایسا ہی کئی اور آیات بھی ہیں آپ نے مناسب سمجھا کہ اس تاریخی شہادت کو جو یقینی طور پر باواصاحبؒ کا مسلمان ہونا ثابت کرتی ہے بچشم خود ملاحظہ فرمائیں۔چنانچہ آپ بعد استخارہ مسنونہ ۳۰ رستمبر ۱۸۹۵ء بروز پیر دس۱۰ اصحاب کو اپنے ساتھ لے کر یکّوں پر ڈیرہ بابانانک تشریف لے گئے اور چولہ ملاحظہ فرمایا۔دیکھا کہ واقعی اس پر قرآن کی بعض سورتیں اور آیات اور کلمہ شہادت وغیرہ لکھّی ہیں۔ساتھ جانے والوں کے نام اور چولہ دیکھنے کے تفصیلی کوائف اِس جلد کے صفحہ ۱۵۳۔۱۵۵ پر درج ہیں۔

حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی بعثت کا مقصد دیگر مذاہب پر دین اسلام کی حقیّت وصداقت ثابت کرنا ازل سے مقدّر تھا۔سکھ مذہب اسلام کے کئی سو سال بعد جاری ہوا تھا۔آپؑ کا یہ کام بھی تھا کہ اس نئے مذہب کا بطلان بھی ثابت کرتے۔سو اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے ذریعہ یہ حقیقت ظاہر کردی جو صدہا سال سے مستور تھی کہ ان کے بانی گرو یعنی حضرت بابانانک صاحب گو پیدائشی ہندو تھے لیکن بعد میں مسلمان ہوگئے تھے اور اُن کی مقدس یادگار چولہ صاحب جو وہ بطور وصیت نامہ کے چھوڑ گئے اُن کے مسلمان ہونے کی ایک یقینی اور قطعی شہادت ہے۔حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں مقدّر یہی تھا کہ وہ ہمارے زمانہ تک محفوظ رہے تا ہم باواصاحب کو بے جا الزاموں سے پاک کرکے اُن کا اصل مذہب ظاہر کریں۔اور چولہ پر جو لکھا ہے اُس کا دیکھنا ہم سے پہلے کسی کو نصیب نہیں ہوا۔اور اس وقت تک چولہ باقی رہنے میں یہی حکمت تھی کہ وہ ہمارے وجود کا منتظر تھا۔

پس اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے ذریعہ باوانانکؒ کا مسلمان ہونا ظاہر کردیا۔اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ جب کبھی سکھ قوم سنجیدگی سے اپنے گروہ کا اصل مذہب معلوم کرنے کے لئے تحقیق کرے گی تو اُس پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ درحقیقت اسلام کے شیدائی تھے۔اور یہ کتاب ست بچن اُن کے لئے

حقیقی رہنما کا کام دے گی۔ جیسا کہ پہلے بھی اس کتاب کو پڑھ کر بہت سے سکھ مسلمان ہو چکے ہیں۔ چنانچہ مولوی دوست محمد صاحب شاہد نے بحوالہ اخبار خالصہ سماچار امرتسر مؤرخہ ۸/دسمبر ۱۸۹۹ء واخبار خالصہ چار اردھ شتابدی نمبر ۱۹۵۰ء بحوالہ پیغام صلح ۲/جولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۴ تاریخ احمدیہ جلد اول صفحہ ۵۴۴ حاشیہ نمبر ۳۴۳ میں لکھا ہے:۔

''ایک سکھ بھائی دیر سنگھ ڈی لٹ نے ۱۸۹۹ء میں لکھا تھا کہ ''ست بچن کے اثر سے کئی سکھ شیخ صاحب میں تبدیل ہو چکے ہیں۔''

نیز بحوالہ سوانح عمری پنڈت لیکھرام آریہ مسافر صفحہ ۱۰۱ مصنفہ گنڈا رام بحوالہ ''تحریک احمدیت کا سکھوں پر اثر'' لکھا ہے:۔

''کہ پنڈت لیکھرام نے ذکر اذکار کرتے ہوئے کہا کہ مرزا قادیانی نے اِس چولہ کی جو گورو نانک ملّہ سے ہمراہ لائے تھے کچھ روپے مہنت کو دے کر اس پر سے عربی آیات وغیرہ کی نقل کر لی ہے۔ اب مرزا صاحب گورو نانک جی کو مسلمان قرار دے رہے ہیں۔ معزز سکھوں نے کہا تھا کہ آپ اس کا جواب تحریر کریں تو میں نے اُن سے یہ شرط پیش کی تھی کہ آپ مہنت مذکور سے چولہ لے کر میرے حوالہ کریں۔ میں جلسہ کر کے روبروئے عام لوگوں کے اس کو ماچس لگا کر جلاؤں گا۔ بعد اس کے جواب لکھوں گا انہوں نے مہنت سے چولہ لینے کی معذوری ظاہر کی اور میں نے خاموشی اختیار کی۔'' (تاریخ احمدیت جلد اول صفحہ ۵۳۷۔ جدید ایڈیشن)

سکھ اصحاب پنڈت لیکھرام سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے چولہ صاحب کے متعلق نئی نئی روایات اختراع کرنا شروع کر دیں اور پھر لاجواب ہو کر جنم ساکھی کے نئے ایڈیشن میں جو سمہ ۴۲۸ نانک شاہی میں شائع ہوا چولہ صاحب کے متعلق لکھ دیا کہ

''وہ چولہ آسمان پر اُڑ گیا۔ پھر کبھی نہ آیا''

(جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۴۳۸ مطبوعہ مفید عام پریس لاہور)

اِس کھلی تحریف کے علاوہ جو جنم ساکھی اگلے سال شائع ہوئی اُس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیش کردہ متعدد اقتباسات کو اپنے مطلب کے مطابق تبدیل کر دیا گیا۔ تحریف کا یہ دروازہ کھلنا ہی تھا کہ چند برسوں کے اندر اندر سکھ لٹریچر کا ایسا حلیہ بگڑا کہ خود سکھ وِدّوان پکار اُٹھے۔

''کہ روزانہ نئی نئی بناوٹیں بنا کر سکھ تاریخ میں ناخوشگوار اور عجیب وغریب تبدیلیاں کی جا رہی ہیں۔ سکھ تاریخ کو حسب پسند سانچہ میں (جس کا سچائی سے بالکل کوئی واسطہ ہی نہیں) ڈھالا جا رہا ہے۔''

(ترجمہ از پر نرحصہ دوم صفحہ ۴ بحوالہ ''پیغام صلح'' ۲؍جنوری ۱۹۵۲ء)

اب سکھ جو چاہیں کریں لیکن چولہ صاحب کی یہ کرامت ہے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ تک محفوظ رہا۔ اور چونکہ اس پر قرآنی سورتیں اور آیات لکھی ہوئی ہیں اس لئے آج تک ان میں کوئی تبدیلی بھی نہ کر سکا۔ اور اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتابوں میں اس کا عکس شائع کر کے رہتی دنیا تک کے لئے اُسے محفوظ کر دیا۔ آپ فرماتے ہیں:۔

اُٹھو جلد تر لاؤ **فوٹو گراف** ذرا کھینچو تصویر چولے کی صاف

کہ دنیا کو ہرگز نہیں ہے بقا فنا سب کا انجام ہے جز خُدا

سو لو **عکس جلدی** کہ اب ہے ہراس مگر اُس کی تصویر رہ جائے پاس

یہ نُور خدا ہے خدا سے مِلا ارے جلد آنکھوں سے اپنی لگا

(ست بچن۔ روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۱۷۰)

پس چولے پر جو کچھ لکھا ہوا تھا وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں درج ہو کر ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گیا۔ اب حقائق پر پردہ ڈالنے والوں کی تمام مساعی اور ان کو مسخ کرنے والوں کے سب منصوبے رائیگاں اور بے سود ہیں۔

اور حضرت باوا نانک کے اسلام کی اس قطعی اور یقینی شہادت سے آپؑ کا ایک خواب پورا ہوا جس میں آپؑ نے باوا نانکؒ کو مسلمان دیکھا تھا۔ چنانچہ حضرت اقدس علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''ایک دفعہ میں نے باوا نانک صاحب کو خواب میں دیکھا کہ انہوں نے اپنے تئیں مسلمان ظاہر کیا ہے اور مَیں نے دیکھا کہ ایک ہندو اُن کے چشمہ سے پانی پی رہا ہے۔ میں نے اُس ہندو کو کہا کہ یہ چشمہ گدلا ہے ہمارے چشمہ سے پانی پیو۔ تیس برس کا عرصہ ہوا ہے جبکہ مَیں نے یہ خواب یعنی باوا نانک صاحب کو مسلمان دیکھا اُسی وقت اکثر ہندوؤں کو سُنایا گیا تھا اور مجھے یقین تھا کہ اِس کی کوئی تصدیق پیدا ہو جائے

گی۔ چنانچہ ایک مدّت کے بعد وہ پیشگوئی بکمال صفائی پوری ہوگئی اور تین سو برس کے بعد وہ چولہ ہمیں دستیاب ہوگیا کہ جو ایک صریح دلیل باوا صاحب کے مسلمان ہونے پر ہے۔'' (نزول المسیح۔روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۵۸۱،۵۸۲)

اور فرماتے ہیں:۔

''اور میری خواب میں جو باوا نانک صاحب نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا اِس سے یہی مراد تھی کہ ایک زمانہ میں اُن کا مسلمان ہونا پبلک پر ظاہر ہو جائے گا۔ چنانچہ اِسی امر کے لئے کتاب ست بچن تصنیف کی گئی تھی۔ اور یہ جو میں نے ہندوؤں کو کہا کہ یہ چشمہ گدلا ہے ہمارے چشمہ سے پانی پیو اس سے یہ مراد تھی کہ ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اہلِ ہنود اور سکھوں پر اسلام کی حقانیت صاف طور سے کھل جائے گی اور باوا صاحب کا چشمہ جس کو حال کے سکھّوں نے اپنی کم فہمی سے گدلا بنا رکھا ہے وہ میرے ذریعہ صاف کیا جائے گا اور جس تعلّق کو باوا صاحب نے ہندو قوم سے بڑی مردی اور مردانگی کے ساتھ توڑ دیا تھا وہ توڑنا دوبارہ ثابت کر دیا جائے گا۔''

(نزول المسیح۔روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۵۸۳،۵۸۴)

عیسائیت پر اتمام حجّت

۱۸۹۵ء میں اگر ایک طرف آپؑ نے چولہ باوا نانک کے انکشاف سے ہندوؤں اور سکھوں پر صداقت اسلام کی اتمام حجّت کی تو دوسری طرف مرہم عیسیٰ کے انکشاف سے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زخموں کے لئے واقعہ صلیب کے بعد تیار کی گئی تھی عیسائیت پر اتمام حجّت کی اور بدلائلِ قاطعہ ثابت کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر مرے نہیں تھے بلکہ صلیب سے زندہ اتارے گئے تھے۔ اور اُن کے حواریوں نے اُن کے زخموں کے لئے یہ مرہم تیار کی تھی۔ اس کے بعد وہ اپنے ملک سے نکل گئے اور آخر کشمیر پہنچے اور سری نگر محلّہ خان یار میں اُن کی قبر موجود ہے۔ (الھُدٰی۔روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۳۶۱ تا ۳۷۲۔ نفس مضمون)

اور ظاہر ہے کہ موجودہ عیسائیت کی بنیاد کفارہ پر ہے اور کفارہ کی بنیاد مسیحؑ کی صلیبی موت ہے۔ پس مسیحؑ کے صلیب پر سے زندہ اُترنے اور طبعی وفات پانے کے ثبوت سے موجودہ عیسائیت بالکل باطل ہو جاتی ہے۔ اور مسیحؑ کی سری نگر میں قبر کا انکشاف آپؑ پر اسی سال یعنی ۱۸۹۵ء میں ہوا۔ گو بعد میں اس کے تائیدی

شواہد بہت سے پیدا ہو گئے اور مسیح موعود کی بعثت کا ایک بڑا مقصد جو احادیث میں کسرِ صلیب بیان ہوا تھا وہ پورا ہو گیا۔ **فالحمد للّٰہ علٰی ذالک**

ایک غلطی کا ازالہ

جلد نہم کے آخر میں ہم ’’نور القرآن نمبر۲‘‘ کے بعض ایڈیشنوں کی نقل کرتے ہوئے رسالہ ’’فطرتی معیار سے مذاہب کا مقابلہ‘‘ نور القرآن نمبر۲ کے بعد شائع کر دیا لیکن درحقیقت یہ رسالہ ’’ست بچن‘‘ کا حصّہ ہے (دیکھو صفحہ ۲۷۶ جلد ہذا) اس لئے اس رسالہ کو مع حاشیہ متعلقہ جس کا عنوان ہے ’’مرہم حواریین جس کا دوسرا نام مرہم عیسٰی‘‘ بھی ہے۔ اس جلد میں ہم دوبارہ شائع کر رہے ہیں۔

اِسلامی اصول کی فلاسفی

ایک صاحب سوامی سادھو شوگن چندر نامی جو تین چار سال تک ہندوؤں کی کائستھ قوم کی اصلاح و خدمت کا کام کرتے رہے تھے ۱۸۹۲ء میں انہیں یہ خیال آیا کہ جب تک سب لوگ اکٹھے نہ ہوں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ آخر انہیں ایک مذہبی کانفرنس کے انعقاد کی تجویز سوجھی۔ چنانچہ اس نوعیت کا پہلا جلسہ اجمیر میں ہوا۔ اس کے بعد وہ ۱۸۹۶ء میں دوسری کانفرنس کے لئے لاہور کی فضا کو موزوں سمجھ کر اس کی تیاری میں لگ گئے۔

سوامی صاحب نے اس مذہبی کانفرنس کے انتظامات کے لئے ایک کمیٹی بنائی جس کے پریذیڈنٹ ماسٹر درگا پرشاد اور چیف سیکرٹری چیف کورٹ لاہور کے ایک ہندو پلیڈر لالہ دھنپت رائے بی۔اے، ایل ایل بی تھے۔ کانفرنس کے لئے ۲۶، ۲۷، ۲۸ دسمبر ۱۸۹۶ء کی تاریخیں قرار پائیں اور جلسہ کی کارروائی کے لئے مندرجہ ذیل چھ موڈریٹر صاحبان نامزد کئے گئے۔

۱۔ رائے بہادر بابو پرتول چند صاحب جج چیف کورٹ پنجاب

۲۔ خان بہادر شیخ خدا بخش صاحب جج سمال کاز کورٹ لاہور

۳۔ رائے بہادر پنڈت رادھا کشن صاحب کول پلیڈر چیف کورٹ سابق گورنر جموں

۴۔ حضرت مولوی حکیم نور الدین رضی اللہ عنہ صاحب طبیب شاہی

۵۔رائے بھوانی داس صاحب ایم۔اے اکسٹرا اسیٹلمنٹ آفیسر جہلم
۶۔جناب سردار جواہر سنگھ صاحب سیکرٹری خالصہ کمیٹی لاہور۔
(رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب صفحہ ''ب'' مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور ۱۸۹۷ء)

سوامی شوگن چندر صاحب نے کمیٹی کی طرف سے جلسہ کا اشتہار دیتے ہوئے مسلمانوں، عیسائیوں اور آریہ صاحبان کو قسم دی کہ اُن کے نامی علماء ضرور اس جلسہ میں اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان فرمائیں۔ اور لکھا کہ جو جلسۂ اعظم مذاہب کا بمقام لاہور ٹاؤن ہال قرار پایا ہے اس کی اغراض یہی ہیں کہ سچے مذہب کے کمالات اور خوبیاں ایک عام مجمع مہذبین میں ظاہر ہو کر اُس کی محبت دلوں میں بیٹھ جائے اور اُس کے دلائل اور براہین کو لوگ بخوبی سمجھ لیں۔ اور اس طرح ہر ایک مذہب کے بزرگ واعظ کو موقع ملے کہ وہ اپنے مذہب کی سچائیاں دوسرے کے دلوں میں بٹھا دے اور سننے والوں کو بھی یہ موقع حاصل ہو کہ وہ ان سب بزرگوں کے مجمع میں ہر ایک تقریر کا دوسرے کی تقریر کے ساتھ موازنہ کریں اور جہاں حق کی چمک پاویں اُس کو قبول کر لیں۔

اور آج کل مذاہب کے جھگڑوں کی وجہ سے دلوں میں سچے مذہب کے معلوم کرنے کی خواہش بھی پائی جاتی ہے اور اس کے لئے احسن طریق یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمام بزرگانِ مذہب جو وعظ اور نصیحت اپنا شیوہ رکھتے ہیں ایک مقام میں جمع ہوں اور اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں سوالات مشتہرہ کی پابندی سے بیان فرمائیں۔ پس اس مجمع اکابر مذاہب میں جو مذہب سچے پرمیشر کی طرف سے ہوگا ضرور وہ اپنی نمایاں چمک دکھلائے گا۔ اسی غرض سے اس جلسہ کی تجویز ہوئی ہے اور ہر ایک قوم کے بزرگ واعظ خوب جانتے ہیں کہ اپنے مذہب کی سچائی ظاہر کرنا اُن پر فرض ہے۔ پس جس حالت میں اِس غرض کے لئے یہ جلسہ انعقاد پایا ہے کہ سچائیاں ظاہر ہوں تو خدا تعالیٰ نے ان کو اِس غرض کے ادا کرنے کا اب خوب موقع دیا ہے جو ہمیشہ انسان کے اختیار میں نہیں ہوتا۔

پھر انہیں ترغیب دیتے ہوئے لکھا:۔

''کیا میں قبول کر سکتا ہوں کہ جو شخص دوسروں کو ایک مہلک بیماری میں خیال کرتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اُس کی سلامتی میری دوا میں ہے اور بنی نوع کی ہمدردی کا دعویٰ بھی کرتا ہے وہ ایسے موقعہ میں جو غریب بیمار اس کو علاج کے لئے بلاتے ہیں وہ دانستہ پہلو تہی کرے؟ میرا دل اِس بات کے لئے تڑپ رہا ہے کہ یہ فیصلہ ہو جائے کہ کونسا

مذہب درحقیقت سچائیوں اور صداقتوں سے بھرا ہوا ہے۔ اور میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن کے ذریعہ میں اپنے اس سچے جوش کو بیان کرسکوں۔''

اِس مذہبی کانفرنس یا جلسہ اعظم مذاہب لاہور میں شمولیت کے لئے مختلف مذاہب کے نمائندوں نے سوامی صاحب کی دعوت قبول کی اور دسمبر ۱۸۹۶ء کے بڑے دن کی تعطیلات میں بمقام لاہور ایک جلسۂ اعظم مذاہب منعقد ہوا جس میں مختلف مذاہب کے نمائندوں نے کمیٹی جلسہ کی طرف سے اعلان کردہ پانچ سوالوں پر تقریریں کیں جو کمیٹی کی طرف سے بغرض جوابات پہلے شائع کر دیئے گئے تھے اور اُن کے جوابات کے لئے کمیٹی کی طرف سے یہ شرط لگائی گئی تھی کہ تقریر کرنے والا اپنے بیان کو حتّی الامکان اس کتاب تک محدود رکھے جس کو وہ مذہبی طور سے مقدس مان چکا ہے۔

سوالات یہ تھے:۔

۱۔ انسان کی جسمانی، اخلاقی اور رُوحانی حالتیں۔

۲۔ انسان کی زندگی کے بعد کی حالت یعنی عقبیٰ۔

۳۔ دنیا میں انسان کی ہستی کی اصل غرض کیا ہے اور وہ غرض کس طرح پوری ہوسکتی ہے؟

۴۔ کرم یعنی اعمال کا اثر دنیا اور عاقبت میں کیا ہوتا ہے؟

۵۔ علم یعنی گیان اور معرفت کے ذرائع کیا کیا ہیں؟

(رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب صفحہ ''ب'' مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور ۱۸۹۷ء)

اِس جلسہ میں جو ۲۶؍دسمبر سے ۲۹؍دسمبر تک ہوا سناتن دھرم، ہندوازم، آریہ سماج، فری تھنکر، برہموسماج، تھیوسوفیکل سوسائٹی، ریلیجن آف ھارمنی، عیسائیت، اسلام اور سکھ ازم کے نمائندوں نے تقریریں کیں لیکن ان تمام تقاریر میں سے صرف ایک ہی تقریر ان سوالات کا حقیقی اور مکمل جواب تھی۔ جس وقت یہ تقریر حضرت مولوی عبدالکریم ؓ سیالکوٹی نہایت خوش الحانی کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔ اُس وقت کا سماں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ کسی مذہب کا کوئی شخص نہیں تھا جو بے اختیار تحسین وآفرین کا نعرہ بلند نہ کررہا ہو۔ کوئی شخص نہ تھا جس پر وجد اور محویّت کا عالم طاری نہ ہو۔ طرزِ بیان نہایت دلچسپ اور ہر دلعزیز تھا۔ اس سے بڑھ کر اس مضمون کی خوبی اور کیا دلیل ہوگی کہ مخالفین تک عش عش کررہے تھے۔ مشہور ومعروف انگریزی اخبار سول ملٹری گزٹ لاہور نے باوجود عیسائی ہونے کے صرف اِسی مضمون کی اعلیٰ درجہ کی تعریف لکھی اور اِسی کو قابلِ تذکرہ بیان کیا۔

یہ مضمون حضرت مرزا غلام احمدؑ صاحب قادیانی بانئ جماعت احمدیہ کا لکھا ہوا تھا۔اس مضمون کے مقررہ وقت میں جو دو گھنٹہ تھا ختم نہ ہونے کی وجہ سے ۲۹ ؍ دسمبر کا دن بڑھایا گیا۔''پنجاب آبزرور'' نے اس مضمون کی توصیف میں کالموں کے کالم بھر دیئے۔ پیسہ اخبار، چودھویں صدی، صادق الاخبار، مخبر دکن واخبار ''جنرل وگوہر آصفی'' کلکتہ وغیرہ تمام اخبارات بالاتفاق اِس مضمون کی تعریف وتوصیف میں رطبُ اللّسان ہوئے۔غیر اقوام اور غیر مذاہب والوں نے اس مضمون کو سب سے بالاتر مانا۔ اِس مذہبی کانفرنس کے سیکرٹری دھنپت رائے بی۔اے،ایل ایل بی پلیڈر چیف کورٹ پنجاب کتاب''رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب'' (دھرم مہوتسو) میں اِس تقریر سے متعلق لکھتے ہیں:۔

''پنڈت گوردھن داس صاحب کی تقریر کے بعد نصف گھنٹہ کا وقفہ تھا۔لیکن چونکہ بعد از وقفہ ایک نامی وکیل اسلام کی طرف سے تقریر کا پیش ہونا تھا اس لئے اکثر شائقین نے اپنی اپنی جگہ کو نہ چھوڑا۔ ڈیڑھ بجے میں ابھی بہت سا وقت رہتا تھا کہ اسلامیہ کالج کا وسیع مکان جلد جلد بھرنے لگا اور چند ہی منٹوں میں تمام مکان پُر ہوگیا۔ اس وقت کوئی سات اور آٹھ ہزار کے درمیان مجمع تھا۔مختلف مذاہب ومِلل اور مختلف سوسائٹیوں کے معتدبہ اور ذی علم آدمی موجود تھے اگرچہ کُرسیاں اور میزیں اور فرش نہایت ہی وسعت کے ساتھ مہیّا کیا گیا لیکن صدہا آدمیوں کو کھڑا ہونے کے سوا اور کچھ نہ بن پڑا۔ اور ان کھڑے ہوئے شائقینوں میں بڑے بڑے رؤساء، عمائد پنجاب،علماء،فضلاء، بیرسٹر، وکیل، پروفیسر، اکسٹرا اسسٹنٹ،ڈاکٹر، غرض کہ اعلیٰ طبقہ کے مختلف برانچوں کے ہر قسم کے آدمی موجود تھے۔اوران لوگوں کے اس طرح جمع ہو جانے اور نہایت صبر وتحمل کے ساتھ جوش سے برابر پانچ چار گھنٹہ اس وقت ایک ٹانگ پر کھڑا رہنے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ان ذی جاہ لوگوں کو کہاں تک اس مقدس تحریک سے ہمدردی تھی مصنّف تقریر اصالتاً تو شریک جلسہ نہ تھے۔لیکن خود انہوں نے اپنے ایک شاگردِ خاص جناب **مولوی عبدالکریم** صاحب سیالکوٹی مضمون پڑھنے کے لئے بھیجے ہوئے تھے۔اِس مضمون کے لئے اگرچہ کمیٹی کی طرف سے صرف دو گھنٹے ہی تھے۔لیکن حاضرین جلسہ کو عام طور پر اس سے کچھ ایسی دلچسپی پیدا ہوگئی کہ موڈریٹر

صاحبان نے نہایت جوش اور خوشی کے ساتھ اجازت دی کہ جب تک یہ مضمون ختم نہ ہو تب تک کارروائی جلسہ کو ختم نہ کیا جاوے۔ اُن کا ایسا فرمانا عین اہلِ جلسہ اور حاضرین جلسہ کی منشا کے مطابق تھا۔ کیونکہ جب وقتِ مقررہ کے گذرنے پر مولوی ابو یوسف مبارک علی صاحب نے اپنا وقت بھی اس مضمون کے ختم ہونے کے لئے دے دیا تو حاضرین اور موڈریٹر صاحبان نے ایک نعرہ خوشی سے مولوی صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ جلسہ کی کارروائی ساڑھے چار بجے ختم ہو جانی تھی لیکن عام خواہش کو دیکھ کر کارروائی جلسہ ساڑھے پانچ بجے کے بعد تک جاری رکھنی پڑی کیونکہ یہ مضمون قریباً چار گھنٹہ میں ختم ہوا اور شروع سے اخیر تک یکساں دلچسپی و مقبولیت اپنے ساتھ رکھتا تھا۔'' (رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب صفحہ ۷۹، ۸۰ مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور ۱۸۹۷ء)

عجب بات یہ ہے کہ جلسہ کے انعقاد سے قبل ۲۱ دسمبر ۱۸۹۶ء کو حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے اپنے مضمون کے غالب رہنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر ایک اشتہار شائع کیا جس کی نقل درج ذیل ہے۔

''سچائی کے طالبوں کے لئے ایک عظیم الشان خوشخبری''

جلسہ☆ اعظم مذاہب جو لاہور ٹاؤن ہال میں ۲۶، ۲۷، ۲۸ دسمبر ۱۸۹۶ء کو ہوگا۔ اُس میں اس عاجز کا ایک مضمون قرآن شریف کے کمالات اور معجزات کے بارہ میں پڑھا جائے گا۔ یہ وہ مضمون ہے جو انسانی طاقتوں سے برتر اور خدا کے نشانوں میں سے ایک نشان اور خاص اُس کی تائید سے لکھا گیا ہے۔ اِس میں قرآن شریف کے وہ حقائق اور معارف درج ہیں جن سے آفتاب کی طرح روشن ہو جائے گا کہ درحقیقت

☆ حاشیہ سوامی شوگن چند صاحب نے اپنے اشتہار میں مسلمانوں اور عیسائی صاحبان اور آریہ صاحبوں کو قسم دی تھی کہ ان کے نامی علماء اس جلسہ میں اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں ضرور بیان فرمادیں۔ سو ہم سوامی صاحب کو اطلاع دیتے ہیں کہ ہم اس بزرگ قسم کی عزت کے لئے آپ کے منشا کو پورا کرنے کے لئے تیار ہوگئے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ ہمارا مضمون آپ کے جلسہ میں پڑھا جائے گا۔ اسلام وہ مذہب ہے جو خدا تعالیٰ کا نام درمیان میں آنے سے سچے مسلمان کو کامل اطاعت کی ہدایت فرماتا ہے لیکن اب ہم دیکھیں گے کہ آپ کے بھائی آریوں اور پادریوں صاحبوں کو اپنے پرمیشر یا یسوع کی عزت کا کس قدر پاس ہے اور وہ ایسے عظیم الشان قدوس کے نام پر حاضر ہونے کے لئے مستعد ہیں یا نہیں؟ منه

یہ خدا کا کلام اور ربّ العالمین کی کتاب ہے اور جو شخص اس مضمون کو اوّل سے آخر تک پانچوں سوالوں کے جواب سُنے گا میں یقین کرتا ہوں کہ ایک نیا ایمان اس میں پیدا ہوگا اور ایک نیا نور اُس میں چمک اُٹھے گا اور خدا تعالیٰ کے پاک کلام کی ایک **جامع تفسیر** اُس کے ہاتھ آ جائے گی۔ میری تقریر انسانی فضولیوں سے پاک اور لاف وگزاف کے داغ سے منزّہ ہے۔ مجھے اس وقت محض بنی آدم کی ہمدردی نے اِس اشتہار کے لکھنے کے لئے مجبور کیا ہے تا وہ قرآن شریف کے حسن و جمال کا مشاہدہ کریں اور دیکھیں کہ ہمارے مخالفوں کا کس قدر ظلم ہے کہ وہ تاریکی سے محبت کرتے اور نُور سے نفرت رکھتے ہیں۔ مجھے خدائے علیم نے الہام سے مطلع فرمایا ہے کہ یہ وہ مضمون ہے **جو سب پر غالب آئے گا** اور اس میں سچائی اور حکمت اور معرفت کا وہ نور ہے جو دوسری قومیں بشرطیکہ حاضر ہوں اور اس کو اوّل سے آخر تک سُنیں شرمندہ ہو جائیں گی۔ اور ہرگز قادر نہیں ہوں گی کہ اپنی کتابوں کے یہ کمال دکھلا سکیں۔ خواہ وہ عیسائی ہوں خواہ آریہ خواہ سناتن دھرم والے یا کوئی اور۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ اس روز اُس پاک کتاب کا جلوہ ظاہر ہو۔ میں نے **عالم کشف** میں اس کے متعلق دیکھا کہ میرے محل پر غیب سے ایک ہاتھ مارا گیا اور اُس کے چھونے سے اُس محل میں سے ایک نُور ساطعہ نکلا جو اردگرد پھیل گیا اور میرے ہاتھوں پر بھی اُس کی روشنی ہوئی۔ تب ایک شخص جو میرے پاس کھڑا تھا وہ بلند آواز سے بولا۔ **اَللّٰہُ اَکْبَر خَرِبَتْ خَیْبَر** اِس کی یہ تعبیر ہے کہ اس محل سے میرا دل مراد ہے جو جائے نزول وحلولِ انوار ہے۔ اور وہ نُورانی معارف ہیں اور خیبر سے مراد تمام خراب مذہب ہیں جن میں شرک اور باطل کی ملونی ہے اور انسان کو خدا کی جگہ دی گئی۔ یا خدا کی صفات کو اپنے کامل محل سے نیچے گرا دیا ہے۔ سو مجھے جتلایا گیا کہ اس مضمون کے خوب پھیلنے کے بعد جھوٹے مذہبوں کا جھوٹ کھل جائے گا۔ اور قرآنی سچائی دن بدن زمین پر پھیلتی جائے گی جب تک کہ اپنا دائرہ پورا کرے۔ پھر میں اُس کشفی حالت سے الہام کی طرف منتقل کیا گیا اور مجھے یہ الہام ہوا۔ **اِنَّ اللّٰہَ مَعَکَ اِنَّ اللّٰہَ یَقُوْمُ اَیْنَمَا قُمْتَ**. یعنی خدا تیرے ساتھ ہے۔

اور خدا وہیں کھڑا ہوتا ہے جہاں تُو کھڑا ہو۔ یہ حمایتِ الٰہی کے لئے ایک استعارہ ہے۔ اب میں زیادہ لکھنا نہیں چاہتا۔ ہر ایک کو یہی اطلاع دیتا ہوں کہ اپنا اپنا حرج بھی کر کے اِن معارف کے سننے کے لئے ضرور بمقام لاہور تاریخ جلسہ پر آویں کہ اُن کی عقل اور ایمان کو اس سے وہ فائدے حاصل ہوں گے کہ وہ گمان نہیں کر سکتے ہوں گے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان

۲۱؍دسمبر ۱۸۹۶ء

(مجموعہ اشتہار۔ جلد نمبر ۱ صفحہ ۶۱۴، ۶۱۵۔ شائع کردہ نظارت اشاعت ربوہ)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بطور نمونہ دو تین اخبارات کی آراء ذیل میں درج کر دی جائیں۔

سول اینڈ ملٹری گزٹ (لاہور) نے لکھا:۔

''اِس جلسہ میں سامعین کو دلی اور خاص دلچسپی **میرزا غلام احمدؑ قادیانی** کے لیکچر کے ساتھ تھی جو اسلام کی حمایت وحفاظت میں ماہر کامل ہیں۔ اس لیکچر کے سُننے کے لئے دُور ونزدیک سے مختلف فرقوں کا ایک جمِّ غفیر اُمڈ آیا تھا۔ اور چونکہ مرزا صاحب خود تشریف نہیں لا سکتے تھے اس لئے یہ لیکچر اُن کے ایک لائق شاگرد منشی عبدالکریم صاحب فصیح سیالکوٹی نے پڑھ کر سُنایا۔ ۲۷؍تاریخ کو یہ لیکچر تین گھنٹہ تک ہوتا رہا اور عوام الناس نے نہایت ہی خوشی اور توجّہ سے اس کو سُنا لیکن ابھی صرف ایک سوال ختم ہوا۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے وعدہ کیا کہ اگر وقت ملا تو باقی حصہ بھی سُنا دوں گا اِس لئے مجلس انتظامیہ اور صدر نے یہ تجویز منظور کر لی کہ ۲۹؍دسمبر کا دن بڑھا دیا جائے۔'' (ترجمہ)

اخبار ''چودھویں صدی'' (راولپنڈی) نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے اِس لیکچر پر مندرجہ ذیل تبصرہ کیا:۔

''ان لیکچروں میں سب سے عمدہ لیکچر جو جلسہ کی رُوح رواں تھا **مرزا غلام احمد صاحب قادیانی** کا لیکچر تھا جس کو مشہور فصیح البیان مولوی عبدالکریم صاحب

سیالکوٹی نے نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے پڑھا یہ لیکچر دو دن میں تمام ہوا۔ ۲۷ر دسمبر قریباً چار گھنٹے اور ۲۹ر دسمبر کو دو گھنٹے تک ہوتا رہا۔ کل چھ گھنٹے میں یہ لیکچر تمام ہوا۔ جو حجم میں ۱۰۰ صفحے کلاں تک ہوگا۔ غرضیکہ مولوی عبدالکریم صاحب نے یہ لیکچر شروع کیا اور کیسا شروع کیا کہ تمام سامعین لٹو ہو گئے۔ فقرہ فقرہ پر صدائے آفرین وتحسین بلند تھی اور بسا اوقات ایک ایک فقرہ کو دوبارہ پڑھنے کے لئے حاضرین کی طرف سے فرمائش کی جاتی تھی عمر بھر ہمارے کانوں نے ایسا خوش آئند لیکچر نہیں سُنا دیگر مذاہب میں سے جتنے لوگوں نے لیکچر دیئے سچ تو یہ ہے کہ وہ جلسہ کے مستفسرہ سوالوں کے جواب بھی نہیں تھے عموماً سپیکر صرف چوتھے سوال پر ہی رہے اور باقی سوالوں کو انہوں نے بہت ہی کم مَــسّ کیا اور زیادہ تر اصحاب تو ایسے بھی تھے جو بولتے تو بہت تھے مگر اُس میں جاندار بات کوئی نہیں تھی۔ بجز مرزا صاحب کے لیکچر کے جو اِن سوالوں کا علیحدہ علیحدہ مفصّل اور مکمّل جواب تھا اور جس کو حاضرین جلسہ نے نہایت ہی توجہ اور دلچسپی سے سُنا اور بڑا بیش قیمت اور عالی قدر خیال کیا۔

ہم مرزا صاحب کے مرید نہیں ہیں اور نہ اُن سے ہم کو کوئی تعلق ہے لیکن انصاف کا خون ہم کبھی نہیں کر سکتے۔ اور نہ کوئی سلیم الفطرت اور صحیح کانشنس اس کو روا رکھ سکتا ہے۔ مرزا صاحب نے کل سوالوں کے جواب (جیسا کہ مناسب تھا) قرآن شریف سے دیئے اور تمام بڑے بڑے اصول اور فروعاتِ اسلام کو دلائلِ عقلیہ سے اور براہینِ فلسفہ کے ساتھ مبرہن اور مزیّن کیا۔ پہلے عقلی دلائل سے الٰہیات کے مسئلہ کو ثابت کرنا اور اس کے بعد کلامِ الٰہی کو بطور حوالہ پڑھنا ایک عجیب شان دکھاتا تھا۔

مرزا صاحب نے نہ صرف مسائلِ قرآن کی فلاسفی بیان کی بلکہ الفاظِ قرآن کی فلالوجی اور فلاسوفی بھی ساتھ ساتھ بیان کر دی۔ غرضیکہ مرزا صاحب کا لیکچر بہ ہیئت مجموعی ایک مکمّل اور حاوی لیکچر تھا جس میں بے شمار معارف وحقائق وحکم واسرار کے موتی چمک رہے تھے اور فلسفۂ الٰہیہ کو ایسے ڈھنگ سے بیان کیا گیا تھا کہ تمام

اہلِ مذاہب ششدر رہ گئے کسی شخص کے لیکچر کے وقت اتنے آدمی جمع نہیں تھے جتنے کہ مرزا صاحب کے لیکچر کے وقت تمام ہال اوپر نیچے سے بھر رہا تھا۔ اور سامعین ہمہ تن گوش ہو رہے تھے۔ مرزا صاحب کے لیکچر کے وقت اور دیگر سپیکروں کے لیکچروں میں امتیاز کے لئے اس قدر کہنا کافی ہے کہ مرزا صاحب کے لیکچر کے وقت خلقت اس طرح آ آ کر گری جیسے شہد پر مکّھیاں۔ مگر دوسرے لیکچروں کے وقت بوجہ بے لطفی بہت سے لوگ بیٹھے بیٹھے اُٹھ جاتے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا لیکچر بالکل معمولی تھا وہی ملاّئی خیالات تھے جن کو ہم لوگ ہر روز سُنتے ہیں۔ اس میں کوئی عجیب وغریب بات نہ تھی اور مولوی صاحب موصوف کے دوسرے لیکچر کے وقت کئی شخص اُٹھ کر چلے گئے تھے۔ مولوی صاحب ممدوح کو اپنا لیکچر پورا کرنے کے لئے چند منٹ زائد کی اجازت بھی نہیں دی گئی۔''

(اخبار ''چودھویں صدی'' راولپنڈی بمطابق یکم فروری ۱۸۹۷ء)

اخبار ''جنرل وگوہر آصفی'' کلکتہ نے ۲۴؍جنوری ۱۸۹۷ء کی اشاعت میں ''جلسہ اعظم منعقدہ لاہور'' اور ''فتح اسلام'' کے دوہرے عنوان سے لکھا:۔

''پیشتر اس کے کہ ہم کارروائی جلسہ کی نسبت گفتگو کریں ہمیں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ہمارے اخبار کے کالموں میں جیسا کہ اُس کے ناظرین پر واضح ہوگا یہ بحث ہو چکی ہے کہ اس جلسہ اعظم مذاہب میں اسلامی وکالت کے لئے سب سے زیادہ لائق کون شخص تھا۔ **ہمارے ایک معزز نامہ نگار صاحب نے سب سے پہلے خالی الذہن ہو کر اور حق کو مدّنظر رکھ کر حضرت مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان کو اپنی رائے میں منتخب فرمایا تھا** جس کے ساتھ ہمارے ایک اور مکرّم مخدوم نے اپنی مراسلت میں تواردًا اتفاق ظاہر کیا تھا جناب مولوی سید محمد فخر الدین صاحب فخر نے بڑے زور کے ساتھ اس انتخاب کی نسبت جو

اپنی آزاد مدلّل اور بیش قیمت رائے پبلک کے پیش فرمائی تھی اُس میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان، جناب سرسید احمد صاحب آف علی گڑھ کو انتخاب فرمایا تھا اور ساتھ ہی اس اسلامی وکالت کا قرعہ حضرات ذیل کے نام نکالا تھا۔ جناب مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی، جناب مولوی حاجی سید محمد علی صاحب کانپوری اور مولوی احمد حسین صاحب عظیم آبادی، یہاں یہ ذکر کر دینا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ ہمارے ایک لوکل اخبار کے ایک نامہ نگار نے جناب مولوی عبدالحق صاحب دہلوی مصنّف تفسیر حقّانی کو اس کام کیلئے منتخب فرمایا تھا۔‘‘

اِس کے بعد سوامی شوگن چندر کے اشتہار سے اُس حصّہ کو نقل کر کے جس میں انہوں نے علمائے مذاہب مختلفہ ہند کو بہت عار دلا دلا کر اپنے اپنے مذہب کے جوہر دکھلانے کے لئے طلب کیا تھا۔ یہ اخبار لکھتا ہے:۔

’’اِس جلسے کے اشتہاروں وغیرہ کے دیکھنے اور دعوتوں کے پہنچنے پر رُکن رُکن **علمائے ہند کی رگِ حمیّت نے مقدس دینِ اسلام کی وکالت کے لئے جوش دکھایا** اور کہاں تک انہوں نے اسلامی حمایت کا بیڑہ اُٹھا کر حجج و براہین کے ذریعے فرقانی ہیبت کا سکّہ غیر مذاہب کے دل پر بٹھانے کے لئے کوشش کی ہے۔

ہمیں معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ کارکنانِ جلسہ نے خاص طور پر حضرت مرزا غلام احمد صاحب اور سرسید احمد صاحب کو شریک جلسہ ہونے کے لئے خط لکھا تھا حضرت مرزا صاحب تو علالت طبع کی وجہ سے بنفسِ نفیس شریک جلسہ نہ ہو سکے۔ مگر اپنا مضمون بھیج کر اپنے ایک شاگردِ خاص جناب مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کو اس کی قراءت کے لئے مقرر فرمایا۔ لیکن جناب سرسیّد نے شریک جلسہ ہونے اور مضمون بھیجنے سے کنارہ کشی فرمائی۔ یہ اس بنا پر نہ تھا کہ وہ معمّر ہو چکے ہیں اور ایسے جلسوں میں شریک ہونے کے قابل نہ رہے ہیں۔ اور نہ اس بنا پر تھا کہ اُنہی ایّام میں ایجوکیشنل کانفرنس کا انعقاد میرٹھ میں مقرر ہو چکا تھا بلکہ یہ اِس بنا پر تھا کہ مذہبی جلسے

اُن کی توجہ کے قابل نہیں کیونکہ انہوں نے اپنی چٹھی میں جس کو ہم انشاء اللہ تعالیٰ اپنے اخبار میں کسی اور وقت درج کریں گے صاف لکھ دیا ہے کہ وہ کوئی واعظ یا ناصح یا مولوی نہیں ۔ یہ کام واعظوں اور ناصحوں کا ہے۔ جلسے کے پروگرام کے دیکھنے اور نیز تحقیق کرنے سے ہمیں یہ پتہ ملا ہے کہ جناب مولوی سید محمد علی صاحب کانپوری، جناب مولوی عبدالحق صاحب دہلوی اور جناب مولوی احمد حسین صاحب عظیم آبادی نے اس جلسہ کی طرف کوئی جوشیلی توجہ نہیں فرمائی اور نہ ہمارے مقدس زمرۂ علماء میں سے کسی اور لائق فرد نے اپنا مضمون پڑھنے یا پڑھوانے کا عزم بتایا۔ ہاں دو ایک عالم صاحبوں نے بڑی ہمت کر کے **مانحن فیھا** میں قدم رکھا۔ مگر اُلٹا۔ اس لئے انہوں نے یا تو مقرر کردہ مضامین پر کوئی گفتگو نہ کی یا بے سروپا کچھ ہانک دیا۔ جیسا کہ ہماری آئندہ رپورٹ سے واضح ہوگا۔ غرض جلسہ کی کارروائی سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ **صرف حضرت مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان تھے جنہوں نے اِس میدانِ مقابلہ میں اسلامی پہلوانی کا پورا حق ادا فرمایا ہے اور اس انتخاب کو راست کیا ہے جو خاص آپ کی ذات کو اسلامی وکیل مقرر کرنے** میں پشاور۔ راولپنڈی۔ جہلم۔ شاہ پور۔ بھیرہ۔ خوشاب۔ سیالکوٹ۔ جموں۔ وزیر آباد۔ لاہور۔ امرتسر۔ گورداسپور۔ لدھیانہ۔ شملہ۔ دہلی۔ انبالہ۔ ریاست پٹیالہ۔ کپورتھلہ۔ ڈیرہ دون۔ الہ آباد۔ مدراس۔ بمبئی۔ حیدر آباد دکن۔ بنگلور وغیرہ بلاد ہند کے مختلف اسلامی فرقوں سے وکالت ناموں کے ذریعہ مزیّن بدستخط ہو کر وقوع میں آیا تھا۔ حق تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ **اگر اس جلسے میں حضرت مرزا صاحب کا مضمون نہ ہوتا تو اسلامیوں پر غیر مذاہب والوں کے روبرو ذلّت و ندامت کا قشقہ لگتا۔ مگر خدا تعالیٰ کے زبردست ہاتھ نے مقدس اسلام کو گرنے سے بچا لیا۔ بلکہ اُس کو اِس مضمون کی بدولت ایسی فتح نصیب فرمائی کہ موافقین تو موافقین**

مخالفین بھی سچی فطرتی جوش سے کہہ اُٹھے کہ یہ مضمون سب پر بالا ہے۔ بالا ہے۔صرف اسی قدر نہیں بلکہ اختتام مضمون پر حق الامر معاندین کی زبان پر یوں جاری ہو چکا کہ اب اسلام کی حقیقت کھلی اور اسلام کو فتح نصیب ہوئی۔ جو انتخابِ تیر بہدف کی طرح روزِ روشن میں ٹھیک نکلا۔اب اس کی مخالفت میں دم زدن کی گنجائش ہے ہی نہیں۔ بلکہ وہ ہمارے فخر و ناز کا موجب ہے اس لئے اِس میں اسلامی شوکت ہے۔اور اِسی میں اسلامی عظمت اور حق بھی یہی ہے۔

اگر چہ جلسہ اعظم مذاہب کا ہند میں یہ دوسرا اجلاس تھا لیکن اِس نے اپنی شان وشوکت اور جاہ وعظمت کی رُو سے سارے ہندوستانی کانگرسوں اور کانفرنسوں کو مات کر دیا ہے ہندوستان کے مختلف بلاد کے رؤساء اِس میں شریک ہوئے اور ہم بڑی خوشی کے ساتھ یہ ظاہر کیا چاہتے ہیں کہ ہمارے مدراس نے بھی اِس میں حصہ لیا ہے جلسہ کی دلچسپی یہاں تک بڑھی کہ مشتہرہ تین دن پر ایک دن بڑھانا پڑا۔انعقاد جلسہ کے لئے کارکن کمیٹی نے لاہور میں سب سے بڑی وسعت کا مکان اسلامیہ کالج تجویز کیا لیکن خلقِ خدا کا اژدہام اس قدر تھا کہ مکان کی (وسعت) غیر مکتفی ثابت ہوئی۔جلسہ کی عظمت کا یہ کافی ثبوت ہے کہ کل پنجاب کے عمائدین کے علاوہ چیف کورٹ اور ہائی کورٹ الہ آباد کے آنریبل ججز بابو پرتول چندر صاحب اور مسٹر بینر جی نہایت خوشی سے شریک جلسہ ہوئے۔‘‘

یہ مضمون پہلے ’’رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب‘‘ لاہور میں من وعن شائع ہوا۔اور جماعت احمدیہ کی طرف سے ’’اسلامی اصول کی فلاسفی‘‘ کے عنوان کے ماتحت کتابی صورت میں اس کے کئی ایڈیشن اردو اور انگریزی میں شائع ہو چکے ہیں۔علاوہ ازیں اس کا ترجمہ فرانسیسی۔ڈچ۔سپینش۔عربی۔جرمن وغیرہ زبانوں میں بھی شائع ہو چکا ہے۔اور اِس پر بڑے بڑے فلاسفروں اور غیر ملکی اخبارات ورسائل کے ایڈیٹروں نے بھی نہایت عمدہ ریویو لکھے۔اور مغربی مفکّرین نے اس لیکچر کو بے حد سراہا۔ مثلاً

ا۔ ’’برسٹل ٹائمز اینڈ مرر‘‘ نے لکھا:۔ ’’یقیناً وہ شخص جو اس رنگ میں یورپ وامریکہ کو مخاطب

کرتا ہےکوئی معمولی آدمی نہیں ہوسکتا۔‘‘

۲۔’’سپر یچوال جرنل‘‘ بوسٹن نے لکھا:۔’’یہ کتاب بنی نوع انسان کے لئے ایک خالص بشارت ہے۔‘‘

۳۔’’تھیاسوفیکل بُک نوٹس‘‘ نے لکھا:۔ ’’یہ کتاب محمد (صلعم) کے مذہب کی بہترین اور سب سے زیادہ دلکش تصویر ہے۔‘‘

۴۔’’انڈین ریویو‘‘ نے لکھا:۔’’اِس کتاب کے خیالات روشن، جامع اور حکمت سے پُر ہیں اور پڑھنے والے کے منہ سے بے اختیار اس کی تعریف نکلتی ہے۔‘‘

۵۔’’مسلم ریویو‘‘ نے لکھا:۔ ’’اس کتاب کا مطالعہ کرنے والا اس میں بہت سے سچّے اور عمیق اور اصلی اور رُوح افزا خیالات پائے گا۔‘‘

(سلسلہ احمدیہ مؤلفہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب صفحہ ۶۹)

اس مضمون کی یہ خوبی ہے کہ اِس میں کسی دوسرے مذہب پر حملہ نہیں کیا گیا۔ بلکہ محض اسلام کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں اور سوالات کے جوابات قرآن مجید ہی سے دیئے گئے ہیں اور ایسے طور پر دیئے گئے ہیں کہ جن سے اسلام کا تمام مذاہب سے اکمل اور احسن اور اتم ہونا ثابت ہوتا ہے۔

خاکسار

جلال الدین شمس

نوٹ: ’’اسلامی اصول کی فلاسفی‘‘ کا موجودہ ایڈیشن اس مسودہ کے مطابق ہے۔ جسے حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ سیالکوٹی نے اس جلسہ میں پڑھ کر سنایا تھا۔ یہ مسودہ خلافت لائبریری ربوہ میں موجود ہےاور اس کے متعلق حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحبؓ قادیانی تحریر فرماتے ہیں:

’’حضرت منشی جلال الدین صاحب بلانوی اور حضرت پیر جی سراج الحق صاحب نعمانی رضوان اللہ علیہم دونوں بزرگوں کے ہاتھ کا نقل کردہ حضرت اقدسؑ کا وہ مضمون جس پر سے حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے اس جلسہ میں پڑھ کر سنایا تھا آج تک میرے پاس محفوظ ہے مگر چونکہ اس مقدس اور قیمتی امانت کی حفاظت کا حق ادا کرنے سے

قاصر ہوں لہٰذا اسے قومی امانت سمجھ کر اس کو سیدنا قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ عالی مقام مرزا بشیر احمد صاحب سلّمہٗ ربّہٗ کے سپرد کرتا ہوں جو ایسے کاموں کے احق اور اہل ہیں تا کہ قائم ہونے والے قومی میوزیم میں رکھ کر اس کو آنے والی نسلوں کے ایمان وایقان کی مضبوطی وزیادتی اور عرفان میں ترقی کا ذریعہ بناسکیں۔

فقط
عبدالرحمٰن قادیانی
۲۰؍جولائی ۱۹۴۶ء

(سیرت المہدی جلد دوم۔تتمہ صفحہ ۳۶۰)

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن جو جولائی ۱۹۰۵ء میں مطبع ضیاء الاسلام پریس قادیان میں طبع ہو کر شائع ہوا تھا۔ جلسہ مذاہب کی ایگزیکٹو کمیٹی کی رپورٹ (مطبوعہ ۱۸۹۷ء) کے مطابق ہے۔اس لئے موجودہ ایڈیشن کا پہلے ایڈیشن سے بعض مقامات پر الفاظ کا فرق ہے جنہیں نشان زد کر دیا گیا ہے۔اس کے علاوہ تین صفحات پر مشتمل ایک پر معارف مضمون ہے جو کمیٹی کی رپورٹ اور پہلے ایڈیشن میں کسی وجہ سے شائع ہونے سے رہ گیا تھا۔اس کے سیاق وسباق سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعی اس مضمون کا حصہ ہے۔ دیکھئے صفحہ ۳۲۲ ا، صفحہ ۳۲۲ ب، صفحہ ۳۲۲ ج اور صفحہ ۳۲۲ د۔

ناشر
سید عبدالحی

ٹائیٹل بار اوّل

﴿۱﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس کریم ورحیم خدا کا ہزار ہزار شکر ہے جس نے قرآن مجید جیسی پاک کتاب بھیج کر اور جناب خاتم الانبیاء سید الاولین والآخرین کو دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث فرما کر وحشی انسانوں کو پھر نئے سرے سے انسانیت سکھلائی اور کروڑ ہا دلوں کو ایمان اور عمل صالح سے منور کیا۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام سے پہلے مذہب اور ملّت کس چیز کا نام تھا اور کن طریقوں کو اعمال صالحہ سمجھ رکھا تھا تو اس وقت اسلام کی بے انتہا برکتوں کی قدر معلوم ہوتی ہے اس بات کو کون نہیں جانتا کہ اب تک جن عقائد اور اعمال کے پابند دوسرے مذاہب کے لوگ نظر آتے ہیں وہ سب قابل نفرت کام اور بے حیائی کے طریقے ہیں وہ لوگ اس حقیقی خدا کو اپنی کتابوں میں نہیں دکھلاتے جس کو قانون قدرت اور صحیفہ فطرت دکھلا رہا ہے بلکہ ایک ایسے نئے اور مصنوعی خدا کو پیش کر رہے ہیں جو کہ انہیں کے خیالات کا بنایا ہوا ہے چنانچہ بعضوں نے تو انسان کو ہی خدا بنا رکھا ہے اور بعض پتھروں کے آگے سر جھکا رہے ہیں اور بعض سرے سے خدا ہی کو نہیں مانتے اور بعض منہ سے خدا کے وجود کا اقرار تو کرتے ہیں لیکن اس کو روحوں اور مادوں کا پیدا کرنے والا اور ہر یک فیض کا مبدا اور منبع نہیں سمجھتے بلکہ ہر یک جیو کو اپنے قویٰ کا آپ حافظ اور ہر یک روح کو اپنی طاقتوں کا آپ ہی نگہبان خیال کرتے ہیں حتی کہ ہر یک کیڑے مکوڑے کی جان کو بھی ایسی قدیم اور ازلی اور واجب بالذات سمجھتے ہیں کہ جس کی کسی قوت کو خدا کے ہاتھ کی حاجت نہیں اور اس کامل

﴿۲﴾

اور نورالانوار کے سہارے سے غافل ہیں جس کے وجود کے سوا کوئی ہستی حقیقی نہیں۔ افسوس کہ یہ لوگ نہیں سوچتے کہ وہی تو ہے جو ہر یک فیض کا مبدا اور ہر یک زندگی کا سرچشمہ اور ہر یک قوت کا ستون اور ہر یک وجود کا سہارا ہے اور انہیں معنوں کے رو سے تو اس کو خدا ماننا پڑا ہے سو اسی کا یہ فضل و احسان ہے کہ دنیا کو تاریکی اور غفلت اور جہالت میں پاکر ایک نور بھیجا اور وہ نور جس کا نام **محمد صلی اللہ علیہ وسلم** ہے دنیا میں آیا اور خدا کا مقدس کلام **قرآن شریف** اس پر نازل ہوا اور ہم کو علمی اور عملی پاکیزگی کیلئے بھی راہیں دکھلائیں۔ پس اس عالیشان نبی اور اس کے آل و اصحاب پر ہماری طرف سے بیشمار درود اور سلام ہو جس نے کروڑہا لوگوں کو تاریکی سے نکالا اور پلید عقیدوں اور قابل شرم عملوں اور نفرتی رسموں سے رہائی بخشی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ بَارِکْ وَسَلِّمْ اٰمِیْن

امابعد اس مختصر رسالہ کے لکھنے کا یہ موجب ہے کہ ایک مُدّت ہوئی کہ مجھے بعض لوگوں کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ پنڈت دیانند صاحب اپنی کتابوں میں اس بات پر بہت ہی زور دے رہے ہیں کہ آریہ لوگ ضرور رسم **نیوگ** کو اپنی بیویوں اور بہو بیٹیوں میں وید کی شرائط کے موافق جاری کریں۔ میں نے ان خبروں کو سن کر باور نہ کیا اور خیال کیا کہ یہ دشمنوں کا افترا ہوگا بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ شریف لوگ اپنی پاک دامن عورتوں کو صرف اولاد کی خواہش سے غیر مردوں سے ہم بستر کراویں مگر میں چپکے چپکے بعض آریوں سے پوچھتا رہا کہ یہ کیا بات ہے وہ صاف انکار کرتے رہے کہ یہ بیانات غلط ہیں ایسا ہرگز نہیں مگر میں دیکھتا تھا کہ بعض کے چہروں پر انکار کے وقت کچھ شرم اور انفعال کے آثار ظاہر ہوتے تھے گویا ان کو ایک بھاری ندامت کا سامنا در پیش ہے لیکن میرے لئے کافی نہ تھا کہ صرف اسی قدر قرائن سے کوئی رائے ظاہر کرسکوں اتنے میں ۱۸۸۶ء یا ۱۸۸۷ء میں ایک برہمو صاحب کا **ایک رسالہ** جو نیوگ کے بارہ میں ستیارتھ پرکاش کے حوالہ سے انہوں نے لکھا تھا مجھ کو ملا۔ اس رسالہ میں صاف طور پر تحریر تھا کہ ایک عورت زندہ خاوند والی اولاد کے

نوٹ: ہمارا منشاء اس رسالہ کے لکھنے سے صرف دو باتیں ہیں (۱) یہ کہ ایسی کتاب یعنی وید جس میں ایسی گندی باتیں لکھی ہیں کیونکر خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوسکتی ہے۔ (۲) یہ کہ تا اس ملک کے لوگ متنبہ ہوکر ایسی فحش اور فسق و فجور کی رسموں سے پرہیز کریں اور نیز گورنمنٹ بھی جس نے ملک کی جسمانی خیرخواہی کے خیال سے پہلے اس سے ستی اور جل پروا کی رسم کو بند کردیا ہے وہ اب تہذیب پھیلانے کی نیت سے اس ناپاک حکم کو بھی بند کردے۔ منہ

لالچ سے نیوگ کرسکتی ہے یعنی کسی دوسرے سے مجامعت کرا سکتی ہے جب تک کہ اس غیر آدمی کا حمل ٹھہر جائے میں نے اس رسالہ کو بھی خوب توجہ سے پڑھا مگر سچ تو یہ ہے کہ مجھے اس رسالہ پر بھی اعتبار نہ آیا اور میں نے یہ خیال کیا کہ غالباً یہ رسالہ پنڈت اگنی ہوتری صاحب کے ہاتھ سے نکلا ہے اور میں سنتا ہوں کہ آریہ صاحبوں اور ان کے باہم سخت عداوت ہے اس لئے ممکن ہے کہ پنڈت صاحب نے عداوت کے جوش سے اپنی طرف سے کوئی حاشیہ چڑھا دیا ہو لیکن جب میں ستیارتھ پرکاش کے حوالے اس میں دیکھتا تھا تو میرا پھر خیال اس طرف جھک جاتا تھا کہ کیونکر ممکن ﴿۳﴾ ہے کہ کوئی ثقہ آدمی چھوٹے[1] حوالوں سے ناحق اپنے تئیں الزام کے نیچے لاوے مگر بہرحال اس وقت بھی میں قابل تسلی کوئی فیصلہ نہ کرسکا۔ پھر مجھے کلکتہ کے بعض نامی پنڈت صاحبوں کی رائے کی کیفیت بذریعہ ایک اخبار کے معلوم ہوئی جو بڑے جوش سے نیوگ کے مسئلہ کے حامی تھے مگر پھر بھی میں نے دل میں کہا کہ کلکتہ ہم سے بہت دور ہے ممکن ہے کہ کسی اخبار والے نے اس میں جھوٹ ملا دیا ہو۔ بالآخر یہ دل میں آیا کہ پنڈت دیانند کی کتابوں کو آپ ہی سنیں اور ساتھ ہی یہ بھی قرین انصاف سمجھا گیا کہ اگر دیانند صاحب نے نیوگ کے بارے میں صرف اپنی ہی رائے لکھی ہو اور وید کا کوئی حوالہ نہ دیا ہو تو آریہ مذہب پر حقیقی طور سے کوئی الزام نہیں آسکتا وید پر تو تبھی الزام آئے گا کہ جب وہ ناپاک تعلیم اس کتاب میں پائی بھی جاوے جو الہامی مانی جاتی ہے غرض میں نے یہ طریق فیصلہ قرار دے کر دیانند صاحب کی کتابیں بہم پہنچائیں اور چونکہ سنا گیا تھا کہ پہلے چھاپہ کی ستیارتھ پرکاش کو آریہ صاحب قبول نہیں کرتے اس لئے اس تمام فیصلہ کا دوسرے چھاپہ کی ستیارتھ پرکاش پر مدار رکھا گیا چنانچہ وہ کتاب مجلس میں منگوائی گئی اور ایک صاحب ہماری جماعت میں سے صفحہ نمبر ۱۱۳ سے عبارت کو پڑھنے لگے اور پڑھتے پڑھتے اس مقام تک پہنچے۔

دیانند صاحب کی عبارت معہ ترجمہ (اُتر) ”نہیں نہیں۔ کیونکہ جو استری پرش برہم چرج میں استھت رہنا چاہیں تو کوئی بھی اُپدّرو نہ ہوگا اور جو کل کی پرمپرا رکھنے کے لئے کسی اپنے سوجاتی کا لڑکا گود میں لے لیں گے اس سے کل چلے گا اور وبھی چار نہ ہوگا اور جو برہم چرج نہ کرسکیں تو نیوگ کرکے سنتانوتپتی کرلیں“۔☆ یعنی بے اولادی کی حالت میں دوسرا نکاح کرنا ہرگز درست نہیں اور نہ حاجت ہے کیونکہ دو تدبیریں ایسی ہیں جن سے نکاح کی کچھ بھی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ایک تو

☆ और जो ब्रह्मचर्य न रख सकें तो नियोग करके सन्तानोत्पत्ति करलें।

[1] ایڈیشن اول میں ”چھوٹے“ سہو کاتب ہے، درست ”جھوٹے“ ہے (ناشر)

یہ کہ جس مرد کی بیوی نہ رہے یا جس بیوی کا خاوند نہ رہے وہ رہبانیت اختیار کر لیں یعنی تارک اور تارکہ ہو کر زندگی بسر کریں اور قوم کی ترقی رکھنے کے واسطے کوئی لڑکا اپنی ذات کا متبنّٰی کر لیں اس لڑکے سے خاندان باقی رہے گا اور زنا بھی نہ ہوگا (یعنی نیوگ کی حاجت نہیں پڑے گی) لیکن اگر رہبانیت[1] اختیار نہ کر سکیں اور جوش شہوت فرو نہ ہو تب نکاح تو کسی طرح کرنا ہی نہیں چاہئے۔ ہاں نیوگ سے شہوت فرو کریں۔ اور اولاد حاصل کر لیں۔[2]

﴿۴﴾

یہ ہدایت بیوہ اور رنڈوے مرد کے لئے ہے کہ جب عورت مرگئی یا مرد ہی مرگیا تو گویا عیال داری کی صف خدا نے آپ ہی لپیٹ دی اب مجرد رہو اور خوش رہو ایک مدت نکاح کر کے بھی دیکھ لیا اور حظ اٹھالیا اب سبکدوش ہو کر زندگی بسر کرو۔ اور اگر شہوت زور کرے اور رہا نہ جائے تو نکاح کا تو نام مت لو کہ وہ وید کے رو سے حرام ہے ہاں چپکے سے ایک مرد کسی دوسری عورت سے یا ایک عورت کسی دوسرے مرد سے یارانہ جوڑ لیوے اور اگر اس سے کامیابی نہ ہو تو دوسرا یا تیسرا خواہ دس۱۰ تک نوبت پہنچے کچھ مضائقہ نہیں کہ اس میں وید کی آگیا ہے یہی تو وہ کارروائی ہے جس کا وید مقدس میں نام نیوگ ہے اس کے آگے نکاح اور تعدد ازواج کیا چیز ہے یہ بہت عمدہ طریق ہے کہ بیوی خاوند کے مرنے کے بعد یا خاوند بیوی کے مرنے کے پیچھے بظاہر جوگی یا جوگن ہی بنی رہی اور شہوت رانی کا کام ایسا عمدہ چلتا گیا کہ نکاح والوں کو بھی پیچھے ڈال دیا کیونکہ ایسی عورت جو نکاح کی پابند ہو وہ صرف ایک خاوند کے قید میں رہے گی مگر نیوگ میں تو یہ لطف ہے کہ ہر یک نئی رات میں نیا آشنا اس کو مل سکتا ہے اور

[1] **حاشیہ:** پنڈت صاحب کا یہ مقولہ کہ اور وہی چار بھی نہ ہوگا یعنی تارکہ رہنے اور لڑکا گود لینے سے مفت میں لڑکا ہاتھ آ جائے گا۔ اور زنا تک نوبت نہ پہنچے گی۔ اس مقولہ سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ پنڈت صاحب اپنے دل میں بیوہ کے نیوگ کو بھی زنا سمجھتے ہیں ورنہ اگر ان کے نزدیک نیوگ زنا نہیں تو نیوگ نہ کرنے کی حالت میں اس قید کی کیا ضرورت تھی معلوم ہوتا ہے کہ کانشنس کے جوش نے یہ کلمہ ان کے منہ سے نکلوایا ہے جو ان کے دوسرے بیانات کے مخالف ہے۔ منہ

نوٹ اگر نیوگ سے شہوت رانی منظور نہیں تھی تو کیوں متبنّٰی بنانے پر کفایت نہیں کی گئی۔ منہ

[2] اس تقریر سے معلوم ہوا کہ نیوگ صرف شہوت رانی کی غرض سے ہو سکتا ہے مگر اتنی شہوت رانی کریں کہ اس کے ضمن میں اولاد بھی ہو جائے۔ منہ

پھر اولاد کی بھی کمی نہیں اور ساتھ اس کے بے قیدی اور آزادی بھی۔

جب میری مجلس میں یہ مقام ستیارتھ پرکاش کا پڑھا گیا تو بعض دوست بے اختیار بول اٹھے کہ دیکھو یہ صاف زنا ہے کیونکہ جس حالت میں نکاح نہیں اور بچہ گود لینا اسی لئے موقوف رکھا گیا کہ شہوت رانی مقصود بالذات ہے اور وہ شہوت نکاح کے ذریعہ سے پوری نہیں کی گئی تو پھر اگر یہ زنا نہیں تو اور کیا ہے بعض نے یہ بھی کہا کہ اس طریق نیوگ میں اس ہدایت کی رو سے بیوہ یہ بھی اختیار رکھتی ہے کہ اگر بیوہ صبح کو کسی غیر مرد سے ہم بستر ہو کر اس کی منی پتلی اور نا قابل اولاد پاوے تو دوپہر کو کسی اور بیرج داتا کے ساتھ سووے اور اگر دوپہر والا بھی اس نقص سے خالی نہ ہو اور ایسی تسلی نہ کر سکا ہو جس سے اولاد کی امید ہو سکتی ہے تو شام کو کسی اور سے ہم بستر ہو جاوے اور اگر شام والا بھی ناتمام نکلے تو رات کو اسی آزمائش کیلئے کسی اور جوان کے آگے پڑے پس جو عورت ایک ہی دن میں چار غیر آدمی سے سوائے طریق جائز نکاح ہم بستر ہوا گر وہ زانیہ نہیں تو پھر دنیا میں زنا کوئی چیز نہیں دیکھو اور خوب غور کرو کہ جس حالت میں مرد اور عورت دونوں کو اقرار ہے کہ ان میں نکاح کا بالکل تعلق نہیں تو پھر ہر یک سمجھ سکتا ہے کہ ایسی مقاربت کا کیا نام رکھنا چاہئے اور اس میں اور بیسوا کے پیشہ میں کیا فرق ہے۔ عدم نکاح کی صورت کو خوب یاد رکھو۔

لیکن میں نے اس مقام پر بھی اپنے دوستوں سے اتفاق رائے نہ کیا اور دل میں یہ خیال گذرا کہ اگرچہ واقعی اس طور میں زنا کی صورت تو ثابت ہے لیکن ممکن ہے کہ پنڈت دیانند کو اس مسئلہ کے بیان کرنے میں کچھ غلطی ہوگئی ہو اور شاید دراصل وید میں لکھا ہو کہ بیوہ اپنی حسب مرضی کسی سے نکاح کر لے مگر میرے دوستوں نے جب کھول کھول کر اس مقام کی عبارتیں پڑھیں اور خوب غور کی گئی۔ تو یہ تو یقین ہو گیا کہ دوسرا نکاح تو ہندو مذہب میں قطعاً حرام ہے اور پھر جب نکاح نہیں تو یہ نیوگ دوسرے لفظوں میں حرام کاری کا نام ہے مگر تاہم میری طبیعت نے نہ چاہا کہ صرف بیوہ کے نیوگ پر اپنے اعتراض کی بنا کروں اس لئے میں نے کہا کہ آگے پڑھو یہاں تک کہ وہ مقام آ گیا جس میں آریہ صاحبوں کا وید ایک زندہ خصم والی عورت کو بھی ہدایت کرتا ہے کہ وہ اولاد نہ ہونے کی حالت میں کسی غیر سے ہم بستر ہو

﴿۵﴾

द्विजों में पुनर्विवाह वा अनेक विवाह कभी न होना चाहिए।

اس مقام کو پڑھ کر ہر یک غیرت مند نے پانچوں انگلیاں منہ میں ڈال لیں اور سب توبہ توبہ کر اٹھے کہ دنیا میں ایسی تعلیمیں بھی ہیں کہ بجائے تہذیب اور پاکیزگی سکھلانے کے اپنے پیروؤں کو پہلی حالت سے بھی نیچے گراتی اور ان کی نیک چلنی کا ستیاناس کرتی ہیں میرے دل پر اس وقت بہت ہی صدمہ گذرا اور قریب تھا کہ میں آہ مار کر روتا اس خیال سے کہ جن لوگوں کی کتاب کی ایسی تعلیم ہے۔ **وہ بھی اسلام کی پاک تعلیم پر اعتراض کرتے** اور اس زنا کاری کی حالت پر راضی ہو کر تعدد ازواج کے اس مسئلہ پر شور مچاتے ہیں جو نکاح کی پابندی سے دراصل انہیں ضرورتوں کی بناء پر ہے جن ضرورتوں نے ان قوموں کی حرام کاری تک نوبت پہنچائی۔ پاک طریق پر اعتراض اور ٹھٹھا اور ناپاکی اور دیوثی پر راضی ہونا اور جھوٹے طور پر دوسرے کے نطفہ کو اپنا نطفہ قرار دینا کہ یہ میری ہی اولاد ہے کس قدر سچائی اور حیا اور شرم اور غیرت کا خون کرنا ہے مگر میں اس افسوس کو اندر ہی اندر کھا گیا اور چاہا کہ قادیان کے آریوں کو بوجہ حق ہمسائیگی کچھ نصیحت کروں اس لئے میں نے ایک مجلس مقرر کر کے ان میں سے چار آریوں کو بلایا اور ان کے سامنے ستیارتھ پرکاش کا مقام خاص پیش کر کے نیوگ کی حقیقت پوچھی گئی سو پہلے تو بعض نے کتاب پر ہی اعتراض کیا کہ یہ پہلے چھاپے کی ستیارتھ پرکاش ہے جو غلط ہے اور جب بتلایا گیا اور دکھلایا گیا کہ صاحب یہ وہی دوسرا چھاپا ہے تو پھر انہوں نے اپنے دلوں میں یہ گمان کیا کہ مسلمانوں میں سے اس کو کون پڑھ سکتا ہے کیونکہ ناگری ہے اس لئے بعض نے چالاکی سے جواب دیا کہ صرف نیوگ بیوہ کے بارے میں ہے اور اس کی بھی اصل صورت کو بدل ڈالا تا وہ کارروائی زنا کی ہم شکل ثابت نہ ہو مگر افسوس کہ جب وہ گندی عبارتیں خاوند والی عورتوں کے متعلق کی ان کو پڑھ کر سنائی گئیں تو کچھ بھی شرم ان میں پیدا نہ ہوئی بلکہ بعض نے کہا کہ ہم نیوگ کی اس قسم پر بھی راضی ہیں سو ہم ان کی ان بے حیائی کی باتوں کو سنکر چپ ہی رہ گئے اور آخر ایک عام ہمدردی نے جوش مارا لہٰذا ہمیں اس للّٰہی جوش نے اس بات پر آمادہ کیا کہ اس بارے میں ایک اشتہار شائع کریں تا شاید کسی طالب حق کو فائدہ پہنچے چنانچہ ہم نے ۳۱ جولائی ۱۸۹۵ء کو ایک اشتہار نیوگ کے متعلق محض ہمدردی بنی نوع کی غرض سے شائع کر دیا۔ اور خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ ہماری نیت اس اشتہار کے جاری کرنے سے بجز اس کے اور

﴿۶﴾

کچھ نہ تھی کہ کسی طرح ہمارے ہمسایہ آریہ لوگ اس بے حیائی کے کام سے رک جائیں اور اپنی بیویوں کو اس ڈشٹ کرم سے ناپاک نہ کریں بلکہ غیرت اور خداترسی کو کام میں لاکر ایسی تعلیم سے دست بردار ہو جائیں جو شرم اور غیرت اور عزت کو برباد کرتی ہو کیونکہ ایک غیرت مند انسان کے لئے اس سے زیادہ کیا رسوائی ہے کہ اس کی بیاہتا بیوی اور خاندان کی رانی اس کے جیتے جی اسی کی عورت کہلا کر اور اسی کے نکاح میں ہو کر کسی دوسرے سے ہم بستر ہو ایسے آدمی کا تو ڈوب کر مرنا بہتر ہے کہ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے دیکھتے دیکھتے غیر آدمی اس کی عورت سے منہ کالا کرے اور وہ چپ رہے ان وجوہات سے ہمیں امید تھی کہ جیسا کہ ہم نے کمال ہمدردی اور خیر خواہی کے رو سے اشتہار کو لکھا تھا ایسا ہی آریہ صاحبان بھی ہمارے اشتہار کو غور اور انصاف سے دیکھیں گے اور کوشش کریں گے کہ اس بلا سے ﴿۷﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا

کوئی اس پاک سے جو دل لگاوے کرے پاک آپ کو تب اس کو پاوے

آریہ صاحبوں کے ملاحظہ کیلئے ایک ضروری اشتہار

چونکہ اس وقت کتاب منن الرحمان ☆ میری طرف سے مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں چھپ رہی ہے اور اس کتاب میں ایک تقریب پر آریہ صاحبوں اور عام ہندوؤں کے مسئلہ نیوگ کا بھی ذکر کرنا پڑے گا اس لئے میں نے قرین مصلحت سمجھا کہ اس اشتہار کے ذریعہ سے بعض واقف کار آریہ صاحبوں سے بحث کرلوں اور پھر اس مسئلہ کو اپنی کتاب میں لکھوں یا اگر وہ مجھے اس کی معقولیت سمجھا دیں تو لکھنے سے دستکش رہوں کیونکہ میری نظر میں نیوگ کا عقیدہ ایک ایسا قابل شرم عقیدہ ہے کہ اس کے بیان میں گو کیسا ہی

☆ **حاشیہ** جس میں پانچ ہزار روپیہ کا اشتہار ہے: یہ کتاب دنیا کی زبانوں کی تنقیح اور تحقیق کے لئے میں نے تالیف کی ہے اس کتاب کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ صرف عربی زبان ہی ایسی زبان ہے کہ جو خدائے قادر مطلق کی وحی اور الہام سے ابتداء زمانہ میں انسان کو ملی اور وہی اُم الالسنہ یعنی تمام زبانوں کی ماں ہے اور نہ صرف اسی قدر کہ تمام زبانیں اسی میں سے نکلی ہیں بلکہ میں نے اس کتاب

نجات پاویں اور اگر کوئی بات ان کو سمجھ نہ آئے گی تو ہم سے دریافت کرلیں گے یا اگر انکے زعم میں ہم نے خلاف واقعہ لکھا ہے تو پنڈت دیانند کے بھومکا اور وید کے حوالہ سے وہ غلطی ہماری ہمیں دکھائیں گے اور ہمیں ملزم کریں گے اور اپنی صحیح تحقیقات معہ وید کے منتر اور پنڈت دیانند کے بھاش کے

﴿۷﴾

بقیہ حاشیہ

تہذیب سے کام لیا جائے پھر بھی بوجہ خبث نفس مضمون کے ناگفتنی باتیں لکھنی پڑتی ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ کوئی صاحب پیچھے سے کوئی بات زبان پر لاویں بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ اگر کسی کا کچھ عذر ہو تو اب پیش کرلے میں بخوشی اس کے عذر کو سنوں گا اور اگر قبول کے قابل ہو تو قبول کرلوں گا کیونکہ اس جگہ نفسانیت منظور نہیں صرف اظہار حق منظور ہے اب ضروری استفسار ذیل میں لکھتا ہوں۔

استفسار

اے آریہ صاحبان آپ لوگ اس سے بے خبر نہیں کہ پنڈت دیانند صاحب نے وید کی شرتیوں کے حوالہ سے نیوگ[1] کی تفصیل ذکر کرتے ہوئے ایک یہ ہی قسم لکھی ہے کہ اگر مرد اس مردی کی قوت سے ناقابل ہو جس سے اولاد پیدا ہو سکے تو وہ اپنی بیوی کو اجازت دیوے تا کسی دوسرے سے اولاد حاصل کرے تب وہ شخص جس کو اجازت دی گئی ہے اسی گھر میں جہاں اس عورت کا خاوند رہتا ہے اس کی بیوی سے ہم بستر ہوگا اور نہ صرف ایک دفعہ بلکہ کئی سال تک اور جب تک کہ دس بچے پیدا ہو جائیں وہ اس سے ہم بستری کرسکتا ہے مگر ساتھ یہ بھی حکم ہے کہ عورت اپنے خاوند کی خدمت اور سیوا میں بھی لگی رہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسی گھر میں اس دیّوث خاوند

بقیہ حاشیہ در حاشیہ

یہ بھی ثابت کیا ہے کہ یہی ایک زبان ہے جو پاک اور کامل اور علوم عالیہ کا ذخیرہ اپنے مفردات میں رکھتی ہے اور دوسری زبانیں ایک کثافت اور تاریکی کے گڑھے میں پڑی ہوئی ہیں اس لئے وہ اس قابل ہرگز ہو نہیں سکتیں کہ خدا تعالیٰ کا کامل اور محیط کلام ان میں نازل ہو کیونکہ ان زبانوں کی کم مائیگی اور کجی اور ناقص بیانی معارف الٰہیہ کی فوق الطاقت بوجھ کو اٹھا نہیں سکتی۔ غرض اس کتاب میں بڑی صفائی سے اور بڑے روشن اور بدیہی دلائل سے فیصلہ کیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کا پاک اور کامل اور روشن اور پراسرار اور پرحکمت کلام جو دائمی

[1] شاید آریہ کہیں گے کہ یہ زنا نہیں مگر جس حالت میں خاوند موجود ہے اور بیٹا بھی اسی کا بیٹا کہلائے گا اور عورت بھی اسی کی عورت رہے گی اور طلاق دی نہیں گئی تو پھر یہ زنا نہیں تو اور کیا ہے اور منو لکھتا ہے کہ نیوگ کے دنوں میں بھی خاوند کو صحبت کرنے کا اختیار رہے۔ (دیکھو منو)

لکھ کر شائع کر دیں گے مگر افسوس کہ یہ امید خلاف واقعہ نکلی اور انہوں نے کیا تو یہ کیا کہ صرف ایک گول مول اور گم اشتہار جس پر کوئی تاریخ نہیں محض یاوہ گوئی کے طور پر شائع کر دیا۔ یہ اشتہار ان کا مطبع دھرم پرچارک جالندھر میں چھپا ہے اور ہم نے بار بار اس کو پڑھا کہ کیا اس میں ہمارے سوال کا کوئی جواب بھی لکھا ہے تو معلوم «۸»

بقیہ حاشیہ

کا رہنا بھی ضروری ہے جس کی عورت سے دن رات ایک اجنبی اس کی آنکھوں کے سامنے بدکاری کر رہا ہے اور ایسے زانی کا نام جو پرائی عورت سے بدکاری کرے وید کی رو سے **بیرج داتا** ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ بیرج داتا اسی عورت سے اپنے لئے بھی اولاد لے سکتا ہے اور یہ بھی درج ہے کہ اگر کسی عورت کے لڑکیاں ہی پیدا ہوں تو اس کا بھی فرض ہے کہ اپنے پتی کی اجازت سے نیوگ کراوے اور کسی بیرج داتا کو اپنے گھر میں بلاوے اور وہ اس کی آنکھوں کے سامنے یعنی اسی گھر میں اس عورت سے صحبت کرے اور ایک دراز مدت تک کرتا رہے۔ اب آپ لوگ معاف فرماویں کہ ہم نے آپ کے وید کی تعلیم کا یہ حصہ اس غرض سے نہیں لکھا کہ آپ کے دلوں کو دکھاویں بلکہ صرف اس استفسار کی غرض سے تحریر کیا ہے کہ کیا آپ لوگ ایسی شرتیوں کو بھی **ایشر بانی** سمجھتے ہیں اور کیا آپ لوگوں میں سے کسی کی انسانی حمیت اور غیرت اس بات کو قبول کرتی ہے کہ اس کے جیتے جی نیوگ کے بہانہ سے اس کا چھوٹا بھائی یا برادری میں سے کوئی مشٹنڈا اس کی پیاری بیوی پر صحبت کی غرض سے حملہ کرے بلکہ باجازت وید کام بھی کر ڈالے یا کوئی برہمن اس کی عورت کے ساتھ ایسی حرکت کا مرتکب ہو اور وہ باوجود قوت اور شہوت اور طاقت اور روبرو موجود ہونے کے الگ ہو بیٹھے اور کچھ چوں نہ کرے بلکہ پاس کی کوٹھڑی میں خاموش بیٹھا رہے اور اپنی آنکھوں سے دیکھے کہ ایک اجنبی اس کی سہروں کی منکوحہ اور برات کی بیاہتا سے جو نام ونگ کے خاندان سے آئی تھی ہم خواب اور بغلگیر ہے اور صرف بوس و کنار پر بس نہیں کیا بلکہ حرکت زنا سے اس کم بخت خاوند کی ساری پت اور عزت کو خاک میں ملا دیا اور پھر بھی ذرا غیرت اس کی جوش نہ مارے۔ «۸»

بقیہ حاشیہ در حاشیہ

ہدایت لیکر دنیا میں آیا ہو وہ صرف اسی زبان میں آ سکتا ہے جو ان معارف اور حقائق کو بیان کرنے کیلئے اپنے اندر کامل وسعت رکھتی ہو اس فیصلہ کے مطابق صرف قرآن شریف ہی اللہ تعالیٰ کی وہ کامل کتاب ٹھہرتی ہے جو حقیقی اور کامل اور ابدی تعلیم لے کر دنیا میں آئی اور دوسری کتابیں جو آسمانی کہلاتی ہیں اگر مان بھی «۸»

﴿۹﴾ ہوا کہ ہمارے قول کے رد میں ایک ذرہ بھی تحریر نہیں کیا۔ ہاں بدزبانی بہت کی ہے اور ہمارا نام قدیمی متعصب اور خبیث الباطن رکھا ہے اس کا ہمیں رنج نہیں کیونکہ جب چور محاصرہ میں آتا ہے تو حتی الوسع ناجائز حملہ کرتا ہے اسی طرح جب ان کی کچھ بھی پیش نہ گئی تو چند گالیاں ہی دے دیں تا قوم کو خوش کر دیں لیکن یہ

﴿۹﴾ **بقیہ حاشیہ**

اے آریہ صاحبان میں اس وقت تمہارے ہی پرمیشر کی تمہیں قسم دیتا ہوں اور تمہاری ہی کانشنس کی شہادت تم سے چاہتا ہوں کہ کیا تمہاری مردانہ غیرت اور شریفانہ حمیت اس بات پر برداشت کر سکتی ہے کہ یہ بے شرمی کا کام تمہارے گھر میں اور تمہاری نظر کے سامنے ہو اور تم چپکے اس کو دیکھتے رہو اور ایسی تعلیموں سے بیزار نہ ہو۔ جنہوں نے یہ دن تمہیں دکھلائے اور لعنت کا طبق تمہارے گلے میں ڈالا۔ میں اس بات کو خوب جانتا ہوں کہ کس قدر ایک شریف انسان کو قدرتی اور طبعی طور پر اپنی عورت کے لئے حمیت اور غیرت ہوتی ہے یہاں تک کہ اس قدر بھی روا نہیں رکھتا کہ اس کے گھر سے اس کی بیوی کی اونچی آواز اٹھے اور اجنبی لوگ اس کو سنیں یہی وجہ ہے کہ کبھی ایک غیرت مند انسان تھوڑے ظن کے ساتھ اپنی عورت کو قتل بھی کر دیتا ہے اور زنا کی حالت میں تو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتوں کی طرح پھینک دیتا ہے اور اپنے لئے ایک بے شرمی کی زندگی سے مرنا قبول کر لیتا ہے پھر میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ لوگوں کا وید یہ کیسی ہدایت لایا جو انسانی فطرت کی طبعی

بقیہ حاشیہ در حاشیہ

لیں کہ کوئی ان میں سے خدا تعالیٰ کی طرف سے تھی تو وہ ایک قانون مختص القوم یا مختص القوم کی طرح صرف چندروزہ مصلحت کیلئے آئی ہوگی۔ لہٰذا جیسا کہ وہ خود ناقص تھیں ایسا ناقص بولی میں اتریں۔ مگر کامل کتاب کے لئے کامل بولی میں اترنا ضروری تھا کیونکہ کامل اور ناقص کا پیوند درست بیٹھ نہیں سکتا لہٰذا قرآن شریف عربی زبان میں اترا جو اپنے ہر یک پہلو کے رو سے کامل ہے۔ غرض منن الرحمٰن کو ہم نے اس مدعا سے تالیف کیا ہے کہ تا کامل بولی کے ذریعہ **کامل کتاب** کا ثبوت دیں اسی وجہ سے ہم نے اس کتاب کے ساتھ **پانچ ہزار** روپیہ کا اشتہار بھی دیا ہے جو شخص چاہے ہم سے پہلے روپیہ جمع کرا لے اگر وہ ثابت کر دیوے کہ وہ دلائل جو اس طرف سے عربی زبان کے **اُمّ الالسنہ** اور وحی اللہ ہونے کے بارے میں پیش کئے گئے ہیں ایسے دلائل یا ان سے بہتر کسی اور زبان کے بارے میں پیش ہو سکتے ہیں تو وہ پانچ ہزار روپیہ جو جمع کرایا جائے گا اس کا ہوگا۔ یہ اشتہار صرف کہنے کی بات نہیں بلکہ ہماری طرف سے ﴿۹﴾

﴿۱۰﴾ شریفوں کا کام نہیں کہ جھوٹے تو آپ ہوں اور سچے کو گالیاں دیں یہ ہرگز نیک ذاتوں کا کام نہیں اور پھر تعجب کہ ہمیں غلط بیانی کا الزام تو لگایا مگر اپنے اشتہار میں کچھ بیان نہ کیا کہ وہ غلط بیانی کیا ہے اور کس شرتی کو ہم نے خلاف واقعہ لکھا اور کس عبارت کو ہم نے محرف کیا اور بڑھا دیا اور کیا گھٹا دیا بلکہ بالآخر اسی اشتہار میں اقرار کر دیا کہ

بقیہ حاشیہ

شرم اور حیا اور حمیت کے برخلاف ہے۔ کیا کوئی شریف الفطرت اس بات پر راضی ہوسکتا ہے کہ اولاد کی خواہش سے یا لڑکیوں کی کثرت کے بعد لڑکا پیدا ہونے کی تمنا سے ایک اجنبی کو اپنے گھر میں آپ بلا لاوے اور اپنی عورت کو اس سے ہم بستر کراوے اور آپ الگ بیٹھا ﴿۱۰﴾ جوش شہوت کی حرکات دیکھتا رہے کیا اب بھی آپ لوگ اس تعلیم کو خدا تعالیٰ کی تعلیم کہیں گے؟ اے میرے پیارے ہموطنو! اس خدا سے ڈرو جو ہرگز ناپاکی کے راہوں کو پسند نہیں کرتا وہ ہرگز نہیں چاہتا کہ اس کے بندوں میں زنا پھیلے اور حرامی اولاد پیدا ہو۔ ایسی بیٹے کی خواہش پر بھی ہزار لعنت ہے جس کی والدہ اپنا عزیز خاوند چھوڑ کر دوسرے کے آگے پڑتی ہے اور تُف اس اولاد پر جو حرام کاری کے ذریعہ سے حاصل کی جاتی ہے۔ عزیزو ذرا سوچو کہاں ہے تمہاری شرافت کہاں ہے تمہاری انسانی حمیت کہاں ہے تمہارا کانشنس۔ غیر کا نطفہ تمہارا بیٹا ہرگز نہیں ہوگا۔ اور ناحق بے حیائی سے اپنی عورتوں کی پاک دامنی کو گندگی میں ڈال دو گے۔ دنیا میں کنجر سب سے زیادہ بے شرم اور فاسق قوم ہے مگر وہ بھی اپنی بہو سے حرام کاری

بقیہ حاشیہ در حاشیہ

یہ ایمانی اقرار ہے کہ ہریک ایسا شخص جو مقابلہ کرنے کے لئے علمی لیاقت رکھتا ہو یعنی اگر وہ انگریزی کا حامی ہے تو انگریزی دان ہو اور اگر سنسکرت کا حامی ہے تو سنسکرت دان ہو اس کی درخواست آنے کے وقت نقد پانچ ہزار روپیہ ایسی جگہ جمع کرا دیا جائے گا جو اس کی مرضی کے مطابق اور قرین انصاف ہو غرض یہ اس کا حق ہوگا کہ ہر طرح سے پوری تسلی کر لے ہاں اس پر یہ لازم ہوگا کہ ہمارا تحریری اقرار نامہ لے کر اپنی طرف سے بھی یہ اقرار نامہ لکھ دے کہ اگر وہ ایک مدت مقررہ تک جس کا تصفیہ بعد میں ہو جائے گا مقابلہ پر کچھ نہ لکھے یا ایسا لکھے جو منصفوں کی نظر میں ہیچ ہو تو اس مدت تک وہ تجارت کے کام کا روپیہ جو اس کے انتظار پر بند رہے گا اس کا مناسب ہرجانہ اس کو دینا ہوگا اور یہ روپیہ منصفوں کی ڈگری دینے سے اس شخص کو مل جائے گا جو اپنی زبان کو فضائل خاصہ ﴿۱۰﴾ غالبہ کی رو سے اُمّ الالسنہ ثابت کرے اور اس کا اختیار ہوگا کہ باضابطہ رسید کے ذریعہ سے وہ تمام روپیہ منصفوں کے پاس ہی جمع کرا دیوے اور ہم اس بات کو بدل قبول کرتے ہیں کہ اس فیصلہ

﴿۱۱﴾

نیوگ سچ ہے☆ اور ہمارے نیوگ ہو جاتا ہے اب اگرچہ یہ اقرار کافی تھا اور کچھ ضرورت نہ تھی کہ ہم اس رسالہ کو لکھتے مگر چونکہ وہ اشتہار چوروں اور خیانت پیشہ لوگوں کی طرح لکھا گیا ہے اور صاحب اشتہار اس عاجز کو غلط بیانی کا الزام بھی دیتے ہیں اور پھر زبان دبا کر نیوگ کا اقرار بھی کئے جاتے ہیں اس لئے ہم نے مناسب سمجھا

بقیہ حاشیہ

نہیں کراتے مگر تم پر افسوس کہ جائز رکھتے ہو کہ تمہاری بہو بھی تمہارے بیٹے کے سوا کسی اور کے پاس جاوے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس زندگی سے مرنا بہتر ہے میں نے اسی تفتیش کے لئے قادیان میں ایک جلسہ قرار دیکر آریہ صاحبوں سے اس حقیقت کو دریافت کرنا چاہا چنانچہ ۳۰ جولائی ۱۸۹۵ء کو ایک مسجد میں یہ جلسہ منعقد ہوا۔ اور چار آریہ صاحبان شامل جلسہ ہوئے اور جب ان سے دریافت کیا گیا تو بعض نے کہا کہ ہمیں خبر نہیں۔ ہم نے ستیارتھ پرکاش کا یہ مقام نہیں پڑھا اور بعض نے بڑے استقلال سے بیان کیا کہ آریہ دھرم کا صرف یہ عقیدہ ہے کہ بیوہ نیوگ کے ذریعہ سے اولاد لے سکتی ہے میں نہیں جانتا کہ انہوں نے اصل واقعہ کو کیوں چھپایا۔

بقیہ حاشیہ در حاشیہ

کے لئے مسلمانوں میں سے کوئی منصف نہ ہو بلکہ اگر مثلاً یہ نزاع آریہ صاحبوں کی طرف سے ہو تو ہمیں منظور ہے کہ منصف دو شریف اور فاضل آریہ اور دو معزز اور لائق عیسائی انگریز ہوں اور کثرت رائے پر فیصلہ ہو مگر اس شرط سے کہ وہ کثرت رائے حلف کے ساتھ مؤکد ہو۔ اور اگر یہ نزاع بعض پادری صاحبوں کی طرف سے ہو تو ایسا انہیں بھی اختیار ہے کہ اپنے منصف دو عیسائی اور دو اور شخص جو رائے ظاہر کرنے کے قابل ہوں مقرر کر لیں ہمیں یہ تقرری بہر حال منظور ہوگی کچھ بھی عذر نہیں ہوگا۔ **منہ**

☆ **نوٹ (مُردوں سے نیوگ)** ناظرین آپ لوگ اس سے تو واقف ہو گئے کہ ہندو عورتیں شہوات فرو کرنے کیلئے زندہ آشناؤں سے نیوگ کراتی ہیں مگر ڈاکٹر برنیئر نے اپنا چشم دید ماجرا اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶۲ میں لکھا ہے کہ مردوں سے نیوگ کرنے کی رسم بھی جدید نہیں بلکہ قدیم سے اور پورانی چلی آتی ہے آپ لوگ تعجب کریں گے کہ مردوں سے نیوگ کیونکر ہو سکتا ہے مگر اصل بھید کے کھلنے سے کچھ بھی تعجب باقی نہیں رہے گا اب اصل عبارت ہم ذیل میں لکھتے ہیں اور وہ یہ ہے :- برہمنوں کا دغا اور فریب یہاں تک ہے کہ تاوقتیکہ میں نے قطعی دلیلوں سے بخوبی تحقیق نہ کر لیا مجھ کو اس بات پر یقین نہ آتا تھا کہ یہ لوگ ایک خوبصورت لڑکی کو جگن ناتھ کی مباشرت کیلئے اپنے کسی خاص دن میں انتخاب کرتے ہیں اور وہ لڑکی بڑی دھوم دھام سے مورت کے ساتھ مندر کو جاتی اور تمام رات وہاں رہتی ہے اور یہ برہمن اس کو یہ دم دیتے ہیں کہ خود جگ ناتھ جی رات کو تیرے ساتھ آ کر رہیں گے اور تو دیوتا سے پوچھیو کہ اب کے دفعہ کیسا سماں ہوگا اور آپ کی اس کرپا کے عوض جو آپ مجھ پر کرتے ہیں کس قسم کے پوجا اور چڑھاوا اور رتھ کی روانگی کا جلوس آپ کو پسند ہوگا اور رات کے وقت ایک شہوت پرست برہمن ایک چھوٹی سی چور کھڑکی کے راہ سے مندر میں پہنچ جاتا اور اس بیچاری کنواری لڑکی سے جو اس کو جگن ناتھ سمجھی ہوتی ہے ہم بستر ہوتا ہے اور جس بات کی برہمنوں کو ضرورت ہو اس کو یقین کرا جاتا ہے اور جب صبح کو ویسے ہی دھوم دھام سے اس لڑکی کو دوسرے مندروں میں لے جاتے ہیں تو برہمن اس سے کہتے ہیں کہ جو کچھ تم نے دیوتا کی زبان سے سنا ہے وہ اعلانیہ لوگوں کو سنا دو۔ برنیئر صفحہ ۱۶۲ و ۱۶۳

کہ دروغ گو کو اس کے گھر تک پہنچا دیں کیونکہ مکاروں اور خیانت پیشوں کی سزا واجبی یہی ہے کہ ان کے خیانت کے طریقوں کو پوشیدہ نہ رکھا جائے اور سَتْ اور اَسَتْ کو نکھیڑا جائے اسی غرض سے ہم نے اس رسالہ کو لکھا ہے تا غلط بیانی کے بیجا الزام کا فیصلہ ہو جائے کیونکہ یہ تین بدزبانیاں جو میری نسبت کی گئیں اور کہا گیا کہ یہ شخص غلط بیان اور قدیمی متعصب اور خبیث النفس ہے یہ ایسا خباثت سے بھرا ہوا بہتان ہے کہ کوئی صادق آدمی اس پر صبر نہیں کر سکتا اور نیز اس پر خاموش رہنے سے خلق اللہ کو ضرر پہنچتا ہے اور پبلک کو دھوکا لگتا ہے غلط بیانی اور بہتان طرازی راست بازوں کا کام نہیں بلکہ نہایت شریر اور بدذات آدمیوں کا کام ہے کہ جو نہ خدا سے ڈریں اور نہ خلقت کے لعن وطعن کی پروا رکھیں اور چونکہ ناحق ان لوگوں نے گالیاں دیکر اور بے وجہ

بقیہ حاشیہ

میرے خیال میں انسانی شرم نے ان کو اجازت نہیں دی اور جب میرے بعض مخلصوں نے انکو وہ مقام پڑھ کر سنایا تو پھر دوسرا عذر یہ پیش ہوا کہ یہ طریق اس حالت میں ہے کہ جب خاوند ہرگز عورت کے پاس جا نہ سکے۔ پھر جب کھول کر بتلایا گیا کہ ستیارتھ پرکاش میں یہ صاف لکھا ہے کہ ایسا نامرد ہو جو ناقابل اولاد ہو پس اس میں وہ نامرد بھی داخل ہیں جو صحبت کرنے پر تو پورے قادر ہیں مگر منی قابل اولاد نہیں مثلاً منی میں کیڑے نہیں یا پتلی ہے۔ یہ نہیں لکھا کہ ایسا ہو کہ ہرگز صحبت نہ کر سکتا ہو بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ اگر مرد قابل اولاد ہو مگر لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہوں تب بھی نیوگ ہوگا تو یہ جواب سن کر وہ لوگ خاموش ہو گئے اور ان میں سے ایک پنڈت جی بولے کہ بے شک ایسی حالتوں میں بھی نیوگ کرانا کچھ مضائقہ نہیں اور ہم ایسے نیوگ پر راضی ہیں۔ غرض اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ عام ہدایت وید کی یہی ہے کہ آریہ لوگ ضرورتوں کے وقت اپنی بیویوں اور بہو بیٹیوں سے نیوگ کرایا کریں مگر ظاہر ہے کہ انسانی کانشنس اس کو قبول نہیں کرتا اور انسان کی فطرتی حمیت اور غیرت ہزار بیزاری سے اس کام پر لعنت بھیجتی ہے اور انسان تو انسان ایک مرغ بھی اپنی مرغیوں کے لئے غیرت رکھتا ہے۔ اب حاصل کلام یہ ہے کہ اگر اس بارہ میں کوئی اور آریہ صاحب بھی بحث کرنا چاہتے ہوں تو ہم اپنے خرچ سے ان کو ان کی درخواست پر قادیان میں بلا سکتے ہیں۔ اور ۱۵۔ اگست ۱۸۹۵ء تک مہلت ہے۔

راقم

میرزا غلام احمد

۳۱ جولائی ۱۸۹۵ء از قادیان ضلع گورداسپور

﴿۱۱﴾

ہمارے سید و مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹا الزام لگا کر ہمارا دل دکھایا ہے اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اب ان باتوں کا **ایک جوڈیشل** تحقیقات کی طرح فیصلہ ہو جاوے کہ درحقیقت کون غلط بیان اور قدیمی متعصب اور خبیث النفس ہے ؎

ندارد کسی با تو ناگفتہ کار ولیکن چو گفتی دلیلش بیار

«۱۲» اِسی لئے ہم اس رسالہ کے ساتھ **ایک سَو۱۰۰ روپیہ** کا اشتہار بھی دیتے ہیں کہ اگر یہ بات خلاف نکلے کہ پنڈت دیانند نے وید کے حوالہ سے نہ صرف بیوہ کا غیر سے بغیر نکاح کے ہم بستر ہونا ستیارتھ پرکاش میں لکھا ہے۔ بلکہ عمدہ عمدہ وید کی شرتیاں کا حوالہ دے کر اس قسم کے نیوگ کو بھی ثابت کر دیا ہے کہ خاوند والی عورت اولاد کے لئے غیر سے نطفہ لیوے اور غیر اس سے اس مدت تک بخوشی ہم بستر ہوتا رہے جب تک کہ چند لڑکے پیدا نہ ہو لیں تو ہم اس بیان کے خلاف واقعہ نکلنے کی صورت میں نقد سَو۱۰۰ روپیہ اشتہار جاری کرنے والوں کو دیدیں گے۔ اور اس وقت وہ گالیاں جو اشتہار میں لکھی ہیں ہمارے حق میں راست آئیں گی۔ اگر روپیہ ملنے میں شک ہو تو ان چاروں صاحبوں میں سے جو شخص چاہے باضابطہ رسید دینے کے بعد وہ روپیہ اپنے **پاس جمع کرا لے** اور ہر طرح سے تسلی کر لیں اور ہمیں یہ ثبوت دیں کہ خاوند والی عورت کا نیوگ جائز نہیں۔ اور اگر اس رسالہ کے شائع ہونے سے ایک ماہ کے عرصہ میں جواب نہ دیں تو ان کی ہٹ دھرمی ثابت ہو گی اور ثابت ہو گا کہ درحقیقت وہ لوگ آپ ہی خبیث النفس اور قدیمی متعصب اور غلط بیان ہیں جو کسی طرح ناپاکی کے راہ کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔

اے منصفو تم خود سوچو کہ ہم اس سے زیادہ کیا کر سکتے ہیں اور اس سے بڑھ کر ہمارے صدق کی اور کونسی علامت ہو گی کہ ہم اپنی سچائی کے ثابت کرنے کے لئے نقد سَو۱۰۰ روپیہ ان کو دیتے ہیں اور ان کے پاس جمع کراتے ہیں اب ثابت ہو جائے گا کہ خبیث النفس اور متعصب اور سچ سے منہ پھیرنے والا کون ہے یہی تحریر ہماری بجائے اشتہار کے ہے۔

اب اول ہم وید **بھومکا** سے وہ مقام ناظرین کو دکھاتے ہیں جس کی طرف ان آریوں نے پناہ لینا چاہا ہے تا ہر یک منصف کو معلوم ہو کہ حق پوشی کی غرض سے کہاں کہاں یہ لوگ بھاگتے پھرتے ہیں اور آخر وہی بات نکلتی ہے جس کو چھپانا چاہتے ہیں۔

ویدبھاش بھومکا کی عبارت جو آریوں نے اپنے مطلب کے لئے ناتمام لکھی ہے صفحہ ۲۱۱

نیوگ کرنے میں ایسا نیم ہے کہ جس ستری کا پرش واکسی پرش کی ستری مر جائے، اتھوا ان

ترجمہ نیوگ کا قاعدہ یہ ہے کہ جس عورت کا خاوند یا جس خاوند کی عورت مر جائے یا عورت مرد کو

میں کسی پرکار کا ستھر روگ ہو جائے، وانپُنسک بندھیا دوش پڑ جائے، اور ان کی یوواوستھا ہو،

کسی قسم کا مرض لاحق ہو جائے (یعنی مثلاً منی پتلی پڑ جائے یا منی میں کیڑے نہ ہوں) یا ہیزی حالت یا خصی پن پیدا ہو جائے اور مرد عورت

تتھا سنتانوتپتّی کی اِچھا ہو، تو اس اوستھا میں ان کا نیوگ ہونا اوشیہ چاہیئے۔

جوان ہوں اور اولاد پیدا ہونے کی خواہش ہو تو اس صورت میں ان کا نیوگ ہونا واجب ہے۔

﴿۱۳﴾

اس کا نیم آگے لکھتے ہیں[1] صفحہ ۲۱۴۔ (ایمام)

اس کا قاعدہ وید میں یوں لکھا ہے۔

ایشور منشیوں کو آگیا دیتا ہے کہ ہے اندر! پتے! اَیشور یہ یُکت! تو اس ستری کو بیریہ دان دے کے

ایشر بندوں کو حکم دیتا ہے کہ اے جوان تو اس عورت کو بیج بخش کر

سُپتر اور سوبھاگیہ یُکت کر۔ ہے بیریہ پرد! (دشاسیا[2]) پُرش کے پرتی وید کی یہ آگیا

اولاد اور بھاگ والی بنا۔ اے بیج ڈالنے والے جوان وید کا یہ حکم

ہے کہ اس وواہت وا نیوجت ستری میں دس سنتان پَر ینت اُتپنّ کر، ادھک نہیں۔

ہے کہ اس منکوحہ اور نیوگن میں دس بچوں سے زیادہ مت کر

(پتی میں[3]) تتھا ہے ستری! تو نیوگ میں گیارہ پتی تک کر۔ ارتھات ایک تو ان میں

خاوند کے بارے میں ایسا ہی عورت کو حکم ہے کہ اے عورت تو نیوگ گیاراں خصم تک کر۔ یعنی ایک تو ان میں سے

پرتھم وواہت اور دش پر ینت نیوگ کے پتی کر، ادھک نہیں۔ اس کی یہ ویوستھا ہے کہ وواہت

پہلا بیاہ اور دس اُس کے بعد نیوگ کی خاوند اس سے زیادہ نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ خاوند

پتی کے مرنے وا روگی ہونے سے دوسرے پُرش وا ستری کے ساتھ سنتانوں کے

مر جانے یا اس کے بیمار ہونے سے عورت دوسرے مرد سے یا مرد دوسری عورت سے اولاد کی

नियोग करने में ऐसा नियम है कि जिस स्त्री का पुरुष वा किसी पुरुष की स्त्री मर जाय अथवा उनमें किसी प्रकार का स्थिर रोग हो जाय वा नपुंसक वन्ध्या दोष पड़ जाय, और उन की युवावस्था हो, तथा सन्तानोत्पत्ति की इच्छा हो, तो उस अवस्था में उनका नियोग होना अवश्य चाहिए। इस का नियम आगे लिखते हैं। भूमिका पृ. 211-212

[1] رگویدادی بھاشیہ بھومکا (مصنفہ سوامی دیانند سرسوتی باب ۲۶ نیوگ وشے) [2] دشاسیاں پُتر انادھے ہی۔ [3] پتم اے کادشم کر یدھی۔

ابھاؤ میں نیوگ کرے۔ تتھا دوسرے کے بھی مرن وا روگی ہونے کے انتر تیسرے کے ساتھ کر لے۔

خواہش میں نیوگ کرے۔ ویسا ہی دوسرے مرد مرنے اور بیمار ہو جانے کے اندر تیسرے مرد کے ساتھ نیوگ

اسی پرکار دشویں تک کرنے کی آ گیا ہے۔

کر لے۔اسی طرح دسویں تک نوبت پہنچا دے وید کا یہی حکم ہے۔

پرنتو ایک کال میں ایک ہی بیریہ داتا پتی رہے۔ دوسرا نہیں۔ اسی پرکار پرش کے لئے بھی وواہت

مگر ایک وقت میں ایک ہی بیج داتا ہو دوسرا جائز نہیں (خاوند جب چاہے صحبت کرے یہ بیرج داتا کیلئے قاعدہ ہے) اسی

ستری کے مرجانے پر ودھوا کے ساتھ نیوگ کرنے کی آ گیا ہے۔ اور جب وہ بھی روگی ہو وا مر

طرح مرد کے واسطے بھی بیاہتا عورت کے مرجانے پر بیوہ عورت کیساتھ نیوگ کرنے کی اجازت ہے اور جب وہ بیوہ روگی ہو

جائے ،تو سنتانوتپتّی کے لئے دشم ستری پریںنت نیوگ کر لیوے[1]

جاوے یا مرجائے تو بچے جنانے کے لئے دسویں عورت تک نیوگ کرے۔

﴾۱۴﴿ ا٘ب دیکھو یہ وہی وید بھومکا ہے جس کا قادیان کے آریوں نے حوالہ دیا تھا اور جس کی بناء پر ہماری غلط بیانی ثابت کرنی چاہی تھی سو اس میں بھی خلاصہ مطلب یہی نکلا کہ نیوگ کی صورتوں میں سے ایک یہ بھی صورت ہے کہ مرد کی منی کسی بیماری کی وجہ سے قابل اولاد نہ رہے مثلاً منی پتلی پڑ جائے یا اس میں کسی قسم کا احتراق ہو جائے یا منی میں کیڑے نہ ہوں تو ان سب صورتوں میں مرد ناقابل اولاد ہو جائے گا اور واجب طور پر نیوگ کرانا پڑے گا اور اکثر الوقوع دنیا میں یہی قسم ہے کیونکہ اور قسمیں یعنی ہیجڑہ ہونا یا خصّی کئے جانا بہت نادر الوقوع ہیں کیونکہ لوگ سوچ سمجھ کر ہزار احتیاط اور تفتیش سے اپنی لڑکیوں کی شادی کرتے ہیں ہیجڑوں اور خصّیوں کو کوئی لڑکی نہیں دیتا اور پیچھے سے خصّی کئے جانا یہ ایسا شاذ و نادر ہے جو معدوم کی طرح ہے۔ آج کل کی جدید تحقیقات کی رو سے تو وہی لوگ نامرد اور ناقابل اولاد سمجھے گئے ہیں کہ گو وہ کیسی ہی قوت باہ رکھتے ہیں مگر ان کی منی میں کیڑے نہیں ہوتے اور بعض وقت بظاہر منی اچھی ہوتی ہے اور مرد جوان ہوتا ہے مگر منی اعتدال سے گر جاتی ہے اور یا ایسی صورت ہوتی ہے کہ مرد اپنی فطرت سے عقیمہ عورت کی طرح ہوتا ہے تناسل کے اعضاء درست ہوتے ہیں قوت باہ نہایت تیز ہوتی ہے مگر لڑکا لڑکی کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا ان تمام صورتوں میں منی کے کیڑوں

इमां त्वमिन्द्र मीढ्वः सुपुत्रां सुभगां कृणु । दशास्यां पुत्रानाधेहि पतिमेकादशं कृधि ॥

[1] رگویدادی بھاشیہ بھومکا (مصنفہ سوامی دیانند سرسوتی باب ۲۶ نیوگ وشے)

میں ضرور آفت ہوتی ہے یا پیدا ہی نہیں ہوتے یا ضعیف میت کی طرح ہوتے ہیں۔ اس طرح کے لوگ دنیا میں نہ ہزارہا بلکہ لاکھوں موجود ہیں اور بعض بباعث کسی ردّی قسم آتشک اور احتراق منی کے ناقابل اولاد ہوجاتے ہیں یہی قسمیں دنیا میں بکثرت پائی جاتی ہیں مگر ان لوگوں کی شہوت میں کمی نہیں ہوتی بلکہ بعض صورتوں میں تو شہوت اوروں سے بھی زیادہ ہوتی ہے اور اطبّاء اور ڈاکٹروں کے نزدیک یہ لوگ نامرد کہلاتے ہیں اور یہ بات بھی فیصلہ شدہ ہے کہ ہمارے اس ملک میں کم سے کم فیصدی ایک مرد ایسا ہوتا ہے کہ جس کے کیڑوں میں آفت ہونے کی وجہ سے اولاد نہیں ہوتی یا ہوکر مرجاتی ہے تو اس صورت میں ہر یک گاؤں اور قصبہ میں کم سے کم دو تین ہندو عورتوں کو نیوگ کی ضرورت پیش آتی ہوگی اور شہروں میں تو صدہا جوان عورتوں کا نیوگ کرانا پڑتا ہوگا اور جو صرف شہوت فرو کرنے کے لئے نیوگ ہے وہ اس سے الگ رہا۔

یہ ڈاکٹری اور طبّی تحقیقاتوں سے ثابت ہوچکا ہے جس سے چاہیں دریافت کرلیں۔ اور کسی ایسے قصبہ یا شہر کا نشان نہیں دے سکیں گے جس میں اس قسم کے لوگ نہ پائے جائیں۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ نیوگ جوان عورتوں کا ہی ہوگا کیونکہ پیرانہ سالی میں تو عورت خود ناقابل اولاد ہوجاتی ہے اور جب جوان عورت کا نیوگ ہوا اور اس کا خاوند بھی جوان ہے اور قوت باہ پورے طور پر اپنے اندر رکھتا ہے بلکہ قوت کی رو سے بیرج داتا سے کچھ زیادہ ہی ہے تو اس صورت میں قطع نظر اس بے حیائی اور دیوثی کے جو ایک شخص اپنے ہاتھ سے اپنی جوان عورت کو دوسرے سے ہم بستر کرادے یہ رشک بھی اس کے لئے تھوڑا نہیں ہوگا کہ وہ تمام رات شہوت کے زور سے تڑپتا رہے اور اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی جوان اور خوبصورت عورت دوسرے کے نیچے منہ کالا کراوے اور وہ دیکھے اور صبر کرے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر وہ بے غیرتی اور دیوثی کی وجہ سے ایسے بیرج داتا سے پرہیز نہیں کرے گا تو البتہ اپنے جوش شہوت کی رقابت سے اس بیرج داتا کو جوتی مار کر نکال دے گا اور آپ اس عورت سے ہم بستر ہوگا۔ ﴿۱۵﴾

بالآخر یاد رہے کہ جن شرتیوں کا حوالہ پنڈت دیانند نے دیا ہے ان سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت حسب ضرورت دس۱۰ مختلف مردوں سے نیوگ کراسکتی ہے۔

اب ہم ناظرین کے ملاحظہ کے لئے ان شُرتیوں کو بھی پیش کرتے ہیں جو ستیارتھ پرکاش میں

نیوگ کے ایسے قسم کے بارے میں درج ہیں یعنی اس قسم نیوگ کے لئے جو خاوند کے زندہ اور نا قابل اولاد ہونے کی حالت میں کرایا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں۔ अन्यमिच्छस्व सुभगे पतिं मत् ।

منتر انیم اِچّھس وَسُو بھگے پتم مت رگوید منڈل ۱۰۔ سُکت ۱۰۔ ऋग्वेद, मण्डल 10, सूक्त 10, मंत्र 10

ترجمہ بھاش پنڈت دیانند

جب پتی سنتانوتپتّی میں اسمرتھ ہووے تب اپنی ستری کو آگیا دیوے کہ ہے سوبھگے!
جب خاوند اولاد جنانے کے قابل نہ رہے تب اپنی بیوی کو حکم دے کہ اے بھاگوان

سوبھاگیہ کی اِچّھا کرنے ہاری ستری! تو مجھ سے دوسرے پتی کی اِچّھا کر، کیونکہ اب مجھ سے
اولاد کی خواہش کرنے والی عورت تو مجھ سے دوسرے مرد کی درخواست کر کیونکہ اب میرے سے

سنتانوتپتّی کی آشامت کر۔ परन्तु उस विवाहित महाशय पति की सेवा में तत्पर रहे । सत्यार्थ प्रकाश ।
اولاد ہونے کی امید مت رکھ

پرنتو اس وواہت مہاشیہ پتی کی سیوا میں تتپر رہے ویسے ہی ستری بھی جب روگ آدی
لیکن اس حقیقی خاوند کی خدمت میں ہر وقت حاضر رہے۔ ایسا ہی عورت بھی جب بیماری وغیرہ

دوشوں سے گرست ہو کر سنتانوتپتّی میں اسمرتھ ہووے تب اپنے پتی کو آگیا دیوے
سببوں سے اولاد جننے کے قابل نہ رہے تب اپنے خاوند کو حکم دے

کہ ہے سوامی! آپ سنتانوتپتّی کی اِچّھا مجھ سے چھوڑ کے کسی دوسری وِدھوا ستری سے ﴿۱۶﴾
کہ اے صاحب مجھ سے آس چھوڑیں اور کسی بیوہ عورت سے

نیوگ کرکے سنتانوتپتّی کیجئے۔ جیسا کہ پانڈو راجا کی ستری کُنتی اور مادری آدی نے
نیوگ کر کے اولاد جنالیں جیسا کہ راجہ پانڈ کی بیویوں کنتی اور مادری نے

کیا اور جیسا بیاس جی نے چترانگد اور وِچتر ویریہ کے مرجانے کے پشچات ان اپنے بھائیوں کی
کیا تھا اور جیسا کہ بیاس جی نے چترانگد اور بچتر بیرج کے مرنے کے بعد اپنے بھاوجوں کے

ستریوں سے نیوگ کرکے انبِکا میں دھرت راشٹر اور انبالکا میں پانڈو اور داسی میں
نیوگ سے بچے جنائے تھے۔

وِدُر کی اتپتّی کی، اتیادی اتہاس بھی اس بات میں پرمان ہیں۔[1] منو میں ہے ادھیا۹۔ شلوک ۷۶-۸۱

اس باب میں پران بھی حجت ہے۔ دیکھو منو ادھیا۹ شلوک ۷۶-۸۱

تشریح

دیکھو اس منتر میں جو رگوید کے دسویں منڈل کا منتر ہے آریہ صاحبوں کا پرمیشر بڑی دیا اور کرپا سے ارشاد فرماتا ہے کہ جب تم میں اولاد جنانے کی طاقت نہ رہے یا خود اولاد نہ ہو تو اپنی بیوی کو یہ کہہ دو کہ پتر لینے کے لئے کسی دوسرے شخص سے ہم بستر ہو یہ تو وید منتر تھا پھر اس کو پنڈت دیانند نے مثالوں سے خوب ہی سجایا ہے اور پانڈو راجا کی استریوں کا نیوگ کرانا اور راجا کے جیتے جی ان کا دوسروں سے ہم بستر ہونا خوب ہی ثابت کیا ہے۔ پھر کیا اب بھی خاوند والی استری کا نیوگ ثابت نہ ہوا۔

پرشن۔ جب ایک وواہ ہوگا ایک پُرش کو ایک استری اور ایک استری کو ایک پُرش رہے گا

(سوال) جب ایک شادی ہوگی ایک مرد کو ایک عورت اور ایک عورت کو ایک مرد میسر آئے گا

تب استری گرب وتی استھر روگنی اتھوا پُرش ویرگھ روگی ہو اور دونو کی یُواوستھا ہو رہا نہ جائے تو

اس وقت اگر عورت حاملہ یا بیمار ہو ایسے ہی یا مرد بیمار ہو اور دونوں کی عمر جوان ہو رہا نہ جائے تو

پھر کیا کریں۔

پھر کیا کریں۔

(प्रश्न) जब एक विवाह होगा एक पुरुष को एक स्त्री और एक स्त्री को एक पुरुष रहेगा तब स्त्री गर्भवती स्थिर रोगिणी अथवा पुरुष दीर्घ रोगी हो और दोनों की युवावस्था हो, रहा न जाय तो फिर क्या करें ।

(اُتّر) اس کا پرتیو اتر نیوگ بشی میں دے چکے ہیں اور گربھ وتی استری سے ایک برش سماگم ﴿۱۷﴾

(جواب) اس کا جواب نیوگ میں گذرا اور اگر حاملہ عورت سے ایک سال تک جماع

نہ کرنے کے سمے میں پرش وا استری سے نہ رہا جائے تو کسی سے نیوگ کر کے اس کے لئے پُتّر

نہ کرنے کی حالت میں مرد یا عورت سے رہا نہ جائے تو کسی سے نیوگ کر کے اولاد

[1] ستیارتھ پرکاش باب:۴ مصنفہ سوامی دیانند سرسوتی۔

اُتپن کردے جن دے	और गर्भवती स्त्री से एक वर्ष समागम न करने के समय में पुरुष वा स्त्री से न रहा जाय तो किसी से नियोग करके उसके लिये पुत्रोत्पत्ति करदे परन्तु वेश्या गमन वा व्यभिचार कभी न करें। सत्यार्थ।

تشریح

عبارت مذکورہ بالا میں پنڈت دیانند کی تقریر کا حاصل مطلب یہ ہے کہ اگر عورت کے حاملہ ہونے کی حالت میں مرد یا عورت پر ایسی شہوت غالب ہو کہ ان سے رہا نہ جائے تو مرد اور عورت کسی سے نیوگ کر کے اس کو اولاد جن دیں۔ اس تقریر پر بظاہر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بھلا یہ بات تو ممکن ہے کہ مرد نیوگ کر کے کسی اور عورت کو بچے جنا دے مگر یہ کیونکر ممکن ہوگا کہ ایک حاملہ عورت کسی دوسرے سے نیوگ کر کے اس کیلئے جنا دے کیونکہ اس کو تو خود پہلے حمل ہے۔ اور ایک یہ بھی اعتراض ہے کہ جس حالت میں مرد اور عورت میں سے کوئی بھی بیمار نہیں تو پھر کیا ضرور ہے کہ وہ دوسرے سے نیوگ کریں کیا وجہ کہ باہم ہم بستر نہ ہوتے رہیں۔ اس دوسرے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ حمل کی حالت میں وید کی رو سے خاوند کو اپنی عورت سے جماع کرنا حرام ہے لیکن اگر یہ مشکل آپڑے کہ خاوند اور عورت دونوں نہ رہ سکیں تو اس صورت میں **وید آ گیا یہ ہے۔** کہ دونوں نیوگ سے اپنا منہ **کالا** کریں۔ اور پہلا سوال یعنی ایک عورت حمل کی حالت میں دوسرا حمل کیونکر کرا سکتی ہے اس کا جواب غالباً **پنڈت صاحب** یہ سمجھتے ہوں گے کہ **شوپُران** کی رو سے جو مسئلہ نیوگ میں حجت ہے **حمل پر حمل** بھی ہو سکتا ہے لیکن ہم اس مسئلہ میں پنڈت دیانند کی تائید کر کے لکھتے ہیں کہ یہ بیان کچھ شوپران پر ہی موقوف نہیں بلکہ حال کی تحقیقات جدیدہ کی رو سے بھی یہ بات ثابت ہوگئی ہے اور ڈاکٹروں نے اس میں مشاہدات پیش کئے ہیں چنانچہ ایک ڈاکٹر صاحب یعنے مصنف رسالہ **معدن الحکمت** اپنی کتاب کے صفحہ ۶۳ میں لکھتے ہیں کہ ایک حمل پہلے حمل کے بعد کچھ دنوں کے فاصلہ سے ٹھہر سکتا ہے اور اس کے ثبوت میں سے ایک یہ ہے کہ **بیک صاحب** اپنا مشاہدہ لکھتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ۱۷۱۴ء میں ایک گوری عورت کے دولڑکے ایک کالا دوسرا گورا تھوڑی دیر کے بعد فاصلہ سے پیدا ہوئے اور تحقیقات سے **معلوم** ہوا کہ اس کے خاوند کے بعد ایک حبشی نے مجامعت

﴿۱۸﴾

کی تھی اسی طرح ڈاکٹر میٹن صاحب نے بیان کیا ہے کہ ایک حمل پر تین مہینے کے وقفہ سے حمل ٹھہر گیا اور دو لڑکے پیدا ہوئے اور انہوں نے عمر پائی اور کوئی ان میں سے نہ مرا۔ اس جگہ بظاہر آریہ لوگ اپنے وید پر فخر کر سکتے ہیں کہ یہ بھی ایک ودّیا ہے کہ وید نے یہ بات کہہ کر **حاملہ عورت دوسرے سے نیوگ کرکے بچہ لیوے**۔ یہ جتا دیا کہ حمل پر حمل ہو سکتا ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس سے کوئی بھی ودیا ثابت نہیں ہوتی کیونکہ جبکہ وید کے زمانہ اور بعد میں بھی ہندوؤں میں یہ عام عادت رہی ہے کہ خاوند اپنی عورتوں کو نیوگ کے لئے دوسروں کی طرف بھیجتے رہے ہیں پس جبکہ لاکھوں بلکہ کروڑ ہا عورتیں باوجود زندہ ہونے خاوندوں کے اور باوجود اس کے کہ انہیں کے نکاح میں تھیں دوسروں سے ہم بستر ہوتی رہیں تو اس کثرت کی کارروائیوں سے ضرور تھا کہ خودبخود ایسے تجربے حاصل ہو جاتے۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ طوائف کے گروہ کو بھی بعض بدکاری کے امور میں ایسے تجارب حاصل ہو جاتے ہیں کہ بیچاری پردہ نشیں عورتیں ان سے بے خبر ہوتی ہیں تو کیا یہ کہہ سکتے ہیں کہ طوائف بھی ودّیا کا سرچشمہ ہیں۔ ہاں یہ اشارہ نہایت پاکیزگی سے **قرآن شریف** میں موجود ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ[1] الجزو نمبر ۲۸ یعنی حمل والی عورتوں کی طلاق کی عدت یہ ہے کہ وہ وضع حمل تک بعد طلاق کے دوسرا نکاح کرنے سے دستکش رہیں۔ اس میں یہی حکمت ہے کہ اگر حمل میں ہی نکاح ہو جائے تو ممکن ہے کہ دوسرے کا نطفہ بھی ٹھہر جائے تو اس صورت میں نسب ضائع ہوگی اور یہ پتہ نہیں لگے گا کہ وہ دونوں لڑکے کس کس باپ کے ہیں۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ پنڈت صاحب کی اس تحریر سے یہ بھی ثابت ہوا کہ **نیوگ صرف اولاد کے لئے نہیں** بلکہ جوش شہوت کے فرو کرنے کے لئے بھی نیوگ ہوگا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کیونکر یہ جائز ہوتا کہ ایک مرد باوجودیکہ اس کی عورت حاملہ ہے پھر غیر عورتوں سے نیوگ کرتا پھرے اسی طرح صاف طور پر لکھا ہے کہ اگر ایک ہندو بوجہ کسی بیماری وغیرہ کے اپنی عورت کی پورے پورے طور پر تسلی نہ کر سکے تو **وید** آ گیا یہ ہے کہ اپنی **عورت سے نیوگ کراوے** مگر پھر بھی یہ شرط ہے کہ اس وقت تک نیوگ جاری رہے جب تک کہ نیوگ میں سے ہی اولاد ہو جاوے۔ اب ہم ان

[1] الطلاق : ۵

بھلے مانسوں کے حق میں کیا لکھیں جو ایسی **شرتیوں پر ایمان لا کر پھر اسلام پر اعتراض کرتے ہیں** کہ اسلام کی شادیاں اولاد کی غرض سے نہیں بلکہ شہوت رانی کی غرض سے ہیں افسوس خود تو یہ جائز رکھیں کہ اپنے جیتے جی عین نکاح کی حالت میں اپنی عورتوں کا **جوش شہوت** فرو کرنے کے لئے ان کو دوسروں سے **ہم بستر کراویں** اور ایسی ناپاک دیوثی سے ذرہ بھی شرم نہ کریں۔ اور عورتیں بھی ایسی بھلی مانس ہوں کہ حمل کے دنوں میں بھی صبر نہ کر سکیں اور **زندہ موجود خاوند** کو چھوڑ کر دوسروں سے **نیوگ کراتی پھریں** تا اپنے شہوت کے جوش کو پورا کریں۔ اور پھر اسلام کے نکاح پر معترض ہوں۔

﴿۱۹﴾

اے صاحبان آپ نے کہاں سے اور کس سے سن لیا کہ اسلام میں محض شہوت رانی کی غرض سے نکاح کیا جاتا ہے ہمیں قرآن نے تو یہ تعلیم دی ہے کہ پرہیزگار رہنے کی غرض سے نکاح کرو۔ اور اولاد صالح طلب کرنے کے لئے دعا کرو جیسا کہ وہ اپنی پاک کلام میں فرماتا ہے مُّحۡصِنِیۡنَ غَیۡرَ مُسٰفِحِیۡنَ [1] الجزو نمبر ۵۔ یعنی چاہئے کہ تمہارا نکاح اس نیت سے ہو کہ تا تم تقویٰ اور پرہیزگاری کے قلعہ میں داخل ہو جاؤ ایسا نہ ہو کہ حیوانات کی طرح محض نطفہ نکالنا ہی تمہارا مطلب ہو☆۔ اور محصنین کے لفظ سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ جو شادی نہیں کرتا وہ نہ صرف روحانی آفات میں گرتا ہے بلکہ جسمانی آفات میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے سو قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ شادی کے تین فائدے ہیں۔ ایک عفت اور پرہیزگاری۔ دوسری حفظ صحت۔ تیسری اولاد۔

اور پھر ایک اور جگہ فرماتا ہے وَلۡیَسۡتَعۡفِفِ الَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ نِکَاحًا حَتّٰی یُغۡنِیَہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ [2] الجزو نمبر ۱۸ سورۃ النور۔ یعنی جو لوگ نکاح کی طاقت نہ رکھیں جو پرہیزگار رہنے کا اصل ذریعہ ہے تو ان کو چاہئے کہ اور تدبیروں سے طلب عفت کریں چنانچہ بخاری اور مسلم کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

☆ حاشیہ۔ واضح ہو کہ احصان کا لفظ حصن سے مشتق ہے اور حصن قلعہ کو کہتے ہیں اور نکاح کرنے کا نام احصان اس واسطے رکھا گیا کہ اس کے ذریعہ سے انسان عفت کے قلعہ میں داخل ہو جاتا ہے اور بدکاری اور بدنظری سے بچ سکتا ہے اور نیز اولاد ہو کر خاندان بھی ضائع ہونے سے بچ جاتا ہے اور جسم بھی بے اعتدالی سے بچا رہتا ہے پس گویا نکاح ہریک پہلو سے قلعہ کا حکم رکھتا ہے۔ **منہ**

[1] النساء: ۲۵ [2] النور: ۳۴

فرماتے ہیں کہ جو نکاح کرنے پر قادر نہ ہو اس کے لئے پرہیز گار رہنے کے لئے یہ تدبیر ہے کہ وہ روزے رکھا کرے اور حدیث یہ ہے **یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءَ ةَ فلیتزوج فانه اغض للبصر و احصن للفرج و من لم یستطع فعلیه بالصوم فانّه‘ له وجاء** صحیح **مسلم و بخاری** یعنے اے جوانوں کے گروہ جو کوئی تم میں سے نکاح کی قدرت رکھتا ہو تو چاہیے۔ کہ وہ نکاح کرے کیونکہ نکاح آنکھوں کو خوب نیچا کر دیتا ہے اور شرم کے اعضاء کو زنا وغیرہ سے بچاتا ہے ورنہ روزہ رکھو کہ وہ خصّی کر دیتا ہے۔

اب ان آیات اور حدیث اور بہت سی اور آیات سے ثابت ہے کہ نکاح سے شہوت رانی غرض نہیں بلکہ بدخیالات اور بدنظری اور بدکاری سے اپنے تئیں بچانا اور نیز حفظ صحت بھی غرض ہے اور پھر نکاح سے ایک اور غرض بھی ہے جس کی طرف قرآن کریم میں یعنی سورۃ الفرقان میں اشارہ ہے اور وہ یہ ہے وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا[1] یعنی مومن وہ ہیں جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے خدا ہمیں اپنی بیویوں کے بارے میں اور فرزندوں کے بارے میں دل کی ٹھنڈک عطا کر اور ایسا کر کہ ہماری بیویاں اور ہمارے فرزند نیک بخت ہوں اور ہم ان کے پیشرو ہوں۔ ﴿۲۰﴾

پیارے ناظرین! جو کچھ ہم نے اشتہار میں **نیوگ** کے بارے میں **لکھا تھا** اسی کی تائید میں ہم نے **بھومکا** اور دیانند کے **وید بھاش** کو نقل کر دیا ہے۔ اب ہم ان بدزبانوں سے پوچھتے ہیں جنہوں نے ہم پر بہتان کا الزام لگایا کہ ہم نے وید اور پنڈت دیانند کی ستیارتھ پرکاش کا حوالہ دینے میں کونسی خیانت کی ہے یا کس غلط بیانی کے ہم مرتکب ہوئے اور اس مسئلہ کی کس شکل اور اصلیت کو ہم نے بگاڑ دیا ہے خدا تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا ہے جو سچ کہے اور عمدًا جھوٹ نہ بولے اور ایسے شخص پر اس کی لعنت ہے جو محض قومی بردہ اور بخل کی وجہ سے یا باطل کی محبت سے سچ کو چھوڑ دیتا اور جھوٹ کے سرسبز کرنے کے لئے زور لگاتا ہے **مذہب** کی جڑ راستی اور راستی کی محبت ہے مگر پلید روحیں شطرنج بازوں کی طرح صرف چال کے فکر میں رہتی ہیں اور دھرم اور دھرم کے نیک نتیجوں کی کچھ پروا نہیں رکھتیں۔

[1] الفرقان : ۷۵

سوا ایسے لوگ خدا تعالیٰ کی نظر سے پوشیدہ نہیں آخر بری طرح مرتے ہیں کیا یہ سچ نہیں کہ وید نے **خود یہ حکم** دیا ہے کہ زندہ خاوند والی عورت اولاد کے لالچ سے دوسرے شخص سے ہم بستر ہوا کرے کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ پنڈت دیانند نے بھی اُنہیں معنوں کو تسلیم کیا ہے کیا یہ درست نہیں کہ منو نے بھی یہی لکھا ہے اور **یا گولک** نے بھی یہی۔ پھر ذرا سوچو تو سہی کہ کونسی زیادتی ہے جو ہم سے ظہور میں آئی اور کونسا دھوکا ہے جو ہم نے لوگوں کو دیا ہے۔ اب اپنے ان گندے الفاظ کو سوچو جو کاغذ پر قلم رکھتے ہی منہ سے نکالے اور کہا کہ یہ تعصب اور اندرونی خبث کا نتیجہ ہے اب سچ کہو کہ کس کا اندرونی خبث ثابت ہوا ہم کسی کو گالی نہیں دیتے اور نہ کسی کو برا کہتے ہیں صرف انصاف کی رو سے تمہارے ہی الفاظ تمہیں واپس دیتے ہیں اور آپ لوگوں کا اپنے اشتہار میں یہ لکھنا کہ وید کی رو سے نیوگ کی حقیقت یوں ہے **ودھوا استری** (یعنی بیوہ عورت) **یا جس پرش کی استری مرگئی ہو اپنی عمر وید پڑھنے اور ست شاستروں کے پڑھنے پڑھانے میں بسر کرے۔** یہ کیسا دھوکا دینا ہے اور کیسا خیانت کا طریق ہے اول تو نہ آپ لوگوں نے اور نہ دیانند نے اس دعویٰ کی تائید میں وید کا کوئی منتر لکھا پھر اگر فرض کے طور پر قبول بھی کر لیں کہ یہ وید ہی کے کسی نامعلوم منتر کا ترجمہ ہے تو اس کو ہماری اس بحث سے تعلق ہی کیا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ اس کو اس موقع پر کیوں پیش کیا گیا ہے ہم نے کب اور کس وقت کہا تھا کہ بیوہ کو شاستر پڑھنا پڑھانا منع ہے بیوہ کے نیوگ کا تو ہم نے پہلے اشتہار میں کچھ بھی ذکر نہیں کیا تھا صرف ایسی عورتوں کے نیوگ کا ذکر تھا جن کا خاوند زندہ موجود ہو اور پھر خاوند والی عورتوں کے لئے ہم نے وید اور منو اور دیانند کے بھاش سے نیوگ ثابت کر دیا تھا پھر یہ **کیسا خبط** ہے کہ ذکر تو خاوند والی عورت کا تھا مگر اشتہار شائع کرنے والوں نے اس بحث کی رد میں تو کچھ نہ لکھا اور بیچاری بیوہ کو لے بیٹھے۔ اب ہمیں وہ آپ ہی بتلا دیں کہ کیا یہ پاک باطنی کا طریق ہے یا قدیم تعصب اور اندرونی خبث ہے؟

﴿۲۱﴾

اے غافلو! ذرا آنکھیں کھولو اور دل کو سیدھا کرو اور سوچو کہ اس وقت بحث تو یہ ہے کہ ہم وید کی شُرتی اور پنڈت دیانند کے بھاش سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ جو آریہ بیوی والا ہو اور رنڈا

نہ ہو اور کسی وجہ سے قابل اولاد نہ رہا ہو گو کیسا ہی مردی کی طاقتیں رکھتا ہو تو **وید مقدس کی یہ آ گیا ہے کہ اس کی جورو دوسرے سے اولاد حاصل کرے اور جب تک پتر کا نطفہ نہ ٹھہرے تب تک یہ کارروائی برابر چلی جائے۔** یہی مضمون تھا جو ہم نے پہلے اشتہار میں لکھا تھا جس کو آپ لوگوں نے کہا کہ یہ خبث نفس اور متعصّبانہ جوش سے لکھا ہے۔ مگر افسوس تو یہ آتا ہے کہ ایسے سفلہ پن کے گندے الفاظ منہ پر لا کر پھر ہمارے اشتہار پر رد کیا لکھا کیا ردّ اسی کو کہتے ہیں کہ خاوند والی کو چھوڑ کر بیوہ پر جا پڑے۔ ان بے تعلق قصوں کو درمیان میں لانا شاید اس غرض سے ہوگا کہ تا اصل بحث کی طرف لوگ توجہ نہ کریں اور اس طرح پر پردہ پوشی ہو جائے لیکن اس خائنانہ طریق کو کوئی منصف پسند نہ کرے گا کاش اگر ایسے بیہودہ اشتہار دینے کی جگہ چپ ہی رہتے تو ہمیں یقین ہو جاتا کہ یہ لوگ بھلے مانس اور اشراف ہیں۔ **سچی بات کو دیکھ کر چپ** ہی کر گئے مگر اب تو انہوں نے مدت کے بعد پھر اپنا گند ہم پر ظاہر کیا اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس گندی تعلیم کو وہ کیونکر اور کس تدبیر سے چھپاتے ہیں یا اپنی عملی زندگی میں اپنی بے اولاد عورتوں کا نیوگ کرا کر ہمیں دکھاتے ہیں۔ بُرا نہ مانیں یہ کوئی بے جا بات ہم نے نہیں کہی جو باتیں وید کی رو سے درست اور وید کی آ گیا کے نیچے آ گئی ہیں ان کا آریوں کے لئے کرنا دھرم اور نہ کرنا مہا پاپ ہے کیونکہ وید منسوخ تو نہیں ہوا تا یہ کہا جائے کہ پہلے یہ بات جائز تھی اور اب ناجائز ہوگئی ہے اور جب ایسے مہان پرش جیسے دیانند اور **یا گولک اور منو جی نیوگ پر زور دیویں** اور وید کی شُرتیاں سنا دیں اور **راجہ پانڈ کی رانیاں** نیوگ کر کے دکھلاویں تو پھر کوئی آریہ مہاں پاپی ہی ہوگا جو اب بھی یقین نہ کرے۔ ﴿۲۲﴾

پنڈت دیانند صاحب ستیارتھ پرکاش میں صاف لکھتے ہیں کہ **نیوگ کے روکنے میں پاپ ہے۔** اب ظاہر ہے کہ جس کا روکنا پاپ ہے اس کا بجالانا کس قدر واجبات سے ہے سوائے آریو دوڑو ثواب حاصل کرو تا ایسا ہو کہ ہر یک کی بیوی کے نیوگ سے دس۱۰ دس پتر ہوں جائے شرم!!! اور میں سوچ میں ہوں کہ آپ لوگ کیوں بیچارے منو کے گرد ہو گئے کہ اس نے نیوگ کا مسئلہ آپ گھڑ لیا ہے ذرا سوچو کہ اگر منو کی کتاب مذہبی نہیں تھی تو دیانند نے کیوں اس کا حوالہ

دیا یہ کس کو معلوم نہیں کہ منو ہندو دھرم میں ایک مسلم رشی ہے اور منوسمرتی کے ادھیا (۱) میں لکھا ہے کہ اس وقت کے رشیوں نے اقرار کیا کہ وید کا جاننے والا منو ہی ہے۔ غرض منو ایسا مسلم ہے کہ عدالت انگریزی بھی ہندوؤں کے مذہبی مقدمات کو منو کے دھرم شاستر کی رو سے فیصلہ کرتی ہے پس یہ صحیح نہیں ہے کہ منو ملحدانہ زندگی بسر کرتا تھا اور وید کی پیروی سے اس نے استعفا دے رکھا تھا سب ہندو منو کو ایک بزرگ منش جانتے ہیں اور اگر فرض بھی کر لیں کہ منو اپنی تمام باتوں میں ویدوں کا تابع نہیں تو پھر اس بات کا کیا جواب ہے کہ نیوگ کا مسئلہ کچھ منو کا ہی خاص عقیدہ نہیں یہ تو آریہ دھرم میں ایک متفق علیہ عقیدہ ہے☆ اور یہ بھی یاد رہے کہ پنڈت دیانند نے بھی نیوگ کے ثبوت میں علاوہ وید کے منو کا حوالہ دیا ہے اب کیا دیانند کی بھی عقل ماری گئی تھی کہ جو ایک ایسے آدمی کا حوالہ دیتا ہے جو اپنے بیان میں وید کا ماہر نہیں۔ پھر جبکہ بڑے بڑے دھرم مورت لوگ منو کو ایسا سمجھتے رہے کہ وہ اپنے ہر یک قول میں وید کا پیرو ہے اور دیانند ستیارتھ پرکاش میں اس کی بہت تعریف کرتا ہے تو پھر اس کی گواہی کو منظور نہ کرنا اگر ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے۔ اور اگر آپ لوگ منو سے ناراض ہیں تو منو کو جانے دیں مگر یہ تو فرمایئے کہ کچھ وید پر تو ناراضگی نہیں مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ اصل ناراضگی آپ کی وید پر ہی ہے۔ منو پر تو بظاہر دانت پیسے جاتے ہیں۔ وہ بیچارہ ایسی شرتیوں کو وید میں پا کر کیونکر اور کہاں چھپا سکتا تھا کیا دیانند ان شرتیوں کو چھپا سکا۔ کیا آپ لوگوں کے بڑے مہاراج یا گولک جی بھاشکار وید ان شرتیوں کو چھپا سکے تو پھر ایک دفعہ آپ لوگ ہاتھ دھو کر غریب منو کے پیچھے کیوں پڑ گئے یہ تو ظلم ہے اور اگر کہو کہ منو کے بعض دوسرے مقامات میں عام بدفعلی

﴿۲۳﴾

☆ **نوٹ**۔ نیوگ صرف عقیدہ ہی نہیں بلکہ قدیم سے آریوں کا اس پر عملدرآمد ہے راجہ پانڈ کی رانیوں کا نیوگ تو ابھی بیان ہو چکا ہے اور ڈاکٹر برنیئر اپنی کتاب وقائع سیر و سیاحت میں لکھتا ہے کہ جگناتھ کے مقام پر صدہا جوان عورتیں نیوگ کرانے والی دیکھی گئیں جو یہ پاک کام صرف بیراگیوں اور جوگیوں سے ہی کراتی تھیں اور ان کے لئے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی۔ اور پھر اسی کتاب کے صفحہ ۹۶ میں ایک ہندو خاندانی سے نقل کر کے لکھا ہے کہ وہ کشمیر کے ایک ضلع میں گیا تو اس ضلع کے ہندوؤں نے اس کو خاندانی پا کر اپنی جوروان پیش کیں تا وہ ان سے ہم بستر ہوویں اور ایک معزز آدمی کی نسل سے انہیں فخر حاصل ہو۔ منہ

पाप तो नियोग के रोकने में है । सत्यार्थ ।

کا بھی جواز پایا جاتا ہے☆ اس لئے ہم منو کی پیروی نہیں کر سکتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ منو کو ایسی بدفعلیوں کے لئے بھی کوئی وید کی شرتی ضرور ملی ہوگی اور جبکہ خاندان کی ترقی کے لئے منکوحہ عورتوں کو آپ لوگوں کا وید وہ نالائق اجازت دیتا ہے کہ جس کا ہم کئی مرتبہ ذکر کر چکے ہیں تو پھر اس سے بڑھ کر اور بے حیائی کیا ہوگی۔ جس سے منو نے آپ لوگوں کا دل دکھایا ہے سب سے گندہ مسئلہ تو نیوگ کا ہے پھر جب وہ وید میں موجود ہے۔ تو کہنا چاہئے کہ وید میں سب کچھ ہے اور اگر یہی سچ تھا کہ بیگانہ نطفہ بھی اپنا نطفہ ٹھہر سکتا ہے تو پھر چاہئے تھا کہ بیرج داتا کی امراض متعدیہ نطفہ کے ساتھ نہ آویں بلکہ جس نے متبنّٰی کیا ہے اس کی متعدی مرضیں متبنّٰی کو لگ جائیں۔ پھر جبکہ قانون قدرت جو حقیقی بیٹے کے متعلق ہے بدل نہ سکا تو نسب میں کیونکر تبدیلی واقع ہوگی۔

اور اس وقت یہ بیان کرنا بھی ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ ہندوؤں میں نیوگ کا مسئلہ ایک نہایت مشہور مسئلہ ہے یہاں تک کہ بعض نے اس کو صرف دینی واجبات سے ہی خیال نہیں کیا بلکہ بڑے ثواب کا ذریعہ خیال کیا ہے اور پُرانے وید کے مفسروں نے بھی اس مسئلہ کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے چنانچہ آپ لوگ یاگولک جی کے نام سے واقف ہوں گے جن کا ابھی میں نے ذکر کیا ہے جن کا وید بھاش بڑے معتبر پایہ کا سمجھا جاتا ہے اور جو آریہ ورت کے بڑے نامی فاضل اور اول درجہ کے وید دانوں میں سے شمار کئے گئے ہیں وہ اپنی کتاب یاگولک سمرتی کے ۶۸۔ اشلوک میں لکھتے ہیں کہ جب عورت کو اپنے شوہر کے ساتھ مجامعت کرنے سے اولاد نہ پیدا ہو اور نہ آئندہ امید ہو تو حیض سے فارغ ہوتے ہی

☆ منو پر یہ الزام ٹھیک نہیں کہ اس نے نیوگ کا مسئلہ لکھا ہے کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ نیوگ کی تعلیم خود وید میں موجود ہے اس میں نہ کوئی منو کا گناہ ہے نہ یاگولک کا نہ دیانند کا نہ پوران والوں کا۔ ہاں بظاہر یہ الزام منو پر لگ سکتا ہے کہ اس نے تمام ہندو عورتوں کو زنا کی رغبت دی ہے کیونکہ اس نے لکھا ہے کہ بدفعلی عورتوں کی جبلی عادت ہے۔ اور زنا کی حالت میں عورت کی سزا صرف اسی قدر ہے کہ اگر نطفہ قرار پکڑ گیا ہو تو اس کا خصم اس کو اپنے نطفہ سے پاک کرے اور اگر قرار نہیں پکڑا تو حیض کا خون آتے ہی وہ آپ ہی پاک ہو جائے گی لیکن سوامی دیال نے جو کچھ بازاری عورتوں کی نسبت لکھا ہے وہ بھی اس سے کم نہیں کیونکہ وہ لکھتے ہیں کہ اگر بازاری عورت حرام کاری سے انکار کرے اور خرچی لے چکی ہو تو وہ اس خرچی کا دوچند دام واپس کرے اور اگر بدفعلی کا وعدہ کر دیا ہو اور ابھی کچھ نہ لیا ہو تو جس قدر لینے کا وعدہ تھا اسی قدر بطور تاوان دیوے یہی حکم مرد کی نسبت ہے۔ لیکن درحقیقت یہ وید مقدس کے قوانین ہیں اس میں نہ منو پر کچھ دوش آسکتا ہے نہ سوامی دیال وغیرہ پر۔ دیکھو ترجمہ یاگولک سمرت ادھیا۲ شلوک ۲۹۶۔

गृहीतवेतना वेश्या नेच्छन्ती द्विगुणं वहेत् । अगृहीते समं दाप्यः पुमानप्येवमेव हि ।
याज्ञवल्क्य स्मृतिः, अध्याय 24, श्लोक 292

अपुत्रां गुर्वनुज्ञातो देवरः पुत्र काम्यया । सपिण्डो वा सगोत्रो वा घृताभ्यक्त ऋतावियात् । याज्ञवल्क्य स्मृतिः, अध्याय 1, श्लोक 68

اپنے باپ وغیرہ بزرگوں سے اجازت لیکر اپنے دیور یا کسی اور ایسے ہی رشتہ دار کے ساتھ اسکے بدن میں گھی ملوا کر حاملہ ہونے تک مقاربت کرسکتی ہے اور وہ لڑکا بیج داتا اور کھیت دونوں کے مرنے کی پنڈ دینے والا اور دونوں کی طرف سے ورثہ حاصل کرنے والا دھرم پورک ہوگا یعنی عین حلال کا فرزند وید کے موافق۔ اب کہو اے حضرات اب بھی تسلی ہوئی یا نہیں اور کیا اب بھی شک ہے کہ ہم نے غلط بیانی کی۔ ہم بڑے شائق ہیں کہ آپ لوگ کوئی دوسرا اشتہار بھی نکالیں تا ہم دیکھیں کہ ایک سچی حقیقت کے پوشیدہ کرنے کیلئے کہاں تک انسانی منصوبہ پیش کیا جاسکتا ہے یہ تجربہ ہو چکا ہے کہ جب یہ مسئلہ کسی آریہ صاحب کو کسی مجلس میں سنایا جاتا ہے تو پہلے تو اس کی کانشنس کی زبردست تاثیر اس کو یک لخت منکر ہونے کی طرف جھکاتی ہے اور پھر وہ شخص لاچار ہو کر اس مسئلہ کو دیانند یا منو کے سر پر تھوپتا ہے اور پھر اس بات کے کھلنے سے کہ درحقیقت یہ وید ہی کا مسئلہ ہے ایک عجیب طور کا انفعال اس کے شامل حال ہو جاتا ہے مگر تعجب یہ کہ اتنی ندامتیں اٹھا کر پھر بھی خدا تعالیٰ کا خوف دل کو نہیں پکڑتا پنڈت گورودت نے بھی جس کو دیانند کے دوسرے نمبر پر سمجھا گیا تھا اپنے ایک انگریزی رسالہ میں اس مسئلہ کی صحت کا اقرار کیا ہے مگر ہمیں تعجب ہے کہ گوردت تو باوجود اپنی انگریزی دانی اور سنسکرت کی استعداد کے بے تردد قبول کرلے کہ یہ مسئلہ حقیقت میں وید میں موجود ہے اور ایسا ہی پنڈت دیانند کھلے کھلے بیان سے اس کا مصدق ہو اور وید کی آگیا پیش کرے۔ منو اس کے عمل کے لئے تاکید کرے یا گولک اس دستور کو وید کی ہدایت کے موافق بیان فرماویں مگر چند بازاری قادیان کے جو محض ناخواندہ ہیں شور مچاویں کہ یہ مسئلہ صحیح نہیں کیا ان تمام پنڈتوں میں اتنی عقل کا بھی مادہ نہیں تھا جو ان لوگوں میں موجود ہے دنیا میں تعصب اور طرف داری کی کوئی حد بھی ہوتی ہے مگر یہ لوگ تو حد سے گذر گئے ہندوؤں میں یہ مسئلہ ایسا ہے جس میں نادان شور مچاوے اور دانا شرمندہ ہو۔ چند سال ہوئے ہیں کہ اسی مسئلہ میں ایک معزز آریہ اور ایک برہمو کی بحث ہوئی جب برہمو نے کتابیں دکھلائیں وید کی شرتیاں پیش کردیں اور دیانند کا بھاش بھی دکھا دیا تو وہ آریہ چونکہ شریف تھا دیکھتے ہی ندامت میں غرق ہوگیا۔ اور عذر کیا کہ بھائی مجھے پہلے خبر نہ تھی کہ یہ گند بھی وید میں موجود ہیں اور اسی دن سے آریہ مت سے دستبردار ہوا۔ اس معزز آریہ کی کارروائی سے جو ایک برہمو رسالہ میں چھپی ہے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس قوم میں

﴿۲۴﴾

شریف آدمی بھی ہیں جو عزت اور غیرت اور حیا رکھتے ہیں اس لئے امید کی جاتی ہے کہ وہ اس رسالہ سے بہت نفع اٹھائیں گے **بلکہ** ایسے تمام لوگ جو اس مسئلہ کی تہ تک پہنچے ہوئے ہیں وہ ہرگز ان نادانوں سے اتفاق نہیں کریں گے جو ایک مشہور عقیدہ کو چھپانا چاہتے ہیں اکثر شریف آریہ ہرگز نہیں چاہتے کہ اس مسئلہ کا ذکر بھی کیا جائے کیونکہ ان کی انسانی حمیت اور غیرت کسی طرح اس قابل شرم عقیدہ کو قبول نہیں کرسکتی بھلا کون اس دیوثی کو پسند کرے کہ زندہ اور جیتا جاگتا ہو کر اپنی نیک چلن عورت کو جو عین نکاح کے قید میں ہے اپنے ہاتھ سے دوسرے سے ہم بستر کراوے اور آپ باہر کسی چٹائی پر لیٹا رہے یہی تو بات ہے کہ قادیان کے غیرت مند آریہ **وید کی اس ہدایت کو نہیں مانتے** ہاں یہ ان کی نادانی ہے کہ جب ان کے وید کی اس تعلیم کو جو نیوگ ہے قابل اعتراض ٹھہرایا جائے تو وہ طیش میں آکر مسلمانوں کو طلاق کے مسئلہ سے الزام دینا چاہتے ہیں حالانکہ ایک مسلمان ہرگز اس طعنہ سے شرمندہ نہیں ہوگا کہ اس نے ایک نابکار عورت کو اس کی کسی بدعملی اور بدچلنی اور ناپارسائی کی وجہ سے طلاق دے دی ہے اور اس مطلقہ ناپاک سیرت کو کوئی اور شخص نکاح میں لایا ہے بلکہ خوش ہوگا کہ اس نے ایک سڑے ہوئے اور متعفن عضو کو اپنے صحیح وسالم وجود میں سے کاٹ کر الگ پھینک دیا اور اس کی زہرناک ہمسائیگی سے نجات پائی۔ اگر کسی ہندو کی نظر میں ضرورتوں کے وقت میں بھی طلاق قابل اعتراض ہے تو یہ ایک دوسرا اعتراض ہندو مذہب پر ہوگا کہ ایک ہندو جس کی عورت زناکاری کی حالت میں بھی ہو تو چاہیئے کہ ہندو اس گندے عضو کو اپنے وجود میں سے نہ کاٹے اور اس بات پر راضی رہے کہ اس کے گھر میں زنا ہوتا رہے اور ایک عورت اس کی بیوی کہلا کر پھر اسکے سامنے اوروں سے بدکاری میں زندگی بسر کرے بیشک وید کی تعلیم یہی ہے مگر اسلامی تعلیم اس کے برخلاف ہے اور ایک مسلمان کی غیرت اور عفت ہرگز اس بات کو روا نہیں رکھے گی کہ ایک پلید چلن عورت کو اپنا جوڑا اقرار دے غرض غیرت مندوں کے نزدیک ضرورتوں کے وقت طلاق ہرگز قابل اعتراض نہیں بلکہ اعتراض اس حالت میں ہوگا کہ ایک عورت کو بدکار پا کر پھر نکاح کا تعلق اس سے قائم رکھے اور دیوث بن کر گذارہ کرتا رہے۔ پس ایک مسلمان ایک مرتبہ نہیں بلکہ ہزار مرتبہ اقرار کرسکتا ہے کہ اس نے فلاں عورت کو کسی مکروہ حالت اور ناپاکی میں پاکر ایک متعفن عضو کی طرح اپنے

﴿۲۵﴾

وجود میں سے کاٹ دیا اور بعد طلاق اور تیاگ کے فلاں شخص کے نکاح میں وہ آ گئی لیکن ایک آریہ کے لئے یہ اقرار مرنے سے کچھ کم نہیں کہ آج ہم نے اولاد کے لئے اپنی فلاں پاکدامن اور منکوحہ عورت کو فلاں شخص سے ہم بستر کیا ہے پس نیوگ میں اور طلاق میں یہ فرق ہے کہ نیوگ میں تو ایک بے غیرت انسان اپنی پاکدامن اور بے لوث اور منکوحہ عورت کو دوسرے سے ہم بستر کرا کر دیوث کہلاتا ہے اور طلاق کی ضرورت کے وقت ایک باغیرت مرد ایک ناپاک طبع عورت سے قطع تعلق کر کے دیوثی کے الزام سے اپنے تئیں بری کر لیتا ہے۔

بالآخر یہ بھی یاد رہے کہ نیوگ کی رسم ایسی نہیں ہے کہ جو پہلے تھی اور اب ترک کی گئی ہے بلکہ برابر آریوں میں پوشیدہ طور پر ہو رہی ہے☆ اور ضرورتوں کے وقت ہر یک ادنیٰ اعلیٰ اس رسم کا پابند معلوم ہوتا ہے ابھی ہم نے ایک بڑے نامی رئیس کا حال سنا ہے جو اس نے اپنی پیاری اور جوان بیوی سے اولاد کی خواہش سے نیوگ کرایا ہے اسی طرح ہر یک طرف سے یہ خبریں پہنچ رہی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ آریہ لوگ اب وید کی اس تعلیم پر پورے پورے طور پر کاربند ہونا چاہتے ہیں مگر چونکہ انسانی کانشنس اس گندہ کام کو قبول نہیں کرتا اس لئے پوشیدہ طور پر یہ کارروائیاں شروع ہو گئی ہیں عجیب باتیں سنی جاتی ہیں☆

﴿۲۶﴾

+ نوٹ۔ جس حالت میں نیوگ وید کا حکم ہے اور بقول آریہ پنڈتوں کے وید کے احکام قابل منسوخی نہیں تو پھر رسم نیوگ ترک کیونکر ہو سکتی ہے کیا کسی زمانہ میں وید منسوخ ہو سکتا ہے۔ منہ

حاشیہ

☆ یہ ایک دھوکہ کی بات ہے کہ نیوگ کرانے کے وقت ہمیشہ مرد پر ہی الزام دیا جاتا ہے کہ وہ ناقابل اولاد ہے اور اسی خیال سے عورت کو دوسرے سے ہم بستر کراتے ہیں۔ گو کبھی کبھی یہ بھی ممکن ہو کہ مرد بانجھ کی طرح ہو یا اس کی منی میں کیڑے نہ ہوں یا اس کی منی پتلی ہو یا چربی سے منافذ بند ہو گئے ہوں۔ اور اس وجہ سے اولاد نہ ہو سکے مگر طبّی تحقیقات سے یہ زیادہ تر ثابت ہے کہ اولاد نہ ہونے کی حالت میں اکثر عورتوں کے ہی رحم وغیرہ میں قصور ہوتا ہے اس لئے ہم آریوں کو نیک صلاح دیتے ہیں کہ جھٹ پٹ اپنی عورتوں کو دوسروں سے ہم بستر نہ کرا دیا کریں پہلے ڈاکٹر کو بلا کر عورت کے رحم اور دوسری اندرونی بناوٹ کا حال بذریعہ آلات دریافت کرا لیں ایسا نہ ہو کہ دراصل عورت کا ہی قصور ہو اور پھر وہ ناحق ساری عمر بدکاری کراتی رہے اور آخر بوجہ عقیمہ ہونے کے ناکام رہے اور کوئی بچہ نہ ہو یہ صلاح نیک ہے ضرور اس پر عمل کریں اگر وید نے نہیں بیان کیا تو اس کی غلطی ہے۔

مرد باید کہ گیرد اندر گوش در نبشتست پند بر دیوار[1] منہ

[1] یہ سعدی کا شعر ہے۔ ایڈیشن اول میں سہو کتابت ہے۔ صحیح مصرع یوں ہے ’’گر نوشتست پند بر دیوار‘‘ (ناشر)

ایک معزّز آریہ کے گھر میں اولاد نہیں ہوتی دوسری شادی کر نہیں سکتا کہ وید کی رو سے حرام ہے آخر نیوگ کی ٹھہرتی ہے یار دوست مشورہ دیتے ہیں کہ لالہ صاحب نیوگ کرائیے اولاد بہت ہو جائے گی ایک بول اٹھتا ہے کہ مہر سنگھ جو اسی محلّہ میں رہتا ہے اس کام کے بہت لائق ہے لالہ بہاری لال نے اس سے نیوگ کرایا تھا لڑکا پیدا ہو گیا۔ یہ لالہ لڑکا پیدا ہونے کا نام سن کر باغ باغ ہو گیا۔ بولا مہاراج آپ ہی نے سب کام کرنے ہیں میں تو مہر سنگھ کا واقف بھی نہیں۔ مہاراج شریر النفس بولے کہ ہاں ہم سمجھا دیں گے رات کو آ جائے گا۔ مہر سنگھ کو خبر دی گئی وہ محلّہ میں ایک مشہور قمار باز اول نمبر کا بدمعاش اور حرام کار تھا۔ سنتے ہی بہت خوش ہو گیا اور انہیں کاموں کو وہ چاہتا تھا پھر اس سے زیادہ اس کو کیا چاہئے تھا۔ ایک نوجوان عورت اور پھر خوبصورت شام ہوتے ہی آ موجود ہوا۔ لالہ صاحب نے پہلے ہی دلالہ عورتوں کی طرح ایک کوٹھری میں نرم بستر بچھوا رکھا تھا اور کچھ دودھ اور حلوا بھی دو برتنوں میں سرہانے کی طاق میں رکھوا دیا تھا تا اگر بیرج داتا کو ضعف ہو تو کھا پی لیوے۔ پھر کیا تھا آتے ہی بیرج داتا نے لالہ دیوث کے نام و ناموس کا شیشہ توڑ دیا اور وہ بدبخت عورت تمام رات اس سے منہ کالا کراتی رہی اور اس پلید نے جو شہوت کا مارا تھا نہایت قابل شرم اس عورت سے حرکتیں کیں اور لالہ باہر کے دالان میں سوئے اور تمام رات اپنے کانوں سے بے حیائی کی باتیں سنتے رہے بلکہ تختوں کی دراڑوں سے مشاہدہ بھی کرتے رہے۔ صبح وہ خبیث اچھی طرح لالہ کی ناک کاٹ کر کوٹھری سے باہر نکلا لالہ تو منتظر ہی تھے دیکھ کر اس کی طرف دوڑے اور بڑے ادب سے اس پلید بدمعاش کو کہا۔ سردار صاحب رات کیا کیفیت گذری اس نے مسکرا کر مبارک باد دی اور اشاروں میں جتا دیا کہ حمل ٹھہر گیا لالہ دیوث سن کر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ مجھے تو اسی دن سے آپ پر یقین ہو گیا تھا جبکہ میں نے بہاری لال کے گھر کی کیفیت سنی تھی اور پھر کہا وید حقیقت میں ودیا سے بھرا ہوا ہے کیا عمدہ تدبیر لکھی ہے جو خطا نہ گئی۔ مہر سنگھ نے کہا کہ ہاں لالہ صاحب سب سچ ہے کیا وید کی آ گیا کبھی خطا بھی جاتی ہے میں تو انہی باتوں کے خیال سے وید کو ست ودیاؤں کا پستک مانتا ہوں۔ اور دراصل مہر سنگھ ایک شہوت پرست آدمی تھا۔ اس کو کسی وید شاستر اور شرتی شلوک کی پروانہ تھی اور نہ اُن

﴿۲۷﴾

☆ نوٹ۔ یہ قصہ جو ہم نے لکھا ہے فرضی نہیں مگر ہم نہیں چاہتے کہ کسی کی پردہ دری کریں اس لئے ہم نے ناموں کو کسی قدر بدلا کر لکھ دیا ہے۔ منه

پر کچھ اعتقاد رکھتا تھا اس نے صرف لالہ دیوث کی حماقت کی باتیں سن کر اس کے خوش کرنے کے لئے ہاں میں ہاں ملا دی مگر اپنے دل میں بہت ہنسا کہ اس دیوث کی پتر لینے کے لئے کہاں تک نوبت پہنچ گئی پھر اس کے بعد مہر سنگھ تو رخصت ہوا اور لالہ گھر کی طرف خوش خوش آیا اور اسے یقین تھا کہ اس کی استری رام دئی بہت ہی خوشی کی حالت میں ہوگی کیونکہ مراد پوری ہوئی۔ لیکن اس نے اپنے گمان کے برخلاف اپنی عورت کو روتے پایا اور اس کو دیکھ کر تو وہ بہت ہی روئی یہاں تک کہ چیخیں نکل گئیں۔ اور ہچکی آنی شروع ہوئی۔ لالہ نے حیران سا ہو کر اپنی عورت کو کہا کہ ’’ہے بھاگوان آج تو خوشی کا دن ہے کہ دل کی مرادیں پوری ہوئیں اور بیج ٹھہر گیا پھر تو روتی کیوں ہے؟ وہ بولی میں کیوں نہ رووٴں تو نے سارے کنبے میں میری مٹی پلید کی اور اپنی ناک کاٹ ڈالی اور ساتھ ہی میری بھی اس سے بہتر تھا کہ میں پہلے ہی مرجاتی۔ لالہ دیوث بولا کہ یہ سب کچھ ہوا مگر اب بچہ ہونے کی بھی کس قدر خوشی ہوگی وہ خوشیاں بھی تو تُو ہی کرے گی مگر رام دئی شاید کوئی نیک اصل کی تھی اس نے تُرت جواب دیا کہ حرام کے بچہ پر کوئی حرام کا ہی ہو تو خوشی مناوے لالہ تیز ہو کر بولا کہ ہے ہے کیا کہہ دیا یہ تو وید آ گیا ہے عورت کو یہ بات سن کر آگ لگ گئی بولی میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ کیسا وید ہے جو بدکاری سکھلاتا اور زناکاری کی تعلیم دیتا ہے یوں تو دنیا کے مذاہب ہزاروں باتوں میں اختلاف رکھتے ہیں مگر یہ کبھی نہیں سنا کہ کسی مذہب نے وید کے سوا یہ تعلیم بھی دی ہو کہ اپنی پاک دامن عورتوں کو دوسروں سے ہم بستر کراوٴ۔ آخر مذہب پاکیزگی سکھلانے کے لئے ہوتا ہے نہ بدکاری اور حرام کاری میں ترقی دینے کے لئے۔ جب رام دئی یہ سب باتیں کہہ چکی تو لالہ نے کہا کہ چپ رہو اب جو ہوا سو ہوا۔ ایسا نہ ہو کہ شریک سنیں اور میرا ناک کاٹیں۔ رام دئی نے کہا کہ اے بے حیا کیا ابھی تک تیرا ناک تیرے منہ پر باقی ہے ساری رات تیرے شریک نے جو تیرا ہمسایہ اور تیرا پکا دشمن ہے تیری سہروں کی بیاہتا اور عزت کے خاندان والی سے تیرے ہی بستر پر چڑھ کر تیرے ہی گھر میں خرابی کی اور ہر یک ناپاک حرکت کے وقت جتا بھی دیا کہ میں نے خوب بدلا لیا۔ سو کیا اس بے غیرتی کے بعد بھی تو جیتا ہے۔ کاش تو اس سے پہلے ہی مرا ہوتا۔ اب وہ شریک اور پھر دشمن باتیں بنانے اور ٹھٹھا کرنے سے کب باز رہے گا بلکہ وہ تو کہہ گیا ہے

﴿۲۸﴾

کہ میں اس فتح عظیم کو چھپا نہیں سکتا کہ جو آج وساوامل کے مقابل پر مجھے حاصل ہوئی ۔ میں ضرور رام دئی کا سارا نقشہ محلّہ کے لوگوں پر ظاہر کروں گا سو یاد رکھ کہ وہ ہر یک مجلس میں تیرا ناک کاٹے گا اور ہر یک لڑائی میں یہ قصہ تجھے جتائے گا اور اس سے کچھ تعجب نہیں کہ وہ دعوے کردے کہ رام دئی میری ہی عورت ہے کیونکہ وہ اشارہ سے یہ کہہ بھی گیا ہے کہ آئندہ بھی میں تجھے کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ لالہ دیوث نے کہا کہ نکاح کا دعویٰ ثابت ہونا تو مشکل ہے البتہ یارانہ کا اظہار کرے تو کرے تا ہماری اور بھی رسوائی ہو بہتر تو یہ ہے کہ ہم دیش ہی چھوڑ دیں۔ بیٹا ہونے کا خیال تھا وہ تو ایشر نے دے ہی دیا بیٹے کا نام سن کر عورت زہر خندہ ہنسی اور کہا کہ تجھے کس طرح اور کیونکر یقین ہوا کہ ضرور بیٹا ہوگا اول تو پیٹ ہونے میں ہی شک ہے اور پھر اگر ہو بھی تو اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ لڑکا ہی ہوگا کیا بیٹا ہونا کسی کے اختیار میں رکھا ہے کیا ممکن نہیں کہ حمل ہی خطا جائے یا لڑکی پیدا ہو لالہ دیوث بولے کہ اگر حمل خطا گیا تو میں کھڑک سنگھ کو جو اسی محلّہ میں رہتا ہے نیوگ کے لئے بلا لاؤں گا عورت نہایت غصہ سے بولی کہ اگر کھڑک سنگھ بھی کچھ نہ کر سکا تو پھر کیا کرے گا لالہ بولا کہ تو جانتی ہے کہ نرائن سنگھ بھی ان دونوں سے کم نہیں اس کو بلا لاؤں گا۔ پھر اگر ضرورت پڑی تو جیمل سنگھ، لہنا سنگھ، بوڑ سنگھ، جیون سنگھ، صوبا سنگھ، خزان سنگھ، ارجن سنگھ، رام سنگھ، کشن سنگھ، دیال سنگھ سب اس محلّہ میں رہتے ہیں اور زور اور قوت میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں میرے کہنے پر سب حاضر ہو سکتے ہیں عورت بولی کہ میں اس سے بہتر تجھے صلاح دیتی ہوں کہ مجھے بازار میں ہی بٹھا دے تب دس۱ بیس کیا ہزاروں لاکھوں آ سکتے ہیں منہ کالا جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا مگر یاد رکھ کہ بیٹا ہونا پھر بھی اپنے بس میں نہیں اور اگر ہوا بھی تو تجھے اس سے کیا جس کا وہ نطفہ ہے آخر وہ اسی کا ہوگا اور اسی کی خو بو لائے گا کیونکہ درحقیقت وہ اسی کا بیٹا ہے اس کے بعد رام دئی نے کچھ سوچ کر پھر رونا شروع کیا اور دور دور تک آواز گئی اور آواز سن کر ایک پنڈت نہال چند نام دوڑا آیا اور آتے ہی کہا کہ لالہ سُکھ تو ہے یہ کیسی رونے کی آواز آئی۔ لالہ ناک کٹا چاہتا تو نہیں تھا کہ نہال چند کے آگے قصہ بیان کرے مگر اس خوف سے کہ رام دئی اس وقت غصہ میں ہے اگر میں بیان نہ کروں تو وہ ضرور بیان کردے گی کچھ کھسیانا ہو کر زبان دبا کر

﴿۲۹﴾

کہنے لگا کہ مہاراج آپ جانتے ہیں کہ وید میں **وقت ضرورت نیوگ کیلئے آ گیا ہے**۔ سو میں نے بہت دنوں سوچ کر رات کو نیوگ کرایا تھا مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے نیوگ کے لئے مہر سنگھ کو بلا لیا پیچھے معلوم ہوا کہ وہ میرے دشمن کرم سنگھ کا بیٹا اور نہایت شریر آدمی ہے وہ مجھے اور میری استری کو ضرور خراب کرے گا اور وہ وعدہ کر گیا ہے کہ میں یہ ساری کیفیت خوب شائع کروں گا نہال چند بولا کہ درحقیقت بڑی غلطی ہوئی اور پھر بولا کہ وساوامل تیری سمجھ پر نہایت ہی افسوس ہے کیا تجھے معلوم نہ تھا کہ نیوگ کے لئے پہلا حق برہمنوں کا ہے اور غالباً یہ بھی تجھ پر پوشیدہ نہیں ہوگا کہ اس محلّہ کی تمام کھترانی عورتیں مجھ سے ہی نیوگ کراتی ہیں اور میں دن رات اسی سیوا میں لگا ہوا ہوں پھر اگر تجھے نیوگ کی ضرورت تھی تو مجھے بلا لیا ہوتا سب کام سدّھ ہو جاتا اور کوئی بات نہ نکلتی اس محلّہ میں اب تک تین ہزار کے قریب ہندو عورتوں نے نیوگ کرایا ہے مگر کیا کبھی تم نے اس کا ذکر بھی سنا یہ پردہ کی باتیں ہیں سب کچھ ہوتا ہے پھر ذکر نہیں کیا جاتا لیکن مہر سنگھ تو ایسا نہیں کرے گا ذرہ دو چار گھنٹوں تک دیکھنا کہ سارے شہر میں رام دئی کے نیوگ کا شور و غوغا ہوگا۔ لالہ دیوث بولا کہ درحقیقت مجھ سے سخت غلطی ہوئی اب کیا کروں۔ اس وقت شریر پنڈت نے جو باعث نہ ہونے رسم پردہ کے رام دئی کو دیکھ چکا تھا کہ جوان اور خوش شکل ہے نہایت بے حیائی کا جواب دیا۔ کہ اگر اسی وقت رام دئی مجھ سے نیوگ کرے تو میں ذمہ وار ہوتا ہوں کہ مہر سنگھ کے فتنہ کو میں سنبھال لوں گا اور پہلا حمل ایک شکی بات ہے اب بہر حال یقینی ہو جائے گا تب وساوامل دیوث تو اس بات پر بھی راضی ہو گیا مگر رام دئی نے سنکر سخت گالیاں اس کو نکالیں تب وساوامل نے پنڈت کو کہا کہ مہاراج اس کا یہی حال ہے ہرگز نیوگ کرنا نہیں چاہتی پہلے بھی مشکل سے کرایا تھا جس کو یاد کر کے اب تک رو رہی ہے کہ میرا منہ کالا کیا اسی سے تو اس نے چیخیں ماری تھیں جن کو آپ سن کر دوڑے آئے تب وہ شہوت پرست پنڈت وساوامل کی یہ بات سن کر رام دئی کی طرف متوجہ ہوا اور کہا نہیں بھاگوان نیوگ کو برا نہیں ماننا چاہئے یہ وید آ گیا ہے مسلمان بھی تو عورتوں کو طلاق دیتے ہیں اور وہ عورتیں کسی دوسرے سے نکاح کر لیتی ہیں سو جیسے طلاق جیسے نیوگ بات ایک ہی ہے

﴿۳۰﴾

اگر کوئی مسلمان تمہیں نیوگ کا طعنہ دے تو تم طلاق کا طعنہ دے دیا کرو مگر نیوگ سے انکار مت کرو۔ کہ اس میں کچھ بھی دوش نہیں بیشک مزہ سے نیوگ کرو اگر ہم سے ناراض ہو تو خیر کسی اور سے۔ ایک سے نہیں دوسرے سے دوسرے سے نہیں تیسرے سے آخر ضرور مطلب حاصل ہوگا۔ تمہاری پڑوسن ہر دئی نے پندرہ برس تک مجھ سے ہی نیوگ کرایا تھا ایشر کی کرپا سے دش پتر ہوئے جواب تک زندہ موجود ہیں اور ایک مدرسہ میں پڑھتا ہے چنانچہ اب تک رلیا رام ہر دئی کا شوہر ہمارا احسان مند ہے اور بہت کچھ سیوا کرتا ہے اور ہمارا گن گاتا ہے کہ تم نے ہی مجھے پتر دیئے تم بھی اگر چاہو تو ہم حاضر ہیں اور تمہاری ابھی وستھا کیا ہے تیرہ[۱۳] چودہ[۱۴] سال کی عمر ہوگی برابر نیوگ کراتی رہو۔ ہاں یہ مشورہ ضرور دیتا ہوں کہ برہمن کا بیج چاہئے موتی جیسے پتر ہوں گے اور کیا چاہتی ہو۔

رام دئی یہ باتیں سن کر آگ بگولا ہوگئی اور بولی کہ اے پاجی پنڈت تیری استری نرائن دئی کو بھی تو اب تک کوئی لڑکا پیدا نہیں ہوا تو اس کا نیوگ کیوں نہیں کراتا تا اچھے اچھے سندر بچے پیدا ہوں بلکہ میں نے تو سنا ہے کہ تیری لڑکی بشن دئی بھی اب تک بچوں کو ترستی ہے اس کا بھی نیوگ کرا۔ تب پنڈت رام دئی کی یہ باتیں سنکر اندر ہی اندر جل گیا اور مارے غصہ کے منہ لال ہوگیا کہ اس نے میری استری اور بیٹی کا کیوں نام لیا اور بہت جل سڑ کر بولا کہ ہم نیوگ کرایا نہیں کرتے۔ ہم تو ہمیشہ بیرج داتا ہی مقرر کیئے جاتے ہیں۔ رام دئی نے کہا کہ اب مجھے معلوم ہوا کہ تمہیں لوگ قوم کی مٹی پلید کر رہے ہو اگر تم سچ مچ وید کو سچا جانتے تو پہلے وید کے ایسے حکموں پر تم آپ ہی عمل کر کے دکھلاتے پر عمل کرنا تو کہاں تم تو ایسی نصیحت کو سن بھی نہیں سکتے اس سے صاف ظاہر ہے کہ تم لوگ صرف منہ سے ہی وید وید کرتے ہو اور حقیقت میں وید کی تعلیموں سے سخت بیزار ہو اور ہر بات میں اپنا پہلو اوپر ہی رکھا ہے نیوگ کا مسئلہ بھی شاید اسی لئے بنایا گیا کہ تا برہمنوں کی زناکاری اس پردہ میں چھپی رہے ورنہ اپنی بے اولاد عورتوں اور بہو بیٹیوں کا نیوگ کیوں نہیں کراتے۔ کیا وہ اس شہر میں کم ہیں۔ پنڈت بولا بھاگوان تجھے خبر نہیں تمام رشی رکھی نیوگ کراتے آئے ہیں لیکن ایک برہمنی کھتری سے نیوگ نہیں کرا سکتی اور برہمن ایک لاکھ کھترانی سے بھی کر سکتا ہے یہی بھید ہے

﴿۳۱﴾

کہ ہمارے نیوگ کی تمہیں خبر نہیں ہوتی۔ رام دئی نے کہا کہ نیوگ تو بجائے خود ایک حرام کاری تھی مگر اس حرام کاری کو تم نے اور بھی ظلم سے بھر دیا کہ کھتریوں کی عورتیں تم سے زنا کراویں مگر تمہاری عورتیں کھتریوں کے نزدیک نہ جاویں سچ تو یہ ہے کہ تم نے نیوگ کا بہانہ کر کے بیچارے کھتریوں سے کوئی پرانا بدلا لیا اور کھتریوں کو یہ موقعہ نہ دیا۔ پنڈت نے کہا کہ بھاگوان یہ ہماری طرف سے نہیں یہی وید آ گیا ہے۔ رام دئی کو سن کر پھر آگ لگ گئی اور کہا کہ یہ کیسا وید اور کیسی اس کی تعلیم ہے کہ ایک تو حرام کاری اور پھر طرفداری اور رام دئی نے یہ بھی کہا کہ اگر ایشر عام لوگوں اور اپنے بھگتوں میں اپنے پاک قانون میں دیا اور کرپا کے لحاظ سے کچھ امتیاز رکھے تو وہ اور بات ہے کیونکہ خاص بندوں کا معاملہ خصوصیت کو چاہتا ہے لیکن کھتری اور برہمن میں یہ فرق رکھنا سمجھ نہیں آتا اور پھر فرق بھی حرام کاری میں برہمن کو دو حصہ حرام کاری کی اجازت ہے یعنی اپنی قوم اور دوسری تمام ہندو قوموں کے لئے بھی اور یہ وسیع مہربانی کسی دوسری قوم پر نہ ہوئی۔ پنڈت بولا کہ رام دئی افسوس کہ تو وید کے بھید کو نہیں سمجھی کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ بات تو یہ ہے کہ برہمن وید شاستر کے پڑھنے پڑھانے میں عمر بسر کرتے ہیں اور انہیں میں سے اکثر سادھو اور جوگی اور بیراگی بھی ہوتے ہیں اور ان شغلوں کی وجہ سے اکثر وہ غریب اور کنگال ہی رہتے ہیں اول تو ان میں بیاہ کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہوتی اور اگر ہو بھی تو کہاں سے کھلاویں نہ بیوپار نہ کھیتی نہ نوکری نہ کوئی اور ذریعہ مال جمع کرنے کا رکھتے ہیں اس لئے ایشر نے ان کا جوش شہوت فرو کرنے کے لئے نیوگ بنا دیا اور یہی بھید ہے کہ برہمن آریہ کے ہر یک قوم کی استری سے نیوگ کر سکتا ہے مگر دوسری قوموں کو یہ اختیار حاصل نہیں ان کے لئے یہ فخر کافی ہے کہ برہمن کا بیج ان کی اولاد میں بکثرت ہو۔ رام دئی نے کہا پنڈت جی اب آپ زیادہ تکلیف نہ اٹھاؤ مجھے وید کی ساری حقیقت معلوم ہوگئی پہلے تو میرے دل میں یہی کھٹکا تھا کہ وید توحید کی راہ صاف طور پر نہیں بتلاتا جہاں دیکھو وایو اور جل اور اگنی اور چاند اور سورج اور ستاروں کی پرستش اور مہماں نظر آتی ہے کہیں بھی یہ ہدایت نہ دی کہ ایشر کے سوا کسی اور چیز کی پرستش مت کرو۔ سارا وید ورق ورق کر کے دیکھ لو۔ کہیں ایسی شرتی نہ پاؤ گے جس کے معنے لا الـٰہ الا اللہ ہوں یعنی یہ معنے کہ ایک خدا ہی ہے جس کو پوجنا چاہئے

﴿۳۲﴾

اور کوئی چیز پوجنے کے لائق نہیں نہ زمین کی چیزوں میں سے نہ آسمان کی چیزوں میں سے نہ چاند نہ سورج نہ وایو نہ جل اگر کوئی ایسی شرتی ہے تو بھلا پنڈت جی پیش تو کرو سوایک تو وید کی اسی خرابی پر رونا آتا تھا اب دوسری خوبی وید کی یہ بھی معلوم ہوئی کہ وید پاکدامن عورتوں کی عزت کو بھی خراب کرنا چاہتا ہے اگر خواہ نخواہ بناوٹی اولاد کے لئے تعلیم تھی تو یہ کہنا کافی تھا کہ گود میں بچہ لے لو حالانکہ وید نے آپ ہی بتلایا تھا کہ گود لینے سے بھی متبنّٰی ہوسکتا ہے پھر اس سے کنارہ کرنا اور نیوگ کو واجب ٹھہرانا بجز حرام کاری شائع کرانے کے اور کس بناء پر مبنی ہوسکتا ہے۔ یہ باتیں کہہ کر رام دئی نے رو دیا کہ درحقیقت وید ہی نے **آریہ ورت کا ستیاناش** کر دیا اگر وید آتش پرستی کی تعلیم نہ کرتا تو وہ لاکھوں آدمی اس دیس میں ہرگز نہ پائے جاتے جو اس زمانہ میں بھی اگنی پوجا میں مشغول ہیں۔ جن چیزوں کی وید نے تعظیم بیان کی انہیں چیزوں کی ہماری قوم میں قدیم سے پرستش جاری ہے پھر **رام دئی** نے پنڈت کو مخاطب کر کے یہ بھی کہا کہ یہ جو تو نے کہا کہ آریوں میں نیوگ ایسا ہے جیسا کہ مسلمانوں میں **طلاق** اس سے معلوم ہوا کہ تم اس گند کو کسی طرح چھوڑنا نہیں چاہتے اور زور لگا رہے ہو کہ کسی طرح یہ چھپا ہی رہے بھلا پنڈت جی طلاق کو نیوگ سے کیا مناسبت اور نیوگ کو طلاق سے کیا نسبت۔ مسلمان ہمارے پڑوسی ہیں اور اس بات کو ہم خوب جانتے ہیں کہ مسلمانوں میں نکاح ایک معاہدہ ہے جس میں مرد کی طرف سے مہر اور تعہد نان ونفقہ اور اسلام اور حسن معاشرت شرط ہے اور عورت کی طرف سے عفت اور پاکدامنی اور نیک چلنی اور فرمانبرداری شرائط ضروریہ میں سے ہے اور جیسا کہ دوسرے تمام معاہدے شرائط کے ٹوٹ جانے سے قابل فسخ ہو جاتے ہیں ایسا ہی یہ معاہدہ بھی شرطوں کے ٹوٹنے کے بعد قابل فسخ ہو جاتا ہے صرف یہ فرق ہے کہ اگر مرد کی طرف سے شرائط ٹوٹ جائیں تو عورت خود بخود نکاح کے توڑنے کی مجاز نہیں ہے جیسا کہ وہ خود بخود نکاح کرنے کی مجاز نہیں بلکہ حاکم وقت کے ذریعہ سے نکاح کو توڑا سکتی ہے جیسا کہ ولی کے ذریعہ سے نکاح کو کرا سکتی ہے اور یہ کمی اختیار اس کی فطرتی شتاب کاری اور نقصان عقل کی وجہ سے ہے لیکن مرد جیسا کہ اپنے اختیار سے معاہدہ نکاح کا باندھ سکتا ہے ایسا ہی عورت کی طرف سے

شرائط ٹوٹنے کے وقت طلاق دینے میں بھی خودمختار رہے سو یہ قانون فطرتی قانون سے ایسی مناسبت اور مطابقت رکھتا ہے گویا کہ اس کی عکسی تصویر ہے کیونکہ فطرتی قانون نے اس بات کو تسلیم کرلیا ہے کہ ہریک معاہدہ شرائط قرارداده کے فوت ہونے سے قابل فسخ ہو جاتا ہے اور اگر فریق ثانی فسخ سے مانع ہو تو وہ اس فریق پر ظلم کررہا ہے جو فقدان شرائط کی وجہ سے فسخ عہد کا حق رکھتا ہے جب ہم سوچیں کہ نکاح کیا چیز ہے تو بجز اس کے اور کوئی حقیقت معلوم نہیں ہوتی کہ ایک پاک معاہدہ کی شرائط کے نیچے دو انسانوں کا زندگی بسر کرنا ہے۔ اور جو شخص شرائط شکنی کا مرتکب ہو وہ عدالت کی رو سے معاہدہ کے حقوق سے محروم رہنے کے لائق ہو جاتا ہے اور اسی محرومی کا نام دوسرے لفظوں میں طلاق ہے لہٰذا طلاق ایک ایسی پوری پوری جدائی ہے جس سے مطلقہ کی حرکات سے شخص طلاق دہندہ پر کوئی بد اثر نہیں پہنچتا یا دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک عورت کسی کی منکوحہ ہو کر نکاح کے معاہدہ کو کسی اپنی بدچلنی سے توڑ دے تو وہ اس عضو کی طرح ہے جو گندہ ہو گیا اور سڑ گیا یا اس دانت کی طرح ہے جس کو کیڑے نے کھالیا اور وہ اپنے شدید درد سے ہر وقت تمام بدن کو ستاتا اور دکھ دیتا ہے تو اب حقیقت میں وہ دانت دانت نہیں ہے اور نہ وہ متعفن عضو حقیقت میں عضو ہے اور سلامتی اسی میں ہے کہ اس کو اکھیڑ دیا جائے اور کاٹ دیا جائے اور پھینک دیا جائے یہ سب کارروائی قانون قدرت کے موافق ہے۔ عورت کا مرد سے ایسا تعلق نہیں جیسے اپنے ہاتھ اور اپنے پیر کا لیکن تاہم اگر کسی کا ہاتھ یا پیر کسی ایسی آفت میں مبتلا ہو جائے کہ اطباء اور ڈاکٹروں کی رائے اسی پر اتفاق کرے کہ زندگی اس کی کاٹ دینے میں ہے تو بھلا تم میں سے کون ہے کہ ایک جان کے بچانے کے لئے کاٹ دینے پر راضی نہ ہو پس ایسا ہی اگر تیری منکوحہ اپنی بدچلنی اور کسی مہان پاپ سے تیرے پر وبال لاوے تو وہ ایسا عضو ہے کہ بگڑ گیا اور سڑ گیا اور اب وہ تیرا عضو نہیں ہے اس کو جلد کاٹ دے اور گھر سے باہر پھینک دے ایسا نہ ہو کہ اس کی زہر تیرے سارے بدن میں پہنچ جائے۔ اور تجھے ہلاک کرے پھر اگر اس کاٹے ہوئے اور زہریلے جسم کو کوئی پرند یا درند کھالے تو تجھے اس سے

﴾۴۳﴿

کیا کام کیونکہ وہ جسم تو اسی وقت سے تیرا جسم نہیں رہا جبکہ تو نے اس کو کاٹ کر پھینک دیا☆ اب جبکہ طلاق کی ایسی صورت ہے کہ اس میں خاوند خاوند نہیں رہتا اور نہ عورت اس کی عورت رہتی ہے اور عورت ایسی جدا ہو جاتی ہے کہ جیسے ایک خراب شدہ عضو کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے تو ذرہ سوچنا چاہئے کہ طلاق کو نیوگ سے کیا مناسبت ہے طلاق تو اس حالت کا نام ہے کہ جب عورت سے بیزار

﴿۳۴﴾

☆ **حاشیہ** بعض ہندو نہایت نادانی کی وجہ سے بول اٹھتے ہیں کہ مسلمانوں کی حدیثوں میں لکھا ہے کہ آدم نے بوجہ ضرورت اپنی بیٹیاں اپنے بیٹوں کو بیاہ دی تھیں سو یہ کام کیا نیوگ سے کچھ کم ہے سو ایسے ہندوؤں کو یاد رہے کہ یہ بیان نہ قرآن مجید میں پایا جاتا ہے نہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں اور اگر ہے تو دکھلاؤ۔ ہاں بعض مسلمانوں کا یہ قول ضرور لکھا ہے کہ حضرت آدم کے وقت چونکہ اور انسان دنیا میں نہ تھے اس لئے خدا نے یہ کیا کہ **حوا** ان کی بیوی ہمیشہ لڑکی اور لڑکا توام جنتیں اور حضرت آدم پہلے پیٹ کی لڑکی کو دوسرے پیٹ کے لڑکے کے ساتھ شادی کر دیتے لیکن اس قول کا قائل نہ تو قرآن سے کوئی سند لایا اور نہ **رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** کی کوئی حدیث اس نے پیش کی اس لئے یہ قول مردود ہے اور جس طرح منو یا باوا نانک کے ایسے مسائل جو وید کے مخالف ہیں آریہ نہیں مانتے اسی طرح ہم بھی ایسی باتوں کو نہیں مانتے اور حیا اور انصاف کے برخلاف ہے کہ ہمارے سامنے ایسی باتیں پیش کی جائیں کہ جو نہ قرآن میں نہ حدیث میں موجود ہیں اور نہ ان پر مسلمانوں کا عمل ہے اور جس نامعلوم شخص کا یہ قول ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اس بات کے تصور سے کہ حضرت آدم کے وقت میں تو دنیا میں کوئی اور انسان نہیں تھا پھر ان کی اولاد کے کہاں رشتے ہوئے یہ بات ضرورتاً اپنے دل سے بنالی کہ شاید یہی انتظام ہوگا کہ ذرہ پیٹ کے لحاظ سے تبدیلی کر کے نکاح کرا دیا جاتا ہوگا۔ مگر اسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ حضرت آدم کی اولاد چالیس[۴۰] لڑکے تھے اور ان سے پوتے پڑوتے وغیرہ ہو کر حضرت آدم کے جیتے جی چالیس ہزار آدمی دنیا میں ہو گیا تھا اگر اضطراری طور پر کوئی ایسا کام جائز بھی رکھا جاتا تو دور کے رشتوں سے ہوتا اور یہ بھی ممکن ہے کہ جیسے حضرت **حوا** حضرت آدم کی پسلی سے نکالی گئیں ایسا ہی ہر یک لڑکے کی جورو اس کی پسلی سے نکالی گئی ہو یا ممکن ہے کہ حضرت آدم کی طرح جوروان بھی الگ پیدا ہو گئی ہوں کیونکہ جس نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا وہ

﴿۳۴﴾

ہو کر بکلی قطع تعلق اس سے کیا جائے مگر نیوگ میں تو خاوند بدستور خاوند ہی رہتا ہے اور نکاح بھی بدستور نکاح ہی کہلاتا ہے اور جو شخص اس غیر عورت سے ہم بستر ہوتا ہے اس کا نکاح اس عورت سے نہیں ہوتا اور اگر یہ کہو کہ مسلمان بے وجہ بھی عورتوں کو طلاق دے دیتے ہیں تو تمہیں معلوم ہے کہ ایشر نے مسلمانوں کو لغو کام کرنے سے منع کیا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ [1] اور قرآن میں بے وجہ طلاق دینے والوں کو بہت ہی ڈرایا ہے۔ ماسوا اس کے تم اس بات کو بھی تو ذرا سوچو کہ مسلمان اپنی حیثیت کے موافق بہت سا مال خرچ کر کے ایک عورت سے شادی کرتے ہیں اور ایک رقم کثیر عورت کے مہر کی ان کے ذمہ ہوتی ہے اور بعضوں کے مہر کئی ہزار اور بعض کے ایک لاکھ یا کئی لاکھ ہوتے ہیں اور یہ مہر عورت کا حق ہوتا ہے اور طلاق کے وقت بہر حال اس کا اختیار ہوتا ہے کہ وصول کرے اور نیز قرآن میں یہ حکم ہے کہ اگر عورت کو طلاق دی جائے تو جس قدر مال عورت کو طلاق سے پہلے دیا گیا ہے وہ عورت کا ہی رہے گا۔ اور اگر عورت صاحب اولاد ہو تو بچوں کے تعہد کی مشکلات اس کے علاوہ ہیں اسی واسطے کوئی مسلمان جب تک اس کی جان پر ہی عورت کی وجہ سے کوئی وبال نہ پڑے تب تک طلاق کا نام نہیں لیتا بھلا کون ایسا پاگل ہے کہ بے وجہ اس قدر رتبا ہی کا بوجھ اپنے سر پر ڈال لے بہر حال جب مرد اور عورت کے تعلقات نکاح باہم باقی نہ رہے تو پھر نیوگ کو اس سے کیا نسبت جس میں عین نکاح کی حالت میں ایک شخص کی عورت دوسرے

﴿۳۵﴾

آدم کے لڑکوں کی جوروواں بھی اسی طرح پیدا کر سکتا تھا۔ غرض چونکہ خدا تعالیٰ کی پاک کتاب میں اس کا کچھ بھی ذکر نہیں اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں کچھ ذکر ہے اس لئے ایسے سوالوں کے وقت ہمارا یہی جواب ہے کہ اس وقت جو کچھ خدا تعالیٰ کی تقدس اور حکمت کے مناسب ہوگا وہی کام خدا تعالیٰ نے کیا ہوگا بے حیائی کے کاموں سے تو وہ آپ منع فرماتا ہے اور چونکہ تعطل صفات خدا تعالیٰ پر جائز نہیں اور ہمارے آدم سے پہلے بھی کئی امتیں دنیا میں ہو چکی ہیں اس لئے یہ بھی کچھ تعجب کی بات نہیں کہ آریہ لوگ جو کروڑ ہا برسوں کا دعویٰ کرتے ہیں ان پر وبال آنے کے بعد کچھ لڑکیاں ان کی باقی رہ گئی ہوں انہیں لڑکیوں سے حضرت آدم کے لڑکوں نے نکاح کر لیا ہو۔ پس اس صورت میں تو مسلمان آریوں کے داماد ثابت ہوئے اور یہ بات قرین قیاس بھی معلوم ہوتی ہے کیونکہ لکھا ہے کہ حضرت آدم مع اپنے لڑکوں کے ہندوستان میں تشریف لائے اور غالباً یہ تشریف لانا شادی کی تقریب پر ہوگا۔ واللہ اعلم۔ منہ

﴿۳۵﴾

[1] المؤمنون:۴

شخص سے ہم بستر ہوسکتی ہے پھر طلاق مسلمانوں سے کچھ خاص بھی نہیں بلکہ ہر یک قوم میں بشرطیکہ دیوث نہ ہوں نکاح کا معاہدہ صرف عورت کی نیک چلنی تک ہی محدود ہوتا ہے اور اگر عورت بدچلن ہو جائے تو ہر یک قوم کے غیرتمند کو خواہ ہندو ہو خواہ عیسائی ہو بدچلن عورت سے علیحدہ ہونے کی ضرورت پڑتی ہے مثلاً ایک آریہ کی عورت نے ایک چوہڑے سے ناجائز تعلق پیدا کر لیا ہے چنانچہ بارہا اس ناپاک کام میں پکڑی بھی گئی۔ اب آپ ہی فتویٰ دو کہ اس آریہ کو کیا کرنا چاہئے کیا نکاح کا معاہدہ ٹوٹ گیا یا اب تک باقی ہے۔ کیا یہ اچھا ہے کہ وہ مسلمانوں کی طرح اس عورت کو طلاق دیدے یا یہ کہ ایک دیوث بن کر اس آشنا پر راضی رہے یا مثلاً ایک عورت علاوہ بدکار ہونے کے خاوند کے قتل کرنے کے فکر میں ہے تو کیا یہ جائز ہے کہ اس کا خاوند ایک مدت تک اس کی بدکاری کو دیکھتا رہے اور اس پر خوش رہے اور آخر اس فاسقہ کے ہاتھ سے قتل ہو غرض یہ مثال نہایت درست ہے کہ گندی عورت گندے عضو کی طرح ہے اور اس کا کاٹ کر پھینکنا اسی قانون کے رو سے ضروری پڑا ہوا ہے جس قانون کے رو سے ایسے عضو کاٹے جاتے ہیں اور چونکہ ایسی عورتوں کو اپنے پاس سے دفع کرنا واقعی طور پر ایک پسندیدہ بات اور انسانی غیرت کے مطابق ہے اس لئے کوئی مسلمان اس کارروائی کو چھپے چھپے ہرگز نہیں کرتا مگر نیوگ چھپ کر کیا جاتا ہے کیونکہ دل گواہی دیتا ہے کہ یہ بُرا کام ہے۔ ﴿۳۶﴾

جب **رام دئی** یہ سب باتیں کہہ چکی تو پنڈت سخت نادم ہو کر لاجواب ہو گیا اور کہا کہ اب مجھے سمجھ آ گیا کہ نیوگ حقیقت میں خباثت کا ہی کام ہے تبھی تو چھپ کر کیا جاتا ہے کیونکہ انسانی فطرت اور انسانی کانشنس اس کو مردانہ غیرت کے برخلاف سمجھتے ہیں پس نیوگ اور طلاق کو ایک ہی رنگ میں سمجھنا ٹھیک نہیں۔ یہ بات فی الحقیقت سچی ہے کہ نکاح مرد اور عورت میں ایک عہد ہے اور وہ بدعہدی کے بعد قائم نہیں رہ سکتا اور جو شخص اپنی عورت کو بدکار پا کر پھر بھی اس سے قطع تعلق نہیں کرتا وہ حقیقت میں دیوث اور بے غیرت ہی ہے اور حقیقت میں ایسی عورت سے قطع تعلق نہ کرنا اس مثال کے نیچے داخل ہے کہ ایک شخص ایسے عضو کو بھی اپنے وجود کا ٹکڑا ہی سمجھے جو سڑ گل گیا اور جو بدبو سے دماغ کو پریشان کرتا ہے اور اپنی عفونت سے چنگے بھلے وجود کو دکھ

دے رہا ہے بیشک ایسے عضو کو جلد کاٹ دینا چاہئے ایسا نہ ہو کہ تمام بدن ہی تباہ ہو جائے۔ مگر نیوگ کی حالت میں تو وہ عورت کسی طرح سڑے ہوئے عضو کی مانند نہیں ہوسکتی۔ اور ایک تندرست عضو کی طرح ہوتی ہے جو بدن کی جز ہے اور ایک بھلے مانس کے نکاح میں ہوتی ہے۔ اور پھر عین منکوحہ ہونے کی حالت میں دوسرے سے ہم بستر کرائی جاتی ہے یہ درحقیقت بے غیرتی اور بے شرمی کی بات ہے کیا کہیں ہمارے ویدوں کے رشی بھی بڑے ہی سیدھے تھے جنہوں نے ایسی ایسی باتیں لکھ دیں۔ رام دئی نے کہا کہ ایسی باتیں کسی سیدھے کا کام نہیں بلکہ بے غیرت کا کام ہے جس نے تمام دنیا کی کانشنس کی مخالفت کی دنیا کے مذاہب میں ہزاروں اختلاف ہیں ضرورتوں کے وقت طلاقیں بھی ہوتی چلی آئی ہیں مگر ایسا تو کسی مذہب ملّت میں سنا نہیں گیا اور نہ کوئی ایسی کتاب دیکھی کہ اس درجہ بے غیرتی کی تعلیم دیوے کہ ایک عورت باوجود قید نکاح اور زندہ ہونے خاوند کے اس لالچ سے دوسروں سے ہم بستر ہوتی پھرے کہ تا ان سے اولاد حاصل کرے پنڈت نے کہا کہ ہاں رام دئی یہ سب سچ ہے اب مجھے شرمندہ تو مت کریں خوب سمجھ گیا کہ نیوگ کی تعلیم سراسر گندی تعلیم ہے اور دھرم کی بات تو یہی ہے کہ نیوگ کو طلاق سے کچھ نسبت نہیں جو عورت طلاقن ہو چکی وہ خاوند والی تو نہیں کہلاتی اور تمام لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ اب یہ فلاں شخص کی عورت نہیں مگر نیوگ میں تو نکاح قائم ہوتا ہے اور عورت اپنے مرد کی وارث ہوتی ہے اور اس کے گھر میں آباد ہوتی ہے مگر اس لئے بدفعلی کراتی ہے کہ تا اس کے لئے اولاد حاصل کرلے لیکن ہم لوگ لاچار ہو کر مسلمانوں کو یہی جواب دیدیا کرتے ہیں کیا کریں دل نہیں چاہتا کہ وید پر داغ لگاویں۔

﴿۳۷﴾

رام دئی نے کہا کہ پنڈت جی یہ تو ہٹ دھرمی ہے کہ وید کی محبت سے حق کو چھپاویں طلاق تو ایک سخت رسوائی سے نجات پانے کے لئے آخری علاج ہے مگر نیوگ اپنے ہاتھ سے ایک رسوائی پیدا کرنا ہے اور تم خود سوچو کہ جب ایک عورت نکاح کے عہد پر جو پاکدامنی اور نیک چلنی اور فرمانبرداری ہے قائم نہ رہی تو انجام کار بجز طلاق کے اور کیا علاج ہے اسی لئے گورنمنٹ انگریزی کو بھی اپنی قوم کے لئے ضرورتوں کے وقت طلاق کا قانون پاس کرنا پڑا۔ جن لوگوں کی عورتیں بدکار

ہو جاتی ہیں اور وہ اپنی عورتوں کو طلاق نہیں دیتے اور ان کی بدکاری سے کراہت نہیں کرتے بلکہ کسی آشنا کو گھر میں دیکھ کر واپس چلے جاتے ہیں ان کی لوگ کچھ تعریف نہیں کرتے بلکہ چاروں طرف سے ان پر لعنتیں پڑتی ہیں اور دیوث کہلاتے ہیں اگر وہ انسانی غیرت سے طلاق دیتے تو کوئی بھی ان کو بُرا نہ کہتا اس سے ثابت ہے کہ اس دنیا کے پیدا کرنے والے نے انسانوں کی عام فطرت میں یہ غیرت رکھ دی ہے کہ وہ ہرگز راضی نہیں ہوتی کہ ایک عورت منکوحہ نکاح کی حالت میں اپنے خاوند کی زندگی میں کسی دوسرے سے خرابی کرے اور جن لوگوں میں یہ فطرتی غیرت باقی نہیں رہی۔ وہ اس گندے اور سڑے ہوئے عضو کی طرح ہیں جو اپنی صحت کی تمام قوتوں کو کھو چکا ہے۔ یہی سبب ہے کہ انسانی غیرت نے طلاق کو بے کراہت جائز رکھا اور نیوگ کو جائز نہ رکھا۔ پس اسی باعث سے عام ہندو اس نیوگ کے عمل کو اپنی بہو بیٹیوں اور بیویوں سے چھپا چھپا کر کراتے ہیں اور کھلے طور پر کوئی شخص اپنی استری یا بیٹی کو کسی غیر سے ہم بستر نہیں کراتا پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانی غیرت کے زور نے وید پر ایمان لانے سے روک دیا اگر یہ حکم انسانی غیرت کے موافق ہوتا تو تمام ہندو کھلے کھلے طور پر کر کے دکھلاتے اب کیسی بے شرمی ہے کہ کھلے طور پر نیوگ پر عمل کر کے نہیں دکھلاتے اور پھر طلاق سے اس کو مشابہت دیتے ہیں بھلا اگر اپنی بات میں سچے ہیں تو جیسے مسلمان ضرورتوں کے وقت کھلے کھلے طور پر طلاق دیدیتے ہیں اور کسی سے نہیں ڈرتے ایسا ہی ہندو بھی اس عمل کو مردمیدان بن کر دکھلاویں مثلاً اسی شہر میں دس۱۰ بیس۲۰ ہندو اپنی عورتوں کو دوسروں سے ہم بستر کراویں اور اشتہار دے دیں کہ آج رات فلاں فلاں لالہ صاحب اور فلاں فلاں پنڈت صاحب نے اپنی جوان عورت کو فلاں فلاں شخص سے اولاد کی غرض سے یا شہوت فرو کرانے کیلئے ہم بستر کرا دیا ہے اور جب تک اپنی عورتوں کو غیروں سے ہم بستر نہ کراویں تب تک ان کو طلاق وغیرہ کا نام لے کر کسی الزامی جواب دینے کا حق نہیں پہنچتا۔ کیونکہ مسلمانوں کی کارروائی منافقانہ نہیں وہ جس بات کو اللہ و رسول کا حکم قرار دیتے ہیں اس کے بجا لانے میں کسی سے نہیں ڈرتے اور نہ کسی کی ملامت کا اندیشہ کرتے ہیں پس اگر ہندو بھی درحقیقت نیوگ کے مسئلہ کو سچا ہی سمجھتے ہیں اور برکتوں کے حاصل کرنے کا ذریعہ قرار

﴿۳۸﴾

دیتے ہیں تو الزامی جوابوں سے پہلے اپنی عورتوں سے کھلے کھلے طور پر نیوگ کرا کر دکھلائیں ورنہ جھوٹے مُردار ہیں۔ یہ بات سن کر پنڈت جی چپکے ہی کھسک گئے پھر بات نہ کی۔

قادیان کے آریوں کے ان اعتراضوں کا جواب جو انہوں نے اپنے اشتہار میں لکھے ہیں

اوّل۔ اسلام کی تعلیم میں عورت کو محض ایک ذریعہ شہوت رانی کا سمجھا گیا ہے۔**الجواب** ہم اسی رسالہ میں لکھ چکے ہیں کہ اسلام نے نکاح کرنے سے علت غائی ہی یہی رکھی ہے کہ تا انسان کو وجہ حلال سے نفسانی شہوات کا وہ علاج میسر آوے جو ابتدا سے خدا تعالیٰ کے قانون قدرت میں رکھا گیا ہے اور اس طرح اس کو عفت اور پرہیزگاری حاصل ہو کر ناجائز اور حرام شہوت رانیوں سے بچا رہے کیا جس نے اپنی پاک کلام میں فرمایا کہ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ [1] یعنی تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں اس کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ اس کی غرض صرف یہ تھی کہ تا لوگ شہوت رانی کریں اور کوئی مقصد نہ ہو کیا کھیتی سے صرف لہو و لعب ہی غرض ہوتی ہے یا یہ مطلب ہوتا ہے کہ جو بیج بویا گیا ہے اس کو کامل طور پر حاصل کرلیں۔ پھر میں کہتا ہوں کہ کیا جس نے اپنی مقدس کلام میں فرمایا مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ [2] یعنی تمہارے نکاح کا یہ مقصود ہونا چاہئے کہ تمہیں عفت اور پرہیزگاری حاصل ہو اور شہوات کے بدنتائج سے بچ جاؤ۔ یہ نہیں مقصود ہونا چاہئے کہ تم حیوانات کی طرح بغیر کسی پاک غرض کے شہوت کے بندے ہو کر اس کام میں مشغول ہو کیا اس حکیم خدا کی نسبت یہ خیال کرسکتے ہیں کہ اس نے اپنی تعلیم میں مسلمانوں کو صرف شہوت پرست بنانا چاہا اور یہ باتیں فقط قرآن شریف میں نہیں بلکہ ہماری معتبر حدیث کی دو کتابیں بخاری اور مسلم میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی روایت ہے اور اعادہ کی حاجت نہیں ہم اسی رسالہ میں لکھ چکے ہیں قرآن کریم تو اسی غرض سے نازل ہوا کہ تا ان کو جو بندہ شہوت تھے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع دلاوے اور ہر یک بے اعتدالی کو دور کرے۔ عرب میں صدہا بیویوں تک نکاح کر لیتے تھے اور پھر ان کے درمیان

﴿۳۹﴾

[1] البقرہ: ۲۲۴ [2] النسآء: ۲۵

اعتدال بھی ضروری نہیں سمجھتے تھے ایک مصیبت میں عورتیں پڑی ہوئی تھیں جیسا کہ اس کا ذکر جان ڈیون پورٹ اور دوسرے بہت سے انگریزوں نے بھی لکھا ہے۔**قرآن کریم** نے ان صدہا نکاحوں کے عدد کو گھٹا کر چار تک پہنچا دیا بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً [1] یعنی اگر تم ان میں اعتدال نہ رکھو تو پھر ایک ہی رکھو۔ پس اگر کوئی قرآن کے زمانہ پر ایک نظر ڈال کر دیکھے کہ دنیا میں تعدد ازدواج کس افراط تک پہنچ گیا تھا اور کیسی بے اعتدالیوں سے عورتوں کے ساتھ برتاؤ ہوتا تھا تو اسے اقرار کرنا پڑے گا کہ قرآن نے دنیا پر یہ احسان کیا کہ ان تمام بے اعتدالیوں کو موقوف کر دیا لیکن چونکہ قانون قدرت ایسا ہی پڑا ہے کہ بعض اوقات انسان کو اولاد کی خواہش اور بیوی کے عقیمہ ہونے کے سبب سے یا بیوی کے دائمی بیمار ہونے کی وجہ سے یا بیوی کی ایسی بیماری کے عارضہ سے جس میں مباشرت ہرگز ناممکن ہے جیسی بعض صورتیں خروج رحم کی جن میں چھونے کے ساتھ ہی عورت کی جان نکلتی ہے اور کبھی دس۱۰ دس۱۰ سال ایسی بیماریاں رہتی ہیں۔ اور یا بیوی کا زمانہ پیری جلد آنے سے یا اس کے جلد جلد حمل دار ہونے کے باعث سے فطرتاً دوسری بیوی کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے اس قدر تعدد کے لئے جواز کا حکم دے دیا اور ساتھ اس کے اعتدال کی شرط لگا دی سو یہ انسان کی حالت پر رحم ہے تا وہ اپنی فطری ضرورتوں کے پیش آنے کے وقت الٰہی حکمت کے تدارک سے محروم نہ رہے جن کو اس بات کا علم نہیں کہ عرب کے باشندے قرآن شریف سے پہلے کثرت ازدواج میں کس بے اعتدالی تک پہنچے ہوئے تھے ایسے بیوقوف ضرور کثرت ازدواجی کا الزام اسلام پر لگائیں گے مگر تاریخ کے جاننے والے اس بات کا اقرار کریں گے کہ قرآن نے ان رسموں کو گھٹایا ہے نہ کہ بڑھایا پس جس نے تعدد ازدواج کی رسم کو گھٹایا اور نہایت ہی کم کر دیا اور صرف اس اندازہ پر جواز کے طور پر رہنے دیا جس کو انسان کی تمدن کی ضرورتیں کبھی نہ کبھی چاہتی ہیں کیا اس کو کہہ سکتے ہیں کہ اُس نے شہوت رانی کی تعلیم سکھائی ہے؟

﴿۴۰﴾

اس جگہ ہم جان ڈیون پورٹ کی کتاب سے اور دوسرے چند فاضل انگریزوں کی بعض

نوٹ۔ جان ڈیون پورٹ اپنی کتاب کے صفحہ ۸۵ میں لکھتے ہیں کہ اہل عرب میں ایک سے زیادہ بیویاں کرنے

[1] النساء:۴

عبارتیں حاشیہ میں نقل کر کے لکھتے ہیں تا معلوم ہو کہ مخالف لوگوں نے بھی باوجودیکہ نہیں چاہتے تھے کہ تائید اسلام میں کچھ لکھیں مجبور ہو کر اس شہادت کو ادا کر دیا ہے ہاں بعض بدذات پادری جو اپنے فطرتی تعصب کے ساتھ جہالت کو بھی جمع رکھتے تھے انہوں نے شیاطین کی طرح بہت افترا کئے اور صدہا اعتراض اسلام اور قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جما دیئے مگر دیکھنا چاہیئے کہ ان

﴿۴۱﴾

بقیہ نوٹ

کا قدیم سے رواج چلا آتا تھا آپ کے احکام نے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے کثرت نکاح کے طریق کو جو اہل مشرق میں بہت رواج پا گیا تھا کم کر دیا یعنی گھٹا دیا وہ لوگ علاوہ کثرت ازدواج کے اپنی رشتہ دار عورتوں سے بھی خراب ہوا کرتے تھے مگر آپ کی تعلیم سے وہ باتیں بالکل معدوم ہو گئیں۔ کوئی آدمی ایسا نہیں کہ جو قرآن شریف پڑھے اور اس کے دل پر خوف کا اثر نہ ہو۔ حقیقت میں یہ بات ناممکن ہے کہ ایک شخص بانی مذہب ہو اور وہ ایسی باتیں نکالے جن سے بدکاری رائج ہو اور پھر اس کے مذہب میں بالکل کامیابی حاصل ہو جائے لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس مذہب کے مسائل کی سختی ہی زیادہ اس کی کامیابی کی باعث ہوئی ہے اور پھر صفحہ ۲۷۱ میں لکھتے ہیں کہ مشرق میں بہت سے نکاح کرنے کی رسم حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے ہی چلی آتی ہے اور یہ بات انجیل کے بہت سے فقروں سے ثابت ہے کہ یہ رسم انجیل کے زمانہ میں بھی بُرے خیال سے نہیں کی گئی ایسا ہی پروفیسر مارس صاحب اسلامی تعلیم کے اعتدال کی تعریف کر کے اخیر میں لکھتے ہیں کہ جب عیسائی مذہب کے پیچ در پیچ اور ناقابل فہم عقیدوں پر خیال کیا جاتا ہے تو شاید ایک فلاسفر دین اسلام کی خوبی اور صفائی عقائد اور سادگی اور اس کا بناوٹ سے پاک ہونا دیکھ کر آہ کر کے پچھتاوے کہ میرا مذہب ایسا کیوں نہ ہوا☆ پھر **گبن** صاحب اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ آپ کے زمانہ میں یہودیوں میں جورواں کرنے کی کوئی حد نہ تھی اور مجوسیوں نے اپنی ماؤں کو بھی اپنے لئے مباح کر لیا تھا۔ ایسا ہی عرب بھی بلاتعیّن جوروئیں رکھتے تھے اور انکی اخلاقی حالت یہاں تک بگڑ گئی تھی کہ میراث کے مال کی طرح باپ کی منکوحہ عورتوں کو بھی باہم بانٹتے تھے اور تمام عورتیں بلاکسی امتیاز کے مردوں کی وحشیانہ خواہشوں کے پورا کرنے کا آلہ سمجھی جاتی تھیں بلکہ بعض قبائل یمن میں جو کسی قدر یہودی اور

﴿۴۱﴾

☆نوٹ: نیوگ کے بارے میں وید اور دیانند اور منو اور پوران اور یاگولک جی کی گواہی تو ہم لکھ چکے ہیں اب گبن جیسے فاضل انگریز کی بھی گواہی سن لو۔ منہ

اعتراضوں کا ان کے پاس ثبوت کیا ہے۔کیا قرآن شریف سے یا کسی حدیث صحیح سے انہوں نے لئے ہیں۔ہمیں تو ان نادانوں پر نہایت افسوس کے ساتھ رونا آتا ہے کہ جنہوں نے جلد بازی سے نہ صرف اپنے تئیں تباہ کیا بلکہ بعض متعصب آریوں کو بھی ساتھ ہی لے ڈوبے یہ کمینہ طبع لوگ نکتہ چینی کے لئے تو حریص تھے ہی اس پر چند شریر اور نادان عیسائیوں کی کتابیں ان کو مل

﴿۴۲﴾

بقیہ نوٹ

کسی قدر صابی تھے یعنی ستارہ پرست تھے ایک عورت کے کئی کئی خصم ہوتے تھے اور ہندوؤں کی قدیم رسم کی طرح یہ رسم بھی بے تکلف جاری تھی کہ جب عورت اپنی معمولی حالت کے بعد غسل سے فارغ ہوتی تو کمبخت بے حیا شوہر اس کو کہتا کہ فلاں شخص کو بلا بھیج اور حمل کے آثار ظاہر ہونے تک بڑی احتیاط کے ساتھ جورو سے کنارہ کش رہتا اور اس سے یہ غرض ہوتی کہ بچہ شریف اور نجیب شخص کے تخم سے ہو اور اس سے بڑھ کر یہ رسم تھی جو چند آدمی جو شمار میں دس سے کم ہوتے اکٹھے ہو کر ایک عورت کے پاس جاتے اور اس سے ہم بستر ہوتے۔اور پھر لکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب خرابیوں کو دور فرمایا اور نکاح کو ایک معاہدہ قرار دیا گیا اور ہر یک افراط کو دور کر دیا گیا اور تشریح کی گئی کہ کن عورتوں کے ساتھ نکاح ہونا چاہئے اور کس حد تک اور وہ حدود مقرر کئے گئے جو عقل اور اخلاق کے برخلاف نہیں اور جب ہم عرب جاہلیت کی کثرت ازواج اور اس طرز سلوک کا خیال کرتے ہیں جو وہ اپنی عورتوں کے ساتھ کرتے تھے اور پھر اس حالت پر غور کرتے ہیں کہ جو اسلام کے طفیل سے ان کو حاصل ہوئی تو ہمارا دل ایک فخر آمیز تعجب سے بھر جاتا ہے اور یقین ہوتا ہے کہ انسان کے دل پر اس قسم کا تصرف کہ جس نے ان شہوت پرستوں کی حالتوں کو بالکل پھیر دیا بے شبہ وہ ربانی تصرف تھا اور ایزک ٹیلر صاحب نے افریقہ میں مذہب اسلام کی نسبت بحث کرتے ہوئے قصبہ وولور ہمپٹن کے چرچ کانگریس کے روبرو اپنی رائے حسب ذیل بیان کی۔تعدد ازواج ایک بڑا دقیق مسئلہ ہے موسیٰ نے اس کو نہیں روکا اور داؤد جس کا خدا کا سا دل تھا اس کو عمل میں لایا اور انجیل میں صاف طور سے ممنوع نہیں ہے محمدؐ نے تعدد ازواج کی بے حد اجازت کو محدود کر دیا۔تعدد ازواج کے سبب مسلمانوں میں بدکاری کم ہے ہم کو خبردار ہونا چاہئے کہ شاید ایک برائی کو بے وقت دور کرنے میں ہم اس کی جگہ ایک اس سے زیادہ بُری بُرائی قائم کر دیں۔منہ

﴿۴۲﴾

گئیں اور شیطانی جوش نے یہ تلقین دی کہ یہ سب سچ ہے لہٰذا اس روسیاہی اور ندامت کا انہوں نے بھی حصہ لیا جواب نادان پادریوں کے منہ پر نمایاں ہے میرے نزدیک جھوٹا ثابت ہونے کی ذلت ہزاروں موتوں سے بدتر ہے اگر عیسائی سچے تھے تو اب ہماری باتوں کا کیوں جواب نہیں دیتے۔ اگر وہ عربی میں دخل رکھتے تھے تو ہم نے **نور الحق** کو تالیف کر کے پانچ ہزار روپیہ کا اشتہار دیا اور کہا کہ یہ روپیہ اپنے پاس ہی جمع کرالیں اور عربی میں بالمقابل کتاب لکھ کر دکھلاویں سو ایسے چپ ہوئے کہ گویا مر گئے کیا یہی وہ لوگ تھے جن کی شہادت قرآن کریم کی نکتہ چینی میں قبول کی گئی کسی کتاب کی تعلیم پر ذاتی حملہ کرنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ اول اس کتاب کی زبان بھی معلوم ہو ورنہ صرف دخل بیجا اور شیطانی حرکت ہوگی۔ ہاں اس صورت میں ایک شخص جو زبان سے ناواقف ہے اعتراض کرسکتا ہے۔ جب اعتراض کی بناء ایسے فاضل اور مسلم لوگوں کی شہادت پر ہو جو زبان کے ماہر اور دینی اسرار کے محقق مانے گئے ہیں جیسا کہ ہم نے نیوگ کا اعتراض دیانند کے وید بھاش کے مطابق اور منو اور یا گولک جی اور گوردت اور پوران وغیرہ کے حوالہ سے کیا ہے سو ایسے نہایت بزرگ اعتراضوں میں جو قوم کے برگزیدہ اور مسلم پیشواؤں کے حوالوں پر مبنی ہوں جن کی شہادت کو ماننا ضروری ہو ہر یک کو حق پہنچتا ہے کہ ان لوگوں کو ملزم کرے جو لوگ ان کی شہادت کو ایک قطعی اور یقینی شہادت سمجھتے ہیں مگر یہ تو نہایت بے ایمانی اور بدذاتی ہے کہ آپ تو زبان میں کچھ بھی مہارت نہ رکھیں اور ان معانی کو قبول نہ کریں جو قوم کے پیشوا بتلاتے ہیں اور ایسے معانی پیش کریں کہ نہ تو قوم کے پیشوا نے بتلائے اور نہ ان لوگوں نے جو اس پیشوا کے بعد بطور نائب کے تسلیم کئے گئے تھے اور نہ مسلم العلم والفضل اکابر قوم نے ان معنوں کی طرف کوئی بھی اشارہ کیا یہی خیانتیں ہیں جو نادان پادریوں سے ظہور میں آئیں خدائے کامل وقدوس پر تو ماں کی حاجت کا بھی داغ لگایا اور اس پاک تعلیم پر اعتراض کیا جس کی راستی پر ایک ایسا بادیہ نشین بھی گواہی دے سکتا ہے جو زمین و آسمان کی بناوٹ کو سوچ کر اس کے خالق کا پتہ لگانا چاہے۔

﴿۴۳﴾

دوسرا سوال۔ مسلمان حیض کے دنوں میں بھی عورت سے جدا نہیں ہوتے۔ **الجواب**۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ان بہتان طراز لوگوں کا یہ کیسا اعتراض ہے یہ لوگ جھوٹ بولنے کے وقت کیوں

خدا تعالیٰ سے نہیں ڈرتے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ [1] (الجزو نمبر۲ سورۃ البقرۃ) یعنی حیض کے دنوں میں عورتوں سے کنارہ کرو اور ان کے نزدیک مت جاؤ یعنی صحبت کے ارادہ سے جب تک کہ وہ پاک ہو لیں۔ اگر ایسی صفائی سے کنارہ کشی کا بیان وید میں بھی ہو تو کوئی صاحب پیش کریں لیکن ان آیات سے یہ مراد نہیں کہ خاوند کو بغیر ارادہ صحبت کے اپنی عورت کو ہاتھ لگانا بھی حرام ہے یہ تو حماقت اور بیوقوفی ہوگی کہ بات کو اس قدر دور کھینچا جائے کہ تمدن کے ضرورات میں بھی حرج واقع ہو اور عورت کو ایام حیض میں ایک ایسی زہر قاتل کی طرح سمجھا جائے جس کے چھونے سے فی الفور موت نتیجہ ہے۔ اگر بغیر ارادہ صحبت عورت کو چھونا حرام ہوتا تو بیچاری عورتیں بڑی مصیبت میں پڑ جاتیں۔ بیمار ہوتیں تو کوئی نبض بھی دیکھ نہ سکتا گرتیں تو کوئی ہاتھ سے اٹھا نہ سکتا اگر کسی درد میں ہاتھ پیر دبانے کی محتاج ہوتیں تو کوئی دبا نہ سکتا اگر مرتیں تو کوئی دفن نہ کر سکتا کیونکہ ایسی پلید ہو گئیں کہ اب ہاتھ لگانا ہی حرام ہے سو یہ سب نافہموں کی جہالتیں ہیں اور سچ یہی ہے کہ خاوند کو ایام حیض میں صحبت حرام ہو جاتی ہے لیکن اپنی عورت سے محبت اور آثار محبت حرام نہیں ہوتے۔

تیسرا سوال۔ کیا طلاق میں غیرت سے کام لیا گیا ہے کہ ایک شخص غصہ سے اپنی عورت کو ماں بہن کہہ کر طلاق دیدے تو اسے پھر عورت بنانا اور گھر میں لانا جائز نہیں جب تک تین مہینے غیر شخص کا بستر گرم نہ کرلے۔

الجواب۔ یہ اعتراض صرف ہندوؤں کے تعصب اور بہتان تراشی اور دروغ گوئی پر ہی دلیل نہیں بلکہ اس بات پر بھی دلیل ہے کہ کس قدر یہ نادان فرقہ تعلیم قرآن کے پاک اصولوں سے بے خبر ہیں۔ اے لالہ صاحبان اس سے بڑھ کر اور کوئی بھی بدذاتی نہیں کہ ایک بے اصل افترا کو ایسے الفاظ میں پیش کریں جس سے یہ یقین دلانا منظور ہو کہ ہمیں اس میں یقینی اور قطعی علم ہے۔ ﴿۴۴﴾

اب میں آپ لوگوں کی کیا کیا غلطی دور کروں کہ آپ لوگوں نے اس سوال کو غلطیوں کی معجون بنا دیا۔ اول تو کسی جاہل کا غصہ میں ماں بہن کہہ دینا طلاق کا موجب ہی نہیں ہو سکتا

[1] البقرۃ: ۲۲۳

اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے

اَلَّذِیۡنَ یُظٰہِرُوۡنَ مِنۡکُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِہِمۡ مَّا ہُنَّ اُمَّہٰتِہِمۡ ؕ اِنۡ اُمَّہٰتُہُمۡ اِلَّا الّٰٓیِٴۡ وَلَدۡنَہُمۡ ؕ وَ اِنَّہُمۡ لَیَقُوۡلُوۡنَ مُنۡکَرًا مِّنَ الۡقَوۡلِ وَ زُوۡرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ لَعَفُوٌّ غَفُوۡرٌ ۔ وَ الَّذِیۡنَ یُظٰہِرُوۡنَ مِنۡ نِّسَآئِہِمۡ ثُمَّ یَعُوۡدُوۡنَ لِمَا قَالُوۡا فَتَحۡرِیۡرُ رَقَبَۃٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِکُمۡ تُوۡعَظُوۡنَ بِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ۔ فَمَنۡ لَّمۡ یَجِدۡ فَصِیَامُ شَہۡرَیۡنِ مُتَتَابِعَیۡنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ فَاِطۡعَامُ سِتِّیۡنَ مِسۡکِیۡنًا ؕ ذٰلِکَ لِتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ ؕ وَ تِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ ؕ وَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ [1] ۔ (الجزو نمبر ۲۸ سورۃ المجادلہ)

یعنی جو شخص اپنی عورت کو ماں کہہ بیٹھے تو وہ حقیقت میں اس کی ماں نہیں ہو سکتی انکی مائیں وہی ہیں جن سے وہ پیدا ہوئے سو یہ ان کی بات نامعقول اور سراسر جھوٹ ہے اور خدا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے اور جو لوگ ماں کہہ بیٹھیں اور پھر رجوع کریں تو اپنی عورت کو چھونے سے پہلے ایک گردن آزاد کر دیں یہی خدائے خبیر کی طرف سے نصیحت ہے اور اگر گردن آزاد نہ کر سکیں تو اپنی عورت کو چھونے سے پہلے دو مہینہ کے روزے رکھیں اور اگر روزے نہ رکھ سکیں تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاویں۔ اب فرمایئے کہ جھوٹے بدذات کو کیا سزا دی جاوے جس نے ناحق افترا کر کے اپنی طرف سے یہ بات بنائی کہ ماں کہنے کی حالت میں ایسی طلاق ہو جاتی ہے کہ پھر جب تک عورت دوسرا خصم نہ کر لے خاوند کی طرف رجوع نہیں کر سکتی ایسے دروغ گوؤں کو اگر ایک مرتبہ بھی سزا ہو جائے تو پھر آئندہ جھوٹ بنانے پر جرأت نہ کریں دیکھو کیسی بے حیائی اور افترا پردازی ہے کہ نیوگ کی بات پر غصہ کر کے قرآن پر افترا باندھا۔ یہ غصہ وید پر کرنا چاہیئے تھا جس نے ہندوؤں کی عزت کو خاک میں ملا دیا ایسا کہ وہ منہ دکھانے کے لائق بھی نہ رہے۔ پھر یہ غصہ منو پر کرنا چاہیئے تھا جس نے وید کی ان شرتیوں کو شائع کیا پھر یا گولک وید کا بھاشیکار اس غصہ کے لائق تھا جس نے یہ تفسیر لکھ کر سارے آریہ ورت میں شائع کی پھر پورانوں پر یہ غصہ چاہیئے تھا جنہوں نے گھر گھر یہ خوشخبری سنائی اور پھر دیانند کو کچھ سزا دینی چاہیئے تھی جس نے اس زمانہ میں وید کا پردہ فاش کیا۔ پھر گوردت بھی کسی قدر مار کھانے کے لائق تھا جس نے نیوگ کے جواز پر انگریزی رسالے لکھے اور میدان میں

﴿۴۵﴾

[1] المجادلۃ:۳تا۵

کھڑے ہوکر دعویٰ کیا کہ وید کی رو سے **زندہ خاوند والی کا نیوگ جائز ہے**۔ لیکن ان بھلے مانسوں نے قرآن کی تعلیم پر کیوں افتراء کیا۔ اب ہمیں دکھلاویں کہ قرآن کریم میں یا کسی حدیث میں کہاں ہے کہ جو اپنی عورت کو ماں کہہ بیٹھے پھر وہ عورت تب اس کے گھر میں آباد ہوسکتی ہے جبکہ دوسرے کے نکاح میں آجاوے اور تین مہینے اس کے گھر میں آباد رہے اور اگر دکھلا نہ سکیں تو بجز اس کے کیا کہیں۔ کہ

لعنت اللّٰہ علی الکاذبین

جس کی تعلیم یہ خیانت ہے ایسے دیں پر ہزار لعنت ہے

اب ہم ان نادانوں پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ قرآن میں کونسی ہدایتیں ہیں جن کی پابندی کے بعد پھر ایک شخص طلاق دینے کا مجاز ہوتا ہے اور وہ یہ ہیں۔

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَاۤ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا [1]

یعنی جن عورتوں کی طرف سے ناموافقت کے آثار ظاہر ہو جائیں پس تم ان کو نصیحت کرو اور خوابگاہوں میں ان سے جدا رہو اور مارو (یعنی جیسی جیسی صورت اور مصلحت پیش آوے) پس اگر وہ تمہاری تابعدار ہو جائیں تو تم بھی طلاق وغیرہ کا نام نہ لو اور تکبر نہ کرو کہ کبریائی خدا کے لئے مسلّم ہے یعنی دل میں یہ نہ کہو کہ اس کی مجھے کیا حاجت ہے میں دوسری بیوی کر سکتا ہوں بلکہ تواضع سے پیش آؤ کہ تواضع خدا کو پیاری ہے اور پھر فرماتا ہے کہ اگر میاں بیوی کی مخالفت کا اندیشہ ہو تو ایک منصف خاوند کی طرف سے مقرر کرو اور ایک منصف بیوی کی طرف سے اگر منصف صلح کرانے کے لئے کوشش کریں گے تو خدا توفیق دے دے گا۔ **اور پھر فرمایا۔**

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وَاِنْ

[1] النساء: ۳۵، ۳۶

﴿۴۶﴾ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ [۱]
اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ ... فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ [۲]۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ... فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ... وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَالّٰٓئِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ .... وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا .... ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا [۳]۔

ترجمہ۔ جو لوگ اپنی بیویوں سے جدا ہونے کے لئے قسم کھا لیتے ہیں وہ طلاق دینے میں جلدی نہ کریں بلکہ چار مہینے انتظار کریں۔ سو اگر وہ اس عرصہ میں اپنے ارادہ سے باز آجاویں پس خدا کو غفور و رحیم پائیں گے اور اگر طلاق دینے پر پختہ ارادہ کر لیں سو یاد رکھیں کہ خدا سننے والا اور جاننے والا ہے یعنی اگر وہ عورت جس کو طلاق دی گئی خدا کے علم میں مظلوم ہو اور پھر وہ بد دعا کرے تو خدا اس کی بد دعا سن لے گا۔ اور چاہئے کہ جن عورتوں کو طلاق دی گئی وہ رجوع کی امید کے لئے تین حیض تک انتظار کریں اور ان تین حیض میں جو قریباً تین مہینے ہیں دو دفعہ طلاق ہوگی یعنی ہر یک حیض کے بعد خاوند عورت کو طلاق دے اور جب تیسرا مہینہ آوے تو خاوند کو ہوشیار ہو جانا چاہئے کہ اب یا تو تیسری طلاق دے کر احسان کے ساتھ دائمی جدائی اور قطع تعلق ہے اور یا تیسری طلاق سے رک جائے اور عورت کو حسن معاشرت کے ساتھ اپنے گھر میں آباد کرے اور یہ جائز نہیں ہوگا کہ جو مال طلاق سے پہلے عورت کو دیا تھا وہ واپس لے لے اور اگر تیسری طلاق جو تیسرے حیض کے بعد ہوتی ہے دیدے تو اب وہ عورت اس کی عورت نہیں رہی اور جب تک وہ دوسرا خاوند نہ کر لے تب

[۱] البقرۃ: ۲۲۷تا۲۲۹ [۲] البقرۃ: ۲۳۰تا۲۳۳ [۳] الطلاق: ۲تا۶

تک نیا نکاح اس سے نہیں ہوسکتا (یعنی ایسے شخص کی سزا یہی ہے کہ جو باوجود ہدایت متذکرہ بالا کے پھر نہ سمجھے اور چونکہ یہ عورت اب اس کی عورت نہیں رہی اس لئے وہ خاوند کرنے میں اختیار کلّی رکھتی ہے) اور پھر فرمایا کہ جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ مدت مقررہ تک پہنچ جائیں اور عدت کی میعاد گذر جائے تو ان کو نکاح کرنے سے مت روکو یعنی جب تین حیض کے بعد تین طلاقیں ہو چکیں عدت بھی گذر گئی تو اب وہ عورتیں تمہاری عورتیں نہیں ان کو نکاح کرنے سے مت روکو اور خدا سے ڈرو اور ان کو عدت کے دنوں میں گھروں میں سے مت نکالو مگر یہ کہ کوئی کھلی کھلی بدکاری ان سے ظاہر ہو اور جب تین حیض کی مدت گذر جائے تو پھر بعد اس کے احسان کے ساتھ رکھ لو یا احسان کے ساتھ اس کو رخصت کر دو۔ اگر کوئی تم میں سے خدا سے ڈرے گا یعنی طلاق دینے میں جلدی نہیں کرے گا اور کسی بے ثبوت شبہ پر بگڑ نہیں جائے گا تو خدا اس کو تمام مشکلات سے رہائی دے گا اور اس کو ایسے طور سے رزق پہنچائے گا کہ اسے علم نہیں ہوگا کہ مجھے کہاں سے رزق آتا ہے اور جو عورتیں حیض سے نومید ہوگئی ہیں ان کی مہلت طلاق بجائے تین حیض کے تین مہینہ ہیں اور جو خدا سے ڈرے گا یعنی طلاق دینے میں جلدی نہیں کرے گا خدا اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔ یہ خدا کا حکم ہے جو تمہاری طرف اتارا گیا اور جو خدا سے ڈرے گا یعنی طلاق دینے میں جلدی نہیں کرے گا اور حتی الوسع طلاق سے دستبردار رہے گا خدا اس کے تمام گناہ معاف کر دے گا اور اس کو بہت بڑا اجر دے گا ☆

﴿۴۷﴾

☆ حاشیہ

اگر کوئی عورت اذیت اور مصیبت کا باعث ہو تو ہم کو کیونکر یہ خیال کرنا چاہئے کہ خدا ہم سے ایسی عورت کے طلاق دینے سے ناخوش ہوگا۔ میں دل کی سختی کو اس شخص سے منسوب کرتا ہوں جو اس عورت کو اپنے پاس رہنے دے نہ اس شخص سے جو اس کو ایسی صورتوں میں اپنے گھر سے نکال دے ناموافقت سے عورت کو رکھنا ایسی سختی ہے جس میں طلاق سے زیادہ بے رحمی ہے طلاق ایک مصیبت ہے جو ایک بدتر مصیبت کے عوض اختیار کی جاتی ہے تمام معاہدے بدعہدی سے ٹوٹ جاتے ہیں پھر اس پر کون سی معقول دلیل ہے کہ نکاح کا معاہدہ ٹوٹ نہیں سکتا۔

﴿۴۸﴾ **سوال چوتھا**۔اب دیکھئے کہ لفظ زنا کس موقعہ کے لئے موزوں ہے رسول خدا حضرت **محمد** صاحب کا اپنے متبنّٰی بیٹے کی بہو مسماۃ زینب کی خواہش کرنا اور اس کے معقول عذر پر یہ بہانہ کرنا کہ خدا تعالیٰ نے عرش پر اپنی زبان مبارک سے میرا اور تیرا نکاح پڑھ دیا ہے۔**الجواب** اے لالہ صاحبان آپ لوگوں نے ہمارے سید و مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تمام پرہیزگاروں اور پاک دلوں کے سردار ہیں زنا کی تہمت لگائی اگرچہ **تعزیرات ہند دفعہ ۲۹۸** کی رو سے ایسے شخصوں کی توہین کے مقدمہ میں جو ایک عظیم الشان پیشوا کی نسبت کی گئی ہے۔ سزا تو یہ ہے کہ کم سے کم عدالت سے ڈاڑھی اور موچھ منڈوا کر برس برس کی قید ہو اور پیچھے کھترانیوں اور مصرانیوں کو بجز نیوگ کرانے کے اور کوئی صورت کارروائی کے لئے باقی نہ رہے لیکن بالفعل ہم اس امید سے برداشت کرتے ہیں کہ تا ﴿۴۹﴾

بقیہ حاشیہ

اور کیا وجہ کہ نکاح کی نوعیت تمام معاہدوں سے مختلف ہے۔عیسیٰ نے زنا کی شرط سے طلاق کی اجازت دی مگر آخر اجازت تو دیدی۔نکاح ملاپ کے لئے ہے اس لئے نہیں کہ ہم دائمی تردد اور نزاع کے باعث سے پریشان خاطر رہیں۔**خلاصہ تقریر جان ملٹن**۔

اگر مرد کسی دوسری جگہ چلا جائے اور اپنے گھر پر حاضر نہ ہو تو آریوں کی عورتوں کو چاہئے کہ میعاد مقررہ کے بعد نیوگ یعنی کسی دوسرے سے ہم بستر ہو کر اولاد جن لیں کسی کی اجازت کی بھی ضرورت نہیں اور وید آ گیا موافق بیان پنڈت دیانند کے یہ ہے۔ وواہت استری جو وواہت پتی دھرم کے ارتھ پردیش میں گیا ہو تو آٹھ برش۔ ودیا اور کیرتی کے لئے گیا ہو تو چھ۶ اور دھن ادی کامنا کے لئے گیا ہو تو تین برش تک باٹ دیکھے پشچات نیوگ کرکے سنتان اوتپتی کر لے۔ جب وواہت پتی آوے تب نیوکت پتی چھوٹ جاوے۔ ﴿۴۷﴾

विवाहित स्त्री जो विवाहित पति धर्म के अर्थ परदेश में गया हो तो आठ वर्ष, विद्या और कीर्त्ति के लिये गया हो तो छः, और धनादि कामना के लिये गया हो तो तीन वर्ष तक बाट देखके पश्चात् नियोग करके सन्तानोत्पत्ति कर ले । जब विवाहित पति आवे तब नियुक्त पति छूट जावे । (सत्यार्थ-120)

شاید تم آئندہ باز آجاؤ۔

اب ہم ان آریوں کے اس پُرافترا اعتراض کی بیخ کنی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو انہوں نے زینب کے نکاح کی نسبت تراشا ہے۔ ان مفتری لوگوں نے اعتراض کی بنا دو باتیں ٹھہرائی ہیں (۱) یہ کہ متبنّٰی اگر اپنی جورو کو طلاق دے دیوے تو متبنّٰی کرنے والے کو اس عورت سے نکاح جائز نہیں (۲) یہ کہ زینب آنحضرت کے نکاح سے ناراض تھی تو گویا آنحضرت نے زینب کے معقول عذر پر یہ بہانہ گھڑا کہ مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے سو ہم ان دو باتوں کا ذیل میں جواب دیتے ہیں۔

امر اول کا جواب۔ یہ ہے کہ جو لوگ متبنّٰی کرتے ہیں ان کا یہ دعویٰ سراسر لغو اور باطل ہے کہ وہ حقیقت میں بیٹا ہو جاتا ہے اور بیٹوں کے تمام احکام اس کے متعلق ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ قانون قدرت اس بیہودہ دعویٰ کو رد کرتا ہے اس لئے کہ جس کا نطفہ ہوتا ہے اسی کے اعضاء میں سے بچہ کے اعضاء حصہ لیتے ہیں اسی کے قویٰ کے مشابہ اس کے قویٰ ہوتے ہیں اور اگر وہ انگریزوں کی طرح سفید

بقیہ حاشیہ

پس جس حالت میں ہندوؤں کی عورتیں ایسی آزاد ہیں کہ خاوند مثلاً نوکر چاکر ہے کوئی **مفقود الخبر** اور گمشدہ نہیں خط روز آتے ہیں مقام شہر کا نام معلوم ہے اگر چاہیں تو آسانی سے وہاں جاسکتے ہیں مگر پھر بھی وید نے یہ تعلیم نہیں دی کہ ضرورت شہوت کے وقت میں خاوندوں کے پاس چلی جائیں۔ خاص کر جب خاوند ایک جگہ نوکر اور بڑے معزز عہدہ پر ہو مثلاً ڈپٹی کمشنر ہو تو روپیہ کی بھی کمی نہیں مگر پھر بھی وید نے زناکاری کی رغبت دی اس سے معلوم ہوا کہ وید کے رشیوں کو زنا بہت ہی پیارا تھا تبھی تو حلال وجہ کے جماع کی پرواہ نہ رکھ کر نیوگ کو ہی پسند کیا بہرحال جس حالت میں وید کی آ گیا کے بموجب اس صورت میں بھی ایک ہندو عورت نیوگ کرا سکتی ہے۔ جبکہ ایک جگہ خاوند نوکر ہو اور وید نے یہ حکم نہیں دیا کہ عورت خاوند کے پاس چلی جاوے بلکہ نیوگ کرانے کی اجازت دے دی ہے تو پھر جب کوئی آریہ جیل خانہ میں قید ہو تو اس صورت میں تو ہندو عورت کو نیوگ کے لئے اعلیٰ درجہ کا حق پیدا ہوگا۔ کیونکہ وہ جیل خانہ میں نہیں جاسکتی تھی۔

﴿۴۹﴾

رنگ رکھتا ہے تو یہ بھی اس سفیدی سے حصہ لیتا ہے اگر وہ حبشی ہے تو اس کو بھی اس سیاہی کا بخرہ ملتا ہے اگر وہ آتشک زدہ ہے تو یہ بیچارہ بھی اسی بلا میں پھنس جاتا ہے۔ غرض جس کا حقیقت میں نطفہ ہے اسی کے آثار بچہ میں ظاہر ہوتے ہیں جیسی گیہوں سے گیہوں پیدا ہوتی ہے اور چنے سے چنا نکلتا ہے پس اس صورت میں ایک کے نطفہ کو اس کے غیر کا بیٹا قرار دینا واقعات صحیحہ کے مخالف ہے۔ ظاہر ہے کہ صرف منہ کے دعویٰ سے واقعات حقیقیہ بدل نہیں سکتے مثلاً اگر کوئی کہے کہ میں نے سم الفار کے ایک ٹکڑہ کو طباشیر کا ٹکڑہ سمجھ لیا تو وہ اس کے کہنے سے طباشیر نہیں ہو جائے گا اور اگر وہ اس وہم کی بناء پر اسے کھائے گا تو ضرور مرے گا جس حالت میں خدا نے زید کو بکر کے نطفہ سے پیدا کر کے بکر کا بیٹا بنا دیا تو پھر کسی انسان کی فضول گوئی سے وہ خالد کا بیٹا نہیں بن سکتا اور اگر بکر اور خالد ایک مکان میں اکٹھے بیٹھے ہوں اور اس وقت حکم حاکم پہنچے کہ زید جس کا حقیقت میں بیٹا ہے اس کو پھانسی دیا جائے تو اس وقت خالد فی الفور عذر کر دے گا کہ زید حقیقت میں بکر کا بیٹا ہے میرا اس سے کچھ تعلق نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ کسی شخص کے دو باپ تو نہیں ہو سکتے پس اگر متبنٰی بنانے والا حقیقت میں باپ ہو گیا ہے تو یہ فیصلہ ہونا چاہئے کہ اصلی باپ کس دلیل سے لادعویٰ کیا گیا ہے۔ ﴿۵۰﴾

غرض اس سے زیادہ کوئی بات بھی بیہودہ نہیں کہ خدا کی بنائی ہوئی حقیقتوں کو بدل ڈالنے کا قصد کریں۔ دو باتیں ہندوؤں میں قدیم سے چلی آتی ہیں۔ بیٹا بنانا اور خدا بنانا۔ بیٹا بنانے کے لئے تو بڑا عمدہ طریق نیوگ ہے اور خدا اس طرح بناتے ہیں کہ سالگرام کے پتھر پر معمولی منتر پڑھ کر جس کو اواہن کا منتر بھی کہتے ہیں اپنے ہی وہم سے یہ یقین کر لیتے ہیں کہ اب اس میں پرمیشر داخل ہو گیا ہے مگر آریوں نے پرمیشر بننے کے طریق سے تو انکار کر دیا ہے مگر بیٹا بنانے کا نسخہ اب تک ان کی نظر میں قابل پسند ہے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اول آریہ لوگ گود میں بیگانہ بچہ لے کر بیٹا بناتے تھے پھر یہ بات کچھ بناوٹی سی معلوم ہوئی لہذا اس کے قائم مقام نیوگ نکالا کہ تا اپنی عورت کو دوسرے سے ہم بستر کرا کر اس کا نطفہ لے لیں تا نطفہ کے اجزاء جورو کے اجزاء سے مل جائیں اور اس طرح پر کچھ مناسبت پیدا

ہو جائے مگر اس قابل شرم زنا کاری کے بعد بھی مرد کو اس نطفہ سے کچھ تعلق نہیں کیونکہ وہ غیر کا نطفہ ہے اب چونکہ عقل کسی طرح قبول نہیں کر سکتی کہ متبنیٰ درحقیقت اپنا ہی لڑکا ہو جاتا ہے اس لئے ایسے اعتراض کرنے والے پر واجب ہے کہ اعتراض سے پہلے اس دعوے کو ثابت کرے اور درحقیقت اعتراض تو ہمارا حق ہے کہ کیونکر غیر کا نطفہ جو غیر کے خواص اپنے اندر رکھتا ہے اپنا نطفہ بن سکتا ہے پہلے اس اعتراض کا جواب دیں اور پھر ہم پر اعتراض کریں اور یہ بھی یاد رہے کہ زید جو زینب کا پہلا خاوند تھا وہ دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام تھا آپ نے اپنے کرم ذاتی کی وجہ سے اس کو آزاد کر دیا اور بعض دفعہ اس کو بیٹا کہا تا غلامی کا داغ اس پر سے جاتا رہے چونکہ آپ کریم النفس تھے اس لئے زید کو قوم میں عزت دینے کے لئے آپ کی یہ حکمت عملی تھی مگر عرب کے لوگوں میں یہ رسم پڑ گئی تھی کہ اگر کسی کا استاد یا آقا یا مالک اس کو بیٹا کر کے پکارتا تو وہ بیٹا ہی سمجھا جاتا یہ رسم نہایت خراب تھی اور نیز ایک بیہودہ وہم پر اس کی بنا تھی کیونکہ جبکہ تمام انسان بنی نوع ہیں تو اس لحاظ سے جو برابر کے آدمی ہیں وہ بھائیوں کی طرح ہیں اور جو بڑے ہیں وہ باپوں کی مانند ہیں اور چھوٹے بیٹوں کی طرح ہیں۔ لیکن اس خیال سے اگر مثلاً کوئی ہندو ادب کی راہ سے قوم کے کسی مُسن آدمی کو باپ کہہ دے یا کسی ہم عمر کو بھائی کہہ دے تو کیا اس سے یہ لازم آئے گا کہ وہ قول ایک سند متصور ہو کر اس ہندو کی لڑکی اس پر حرام ہو جائے گی یا اس کی بہن سے شادی نہیں ہو سکے گی اور یہ خیال کیا جائے گا کہ اتنی بات میں وہ حقیقی ہمشیرہ بن گئیں اور اس کے مال کی وارث ہو گئیں یا یہ ان کے مال کا وارث ہو گیا۔ اگر ایسا ہوتا تو ایک شریر آدمی ایک لاولد اور مالدار کو اپنے منہ سے باپ کہہ کر اس کے تمام مال کا وارث بن جاتا کیونکہ اگر صرف منہ سے کہنے کے ساتھ کوئی کسی کا بیٹا بن سکتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ صرف منہ سے کہنے سے باپ نہ بن جائے پس اگر یہی سچ ہے تو مفلسوں ناداروں کے لئے نقب زنی یا ڈاکہ مارنے سے بھی یہ عمدہ تر نسخہ ہو جائے گا یعنی ایسے لوگ کسی آدمی کو دیکھ کر جو کئی لاکھ یا کئی کروڑ کی جائیداد رکھتا ہو اور لاولد ہو کہہ سکتے ہیں کہ میں نے تجھ کو باپ بنایا پس اگر وہ حقیقت میں باپ ہو گیا ہے تو ایسے مذہب کی رو سے لازم آئے گا کہ اس لاولد کے مرنے کے بعد سارا

﴿۵۱﴾

مال اس شخص کو مل جائے اور اگر وہ باپ نہیں بن سکا تو اقرار کرنا پڑے گا کہ یہ مسئلہ ہی جھوٹا ہے۔اور نیز ایسا ہی ایک شخص کسی کو بیٹا کہہ کر ایسا ہی فریب کر سکتا ہے **اب چلو کہاں تک چلتے ہو ذرا اپنے وید کی سچائی تو ثابت کرو**۔ بہتیرے راجے اور مہاراجے اپنی وفادار رعیت کو بیٹے اور بیٹیاں ہی سمجھتے ہیں اور ساتھ ہی ان کی لڑکیاں بھی لے لیتے ہیں اور بہتیرے لوگ محبت یا ادب سے کسی کو باپ اور کسی کو بیٹا کہہ دیتے ہیں مگر ان کے وارث نہیں ہو سکتے۔

اب جاننا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں پہلے ہی یہ حکم فرما دیا تھا کہ تم پر صرف ان بیٹوں کی عورتیں حرام ہیں جو تمہارے **صلبی بیٹے** ہیں۔جیسا کہ یہ آیت ہے۔ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ[1] یعنی تم پر فقط ان بیٹوں کی جورواں حرام ہیں جو تمہاری پشت اور تمہارے نطفہ سے ہوں۔ پھر جبکہ پہلے سے یہی قانون تعلیم قرآنی میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہو چکا ہے اور یہ زینب کا قصہ ایک مدت بعد اس کے ظہور میں آیا۔تو اب ہر یک سمجھ سکتا ہے کہ قرآن نے یہ فیصلہ اسی قانون کے مطابق کیا جو اس سے پہلے منضبط ہو چکا تھا۔قرآن کھولو اور دیکھو کہ زینب کا قصہ اخیری حصہ قرآن میں ہے مگر یہ قانون کہ متبنّٰی کی جورو حرام نہیں ہوسکتی یہ پہلے حصہ میں ہی موجود ہے اور اس وقت کا یہ قانون ہے کہ جب زینب کا زید سے ابھی نکاح بھی نہیں ہوا تھا تم آپ ہی قرآن شریف کو کھول کر ان دونوں مقاموں کو دیکھ لو اور ذرہ شرم کو کام میں لاؤ۔ ﴿۵۲﴾

اور پھر بعد اس کے سورۃ **الاحزاب** میں فرمایا۔ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ[2] یعنی خدا تعالیٰ نے کسی کے پیٹ میں دو دل نہیں بنائے پس اگر تم کسی کو کہو کہ تو میرا دل ہے تو اس کے پیٹ میں دو دل نہیں ہو جائیں گے

[1] النساء: ۲۴ [2] الاحزاب: ۵۔۶

دل تو ایک ہی رہے گا اسی طرح جس کو تم ماں کہہ بیٹھے وہ تمہاری ماں نہیں بن سکتی اور اسی طرح خدا نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو حقیقت میں تمہارے بیٹے نہیں کر دیا۔ یہ تو تمہارے منہ کی باتیں ہیں اور خدا سچ کہتا ہے اور سیدھی راہ دکھلاتا ہے تم اپنے منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کے نام سے پکارو یہ تو قرآنی **تعلیم** ہے مگر چونکہ خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ اپنے پاک نبی کا نمونہ اس میں قائم کر کے پورانی رسم کی کراہت کو دلوں سے دور کر دے سو یہ نمونہ خدا تعالیٰ نے قائم کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام آزاد کردہ کی بیوی کی اپنے خاوند سے سخت ناسازش ہوگئی آخر طلاق تک نوبت پہنچی۔ پھر جب خاوند کی طرف سے طلاق مل گئی تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیوند نکاح کر دیا۔ اور خدا تعالیٰ کے نکاح پڑھنے کے یہ معنی نہیں کہ زینب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایجاب قبول نہ ہوا اور جبرًا خلاف مرضی زینب کے اس کو گھر میں آباد کر لیا یہ تو ان لوگوں کی بدذاتی اور ناحق کا افترا ہے جو خدا تعالیٰ سے نہیں ڈرتے بھلا اگر وہ سچے ہیں تو اس افترا کا حدیث صحیح یا قرآن سے ثبوت تو دیں۔ اتنا بھی نہیں جانتے کہ اسلام میں نکاح پڑھنے والے کو یہ منصب نہیں ہوتا کہ جبرًا نکاح کر دے بلکہ نکاح پڑھنے سے پہلے فریقین کی رضامندی ضروری ہوتی ہے۔ اب خلاصہ یہ کہ صرف منہ کی بات سے نہ تو بیٹا بن سکتا ہے نہ ماں بن سکتی ہے۔ مثلاً ہم آریوں سے پوچھتے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی شخص غصہ میں آکر یا کسی دھوکہ سے اپنی عورت کو ماں کہہ بیٹھے تو کیا اس کی عورت اس پر حرام ہو جائے گی اور طلاق پڑ جائے گی اور خود یہ خیال بالبداہت باطل ہے کیونکہ طلاق تو آریوں کے مذہب میں کسی طور سے پڑ ہی نہیں سکتی خواہ اپنی بیوی کو نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ ماں کہہ دیں یا دادی کہہ دیں۔ تو پھر جبکہ صرف منہ کے کہنے سے کوئی عورت ماں یا دادی نہیں بن سکتی تو پھر صرف منہ کی بات سے کوئی غیر کا نطفہ بیٹا کیونکر بن سکتا ہے اور کیونکر قبول کیا جاتا ہے کہ درحقیقت بیٹا ہو گیا اور اس کی عورت اپنے پر حرام ہو گئی خدا کے کلام میں اختلاف نہیں ہو سکتا پس بلاشبہ یہ بات صحیح ہے کہ اگر صرف منہ کی بات سے ایک آریہ کی عورت اس کی ماں نہیں بن سکتی تو اسی طرح صرف منہ کی بات سے غیر کا بیٹا بیٹا

﴿۵۳﴾

بھی نہیں بن سکتا۔

اور دوسری جز جس پر اعتراض کی بنیاد رکھی گئی ہے یہ ہے کہ زینب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول نہیں کیا تھا صرف زبردستی خدا تعالیٰ نے حکم دے دیا۔ اس کے جواب میں ابھی ہم لکھ چکے ہیں کہ یہ ایک نہایت بدذاتی کا افتراء ہے جس کا ہماری کتابوں میں نام و نشان نہیں۔ اگر سچے ہیں تو قرآن یا حدیث میں سے دکھلاویں کیسی بے ایمان قوم ہے کہ جھوٹ بولنے سے شرم نہیں کرتی۔ اگر افتراء نہیں تو ہمیں بتلاویں کہاں لکھا ہے کیا قرآن شریف میں یا بخاری اور مسلم میں۔ قرآن شریف کے بعد بالاستقلال وثوق کے لائق ہماری دو ہی کتابیں ہیں ایک بخاری اور ایک مسلم☆۔ سو قرآن یا بخاری اور مسلم سے اس بات کا ثبوت دیں کہ وہ نکاح زینب کے خلاف مرضی پڑھا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ جس حالت میں زینب زید سے جو آنحضرت کا غلام آزاد تھا راضی نہ تھی اور اسی بناء پر زید نے تنگ آ کر طلاق دی تھی اور زینب نے خود آنحضرت کے گھر میں ہی پرورش پائی تھی اور آنحضرت کے اقارب میں سے اور ممنون منت تھی تو زینب کے لئے اس سے بہتر اور کونسی مراد اور کونسی فخر کی جگہ تھی کہ غلام کی قید سے نکل کر اس شاہ عالم کے نکاح میں آوے جو خدا کا پیغمبر اور خاتم الانبیاء اور ظاہری بادشاہت اور ملک داری میں بھی دنیا کے تمام بادشاہوں کا سرتاج تھا جس کے رعب سے قیصر اور کسریٰ کانپتے تھے۔ دیکھو تمہارے ہندوستان کے راجوں نے محض فخر حاصل کرنے کے لئے مغلیہ خاندان کے بادشاہوں کو باوجود ہندو ہونے کے لڑکیاں دیں اور آپ درخواستیں دے کر اور تمنا کر کے اس سعادت کو حاصل کیا اور اپنے مذہبی قوانین کی بھی کچھ رعایت نہ رکھی بلکہ اپنے گھروں میں ان لڑکیوں کو قرآن شریف پڑھایا اور اسلام کا طریق سکھایا اور مسلمان بنا کر بھیجا حالانکہ یہ تمام بادشاہ اس عالیشان جناب کے آگے ہیچ تھے جس کے آگے دنیا کے بادشاہ جھکے ہوئے تھے کیا کوئی عقل قبول کر سکتی ہے کہ ایک ایسی عورت جو ﴿۵۴﴾

☆ **نوٹ**۔ صحیح مسلم اس شرط سے وثوق کے لائق ہے کہ جب قرآن یا بخاری سے مخالف نہ ہو اور بخاری میں صرف ایک شرط ہے کہ قرآن کے احکام اور نصوص صریحہ بیّنہ سے مخالف نہ ہو اور دوسری کتب حدیث صرف اس صورت میں قبول کے لائق ہوں گی کہ قرآن اور بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث سے مخالف نہ ہوں۔ **منہ**

اس ذلّت سے تنگ آ گئی تھی جو اس کا خاوند ایک غلام آزاد کردہ ہے وہ اس غلام سے آزاد ہونے کے بعد اس شہنشاہ کو قبول نہ کرے جس کے پاؤں پر دنیا کے بادشاہ گرتے تھے بلکہ دیکھ کر رعب کو برداشت نہیں کر سکتے تھے چنانچہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک ملک کا بادشاہ گرفتار ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش کیا گیا اور وہ ڈر کر بید کی طرح کانپتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس قدر خوف مت کر۔ میں کیا ہوں ایک بڑھیا کا بیٹا ہوں جو باسی گوشت کھایا کرتی تھی سو ایسا خاوند **جو دنیا کا بھی بادشاہ اور آخرت کا بھی بادشاہ ہو وہ اگر فخر کی جگہ نہیں تو اور کون ہوسکتا ہے**۔ اور زینب وہ تھی جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کے ساتھ آپ شادی کی تھی اور آپ کی دست پروردہ تھی اور ایک یتیم لڑکی آپ کے عزیزوں میں سے تھی جس کو آپ نے پالا تھا وہ دیکھتی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں عزت کے تخت پر بیٹھی ہیں اور میں ایک غلام کی جورو ہوں اسی وجہ سے دن رات تکرار رہتا تھا۔ اور قرآن شریف بیان فرماتا ہے کہ آنحضرت اس رشتہ سے طبعًا نفرت رکھتے تھے اور روز کی لڑائی دیکھ کر جانتے تھے کہ اس کا انجام ایک دن طلاق ہے چونکہ یہ آیتیں پہلے سے وارد ہو چکی تھیں کہ منہ بولا بیٹا دراصل بیٹا نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے آنحضرت کی فراست اس بات کو جانتی تھی کہ اگر زید نے طلاق دے دی تو غالبًا خدا تعالیٰ مجھے اس رشتہ کے لئے حکم کرے گا تا لوگوں کے لئے نمونہ قائم کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور یہ قصہ قرآن شریف میں بعینہٖ درج ہے۔

پھر پلید طبع لوگوں نے جن کی بدذاتی ہمیشہ افترا کرنے کی خواہش رکھتی ہے خلاف واقعہ یہ باتیں بنائیں کہ آنحضرت خود زینب کے خواہشمند ہوئے حالانکہ زینب کچھ دور سے نہیں تھی کوئی ایسی عورت نہیں تھی جس کو آنحضرت نے کبھی نہ دیکھا ہو یہ زینب وہی تو تھی جو آنحضرت کے گھر میں آپ کی آنکھوں کے آگے جوان ہوئی اور آپ نے خود نہ کسی اور نے اس کا نکاح اپنے غلام آزاد کردہ سے کر دیا اور یہ نکاح اس کو اور اس کے بھائی کو اوائل میں نامنظور تھا اور آپ نے بہت کوشش کی یہاں تک کہ وہ راضی ہوگئے۔ ناراضگی کی یہی وجہ تھی کہ زید غلام آزاد کردہ تھا۔ پھر یہ کس قدر بے ایمانی

اور بدذاتی ہے جو واقعات صحیحہ کو چھوڑ کر افترا کئے جائیں **قرآن موجود بخاری مسلم موجود ہے نکالو کہاں سے یہ بات نکلتی** ہے کہ آنحضرت زینب کے نکاح کو خود اپنے لئے چاہتے تھے۔ کیا آپ نے زید کو کہا تھا کہ تو طلاق دیدے تا میرے نکاح میں آوے بلکہ آپ تو بار بار طلاق دینے سے ہمدردی کے طور پر منع کرتے تھے۔ یہ تو وہ باتیں ہیں جو ہم نے قرآن اور حدیث میں سے لکھی ہیں۔ لیکن اگر کوئی اس کے برخلاف مدعی ہے تو ہماری کتب موصوفہ سے اپنے دعوے کو ثابت کرے۔ ورنہ **بے ایمان اور خیانت پیشہ** ہے۔ اور یہ بات جو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے نکاح پڑھ دیا۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ یہ نکاح میری مرضی کے موافق ہے اور **میں نے ہی چاہا ہے کہ ایسا ہو تا مومنوں** پر حرج باقی نہ رہے۔ ﴿۵۵﴾

یہ معنے تو نہیں کہ اب زینب کے خلاف مرضی اس پر قبضہ کر لو ظاہر ہے کہ نکاح پڑھنے والے کا یہ منصب تو نہیں ہوتا کہ کسی عورت کو اس کے خلاف مرضی کے مرد کے حوالہ کر دیوے بلکہ وہ تو نکاح پڑھنے میں ان کی مرضی کا تابع ہوتا ہے سو خدا تعالیٰ کا نکاح یہی ہے کہ زینب کے دل کو اس طرف جھکا دیا اور آپ کو فرما دیا کہ ایسا کرنا ہوگا تا امت پر حرج نہ رہے۔ اب بھی اگر کوئی باز نہ آوے تو ہمیں قرآن اور بخاری اور مسلم سے اپنے دعوے کا ثبوت دکھلاوے کیونکہ ہمارے دین کا تمام مدار قرآن شریف پر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث قرآن کی مفسر ہے اور جو قول ان دونوں کے مخالف ہو وہ مردود اور شیطانی قول ہے یوں تو تہمت لگانا سہل ہے۔ مثلاً اگر کسی آریہ کو کوئی کہے کہ تیری والدہ کا تیرے والد سے اصل نکاح نہیں ہوا۔ جبراً اس کو پکڑ لائے تھے اور اس پر کوئی اطمینان بخش ثبوت نہ دے اور مخالفانہ ثبوت کو قبول نہ کرے۔ تو ایسے بدذات کا کیا علاج ہے ایسا ہی وہ شخص بھی اس سے کچھ کم بدذات نہیں جو مقدس اور راستبازوں پر بے ثبوت **تہمت لگاتا** ہے۔ ایماندار آدمی کا یہ شیوہ ہونا چاہئے

کہ پہلے ان کتابوں کا صحیح صحیح حوالہ دے جو مقبول ہوں اور پھر اعتراض کرے ورنہ ناحق کسی مقدس کی بےعزتی کر کے اپنی ناپاکی فطرت کی ظاہر نہ کرے۔ جب ہم سوچتے ہیں کہ کیوں خداتعالیٰ کے مقدس اور پیارے بندوں پر ایسے ایسے حرام زادے جو سفلہ طبع دشمن ہیں جھوٹے الزام لگاتے ہیں تو بجز اس کے اور کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا کہ خداتعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ تا نور کے مقابل پر ظلمت کا خبیث مادہ بھی ظاہر ہو جاوے کیونکہ دنیا میں اضداد اضداد سے پہچانی جاتی ہیں۔ اگر رات کا اندھیرا نہ ہوتا تو دن کی روشنی کی خوبی ظاہر نہ ہو سکتی۔ پس خداتعالیٰ اس طور سے پلید روحوں کو مقابل پر لا کر پاک روح کی پاکیزگی زیادہ صفائی سے کھول دیتا ہے۔ ﴿۵۶﴾

پانچواں اعتراض۔ بھلا اس مسئلہ پر بھی کبھی توجہ فرمائی ہے کہ حضرت رسول خدا محمدؐ صاحب کا اپنی بیوی حضرت عائشہ نو سالہ سے ہم بستر ہونا کیا اولاد پیدا کرنے کی نیت سے تھا۔

اما الجواب۔ یہ اعتراض محض جہالت کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ کاش اگر نادان معترض پہلے کسی محقق ڈاکٹر یا طبیب سے پوچھ لیتا تو اس اعتراض کرنے کے وقت بجز اس کے کسی اور نتیجہ کی توقع نہ رکھتا کہ ہر یک حقیقت شناس کی نظر میں نادان اور احمق ثابت ہوگا۔ ڈاکٹر مون صاحب جو علوم طبعی اور طبابت کے ماہر اور انگریزوں میں بہت مشہور محقق ہیں وہ لکھتے ہیں کہ گرم ملکوں میں عورتیں آٹھ یا نو برس کی عمر میں شادی کے لائق ہو جاتی ہیں۔ کتاب موجود ہے تم بھی اسی جگہ ہو اگر طلب حق ہے تو آ کر دیکھ لو۔ اور حال میں ایک ڈاکٹر صاحب جنہوں نے کتاب معدن الحکمت تالیف کی

نوٹ۔ یہ وہی آریہ ہیں جن کے باپ دادے اسلامی بادشاہت کے زمانہ میں اسلام کے امراء کے آگے ہاتھ جوڑتے اور پاؤں پر گرتے تھے کہ حضور ہم وفادار رعیت ہیں اب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے ہیں سو ہماری گورنمنٹ انگریزی کے بھی وہ تہ دل سے خیرخواہ نہیں ہو سکتے اسلام کے بادشاہوں نے ان کو وزارت کے عہدے بھی دیدیئے تھے پھر جب ان سے ان کا یہ سلوک ہے جو ان کے ایسے محسن تھے تو پھر ہماری گورنمنٹ کی سخت غلطی ہوگی جو ان احسان فراموشوں پر کوئی زیادہ بھروسہ رکھے گورنمنٹ کو چاہیئے کہ اس تجربہ سے فائدہ اٹھاوے جو اسلامی سلطنت کو ان لوگوں کی فطرت کی نسبت ہو چکا ہے۔ **منہ**

ہے۔ وہ اپنی کتاب تدبیر بقاءِ نسل میں بعینہٖ یہی قول لکھتے ہیں جو اوپر نقل ہو چکا۔ اور صفحہ ۴۶ میں لکھتے ہیں کہ ڈاکٹروں کی تحقیقات سے یہ ثابت ہے کہ نو یا آٹھ یا پانچ یا چھ برس کی لڑکیوں کو حیض آیا۔ یہ کتاب بھی میرے پاس موجود ہے جو چاہے دیکھ لے۔ ان کتابوں میں کئی اور ڈاکٹروں کا نام لے کر حوالہ دیا گیا ہے اور چونکہ یہ تحقیقاتیں بہت مشہور ہیں اور کسی دانا پر مخفی نہیں اس لئے زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں۔ اور حضرت عائشہ کا نو سالہ ہونا تو صرف بے سروپا اقوال میں آیا ہے۔ کسی حدیث یا قرآن سے ثابت نہیں لیکن ڈاکٹر واہ صاحب کا ایک چشم دید قصہ لینسٹ نمبر ۱۵ مطبوعہ اپریل ۱۸۸۱ء میں اس طرح لکھا ہے کہ انہوں نے ایسی عورت کو جنا یا جس کو ایک برس کی عمر سے حیض آنے لگا تھا اور آٹھویں برس حاملہ ہوئی اور آٹھ ۸ برس دس ۱۰ مہینہ کی عمر میں لڑکا پیدا ہوا۔

اب اے نادان آریو کسی کنوئیں میں پڑ کر ڈوب مرو کہ تحقیق کی رو سے تمہارا ہر یک الزام جھوٹا نکلا۔ یہی سزا ایسے لوگوں کی ہے جو ہمیشہ بخل اور تعصب سے بات کرتے ہیں کبھی ساری عمر میں بھی ان کو خیال نہیں آتا کہ کسی سچائی کو بھی قبول کر لیں۔

اے غافلو۔ کیا تم ہمیشہ زندہ رہو گے کیا کبھی تم پوچھے

نہیں جاؤ گے۔ کیوں حد سے بڑھتے ہو

کچھ اس مالک کا خوف کرو جو کبھی

شریر کو بے سزا

نہیں چھوڑے گا۔

تَمَّت

﴿الف﴾

حاشیہ متعلقہ صفحہ ۴۳[1] آریہ دھرم

آریہ لوگ جب اُس اعتراض کے وقت جو نیوگ پر وارد ہوتا ہے بالکل لاجواب اور عاجز ہو جاتے ہیں تو پھر انصاف اور خداترسی کی قوت سے کام نہیں لیتے۔ بلکہ اسلام کے مقابل پر نہایت مکروہ اور بے جا افتراؤں پر آجاتے ہیں۔ چنانچہ بعض تو مسئلہ **طلاق** کو ہی پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ خوب جانتے ہیں کہ قدرتی طور پر ایسی آفات ہر یک قوم کے لئے ہمیشہ ممکن الظہور رہیں جن سے بچنا بجز طلاق کے متصور نہیں۔ مثلاً اگر کوئی عورت زانیہ ہو تو کس طرح اس کے خاوند کی غیرت اس کو اجازت دے سکتی ہے کہ وہ عورت اس کی بیوی کہلا کر پھر دن رات زناکاری کی حالت میں مشغول رہے۔ ایسا ہی اگر کسی کی جورو اس قدر دشمنی میں ترقی کرے کہ اس کی جان کی دشمن ہو جاوے اور اس کے مارنے کی فکر میں لگی رہے تو کیا وہ ایسی عورت سے امن کے ساتھ زندگی بسر کرسکتا ہے۔ بلکہ ایک غیرت مند انسان جب اپنی عورت میں اس قدر خرابی بھی دیکھے کہ اجنبی شہوت پرست اس کو پکڑتے ہیں اور اس کا بوسہ لیتے ہیں اور اس سے ہم بغل ہوتے ہیں اور وہ خوشی سے یہ سب کام کراتی ہے تو گو تحقیق کے رو سے ابھی زنا تک نوبت نہ پہنچی ہو بلکہ وہ فاسقہ موقع کے انتظار میں ہو۔ تاہم کوئی غیرت مند ایسی ناپاک خیال عورت سے نکاح کا تعلق رکھنا نہیں چاہتا۔ اگر آریہ کہیں کہ کیا حرج ہے کچھ مضائقہ نہیں تو ہم ان سے بحث کرنا نہیں چاہتے ہمارے مخاطب صرف وہ شریف ہیں جن کی فطرت میں خدا تعالیٰ نے غیرت اور حیاء کا مادہ رکھا ہے اور وہ اس بات کو سمجھتے ہیں کہ عورت کا جوڑا اپنے خاوند سے **پاکدامنی اور فرماں برداری** اور باہم رضامندی پر موقوف ہے اور اگر ان تین۳ باتوں میں سے کسی ایک بات میں بھی فرق آجاوے تو پھر یہ جوڑ قائم رہنا محالات میں سے ہو جاتا ہے انسان کی بیوی اس کے اعضاء کی طرح ہے۔ پس اگر کوئی عضو سڑ گل جائے یا ہڈی ایسی ٹوٹ جائے کہ قابل پیوند نہ ہو۔ تو پھر بجز کاٹنے کے اور کیا علاج ہے اپنے عضو کو اپنے ہاتھ سے کاٹنا کوئی نہیں چاہتا کوئی بڑی ہی مصیبت پڑتی ہے تب کاٹا جاتا ہے☆۔ پس جس حکیم مطلق نے انسان کے مصالح لئے نکاح تجویز کیا ہے اور چاہا

☆نوٹ۔ خدا تعالیٰ نے جو ضرورتوں کے وقت میں مرد کو طلاق دینے کی اجازت دی اور کھول کر یہ نہ کہا کہ عورت کی زناکاری سے یا کسی اور بدمعاشی کے وقت اس کو طلاق دی جاوے اس میں حکمت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ستاری نے چاہا کہ عورت کی تشہیر نہ ہو۔ اگر طلاق کے لئے زنا وغیرہ جرائم کا اعلان کیا جاتا تو لوگ سمجھتے کہ اس عورت پر کسی بدکاری کا شبہ ہے یا فلاں فلاں بدکاری کی قسموں میں سے ضرور اس نے کوئی بدکاری کی ہوگی مگر اب یہ راز خاوند تک محدود رہتا ہے۔

[1] متعلقہ صفحہ ۴۶، ۴۷ طبع ہذا۔ شمس

ہے کہ مرد اور عورت ایک ہو جائیں۔ اُسی نے مفاسد ظاہر ہونے کے وقت اجازت دی ہے کہ اگر آرام اس میں متصور ہو کہ کرم خوردہ دانت یا سڑے ہوئے عضو یا ٹوٹی ہوئی ہڈی کی طرح موذی کو علیحدہ کر دیا جائے تو اسی طرح کاربند ہوکر اپنے تئیں فوق الطاقت آفت سے بچا لیں کیونکہ جس جوڑ سے وہ فوائد مترتب نہیں ہو سکتے کہ جو اس جوڑ کی علت غائی ہیں بلکہ ان کی ضد پیدا ہوتی ہے تو وہ جوڑ درحقیقت جوڑ نہیں ہے۔

﴿ب﴾ اور بعض آریہ عذر معقول سے عاجز آکر یہ جواب دیا کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں **حلالہ** کی رسم نیوگ سے مشابہ ہے یعنی جو مسلمان اپنی جورو کو طلاق دے وہ اپنی جورو کو اپنے پر حلال کرنے کے لئے دوسرے سے ایک رات ہم بستر کراتا ہے تب آپ اس کو اپنے نکاح میں لے آتا ہے۔ سو ہم اس افترا کا جواب بجز **لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین** اور کیا دے سکتے ہیں۔ ناظرین پر واضح رہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں حلالہ کی رسم تھی لیکن اسلام نے اس ناپاک رسم کو قطعاً حرام کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں پر لعنت بھیجی ہے جو حلالہ کے پابند ہوں چنانچہ **ابن عمر** سے **مروی** ہے کہ حلالہ زنا میں داخل ہے اور حضرت **عمر رضی اللہ عنہ** سے روایت ہے کہ حلالہ کرنے کرانے والے سنگسار کئے جاویں۔ اگر کوئی مطلقہ سے نکاح کرے تو نکاح تب درست ہوگا کہ جب واقعی طور پر اس کو اپنی جورو بنا لے اور اگر دل میں یہ خیال ہو کہ وہ اس حیلہ کے لئے اس کو جورو بناتا ہے کہ تا اس کی طلاق کے بعد دوسرے پر حلال ہو جائے تو ایسا نکاح ہرگز درست نہیں اور ایسا نکاح کرنے والا اس عورت سے زنا کرتا ہے اور جو ایسے فعل کی ترغیب دے وہ اس سے زنا کرواتا ہے۔ غرض حلالہ علمائے اسلام کے اتفاق سے حرام ہے اور ائمہ اور علماء سلف جیسے حضرت قتادہ۔ عطا اور امام حسن اور ابراہیم نخعی۔ اور حسن بصری اور مجاہد اور **شعبی** اور سعید بن مسیّب اور امام مالک۔ لیث۔ ثوری۔ امام احمد بن حنبل وغیرہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور سب محققین علماء اس کی حرمت کے قائل ہیں اور **شریعت اسلام** اور نیز **لغت عرب** میں بھی زوج اس کو کہتے ہیں کہ کسی عورت کو فی الحقیقت اپنی جورو بنانے کے لئے تمام حقوق کو مدنظر رکھ کر اپنے نکاح میں لاوے اور نکاح کا معاہدہ حقیقی اور واقعی ہو نہ کہ کسی دوسرے کے لئے ایک حیلہ ہو اور قرآن شریف میں جو آیا ہے حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ[۱] اس کے یہی معنے ہیں کہ جیسے دنیا میں

[۱] البقرۃ:۲۳۱

نیک نیتی کے ساتھ اپنے نفس کی اغراض کے لئے نکاح ہوتے ہیں ایسا ہی جب تک ایک مطلقہ کے ساتھ کسی کا نکاح نہ ہو اور وہ پھر اپنی مرضی سے اس کو طلاق نہ دے تب تک پہلے طلاق دینے والے سے دوبارہ اس کا نکاح نہیں ہوسکتا☆۔ سو آیت کا یہ منشاء نہیں ہے کہ جورو کرنے والا پہلے خاوند کے لئے ایک راہ بنادے اور آپ نکاح کرنے کے لئے سچی نیت نہ رکھتا ہو بلکہ نکاح صرف اس صورت میں ہوگا کہ اپنے پختہ اور مستقل ارادہ سے اپنے صحیح اغراض کو مدنظر رکھ کر نکاح کرے ورنہ اگر کسی حیلہ کی غرض سے نکاح کرے گا۔ تو عندالشرع وہ نکاح ہرگز درست نہیں ہوگا اور زنا کے حکم میں ہوگا۔ لہٰذا ایسا شخص جو اسلام پر حلالہ کی تہمت لگانا چاہتا ہے اس کو یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام کا یہ مذہب نہیں ہے اور قرآن اور صحیح بخاری اور مسلم اور دیگر احادیث صحیحہ کی رو سے حلالہ قطعی حرام ہے اور مرتکب اس کا زانی کی طرح مستوجب سزا ہے۔ ﴿ج﴾

اور بعض آریہ نیوگ کے مقابل پر اسلام پر یہ الزام لگانا چاہتے ہیں کہ اسلام میں متعہ یعنی نکاح موقت جائز رکھا گیا ہے جس میں ایک مدت تک نکاح کی میعاد ہوتی ہے اور پھر عورت کو طلاق دی جاتی ہے۔ لیکن ایسے معترضوں کو اس بات سے شرم کرنی چاہئے تھی کہ **نیوگ** کے مقابل پر مُتعہ کا ذکر کریں۔ اول تو متعہ صرف اس نکاح کا نام ہے جو ایک خاص عرصہ تک محدود کر دیا گیا ہو پھر ماسوا اس کے مُتعہ اوائل اسلام میں یعنی اس وقت میں جبکہ مسلمان بہت تھوڑے تھے صرف تین دن کے لئے جائز ہوا تھا اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ وہ جواز اس قسم کا تھا جیسا کہ تین دن کے بھوکے کے لئے مردار کھانا نہایت بے قراری کی حالت میں جائز ہو جاتا ہے اور پھر مُتعہ ایسا حرام ہو گیا جیسے سُور کا گوشت اور شراب حرام ہے اور نکاح کے احکام نے مُتعہ کے لئے قدم رکھنے کی جگہ باقی نہیں رکھی۔ قرآن شریف میں **نکاح کے بیان میں** مردوں کے حق عورتوں پر اور عورتوں کے حق مردوں پر قائم کئے گئے ہیں اور مُتعہ کے مسائل کا کہیں ذکر بھی نہیں۔ اگر اسلام میں مُتعہ ہوتا تو قرآن میں نکاح کے مسائل کی طرح مُتعہ کے

☆**نوٹ**۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ قرآن شریف میں یہ شرط جو ہے کہ اگر تین طلاق تین طہر میں جو تین مہینہ ہوتے ہیں دی جائیں۔ تو پھر ایسی عورت خاوند سے بالکل جدا ہو جاوے گی اور اگر اتفاقاً کوئی دوسرا خاوند اس کا اس کو طلاق دیدے تو صرف اسی صورت میں پہلے خاوند کے نکاح میں آسکتی ہے ورنہ نہیں یہ شرط طلاق سے روکنے کے لئے ہے تا ہر یک شخص طلاق دینے میں دلیری نہ کرے اور وہی شخص طلاق دے جس کو کوئی ایسی مصیبت پیش آ گئی ہے جس سے وہ ہمیشہ کی جدائی پر راضی ہو گیا اور تین مہینے بھی اس لئے رکھے گئے تا اگر کوئی مثلاً غصہ سے طلاق دینا چاہتا ہو تو اس کا غصہ اتر جائے۔ منہ

مسائل بھی بسط اور تفصیل سے لکھے جاتے لیکن کسی محقق پر پوشیدہ نہیں کہ نہ تو قرآن میں اور نہ احادیث میں مُتعہ کے مسائل کا نام ونشان ہے لیکن نکاح کے مسائل بسط اور تفصیل سے موجود ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ہر یک قوم میں جو ایک امر عامہ خلائق کے متعلق جائز یا واجب قرار دیا جاتا ہے تو اس امر کی بسط اور تفصیل سے مسائل بھی بیان کئے جاتے ہیں مثلاً نیوگ جو ہندوؤں میں ایک امر واجب العمل ہے۔ تو ان کی کتابوں میں اس کی تفصیل بھی بیان کی گئی ہے مثلاً لکھا گیا ہے کہ نیوگ تین قسم پر ہے (۱) **اول** بیوہ عورتوں کا نیوگ کیونکہ بیوہ کو وید کی رو سے نکاح کی اجازت نہیں اور یہ بھی وید کا مسئلہ ہے کہ نجات کے لئے اولاد کا حاصل کرنا ضروری ہے اس لئے بیوہ کو نیوگ کی اجازت دی گئی اس طرح پر کہ وہ اپنے دیور یا کسی برہمن سے ہم بستر ہو کر اولاد حاصل کرے (۲) **دوسری** قسم نیوگ کی یہ ہے کہ اگر کسی مرد کے گھر میں اولاد نہ ہو اور نہ اولاد ہونے کے آثار پائے جائیں تو اسے چاہئے کہ اپنی عورت کو اولاد حاصل کرنے کے لئے دوسرے سے ہم بستر کراوے اور اس طرح سے اولاد حاصل کرے (۳) **تیسری** قسم نیوگ کی یہ ہے کہ اگر مثلاً مرد کہیں باہر نوکری پر گیا ہو اور اس کو رخصت نہ مل سکے تو عورت کو روا ہے کہ دوسرے سے ہم بستر ہو کر اپنی شہوت کو فرو کرے اور ان تینوں قسموں کے متعلق احکام بھی ہیں مثلاً ﴿د﴾

ایک یہ کہ جو عورت زندہ خاوند والی اولاد کے لئے دوسرے سے ہم بستر ہو اس کو چاہئے کہ اپنے خاوند کو بھی خدمت سے محروم نہ رکھے اور اس کی خدمت کے لئے بھی جایا کرے۔

دوسرے وید مقدس کا یہ حکم ہے کہ جو عورت کسی دوسرے سے ہم بستر ہو وہ اس آشنا کے گھر میں جا کر اس سے ہم بستر نہ ہو بلکہ چاہئے کہ اس آشنا کو اپنے خاوند کے گھر میں بلاوے اور اسی گھر میں اس سے ہم بستر ہو۔

تیسرے یہ بھی لکھا ہے کہ مرد نیوگ کرنے والا اپنے بدن کو تیل مل لے یعنی عضو تناسل کو۔

چوتھے پنڈت دیانند نے وید کی رو سے یہ بھی تاکید کی ہے کہ نیوگ میں سخت صحبت نہ ہو۔

پانچویں یہ قواعد بھی مقرر کر دیئے گئے ہیں کہ اتنے عرصہ میں اتنی مرتبہ صحبت ہو اس سے کم نہ ہو نہ اس سے زیادہ ہو اور اتنے بچے لئے جائیں اس سے زیادہ نہ ہوں۔

چھٹے یہ بھی حکم ہے کہ جو بچہ نیوگ سے پیدا ہوگا وہ اسی مرد کا ہوگا جس نے اپنی عورت کو اولاد کی خواہش سے کسی دوسرے سے ہم بستر کرایا ہے۔ اس مرد کا ہرگز نہیں ہوگا جس کے نطفہ سے وہ پیدا ہوا ہے۔

ساتویں یہ بھی حکم ہے کہ وہ بیٹا جو بیرج داتا یعنی نیوگ کرنے والے کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے وہ اُسی مرد کا وارث ہوگا جس نے اپنی عورت کو اولاد کی خواہش سے دوسرے سے ہم بستر کرایا ہے۔ اور بیرج داتا یعنی جس کا نطفہ عورت کے اندر گیا ہے کچھ حق اس لڑکے پر نہیں رکھے گا اور کوئی ادب اور لحاظ اس کا حق کے طور پر نہیں ہوگا اور لڑکا اس کے مال کا وارث نہیں ہوگا بلکہ اسی مرد کا وارث ہوگا جس نے اپنی پاک دامن عورت کو اولاد کی خواہش سے دوسرے سے ہم بستر کرایا ہے۔ اسی طرح اور بھی احکام نیوگ کے ہیں جو ہم لکھ چکے ہیں لیکن قرآن اور حدیث کے دیکھنے والوں پر ظاہر ہوگا کہ اسلام میں متعہ کے احکام ہرگز مذکور نہیں نہ قرآن میں اور نہ احادیث میں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر متعہ شریعت اسلام کے احکام میں سے ایک حکم ہوتا تو اس کے احکام بھی ضرور لکھے جاتے اور وراثت کے قواعد میں اس کا بھی کچھ ذکر ہوتا۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ متعہ اسلامی مسائل میں سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اگر بعض احادحدیثوں پر اعتبار کیا جائے تو صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ جب بعض صحابہ اپنے وطنوں اور اپنی جوروؤں سے دور تھے تو ایک دفعہ ان کی سخت ضرورت کی وجہ سے تین دن تک متعہ ان کے لئے جائز رکھا گیا تھا اور پھر بعد اس کے ایسا ہی حرام ہو گیا جیسا کہ اسلام میں خنزیر و شراب وغیرہ حرام ہیں اور چونکہ اضطراری حکم جس کی ابدیت شارع کا مقصود نہیں شریعت میں داخل نہیں ہوتے اس لئے متعہ کے احکام قرآن اور حدیث میں درج نہیں ہوئے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے متعہ عرب میں نہ صرف جائز بلکہ عام رواج رکھتا تھا اور شریعت اسلامی نے آہستہ آہستہ عرب کی رسوم کی تبدیلی کی ہے سو جس وقت بعض صحابہ متعہ کے لئے بیقرار ہوئے سو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظامی اور اجتہادی طور پر اس رسم کے موافق بعض صحابہ کو اجازت دے دی کیونکہ قرآن میں ابھی اس رسم کے بارے میں کوئی ممانعت نہیں آئی تھی پھر ساتھ ہی چندروز کے بعد نکاح کی مفصل اور مبسوط ہدایتیں قرآن میں نازل ہوئیں جو متعہ کے مخالف اور متضاد تھیں اس لئے ان آیات سے متعہ کی قطعی طور پر حرمت ثابت ہوگئی۔ یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ گو متعہ صرف تین

﴿۵﴾

دن تک تھا مگر وحی اور الہام نے اس کے جواز کا دروازہ نہیں کھولا بلکہ وہ پہلے سے ہی عرب میں عام طور پر رائج تھا اور جب صحابہ کو بے وطنی کی حالت میں اس کی ضرورت پڑی تو آنحضرتؐ نے دیکھا کہ متعہ ایک نکاح موقّت ہے۔ کوئی حرام کاری اس میں نہیں کوئی ایسی بات نہیں کہ جیسی خاوند والی عورت دوسرے سے ہم بستر ہو جاوے بلکہ درحقیقت بیوہ یا باکرہ سے ایک نکاح ہے جو ایک وقت تک مقرر کیا جاتا ہے تو آپ نے اس خیال سے کہ نفس متعہ میں کوئی بات خلاف نکاح نہیں۔ اجتہادی طور پر پہلی رسم کے لحاظ سے اجازت دیدی لیکن خدا تعالیٰ کا یہ ارادہ تھا کہ جیسا کہ اور صدہا عرب کی بیہودہ رسمیں دور کر دی گئیں ایسا ہی متعہ کی رسم کو بھی عرب میں سے اٹھا دیا جاوے سو خدا نے قیامت تک متعہ کو حرام کر دیا۔ ماسوا اس کے یہ بھی سوچنا چاہیئے۔ کہ نیوگ کو متعہ سے کیا مناسبت ہے نیوگ پر تو ہمارا یہ اعتراض ہے کہ اس میں خاوند والی عورت باوجود زندہ ہونے خاوند کے دوسرے سے ہم بستر کرائی جاتی ہے۔ لیکن متعہ کی عورت تو کسی دوسرے کے نکاح میں نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک باکرہ یا بیوہ ہوتی ہے جس کا ایک مقررہ وقت تک ایک شخص سے نکاح پڑھا جاتا ہے۔ سو خود سوچ لو کہ متعہ کو **نیوگ سے کیا نسبت ہے اور نیوگ کو متعہ سے کیا مناسبت۔**

پھر ماسوا اس کے ہم یہ کہتے ہیں کہ درحقیقت یہ اسلام ہی میں خوبی ہے کہ اس میں ایک موقت نکاح بھی حرام کر دیا گیا ہے ورنہ دوسری قوموں پر نظر ڈال کر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ادنیٰ ادنیٰ ضرورتوں کے لئے زنا کاری کو بھی جائز رکھا ہے بھلا ایک دانشمند نیوگ کے مسئلہ پر ہی غور کرے کہ صرف اولاد کے لالچ کی وجہ سے اپنی پاکدامن عورت کو نامحرم کے بستر پر لٹا دیا جاتا ہے حالانکہ نہ اس عورت کو طلاق دی گئی نہ خاوند کے تعلقات اس سے ٹوٹے ہیں بلکہ وہ خاوند کی سچی خیر خواہ بن کر اس کے لئے اولاد پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ ایسا ہی عیسائیوں میں کوئی ایسی تعلیم نہیں جو ایک نوجوان عورت کو دوسرے نوجوان اجنبی مرد سے ہم بغل ہونے سے روکے اور مرد کو اس عورت کا بوسہ لینے سے منع کرے بلکہ یورپ میں یہ تمام مکروہ باتیں نہایت بے تکلفی سے رائج ہیں اور پردہ پوشی کے لئے ان کاموں کا نام پاک محبت رکھا جاتا ہے۔ سو یہ ناقص تعلیم کے بدنتائج ہیں۔ اسلام میں یہ دستور تھا کہ اگر کوئی ایسے

﴿و﴾

سفر میں جاتا جس میں کئی سال کی توقف ہوتی تو وہ عورت کو ساتھ لے جاتا یا اگر عورت ساتھ جانا نہ چاہتی تو وہ ایک دوسرا نکاح اس ملک میں کر لیتا۔ لیکن عیسائی مذہب میں چونکہ اشد ضرورتوں کے وقت میں بھی دوسرا نکاح ناجائز ہے اس لئے بڑے بڑے مدبّر عیسائی قوم کے جب ان مشکلات میں آ پڑتے ہیں تو نکاح کی طرف ان کو ہرگز توجہ نہیں ہوتی اور بڑے شوق سے حرام کاری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جن لوگوں نے ایکٹ چھاؤنی ہائے نمبر ۱۳، ۱۸۸۹ء پڑھا ہوگا وہ اس بات کی شہادت دے سکتے ہیں کہ عیسائی مذہب کی پابندی کی وجہ سے ہماری مدبّر گورنمنٹ کو بھی یہی مشکلات پیش آ گئیں۔ ناظرین جانتے ہیں کہ یہ گورنمنٹ کس قدر دانا اور دور اندیش اور اپنے تمام کاموں میں با احتیاط ہے اور کیسی کیسی عمدہ تدابیر رفاہ عام کے لئے اس کے ہاتھ سے نکلتی ہیں اور کیسے کیسے حکماء اور فلاسفر یورپ میں اس کے زیر سایہ رہتے ہیں مگر تاہم یہ دانا گورنمنٹ مذہبی روکوں کی وجہ سے اس کام میں احسن تدابیر پیدا کرنے سے ناکام رہی ہے۔ یوں تو اس گورنمنٹ نے اپنی تدبیر اور حکمت اور ایجادات سے یونانیوں کے علوم کو بھی خاک میں ملا دیا مگر جس انتظام میں مذہب کی روک واقع ہوئی اس کے درست کرنے اور نا قابل اعتراض بنانے میں گورنمنٹ قادر نہ ہو سکی اس بات کے سمجھنے کے لئے وہی نمونہ ایکٹ نمبر ۱۳، ۱۸۸۹ء کافی ہے کہ جب گوروں کو اس ملک میں نکاح کی ضرورت ہوئی تو مذہبی روکوں کی وجہ سے نکاح کا انتظام نہ ہو سکا اور نہ گورنمنٹ اس فطرتی قانون کو تبدیل کر سکی جو جذبات شہوت کے متعلق ہے۔ آخر یہ قبول کیا گیا کہ گوروں کا بازاری عورتوں سے ناجائز تعلق ہو۔ کاش اگر اس کی جگہ پر متعہ بھی ہوتا تو لاکھوں بندگان خدا زنا سے تو بچ جاتے۔ ایک مرتبہ گورنمنٹ نے گھبرا کر اس قانون کو منسوخ بھی کر دیا مگر چونکہ فطرتی قانون تقاضا کرتا تھا کہ جائز طور پر یا ناجائز طور پر ان جذبات کا تدارک کیا جائے کہ جن سے جسمانی بیماریاں زور مارتی ہیں لہٰذا اسی پہلے قانون کے جاری کرنے کے لئے اب پھر سلسلہ جنبانی ہو رہی ہے اور ہم مناسب دیکھتے ہیں کہ اس جگہ اخبار عام ۹ نومبر ۱۸۹۵ء کا وہ مضمون جو اس بحث کے متعلق ہے بجنسہٖ لکھ دیں۔

اور وہ یہ ہے

﴿ز﴾

قانون دکھائی

وزارت کے تبدیل ہوتے ہی ولایت کے نامور اور سربرآوردہ اخبار ٹائمز نے جس زور شور سے قانون دکھائی کو پھر جاری کرنے کے سلسلہ جنبانی کی ہے وہ ناظرین پر ظاہر کی جا چکی ہے۔ کنسرویٹو وزارت سے جو سرکاری عہدہ داران کی رائے کو ہمیشہ بڑی وقعت سے دیکھتی ہے امید ہوسکتی ہے کہ بالضرور وہ اس معاملہ پر اچھی طرح غور کرے گی۔ کیونکہ اس قانون کی منسوخی کے وقت سر جارج وایٹ صاحب کمانڈر انچیف افواج ہند نے جو پُر زور مخالفانہ رائے ظاہر کی تھی وہ اس قابل ہے کہ ضرور کنسرویٹو گورنمنٹ اس پر توجہ کرے گورنمنٹ ہند بھی اس قانون کے منسوخ کرنے پر رضامند نہ تھی پس ان واقعات کی رو سے پورے طور پر خیال ہو سکتا ہے کہ قانون دکھائی پھر جاری کیا جاوے اس میں شک نہیں ہے کہ قانون دکھائی کے منسوخ ہونے کے دن سے گورہ سپاہیوں کی حالت بہت خراب ہوگئی ہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ برٹش کے بہادر سپاہی بازاروں میں آتشک کی مریض فاحشہ عورتوں کے ساتھ خراب ہوتے پھرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ حسب رائے کمانڈر انچیف صاحب بہادر بہت خوفناک نکلنے کی امید ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ سرکاری طور پر ہمیں اس بات کی خبر نہیں ملی کہ سال ۱۸۹۴ء میں کتنے گورے سپاہی مرض آتشک میں مبتلا ہوئے۔ گو مخالفان قانون دکھائی نے مہم چترال کی گورہ فوج کی صحت کو دیکھ کر نہایت مسرت ظاہر کی تھی اور کہا تھا کہ مویدان قانون دکھائی کی یہ رائے کہ اس قانون کے منسوخ ہونے سے تمام گورہ سپاہ مرض آتشک وغیرہ میں مبتلا ہو جاوے گی غلط ٹھہرتی ہے۔ مگر یہ واقعہ اس قابل نہیں ہے کہ جس سے تشفی ہو سکے کیونکہ مہم چترال میں چیدہ اور تندرست جوان بھیجے گئے تھے نیز لڑائی اور جنگلی ملک کی وجہ سے وہ کہیں خراب ہو کر بیمار نہیں ہو سکتے تھے۔ اس امر کا دہرانا ضروری نہیں کہ گورے سپاہی چونکہ بالکل کم تعلیم یافتہ اور دیہاتی نوجوان ہیں نیز بوجہ گوشت خور ہونے کے وہ زیادہ گرم مزاج کے ہیں۔ اس لئے ان سے نفسانی خواہش روکے رکھنے کی امید رکھنا محض لاحاصل ہے۔ قانون دکھائی کے جاری ہونے کے دنوں ہر ایک گورہ پلٹن کے لئے کسبی عورتیں ملازم رکھی جاتی تھیں جن کا ہمیشہ ڈاکٹری معائنہ ہوتا رہتا تھا اور تمام گورہ لوگوں کو ان ملازم رنڈیوں کے علاوہ اور جگہ

جانے کی بھی شاید ممانعت تھی اس طریق سے ان کی صحت میں کسی قسم کا خلل واقع نہیں ہوتا تھا۔ نیز اس طریق کے بند ہونے کی وجہ سے اور بھی کئی ایسی وارداتیں ہوئی ہیں جن سے اہل ہند کی طرف سے بہت ناراضی پھیلتی جاتی ہے جن میں سے میاں میر کا مقدمہ زنا بالجبر جو گورہ سپاہیوں کی طرف سے ایک بدصورت بڈھی اور اندھی عورت سے کیا گیا تھا۔ قابل غور ہے۔ ایسا ہی ایک واقعہ مدراس کے صوبہ میں ہوا جہاں ایک ریلوے پھاٹک کے چوکیدار نے ہندوستانی عورتوں کی عفت بچانے میں اپنی جان دے دی تھی۔ اگر چندے گورے سپاہیوں کے لئے انتظام سرکاری طور پر نہ کیا گیا تو علاوہ اس کے کہ تمام فوج بیماری سے نا کارہ ہو جائے ملک میں بڑی بھاری بددلی پھیلنے کا اندیشہ ہے اور یہ دونوں امور قیام سلطنت کے لئے غیر مفید ہیں۔ اس وقت جبکہ قانون دکھائی کو پھر جاری کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ہمیں یہ ظاہر کر دینا بھی نہایت ضروری ہے کہ اگر اب پھر قانون مذکور جاری کیا جاوے تو گورنمنٹ ہند اور خصوصاً کمانڈر انچیف افواج ہند کو یہ بھی ضرور انتظام کرنا چاہئے کہ بجائے ہندوستانی عورتوں کے یورپین عورتیں ملازم رکھی جاویں کیونکہ قانون دکھائی کے متعلق ہندوستانی اور انگریز مخالفین کا سب سے بڑا اعتراض یہی تھا کہ ہندوستان کی غریب عورتوں کو دلالہ عورتوں کے ذریعہ سے اس فحش ملازمت کی ترغیب دی جاتی ہے اور بعض اوقات نہایت کمینہ فریبوں سے اچھے گھروں کی یتیم لڑکیوں کو اس پیشہ کے لئے مجبور کیا جاتا ہے اور یہی وجہ تھی جس سے ہند کے بہت سے باشندگان نے قانون دکھائی کی منسوخی میں معمول سے بڑھ کر انٹرسٹ لیا تھا۔ ورنہ کسی معمولی سمجھ کے آدمی کو بھی ان بدمعاش عورتوں سے ہرگز ہمدردی نہیں ہوسکتی تھی۔ قانون دکھائی کے مکرر اجراء کی کوشش محض اسی غرض سے کی جاتی ہے کہ گورہ سپاہیوں کی خواہش نفسانی کو پورا کرنے کے لئے سرکاری طور پر انتظام کیا جاوے ورنہ دیسی لوگوں کی بہتری کا اس میں ذرا بھی خیال نہیں۔ اس لئے اگر مخالفین قانون مذکور کی دل جوئی گورنمنٹ کو منظور ہو۔ تو یہی ایک طریق ہے جس سے بلا قانون مذکور کے جاری کرنے کے مقصد مطلوبہ حاصل ہوسکتا ہے۔ اگر حسب تجویز ہماری کے یوروپین سپاہیوں کے لئے یوروپین عورتیں بہم پہنچائی جائیں تو ان سے مرض آتشک کا خدشہ نہیں رہ سکتا کیونکہ ایک تو یورپ میں مرض مذکور شاید ہوگا ہی نہیں دوم ان عورتوں کو بروقت بھرتی ہونے کے دایہ

﴿ح﴾

ڈاکٹروں کے ذریعہ مثل فوجی سپاہیوں کے ملاحظہ کرایا جاوے گا اس سے فریقین کے مرض مذکور سے پاک ہونے کی وجہ سے ڈاکٹری معائنہ کی ہمیشہ کے لئے ضرورت ہی نہ رہے گی۔ اس طرح بغیر قانون دکھائی جاری کرنے کے سپاہیوں کی خواہش نفسانی کے لئے عمدہ طور سے انتظام ہوسکتا ہے۔

اس بات سے تو کوئی انکار ہی نہیں کرسکتا کہ ولایت میں مثل ہندوستان کے فاحشہ عورتیں موجود ہیں۔ اس لئے گورنمنٹ کو اس انتظام میں ذرا بھی دقت نہ ہوگی بلکہ ہمیں یقین ہے کہ یورپ کی مہذب کسبیاں بہادر سپاہیوں کو خوش رکھنے کے لئے نہایت خوشی سے اپنی خدمات سپرد کر دیں گی۔ رہی یہ بات کہ ان عورتوں کے ہندوستان لانے اور واپس لے جانے میں گورنمنٹ کو رقم کثیر خرچ کرنی پڑے گی۔ اس کا ہندوستان کے باشندوں کو ذرا بھی رنج نہ ہوگا جہاں وہ ملٹری ڈیپارٹمنٹ کے اخراجات کے لئے پہلے سے ہی لاتعداد روپیہ خوشی سے دیتے ہیں اس رقم کے اضافہ سے بھی ہرگز انہیں اختلاف نہ ہوگا بلکہ وہ اس تجویز کو جس سے ہندوستان کی بدبخت عورتوں کی عفت بچ رہے گی اور برٹش گورنمنٹ کے بہادر گورے سپاہی تندرست اور خوش رہ سکیں گے۔ نہایت خوشی سے پسند کریں گے۔ ﴿ط﴾

اگر گورنمنٹ ہند کو یہ مطلوب ہے کہ ہندوستان کے نوجوان بھی جن میں دیسی پلٹنوں اور رسالوں کے سپاہی بھی شامل ہیں بازاری عورتوں کے ذریعہ مریض ہونے سے بچ رہیں تو ہم تمام ہندوستان کی فاحشہ عورتوں کیلئے قانون دکھائی کے جاری ہونے کو صدق دل سے پسند کرتے ہیں۔ کسی شریف ہندوستانی کو ان بدکار فاحشہ عورتوں کے ساتھ جو تمام قسم کے لوگوں کیلئے باعث خرابی ہیں۔ ذرا بھی ہمدردی نہیں ہوسکتی۔ ہم قبل ازیں بارہا کہہ چکے ہیں کہ ایسی عورتوں کیلئے جنہوں نے اپنے خاندان کے ناموس کو خیر باد کہہ دی ہے قانون دکھائی کی آزمائش باعث شرم نہیں ہوسکتی ہے وہ عورتیں جو تھوڑے سے پیسوں میں بھنگی کے ساتھ منہ کالا کرنے کو تیار ہیں۔ معزز ڈاکٹر کے معائنہ سے کب شرمسار ہوسکتی ہیں۔ بے شک یہ افسوسناک امر ہے کہ عورتوں کی عفت کا مردوں کے ذریعہ امتحان کرایا جائے۔ مگر کیا ہوسکتا ہے ان بے شرم بدذات عورتوں کیلئے جنہوں نے دنیا کی شرم کو بالائے طاق رکھ دیا ہے حق بات تو یہ ہے کہ قانون دکھائی کی ہندوستان میں سخت ضرورت ہے۔ جب یہ قانون جاری تھا تو ہر

ایک بدکار عورت کو خوف ہوتا تھا کہ اگر وہ فحش پیشہ اختیار کرے گی تو اسے قانون دکھائی کی سخت آزمائش بھی برداشت کرنی پڑے گی۔ بہت سی عورتیں اسی خوف کی وجہ سے اپنی زندگی خراب کرنے سے بچ رہتی تھیں۔ اس زمانہ میں جبکہ دکھائی کا طریق بند ہے۔ مرض آتشک کے ادویات کے اشتہارات کثرت سے شائع ہوتے ہیں۔ جو اس امر کا کافی ثبوت ہیں کہ ملک میں مرض آتشک بہت پھیلا ہوا ہے اول تو ہمیں اس خراب فرقہ کے وجود سے ہی سخت اختلاف ہے مگر ایسے زمانہ میں جبکہ اخلاق اور مذہب کی سخت کمزوری ہو رہی ہے یہ امید کرنا فضول ہے کہ یہ شیطانی فرقہ نیست و نابود ہو جائے گا۔ اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ ان کے لئے کوئی ایسا قانون بنایا جائے جس سے یہ اخلاق اور مذہب کو بگاڑنے کے علاوہ عوام کی صحت کو ہمیشہ کے لئے خراب کرنے کے قابل نہ رہ سکیں اور وہ قانون صرف قانون دکھائی ہی ہے۔ ہم نہایت شکرگزار ہوں گے اگر دوبارہ ہند میں قانون دکھائی جاری کیا جاوے گا۔ مگر یہ شرط ضرور ساتھ ہے کہ گورہ لوگوں کے لئے یورپین رنڈیاں بہم پہنچائی جاویں۔ یقین ہے کہ گورنمنٹ ہند اور معزز ہمعصران اس معاملہ پر ضرور توجہ اور غور فرماویں گے۔

﴿ی﴾

جن کو رسم نیوگ پیاری ہے — دین و دنیا میں ان کی خواری ہے
جس کے دیں میں ہے ایسی بے شرمی — عقل و تہذیب سے وہ عاری ہے
جن کو آتی نہیں نیوگ سے عار — ان کی شیطان نے عقل ماری ہے
بید کی کھل گئی حقیقت کل — اب تو ناحق کی پردہ داری ہے
جس کے باعث یہ گندگی پھیلی — وہ تو اک خبث کی پٹاری ہے
دوسرا بیاہ کیوں حرام نہ ہو — جبکہ رسم **نیوگ** جاری ہے
کیوں نہ پوشیدہ ہو نیوگ کی رسم — اس کے اظہار میں تو خواری ہے
چپکے چپکے **حرام کروانا** — آریوں کا **اصول** بھاری ہے
آد سے یہ **خبیث** اور بد رسم — بید کے خادموں میں ساری ہے

زن بیگانہ پر یہ شیدا ہیں   جس کو دیکھو وہی **شکاری** ہے
لائق سوختن ہیں ان کے مرد   ان کی ناری ہر ایک ناری ہے
واہ وا کیا **دھرم** ہے کیا **ایمان**   جس میں واجب **حرام کاری** ہے
آریو ! دل میں غور سے سوچو   شرم و **غیرت** کہاں تمہاری ہے
جس کو کہتے ہیں آریوں میں نیوگ   ناک کے کاٹنے کی آری ہے
کچھ نہیں سوچتے یہ دشمن شرم   کہ یہ پوشیدہ ایک یاری ہے
مرتکب اس کا ہے بڑا دیوث   اعتقاد اس پہ بدشعاری ہے
غیر مردوں سے **مانگنا نطفہ**   سخت **خبث** اور نابکاری ہے
غیر کے ساتھ جو کہ سوتی ہے   وہ نہ بیوی زن بزاری ہے ﴿یا﴾
ہے وہ چنڈال دشٹ اور پاپی   جفت اس کی کوئی چماری ہے
ہیں کروڑوں نیوگ کے بچے   آریہ دیس میں یہ خواری ہے
ایسی اولاد پر خدا کی مار   یہ نہ اولاد قہر باری ہے
نام اولاد کے حصول کا ہے   ساری شہوت کی بیقراری ہے
بیٹا بیٹا پکارتی ہے غلط   یار کی اس کو آہ و زاری ہے
دس سے کرواچکی زنا لیکن   پاک دامن ابھی بچاری ہے
لالہ صاحب بھی کیسے احمق ہیں   ان کی لالی نے عقل ماری ہے
گھر میں لاتے ہیں اس کے یارونکو   ایسی جورو کی پاسداری ہے
اس کے یاروں کو دیکھنے کے لئے   سر بازار ان کی باری ہے
جورو جی پر فدا ہیں یہ جی سے   وہ **نیوگی** پہ اپنے واری ہے
شرم و غیرت ذرا نہیں باقی   کس قدر ان میں بُردباری ہے
ہے قوی مرد کی تلاش انہیں   خوب جورو کی حق گذاری ہے

تا کہ کروائیں پھر اسے گندی پاک ہونے کی انتظاری ہے
یعنی حیض سے پاک ہونے کی انتظاری ہے
خاک میں ملتے ہیں پسر کے لئے کیا مزاجوں میں خاکساری ہے
قابل شرم بھیک لیتے ہیں بھیک کی رسم یہ نیاری ہے
گھر بہ گھر ہیں نیوگ کے چرچے نہ حیا ہے نہ شرمساری ہے
گو زمانہ میں روشنی پھیلی ان پہ اندھیرا اب بھی طاری ہے
کیا کریں وید کا یہی ہے حکم ترک کرنا گناہ گاری ہے

ہے یہ قرآن کی دشمنی کا وبال
بالیقین رائے یہ ہماری ہے

﴿یب﴾ بعض آریہ اپنے تئیں نہایت منصف مزاج ظاہر کر کے کہا کرتے ہیں کہ درحقیقت ہم بھی نیوگ کو نہایت ناپاکی کا طریق سمجھتے ہیں اور جیسا کہ لوگ خیال کرتے ہیں ہم دیانند کی ساری باتوں کے پیرو نہیں یہ صرف دیانند کا خیال ہے اور وید مقدس کا دامن اس سے پاک ہے۔ بھلا یہ ممکن ہے کہ کوئی بھلا مانس ایسی گندی حرکت کرے اور اگر وید میں یہ گندی تعلیم ہوتی تو بڑے بڑے وڈّیا دان کیونکر اس کو مانتے۔ اور نیز اگر وید میں ایسی گندی تعلیم ہوتی تو عمدہ تعلیمیں کیونکر اس میں درج ہوسکتیں۔ سو ان صاحبوں کا جواب یہ ہے کہ ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ دیانند کی واقفیت آپ لوگوں کی واقفیت سے بہت زیادہ تھی اور وہ بھی آپ لوگوں کی طرح وید کے لئے غیرت رکھتا تھا۔ پس اگر وید میں یہ مسئلہ یقینی اور واقعی طور پر نہ ہوتا تو وہ دانستہ ایسا کلنگ وید پر ہرگز نہ لگاتا بلکہ اگر اس کیلئے ممکن ہوتا تو وہ آپ لوگوں سے ہزار حصہ زیادہ کوشش کرتا کہ تا یہ گندی تعلیم وید کی ظاہر نہ ہو۔ اب خود سوچنا چاہئے کہ دیانند کو کیا کچھ مشکلات پیش آئے اور خدا جانے کس قدر صراحت سے اور کھلے کھلے طور پر نیوگ کی تعلیم اس نے وید میں دیکھی جس کو وہ کسی حیلہ اور تدبیر سے چھپا نہ سکا آخر اس کو اقرار کرنا ہی پڑا اور اس بات پر جم گیا کہ خیر نیوگ میں کچھ مضائقہ نہیں۔

اور پھر دیانند نے وید کی صاف صاف شرتیاں نیوگ کے بارے میں لکھ دیں اور خوب تاڑ تاڑ کر سکتوں اور شرتیوں کے حوالے دیئے۔ اب دیانند پر کون الزام لگا سکتا ہے کہ اس نے اپنی طرف سے نیوگ کا مسئلہ گھڑ لیا ہے۔ اور یہ کہنا کہ اگر وید ایسا ہوتا تو پھر وڈّیا دان لوگ کیونکر اس کو مانتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بڑے بڑے ودیاوان بھی نیوگ کو مانتے رہے ہیں بلکہ وہ لوگ اپنے گھروں میں نیوگ کراتے رہے ہیں جو اپنے وقت کے رشی اور رکھی اور اوتار تھے کیا پانڈوں اور ان کی جورو کی کتھا آپ نے نہیں پڑھی اگر نہیں پڑھی تو اب ضرور پڑھیں کہ کیسے مہاتما نیوگ کے کاربند رہے ہیں اور نیوگ بھی زندہ خاوند والی عورت کا۔ اور پھر سوا اس کے غور کرنا چاہئے کہ کیا منو جی وڈّیا ن کم تھے یا یاگولک جی کی ودیا میں کچھ کلام تھا بلکہ یہ تمام لوگ ہندو دھرم کے ستون اور مدار المہام گذرے ہیں اور وید کی دوسری عمدہ تعلیمیں جن کا آپ نے ذکر کیا ہے میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سے کونسی تعلیم مراد ہے۔ وید میں سے اگر فضول قصے اور بے سروپا کہانیاں الگ کر دی جائیں تو باقی خلاصہ اس کا صرف دو تین باتیں رہ جاتی ہیں یعنی عناصر پرستی اور آفتاب پرستی اور ستارہ پرستی اور نیوگ۔ پس اگر یہی عمدہ تعلیم ہے تو آپ سے کیا بحث کریں۔ ہاں ایک تناسخ بھی ہے مگر سوچنے سے آپ معلوم کر سکتے ہیں کہ یہ تناسخ ہی وید پر اول درجہ کا داغ ہے جس کی وجہ سے آپ کا پرمیشر تمام خدائی طاقتوں سے معطل ہو گیا اور معزول راجوں کی طرح صرف نام کا پرمیشر رہ گیا اور اگر غور کر کے دیکھو تو یہ تناسخ پرمیشر کے وجود کا دشمن ہے۔ آواگون یعنی تناسخ کے ماننے والے پرمیشر کو ہرگز مان نہیں سکتے۔ اور نیز آواگون میں بھی ایک نیوگ کی رگ ہے کیونکہ اگر آواگون کی صورت میں کسی شخص کی فوت شدہ والدہ جو اس کی پیدائش کے وقت ہی فوت ہو گئی تھی پھر جنم لے کر اس کی عورت بنائی جاوے تو کیونکر وہ شناخت کر سکتا ہے کہ یہ میری والدہ ہے۔ غرض کہ وید کی پاک تعلیمیں یہی ہیں جو ایک دوسرے سے مشابہ ہیں اور نیوگ کی حالت میں تو ایک آریہ آپ زندہ موجود ہو کر اپنی بیوی کو عین بیوی ہونے کی حالت میں دوسرے سے ہم بستر کراتا ہے مگر تناسخ یعنی آواگون میں اپنی ماں سے بھی ہم بستر ہو سکتا ہے۔ پس وید کی مقدس تعلیمیں سب مساوی ہیں۔ ایں خانہ تمام آفتاب ست۔ منہ

☆☆☆

نوٹس

بنام آریہ صاحبان و پادری صاحبان و دیگر صاحبان مذاہب مخالفہ ان مسلمانوں کی طرف سے جن کے نام نیچے درج ہیں و نیز ایک التماس

گورنمنٹ عالیہ کی

توجہ کے لائق

اے صاحبان مندرجہ عنوان نہایت ادب اور تہذیب سے آپ صاحبوں کی خدمت میں عرض ہے کہ ہم سب فرقے مسلمان اور ہندو اور عیسائی وغیرہ ایک ہی سرکار کے جو سرکار انگریزی ہے رعایا ہیں۔ لہٰذا ہم سب لوگوں کا فرض ہے کہ ایسے امور سے دستکش رہیں جن سے وقتاً فوقتاً ہمارے حکام کو دقتیں پیش آویں یا بیہودہ نزاعیں باہمی ہوکر کثرت سے مقدمات دائر ہوتے رہیں اور نیز جبکہ ہمسائیگی اور قرب و جوار کے حقوق درمیان ہیں تو یہ بھی مناسب نہیں کہ مذہبی مباحثات میں ناحق ایک فریق دوسرے فریق پر بے اصل افترا قائم کر کے اس کا دل دکھاوے اور ایسی کتابوں کے حوالے پیش کرے۔ جو اس فریق کے نزدیک مسلم نہیں ہیں یا ایسے اعتراض کرے جو خود اپنے دین کی تعلیم پر بھی وارد ہوتے ہیں۔ چونکہ اب تک مناظرات و مباحثات کے لئے کوئی ایسا قاعدہ باہم قرار یافتہ نہیں تھا جس کی پابندی یا وہ گو لوگوں کو ان کی فضول گوئی سے روکتی۔ لہٰذا پادریوں میں سے پادری عماد الدین و پادری ٹھاکر داس و پادری

☆ حاشیہ پادری صاحبان اگر ہماری اس نصیحت کو غور سے سنیں تو بیشک اپنی بزرگی اور شرافت ہم پر ثابت کریں گے اور اس حق پسندی اور صلح کاری کے موجب ہوں گے جس سے ایک راستباز اور پاک دل شناخت کیا جاتا ہے۔ اور وہ نصیحت صرف دو باتیں ہیں جو ہم پادری صاحبوں کی خدمت میں

﴿۵۸﴾

فنڈل صاحب وغیرہ صاحبان اور آریہ صاحبوں میں سے منشی کنہیالال الکھ دہاری اور منشی اندرمن مرادآبادی اور لیکھرام پشاوری نے اپنا یہی اصول مقرر کرلیا کہ ناحق کے افتراؤں اور بے اصل روایتوں اور بے بنیاد قصوں کو واجبی اعتراضات کی مدافعت میں پیش کیا۔ مگر اصل قصور تو اس میں پادری صاحبوں کا ہے کیونکہ ہندوؤں نے اپنے ذاتی تعصب اور کینہ کی وجہ سے جوش تو بہت دکھلایا مگر براہ راست اسلام کی کتابوں کو وہ دیکھ نہ سکے وجہ یہ کہ بباعث جہالت اور کم استعدادی دیکھنے کا مادہ نہیں تھا۔ سو انہوں نے اپنی کتابوں میں پادریوں کے اقوال کا نقل کر دینا غنیمت سمجھا۔ غرض ان تمام لوگوں نے بے قیدی اور آزادی کی گنجائش پا کر افتراؤں کو انتہا تک پہنچا دیا اور ناحق بے وجہ اہل اسلام کا دل دکھایا اور بہتوں نے اپنی بدذاتی اور مادری بدگوہری سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان لگائے۔ یہاں تک کہ کمال خباثت اور اس پلیدی سے جو ان کے اصل میں تھی اس **سید المعصومین** پر سراسر دروغ گوئی کی

بقیہ حاشیہ

عرض کیا چاہتے ہیں۔

اول یہ کہ وہ اسلام کے مقابل پر ان بیہودہ روایات اور بے اصل حکایات سے مجتنب رہیں جو ہماری مسلم اور مقبول کتابوں میں موجود نہیں اور ہمارے عقیدہ میں داخل نہیں اور نیز قرآن کے معنی اپنے طرف سے نہ گھڑ لیا کریں بلکہ وہی معنی کریں جو تواتر آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہوں اور پادری صاحبان اگرچہ انجیل کے معنے کرنے کے وقت ہر یک بے قیدی کے مجاز ہوں۔ مگر ہم مجاز نہیں ہیں اور انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارے مذہب میں تفسیر بالرائے معصیت عظیمہ ہے۔ قرآن کی کسی آیت کے معنی اگر کریں تو اس طور سے کرنے چاہئے کہ دوسری قرآنی آیتیں ان معنوں کی مؤیّد اور مفسّر ہوں اختلاف اور تناقض پیدا نہ ہو۔ کیونکہ قرآن کی بعض آیتیں بعض کے لئے بطور تفسیر کے ہیں اور پھر ساتھ اس کے یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی حدیث صحیح مرفوع متصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی انہیں معنوں کی مفسر ہو کیونکہ جس پاک اور کامل نبی پر قرآن نازل ہوا وہ سب سے بہتر قرآن شریف کے معنی جانتا ہے۔ غرض اتم اور اکمل طریق معنے کرنے کا تو یہ ہے لیکن اگر کسی آیت کے بارے میں حدیث صحیح مرفوع متصل نہ مل سکے تو ادنیٰ درجہ استدلال کا یہ ہے کہ قرآن کی ایک آیت کے معنی دوسری آیات بینات سے کئے جاویں۔

﴿۵۸﴾

راہ سے زنا کی تہمت لگائی۔ اگر غیرت مند مسلمانوں کو اپنی محسن گورنمنٹ کا پاس نہ ہوتا تو ایسے شریروں کو جن کے افترا میں یہاں تک نوبت پہنچی وہ جواب دیتے جو ان کی بداصلی کے مناسب حال ہوتا۔ مگر شریف انسانوں کو گورنمنٹ کی پاسداریاں ہر وقت روکتی ہیں اور وہ طمانچہ جو ایک گال کے بعد دوسری گال پر عیسائیوں کو کھانا چاہئے تھا ہم لوگ گورنمنٹ کی اطاعت میں محو ہو کر پادریوں اور ان کے ہاتھ کے اکسائے ہوئے آریوں سے کھا رہے ہیں۔ یہ سب بُردباریاں ہم اپنی **محسن گورنمنٹ** کے لحاظ سے کرتے ہیں اور کریں گے کیونکہ **ان احسانات کا ہم پر شکر کرنا واجب ہے جو سکھوں کے زوال کے بعد** ہی خدا تعالیٰ کے فضل نے اس مہربان گورنمنٹ کے ہاتھ سے ہمارے نصیب کئے اور نہایت بدذاتی ہوگی اگر ایک لحظہ کے لئے بھی کوئی ہم میں سے ان نعمتوں کو فراموش کر دے جو اس گورنمنٹ کے ذریعہ سے مسلمانوں کو ملی ہیں بلاشبہ ہمارا جان و مال گورنمنٹ انگریزی کی خیرخواہی میں فدا ہے اور ہوگا۔ اور ہم غائبانہ اس کے **اقبال** کے لئے دعا گو ہیں اور اگرچہ گورنمنٹ

﴿۵۹﴾

بقیہ حاشیہ

لیکن ہرگز یہ درست نہیں ہوگا کہ بغیر ان دونوں قسم کے التزام کے اپنے ہی خیال اور رائے سے معنی کریں کاش اگر پادری عماد الدین وغیرہ اس طریق کا التزام کرتے تو نہ آپ ہلاک ہوتے اور نہ دوسروں کی ہلاکت کا موجب ٹھہرتے۔

دوسری نصیحت اگر پادری صاحبان سنیں تو یہ ہے کہ وہ ایسے اعتراض سے پرہیز کریں جو خود ان کی کتب مقدسہ میں بھی پایا جاتا ہے مثلاً ایک بڑا اعتراض جس سے بڑھ کر شاید ان کی نظر میں اور کوئی اعتراض ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں ہے وہ لڑائیاں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باذن اللہ ان کفار سے کرنی پڑیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں تیرہ برس تک انواع اقسام کے ظلم کئے اور ہر یک طریق سے ستایا اور دکھ دیا اور پھر قتل کا ارادہ کیا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معہ اپنے اصحاب کے مکہ چھوڑنا پڑا اور پھر بھی باز نہ آئے اور تعاقب کیا اور ہر یک بے ادبی اور تکذیب کا حصہ لیا اور جو مکہ میں ضعفاء مسلمانوں میں سے رہ گئے تھے ان کو غایت درجہ دکھ دینا شروع کیا لہٰذا وہ لوگ خدا تعالیٰ کی نظر میں

﴿۵۹﴾

کی عنایات سے ہر یک کو اشاعت مذہب کے لئے آزادی ملی ہے لیکن اگر سوچ کر دیکھا جائے تو اس آزادی کا پورا پورا فائدہ محض مسلمان اٹھا سکتے ہیں اور اگر عمداً آپ نہ اٹھاویں تو ان کی بدقسمتی ہے وجہ یہ ہے کہ گورنمنٹ نے اپنی عام مہربانیوں کی وجہ سے مذہبی آزادی کا ہر یک قوم کو عام فائدہ دیا اور کسی کو اپنے اصولوں کی اشاعت سے نہیں روکا لیکن جن مذہبوں میں سچائی کی قوت اور طاقت نہیں اور انکے اصول صرف انسانی بناوٹ ہیں اور ایسے قابل مضحکہ ہیں جو ایک محقق کو ان کی بیہودہ کتھا اور کہانیاں سنکر بے اختیار ہنسی آجاتی ہے کیونکر ان مذہبوں کے واعظ اپنی ایسی باتوں کو وعظ کے وقت دلوں میں جما سکتے ہیں اور کیونکر ایک پادری مسیح کو خدا کہتے ہوئے ایک دانشمند شخص کو اس حقیقی خدا پر ایمان رکھنے سے برگشتہ کرسکتا ہے جس کی ذات مرنے اور مصیبتوں کے اٹھانے اور دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہونے اور پھر مصلوب ہو جانے سے پاک ہے اور جس کا جلالی نام قانون قدرت کے ہر یک صفحہ میں چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ ہم نے خود بعض منصف مزاج عیسائیوں

﴿۶۰﴾

بقیہ حاشیہ

اپنے ظالمانہ کاموں کی وجہ سے اس لائق ٹھہر گئے کہ ان پر موافق سنت قدیمہ الٰہیہ کے کوئی عذاب نازل ہو اور اس عذاب کی وہ قومیں بھی سزاوار تھیں جنہوں نے مکہ والوں کو مدد دی اور نیز وہ قومیں بھی جنہوں نے اپنے طور سے ایذا اور تکذیب کو انتہا تک پہنچایا۔ اور اپنی طاقتوں سے اسلام کی اشاعت سے مانع آئے سو جنہوں نے اسلام پر تلواریں اٹھائیں وہ اپنی شوخیوں کی وجہ سے تلواروں سے ہی ہلاک کئے گئے اب اس صورت کی لڑائیوں پر اعتراض کرنا اور حضرت موسیٰ اور دوسرے اسرائیلی نبیوں کی ان لڑائیوں کو بھلا دینا جن میں لاکھوں شیرخوار بچے قتل کئے گئے کیا یہ دیانت کا طریق ہے یا ناحق کی شرارت اور خیانت اور فسادانگیزی ہے۔ اس کے جواب میں حضرات عیسائی یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائیوں میں بہت ہی نرمی پائی جاتی ہے کہ اسلام لانے پر چھوڑا جاتا تھا اور شیرخوار بچوں کو قتل نہیں کیا۔ اور نہ عورتوں کو اور نہ بڈھوں کو اور نہ فقیروں اور مسافروں کو مارا۔ اور نہ عیسائیوں اور یہودیوں کے گرجاؤں کو مسمار کیا۔ لیکن اسرائیلی نبیوں نے ان سب باتوں کو کیا۔ یہاں تک

﴿۶۰﴾

سے خلوت میں سنا ہے کہ جب ہم کبھی مسیح کی خدائی کا بازاروں میں وعظ کرتے ہیں۔ تو بعض وقت مسیح کے عجز اور اضطرار کی سوانح پیش نظر آ جانے سے بات کرتے کرتے ایسا انفعال دل کو پکڑتا ہے کہ بس ہم ندامت میں غرق ہی ہو جاتے ہیں۔ غرض انسان کو خدا بنانے والا کیا وعظ کرے گا۔ اور کیونکر اس عاجز انسان میں اس قادر خدا کی عظمت کا نمونہ دکھائے گا جس کے حکم سے ایک ذرہ بھی زمین و آسمان سے باہر نہیں اور جس کا جلال دکھلانے کے لئے سورج چمکتا اور زمین طرح طرح کے پھول نکالتی ہے ایسا ہی ایک آریہ کیا وعظ کرے گا کیا وہ دانشمندوں کے سامنے یہ کہہ سکتا ہے کہ تمام روحیں اور ان کی قوتیں اور طاقتیں اپنے وجود کی آپ ہی خدا ہیں اور کسی کے سہارے سے ان کا وجود اور بقاء نہیں اور یا یہ کہہ سکتا ہے کہ وید کی یہ تعلیم عمدہ ہے کہ خاوند والی عورتیں اولاد کی غرض سے دوسروں سے ہم بستر ہو جایا کریں۔ ابھی ہمیں تجربہ ہوا ہے کہ جب ہماری بعض جماعت کے لوگوں نے کسی آریہ یا انکے پنڈت سے نیوگ کی حقیقت بازار میں پوچھی جہاں بہت سے آدمی موجود تھے تو وہ آریہ

﴿۶۱﴾

بقیہ حاشیہ

کہ تین لاکھ سے بھی کچھ زیادہ شیر خوار بچے قتل کئے گئے گویا حضرات پادریوں کی نظر میں اس نرمی کی وجہ سے اسلام کی لڑائیاں قابل اعتراض ٹھہریں کہ ان میں وہ سختی نہیں جو حضرت موسیٰ اور دوسرے اسرائیلی نبیوں کی لڑائیوں میں تھی اگر اس درجہ کی سختی پر یہ لڑائیاں بھی ہوئیں تو قبول کر لیتے کہ درحقیقت یہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اب ہر یک عقلمند کے سوچنے کے لائق ہے کہ کیا یہ جواب ایمانداری کا جواب ہے حالانکہ آپ ہی کہتے ہیں کہ خدا رحم ہے اور اس کی سزا رحم سے خالی نہیں۔ پھر جب موسیٰ کی لڑائیاں باوجود اس سختی کے قبول کی گئیں اور خدا تعالیٰ کیطرف سے ٹھہریں تو کیوں اور کیا وجہ کہ یہ لڑائیاں جو الٰہی رحم کی خوشبو ساتھ رکھتی ہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوئیں اور ایسے لوگ کہ ان باتوں کو بھی خدا تعالیٰ کے احکام سمجھتے ہیں کہ شیر خوار بچے ان کی ماؤں کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے کئے جائیں اور ماؤں کو ان کے بچوں کے سامنے بے رحمی سے مارا جاوے وہ کیوں ان لڑائیوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے نہ سمجھیں جن میں یہ شرط ہے کہ پہلے مظلوم ہو کر پھر ظالم کا مقابلہ کرو۔ منہ

﴿۶۰﴾

یا پنڈت شرمندہ ہوا اور چپکے سے کہا کہ آپ اندر چل کر مجھ سے یہ گفتگو کریں بازار میں لوگ سن کر ہنسی کرتے ہیں اب ظاہر ہے کہ جن لوگوں کا اپنا ہی یہ حال ہے کہ ایسے عقائد اور اعمال کی نسبت اپنا ہی کانشنس ان کا ان کے عقیدہ کو دھکے دیتا ہے اور قبول نہیں کرتا تو پھر وہ غیروں کو کیا وعظ کریں گے۔ اس لئے مسلمانوں کو نہایت ہی گورنمنٹ کا شکر گذار ہونا چاہئے کہ گورنمنٹ کے اس قانون کا وہی اکیلے فائدہ اٹھا رہے ہیں بیچارے پادری صدہا روپیہ خرچ کر کے ایک ہندو کو قابو میں لاتے ہیں اور وہ آخر بعد آزمائش مسلمانوں کی طرف آ جاتا ہے اور یا صرف پیٹ کا بندہ ہو کر محض دنیوی لالچ سے انہیں میں گذارہ کرتا ہے لیکن ہمیں اپنے دلآزار ہمسایوں مخالفوں سے ایک اور شکایت ہے اگر ہم اس شکایت کے رفع کے لئے اپنی **محسن اور مہربان گورنمنٹ کو اس طرف توجہ نہ دلاویں تو کس کو دلاویں** اور وہ یہ ہے کہ ہمارے مذہبی مخالف صرف **بے اصل روایات** اور بے بنیاد قصوں پر بھروسہ کر کے جو ہماری کتب **مسلّمہ** اور **مقبولہ** کی رو سے ہرگز ثابت نہیں ہیں بلکہ منافقوں کے مفتریات ہیں ہمارا دل **دکھاتے ہیں** اور ایسی باتوں سے ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرتے ہیں اور گالیوں تک نوبت پہنچاتے ہیں جن کا ہماری معتبر کتابوں میں نام و نشان نہیں۔ اس سے زیادہ ہمارے دل دکھانے کا اور کیا موجب ہوگا کہ چند بے بنیاد افتراؤں کو پیش کر کے ہمارے اس سید و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر زنا اور بدکاری کا الزام لگانا چاہتے ہیں جس کو ہم اپنی پوری تحقیق کی رو سے سید المعصومین اور ان تمام پاکوں کا سردار سمجھتے ہیں جو عورت کے پیٹ سے نکلے اور اس کو خاتم الانبیاء جانتے ہیں کیونکہ **اس پر تمام نبوتیں** اور تمام پاکیزگیاں اور تمام **کمالات ختم** ہو گئے۔ اس صورت میں صرف یہی ظلم نہیں کہ ناحق اور بے وجہ ہمارا دل دکھایا جاتا ہے اور اس **انصاف پسند گورنمنٹ کے ملک میں** ہمارے **پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم** کو گالیاں دی جاتی ہیں اور بڑے بڑے پیرایوں میں ہمارے **اس مقدس مذہب** کی توہین کی جاتی ہے۔ بلکہ یہ ظلم بھی ہوتا ہے کہ ایک حق اور راست راست امر کو محض یاوہ گوئی کے ذخیرہ سے مشتبہ اور کمزور کرنے کے لئے کوشش کی جاتی ہے اگر گورنمنٹ کے **بعض اعلیٰ درجہ** کے حکام دو تین روز اس بات پر

﴿۶۲﴾

بھی خرچ کریں کہ ہم میں سے کسی منتخب کے روبرو ایسے بیجا الزامات کی وجہ ثبوت ہمارے مذکورہ بالا مخالفوں سے دریافت فرماویں تو زیرک طبع حکام کو فی الفور معلوم ہو جائے گا کہ کس قدر یہ لوگ بے ثبوت بہتانوں سے سرکار انگریزی کی وفادار رعایا اہل اسلام پر ظلم کر رہے ہیں۔ ہم نہایت ادب سے **گورنمنٹ عالیہ کی جناب میں یہ عاجزانہ التماس** کرتے ہیں کہ ہماری محسن گورنمنٹ ان احسانوں کو یاد کر کے جو اب تک ہم پر کئے ہیں ایک یہ بھی ہماری جانوں اور آبروؤں اور ہمارے ٹوٹے ہوئے دلوں پر احسان کرے کہ اس مضمون کا **ایک قانون پاس** کر دیوے یا کوئی سرکلر جاری کرے کہ آئندہ جو مناظرات اور مجادلات اور مباحثات مذہبی امور میں ہوں ان کی نسبت ہر یک قوم مسلمانوں اور عیسائیوں اور آریوں وغیرہ میں سے **دو امر کے ضرور پابند رہیں۔**

(۱) اول یہ کہ ایسا اعتراض جو خود معترض کے ہی الہامی کتاب یا کتابوں پر جن کے الہامی ہونے پر وہ ایمان رکھتا ہے وارد ہو سکتا ہو یعنی وہ امر جو بنا اعتراض کی ہے ان کتابوں میں بھی پایا جاتا ہو جن پر معترض کا ایمان ہے ایسے اعتراض سے چاہیئے کہ ہر یک ایسا معترض پرہیز کرے۔

(۲) دوم اگر بعض کتابوں کے نام بذریعہ چھپے ہوئے اشتہار کے کسی فریق کی طرف سے اس غرض سے شائع ہو گئے ہوں کہ درحقیقت وہی کتابیں ان کی مسلم اور مقبول ہیں تو چاہیئے کہ کوئی معترض ان کتابوں سے باہر نہ جائے اور ہر یک اعتراض جو اس مذہب پر کرنا ہو انہیں کتابوں کے حوالہ سے کرے اور ہرگز کسی ایسی کتاب کا نام نہ لیوے جس کے مسلّم اور مقبول ہونے کے بارے میں اشتہار میں ذکر نہیں۔ اور اگر اس قانون کی خلاف ورزی کرے تو بلا تامل اس سزا کا مستوجب ہو جو **دفعہ ۲۹۸** تعزیرات ہند میں مندرج ہے۔ **یہ التماس ہے جس کا پاس ہونا** ہم بذریعہ کسی ایکٹ یا سرکلر کے گورنمنٹ عالیہ سے چاہتے ہیں اور ہماری زیرک گورنمنٹ اس بات کو سمجھتی ہے کہ اس قانون کے پاس کرنے میں کسی خاص قوم کی رعایت نہیں بلکہ ہر یک قوم پر اس کا اثر مساوی ہے اور اس قانون کے پاس کرنے میں بے شمار برکتیں ہیں جن سے عامہ خلائق کے لئے امن اور عافیت کی راہیں کھلتی ہیں اور صدہا بیہودہ نزاعوں اور جھگڑوں کی صف لپیٹی جاتی ہے اور اخیر نتیجہ صلح کاری اور ان شراتوں کا دور ہو جانا ہے جو فتنوں

﴿۶۳﴾

اور بغاوتوں کی جڑھ ہوتے ہیں اور دن بدن مفاسد کو ترقی دیتے ہیں اور ہماری قلم جو ہر یک وقت اس گورنمنٹ عالیہ کی مدح وثناء میں چل رہی ہے اس قانون کے پاس ہونے سے اپنی گورنمنٹ کو دوسروں پر ترجیح دینے کے لئے ایک ایسا وسیع مضمون پائے گی جو آفتاب کی طرح چمکے گا اور اگر ایسا نہ ہوا تو خدا معلوم کہ روز کی لڑائیوں اور بیہودہ جھگڑوں کی کہاں تک نوبت پہنچے گی بے شک اس سے پہلے توہین کے لئے دفعہ ۲۹۸ تعزیرات میں موجود ہے لیکن وہ ان مراتب کے تصفیہ پا جانے سے پہلے فضول اور نکمی ہے اور خیانت پیشہ لوگوں کے لئے گریز گاہ وسیع ہے۔

اور پھر ہم اپنے مخالف فریقوں کی طرف متوجہ ہو کر کہتے ہیں کہ آپ لوگ بھی برائے خدا ایسی تدبیر کو منظور کریں جس کا نتیجہ سراسر امن اور عافیت ہے اور اگر یہ احسن انتظام نہ ہوا تو علاوہ اور مفاسد اور فتنوں کے ہمیشہ سچائی کا خوں ہوتا رہے گا اور صادقوں اور راستبازوں کی کوششوں کا کوئی عمدہ نتیجہ نہیں نکلے گا اور نیز رعایا کی باہمی نااتفاقی سے گورنمنٹ کے اوقات بھی ناحق ضائع ہوں گے اس لئے ہم مراتب مذکورہ بالا کو آپ سب صاحبوں کی خدمت میں پیش کر کے یہ **نوٹس** آپ صاحبوں کے نام **جاری** کرتے ہیں اور آپ کو یاد دلاتے ہیں کہ ہماری کتب مسلّمہ مقبولہ جن پر ہم عقیدہ رکھتے ہیں اور جن کو ہم **معتبر سمجھتے ہیں** بہ تفصیل ذیل ہیں:

اوّل قرآن شریف۔ مگر یاد رہے کہ کسی قرآنی آیت کے معنے ہمارے نزدیک وہی معتبر اور صحیح ہیں جس پر قرآن کے دوسرے مقامات بھی شہادت دیتے ہوں کیونکہ قرآن کی بعض آیات بعض کی تفسیر ہیں اور نیز قرآن کے کامل اور یقینی معنوں کے لئے اگر وہ یقینی مرتبہ قرآن کے دوسرے مقامات سے میسر نہ آسکے یہ بھی شرط ہے کہ کوئی حدیث صحیح مرفوع متصل بھی اس کی مفسر ہو غرض ہمارے مذہب میں تفسیر بالرائے ہرگز جائز نہیں پس ہر یک معترض پر لازم ہوگا کہ کسی اعتراض کے وقت اس طریق سے باہر نہ جائے۔ **دوم**۔ دوسری کتابیں جو ہماری مسلم کتابیں ہیں ان میں سے اول درجہ پر صحیح بخاری ہے اور اس کی وہ تمام احادیث ہمارے نزدیک حجت ہیں جو قرآن شریف سے مخالف نہیں اور ان میں سے دوسری کتاب صحیح مسلم ہے اور اس کو ہم اس شرط سے مانتے ہیں کہ قرآن اور صحیح بخاری سے مخالف نہ ہو اور

﴿۶۴﴾

تیسرے درجہ پر صحیح ترمذی۔ابن ماجہ۔مؤطا۔نسائی۔ابن داؤد۔دار قطنی کتب حدیث ہیں جن کی حدیثوں کو ہم اس شرط سے مانتے ہیں کہ قرآن اور صحیحین سے مخالف نہ ہوں یہ کتابیں ہمارے دین کی کتابیں ہیں اور یہ شرائط ہیں جن کی رو سے ہمارا عمل ہے اب ہم قانونی طور پر آپ لوگوں کو ایسے اعتراضوں سے روکتے ہیں جو خود آپ کی کتابوں اور آپ کے مذہب پر وارد ہوتے ہیں کیونکہ انصاف جن پر قوانین مبنی ہیں ایسی کارروائی کو صحت نیت میں داخل نہیں کرتا اور ہم ایسے اعتراضوں سے بھی آپ لوگوں کو منع کرتے ہیں جو ان کتابوں اور ان شرائط پر مبنی نہیں جن کا ہم اشتہار میں ذکر کرتے ہیں کیونکہ ایسی کارروائی بھی تحقیق حق کے برخلاف ہے پس ہر یک معترض پر واجب ہوگا کہ کسی اعتراض کے وقت ان کتابوں اور ان شرائط سے باہر نہ جائے اور ضروری ہوگا کہ اگر آئندہ آپ صاحبوں میں سے کوئی صاحب ہماری کسی تالیف کا رد لکھے یا رد کے طور پر کوئی اشتہار شائع کریں یا کسی مجلس میں تقریری مباحثہ کرنا چاہیں تو ان شرائط مذکورہ بالا کی پابندی سے باہر قدم نہ رکھیں یعنی ایسی باتوں کو بصورت اعتراض پیش نہ کریں جو آپ لوگوں کی الہامی کتابوں میں بھی موجود ہوں اور ایسے اعتراض بھی نہ کریں جو ان کتابوں کی پابندی اور اس طریق کی پابندی سے نہیں ہیں جو ہم اشتہار میں شائع کر چکے ہیں۔غرض اس طریق مذکورہ بالا سے تجاوز کر کے ایسی بیہودہ روایتوں اور بے سروپا قصوں کو ہمارے سامنے ہرگز پیش نہ کریں اور نہ شائع کریں جیسا کہ یہ خائنانہ کارروائیاں پہلے اس سے ہندوؤں میں سے اندرمن مرادآبادی نے اپنی کتابوں تحفہ اسلام و پاداش اسلام وغیرہ میں دکھلائیں اور پھر بعد اس کے یہ ناپاک حرکتیں مسمی لیکھرام پشاوری نے جو محض نادان اور بے علم ہے اپنی کتاب تکذیب براہین اور رسالہ جہاد اسلام میں کیں اور جیسا کہ یہی بیہودہ کارروائیاں پادری عماد الدین نے اپنی کتابوں میں اور پادری ٹھاکرداس نے اپنے رسائل میں اور صفدر علی وغیرہ نے اپنی تحریروں میں لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے کیں اور سخت دھوکے دے دے کر ایک دنیا کو گندگی اور کیچڑ میں ڈال دیا اور اگر آپ لوگ اب بھی یعنی اس نوٹس کے جاری ہونے کے بعد بھی اپنی خیانت پیشہ طبیعت اور عادت سے باز نہیں آئیں گے تو دیکھو ہم آپ کو ہلا ہلا کر متنبہ کرتے ہیں کہ اب یہ حرکت آپ کی صحت نیت کے خلاف سمجھی جائے گی اور محض دلآزاری اور توہین کی مد میں متصور ہوگی۔اور اس صورت میں ہمیں استحقاق ہوگا کہ عدالت سے اس افتراء اور توہین اور دلآزاری کی چارہ جوئی کریں اور دفعہ ۲۹۸

تعزیرات ہند کی رو سے آپ کو ماخوذ کرائیں اور قانون کی حد تک سزا دلائیں کیونکہ اس نوٹس کے بعد آپ اپنی ناواقفی اور صحت نیت کا عذر پیش نہیں کر سکتے اور آپ سب صاحبوں کو بھی اختیار ہوگا کہ اپنی مقبولہ مسلّمہ کتابوں کا اشتہار دے دیں اور بعد اس کے اگر کوئی مسلمان معترض اپنے اعتراض میں آپ کے اشتہار کا پابند نہ ہو اور کوئی ایسا اعتراض کرے کہ جو ان کتابوں کی بناء پر نہ ہو جن کے مقبول ہونے کی نسبت آپ اشتہار دے چکے ہیں یا کوئی ایسا امر مورد اعتراض ٹھہراوے جو خود اسلام کی تعلیم میں موجود ہے تو بے شک ایسا معترض مسلمان بھی آپ لوگوں کے اشتہار کے بعد اسی دفعہ ۲۹۸ کی رو سے سزا پانے کے لائق ہوگا جس دفعہ سے ہم فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ اب ذیل میں اس نوٹس دینے والوں کے دستخط اور مواہیر ہیں۔ فقط

﴿۶۵﴾

قادیان

حضرت اقدس امام انام مہدی و مسیح موعود میرزا غلام احمد علیہ السلام حضرت مولوی حاجی حافظ حکیم نور الدین صاحب بھیروی ثم قادیانی حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی۔ مولوی حکیم فضل دین بھیروی۔ صاحبزادہ محمد سراج الحق صاحب جمالی نعمانی قادیانی سابق سرساوی۔ سید ناصر نواب صاحب دہلوی حال قادیانی صاحبزادہ افتخار احمد صاحب لدھیانوی قادیانی صاحبزادہ منظور محمد صاحب۔ مولوی حاجی حافظ احمد اللہ خان صاحب مولوی نور الحسن صاحب روالی منشی محمد خاں صاحب کپورتھلہ قاضی ضیاء الدین صاحب قاضی کوٹی ضلع گوجرانوالہ شیخ عبد الرحیم صاحب نومسلم سابق لیس دفعدار رسالہ نمبر۱۴ چھاؤنی سیالکوٹ مولوی قطب الدین صاحب بدوملوی مفتی فضل الرحمٰن صاحب مدرس جموں۔ منشی جلال الدین صاحب میر منشی رجمنٹ نمبر۱۲ سواران بنگال۔ منشی غلام محمد صاحب خوشنویس امرتسری مولوی فیض احمد صاحب جہلمی میرزا یعقوب بیگ صاحب طالب علم اسسٹنٹ سرجن کلاس میڈیکل کالج لاہور میرزا ایوب بیگ صاحب طالب علم بی اے کلاس گورنمنٹ کالج لاہور شیر محمد خاں صاحب طالب علم ایف اے کلاس لاہور۔ شیخ غلام محی الدین صاحب کتب فروش جہلم مرزا اسماعیل قادیانی

بابو غلام رسول صاحب سابق اسٹیشن ماسٹر راولپنڈی ڈسٹرکٹ۔ شیخ عبد اللہ صاحب پٹواری سنوری شیخ حامد علی صاحب قادیانی منشی تاج دین صاحب کلرک اگزیمنز آفس ریلوے لاہور منشی نبی بخش صاحب کلرک شیخ عبد الرحمٰن صاحب شیخ عبد العزیز صاحب شیخ مسیح اللہ صاحب شاہجہان پوری حاجی وریام صاحب خوشابی سید مقبول حسن صاحب ڈیرہ اسماعیل خاں۔ سید محمد کبیر صاحب دہلوی۔ شیخ شہاب الدین صاحب۔

سیالکوٹ

مولوی عبد الکریم صاحب مولوی حکیم ابو یوسف محمد مبارک علی صاحب منشی غلام قادر فصیح صاحب رئیس مالک پنجاب پریس۔ سید حامد شاہ صاحب اہلمد معافیات سید محمود شاہ صاحب شیخ مولا بخش صاحب سوداگر سید امیر علی شاہ صاحب سارجنٹ ڈسکہ میاں شادی خاں صاحب میاں عطا محمد صاحب اوورسیر غلام حیدر خان صاحب ڈپٹی انسپکٹر نارووال۔ عبد العزیز صاحب۔

بھیرہ ضلع شاہ پور

شیخ فضل الٰہی صاحب آنریری مجسٹریٹ۔ شیخ غلام نبی صاحب وائس پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی میاں غلام محمد صاحب ضلعدار

انہار پیر چن صاحب چودھری حافظ دل احمد صاحب بی اے سیکنڈ ماسٹر گورنمنٹ سکول مولوی گل محمد صاحب مدرس بورڈ سکول بابو غلام جیلانی صاحب مدرس سکول پنڈ دادن خاں۔ شیخ نذیر محمد صاحب فارسٹ انجینئر۔ شیخ علی محمد صاحب انگلش ٹیچر بورڈ سکول۔ شیخ عبدالعزیز صاحب ایف اے۔ شیخ محمد مبارک صاحب اپیل نویس ملک سمند خاں صاحب عرضی نویس۔ سید لال شاہ صاحب عرضی نویس۔ قاضی غلام شاہ صاحب سوداگر اسپاں قاضی مولا بخش صاحب ذیلدار و میونسپل کمشنر چنیوٹ حکیم علاء الدین صاحب شیخپوری سردار محمد چراغ خان صاحب رئیس ساہیوال کرسی نشین درباری نمبر اول و جاگیردار نسلاً بعد نسلٍ و اہل جیوری و ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ۔ مخدوم محمد صدیق صاحب مخدوم محمد عثمان صاحب میاں الہ بخش صاحب نمبردار جھول پور بابو محمد اسحاق صاحب اوورسیر۔ قاضی سید امام شاہ صاحب عرضی نویس۔ راجہ کرم داد خاں صاحب ذیلدار ملک وال۔

راجہ محمد خاں صاحب ذیلدار کوٹ احمد خاں۔

راجہ خاں صاحب ذیلدار جیون وال۔

راجہ محمد حیات خاں صاحب ذیلدار دیہی۔

میاں عالم دین صاحب ذیلدار نمتاس۔ میاں شیخ صدر الدین صاحب پراچہ میونسپل کمشنر و مالگذار۔ منشی محمد پناہ صاحب سوداگر چرم و مالگذار۔ سید ستار شاہ صاحب مالگذار علی پور۔ سید امام شاہ صاحب سربراہ ذیلدار و مالگذار علی پور۔ پیر لقمان شاہ صاحب نمبردار۔ شیخ عالم دین صاحب پٹواری۔ بابو غلام محمد صاحب مختار و سیکرٹری۔ سید زمان شاہ صاحب عرضی نویس۔ عباس خاں صاحب بہرت۔ مفتی الٰہی بخش صاحب مفتی محمد حسین صاحب مدرس سکول۔ حکیم فضل احمد صاحب طبیب سرکار۔ مولوی علی محمد صاحب روالی مولوی محمد یٰسین صاحب ڈہڈی۔ شیخ دین محمد صاحب ملازم نہر شیخ محمد امین صاحب سابق کرنل فوج سفر مینا امیر صاحب والئی کابل۔ شیخ سراج الدین صاحب پراچہ سوداگر کابل۔ میاں شیخ محمد بخش صاحب تلوار چنیوٹی ملک غلام محمد خاں صاحب راجڑ ملک دوست محمد خان صاحب نمبردار بھولوال

﴿۶۶﴾ میاں رحیم بخش صاحب مختار عام ملک حاکم خان صاحب۔ خان بہادر ملک حسن خاں صاحب نمبردار راجڑ۔ ملک جلال خان صاحب نمبردار جہاوا۔ ملک جوایا خاں صاحب چوہدری محمد بخش صاحب نمبردار پنڈی کوٹ چوہدری پیرو نمبردار ایضاً۔ شیخ صدر الدین صاحب قریشی و نمبردار چوہدری ولی داد صاحب جہانیوالہ۔ میاں گل محمد صاحب مختار ملک شیر محمد خاں بہادر چوہدری غلام محمد نمبردار ٹھائر چوہدری زیادہ صاحب نمبردار چوہدری ہادو صاحب نمبردار ایضاً۔ شیخ الہ بخش صاحب رئیس شیخپور۔ سلطان عارب خاں صاحب ذیلدار کٹھا ملک شیر محمد ولد سلطان مقرب مولوی عبدالکریم صاحب اخوند میاں خدا بخش میاں غلام حسین صاحب میاں محمد رفیق صاحب مدرس اینگلو سنسکرت اسکول شیخ محمد حسن صاحب کاتب مستری قطب الدین صاحب مستری اسماعیل صاحب مستری قمر الدین صاحب مستری غلام نبی صاحب مستری نور احمد صاحب مستری محمد اسلام صاحب حکیم احمد دین صاحب مولوی سردار محمد صاحب برادر زادہ مولوی نور الدین صاحب محمد عبدالرحمٰن صاحب طالب علم ہائی سکول میاں عالم دین صاحب۔ مولوی احمد دین صاحب مدرس عربی سکول بھیرہ میاں خادم حسین صاحب مدرس اینگلو سنسکرت سکول بھیرہ۔ حکیم شیخ قادر بخش صاحب احمد آبادی۔ میاں نجم الدین صاحب بابو امام الدین صاحب سب اوورسیر۔ محمد حیات صاحب نقشہ نویس میاں محمد صدیق صاحب پٹواری۔ مولوی عالم دین صاحب قریشی میاں کامل الدین صاحب قریشی حکیم مولوی شیر محمد صاحب ہجن۔ میاں شیر علی صاحب ایف اے کلاس۔ مولوی نظام الدین صاحب مدرس۔

لاہور

چوہدری نبی بخش صاحب بی اے اسلامیہ کالج
خواجہ کمال الدین صاحب بی اے پروفیسر اسلامیہ کالج

خواجہ ضیاء الدین صاحب ایضاً۔ایضاً۔ایضاً
میر عبدالواحد۔ایضاً۔ایضاً۔ایضاً۔
منشی عبداللہ صاحب۔ایضاً۔ایضاً۔ایضاً
مولوی فضل کریم صاحب " " "
مولوی محمد علی صاحب ایم اے پروفیسر اسلامیہ کالج
منشی سعدالدین خاں صاحب بی اے محمد ایوب صاحب
بی۔او۔ایل چوہدری سردار خاں صاحب ملازم دفتر
اکونٹنٹ جنرل پنجاب۔مولوی احمد صاحب
ایضاً۔ایضاً۔سید خورشید انور صاحب
" " منشی رحیم بخش صاحب
" " مرزا محبوب بیگ صاحب ایضاً
میاں حفیظ اللہ صاحب "معلّم ایل ایل بی اے کلاس۔منشی محمد الدین صاحب" پروفیسر بہاولپور کالج۔مولوی عمرالدین صاحب ایم اے سنٹرل ماڈل سکول۔شیخ عبدالقادر صاحب بی اے۔سب اڈیٹر اخبار پنجاب۔غلام حسین صاحب بی اے ہیڈ ماسٹر تلہ گنگ۔

﴿۶۷﴾

از دفتر اگزامینر ریلوے لاہور

مولا بخش صاحب محمد علی صاحب۔غلام حسین صاحب حافظ فضل احمد صاحب۔خلیفہ محمد شریف صاحب۔منشی غلام محمد صاحب۔فضل الدین صاحب۔نظام الدین صاحب۔محمد یوسف صاحب۔معراج الدین صاحب۔☆

دفتر لوکو لاہور

عبدالرحمٰن صاحب کلرک علم الدین صاحب"
بوٹا خاں صاحب" خدا بخش صاحب"
گیلانی بخش صاحب" شہاب الدین صاحب"
وزیر شاہ صاحب" میر امیر شاہ صاحب" ☆☆

دفتر اکونٹنٹ جنرل پنجاب

غلام محمد صاحب کلرک منشی نظام الدین صاحب"
شرف الدین صاحب محمد علی صاحب منشی احمد دین صاحب خوشدل نجابت اللہ صاحب۔اللہ بخش صاحب محمد یاسین صاحب نوازش علی صاحب میر میراث علی صاحب۔

متعلمان ٹریننگ کالج لاہور

اللہ داد خاں صاحب محمد نواز خاں صاحب۔سراج الحق صاحب سید فرزند علی صاحب محمد تقی صاحب خدا بخش صاحب صدر دین صاحب رحمت اللہ صاحب خورشید عالم صاحب کرم دین صاحب۔اس فہرست کے ۵۱ نام ہیں اس قدر بطور اختصار لکھے گئے ہیں۔

تاجران لاہور

شیخ محمد رفیع صاحب اینڈ برادرس سوداگران انارکلی۔حافظ محمد حسین صاحب سوداگر مینجر محمد رفیع صاحب۔شیخ نبی بخش صاحب سوداگر مینجر کشمیری شاپ۔رمضان خان اینڈ کو انارکلی شیخ رحمت اللہ صاحب سوداگر بمبئی ہاؤس شیخ قادر بخش صاحب سوداگر انارکلی حاجی کریم بخش صاحب سوداگر انارکلی نواب محمد ابراہیم صاحب پروپرائٹر ویسٹرن سوپ کمپنی۔ حاجی عبدالرحیم و محمد یعقوب سوداگران انارکلی شیخ نصیرالدین محمد یعقوب صاحب مالک ڈرکٹ حال لاہور انارکلی غلام محی الدین صاحب۔پروپرائٹر ٹیرسٹیم کمپنی شیخ غلام حسین غلام حیدر صاحب مالکان وکٹر کلاتھ کمپنی لاہور۔سیٹھ غلام علی صاحب انارکلی شیخ محمد عیدو صاحب سوداگر انارکلی حسن علی اسماعیل جی صاحب سوداگر انارکلی شیخ محمد عارف محمد اسحاق صاحب سوداگران انارکلی۔

☆ **نوٹ**۔اس دفتر کے کل نام ۲۱ ہیں۔☆☆ اس دفتر کے کل نام ۳۲ ہیں اور لاہور کے ایک ہزار سے زیادہ نام ہیں بباعث طوالت تھوڑے لکھے گئے۔فقط

ڈاکٹر کلن خاں صاحب سرجن ڈینٹسٹ انارکلی۔ خلیفہ رجب الدین صاحب رئیس و سوداگر برنچ لاہور۔ محمد چٹو صاحب سوداگر ریشم۔ شیخ محمد عالم صاحب مینجر گجراتی شاپ انارکلی۔ شیخ احمد بخش صاحب تاجر چرم" حاجی شیخ رحمت اللہ صاحب" شیخ محمد صدیق صاحب مینجر ویسٹرن سوپ کمپنی شیخ محبوب بخش صاحب سوداگر انارکلی۔

ائمہ مساجد لاہور

مولوی محمد یار صاحب امام مسجد طلائی۔ مولوی غلام حسین صاحب امام مسجد گمٹیجا فظ غلام علی صاحب محمد علی صاحب مفتی فصیح الدین صاحب۔ عبداللطیف صاحب حافظ اللہ دتا صاحب مولوی جواہر علی صاحب مولوی عنایت اللہ صاحب امام مسجد پرانی انارکلی۔ مولوی حسام الدین صاحب محلّہ ستھاں مولوی نورالدین صاحب امام مسجد" خلیفہ امام الدین صاحب امام غلام محمد صاحب ولد مولوی فتح محمد صاحب امام مسجد لوہاری منڈی امام محمد عالم صاحب مولوی احمد دین صاحب۔ مولوی حافظ وزیر محمد صاحب امام غلام محمود صاحب۔

رؤساء لاہور

ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب گمٹی بازار۔ ماسٹر شیر محمد صاحب آرٹ سکول احمد رضا خاں صاحب رئیس رامپور حال وارد لاہور۔ میر تقی صاحب مدرس ایچ سن سکول منشی کرم الٰہی صاحب دفتر نہر محمد لطیف خاں صاحب ڈپٹی انسپکٹر حاجی عبدالحکیم خاں صاحب ٹھیکہ دار میاں فرید بخش صاحب نقشہ نویس دفتر نہر چناب سرکل میاں چنن دین صاحب پنجاب بنک لاہور نواب الدین صاحب نقشہ نویس بھاٹی دروازہ منشی میراں بخش صاحب اکونٹنٹ محکمہ نہر بھاٹی دروازہ کریم بخش صاحب کاردار زمیندار بھاٹی دروازہ محمد ابراہیم خاں صاحب اوورسیر ملازم امیر کابل خورشید عالم صاحب کلرک چیف کورٹ پنجاب نصیر الدین صاحب نقشہ نویس جلال الدین صاحب نقشہ نویس۔ حسین بخش صاحب نقشہ نویس میراں بخش صاحب نقشہ نویس احمد بخش صاحب نقشہ نویس مفتی غلام حیدر صاحب سٹور کیپر نہر چناب شیخ کریم الدین صاحب پنشنر ماسٹر غلام نبی صاحب ہیڈ ماسٹر مڈل سکول اسلامیہ کالج۔ ماسٹر کریم خاں صاحب ناظم پرائمر عبدالشکور خاں صاحب دفتر فنانشل کمشنر پنجاب پیر محمد عثمان صاحب ملک ہیرا اصراف صاحب محلّہ ککے زئی الٰہی بخش صاحب سوداگر پشمینہ کوچہ جراحاں میاں چنن دین صاحب ہیڈ کلرک ٹریفک آفس لاہور میاں اسلام الدین صاحب کلرک ایضاً میاں سیف الدین صاحب ایضاً حافظ عبدالعزیز صاحب نقشہ نویس دفتر چیف انجینئر ریلوے۔ منشی نور الٰہی صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ضلع لاہور۔ حکیم مبارک دین صاحب بھاٹی دروازہ مرزا فدا حسین صاحب کلرک ریلوے عبدالرحمٰن صاحب ڈسٹرکٹ اوورسیر عبداللطیف صاحب شاہ دین صاحب مینجر مطبع پنجاب آبزرور محمود علی خاں صاحب نقشہ نویس دفتر سول سیکرٹریٹ گورنمنٹ پنجاب محمد فضل علی صاحب کمیشن ایجنٹ سعادت علی خاں صاحب نائب داروغہ آبکاری لاہور منشی کرم الٰہی صاحب مہتمم مدرسہ نصرت الاسلام۔ مولا بخش صاحب مالک نیولائل پریس۔ شیخ گلاب الدین صاحب انور علی صاحب پنشنر خواجہ عزیز الدین صاحب سوداگر برنج جلال الدین صاحب محرر چونگی بابو عید محمد صاحب نقشہ نویس دفتر فنانشل کمشنر۔ عبداللہ خاں صاحب فدا علی صاحب کلرک دفتر نہر۔ شیخ گلاب دین صاحب مختار عدالت میاں مہتاب الدین صاحب سپروائزر پبلک ورکس ڈاکٹر غلام علی صاحب ایل ایم ایس مرزا امان اللہ بیگ صاحب پنشنر۔ منشی محمد امیر الدین صاحب کوٹھی دار منشی خیر الدین صاحب۔ حاجی محمد عبدالصمد صاحب میونسپل کمشنر و ٹھیکہ دار لاہور۔

وزیرآباد ضلع گوجرانوالہ

﴿۶۸﴾

مولوی عنایت اللہ صاحب مدرس مدرسہ مانانوالہ قاضی سید محمد صاحب ذمہ دار ومالگذار کوٹ قاضی۔ قاضی سراج الدین صاحب نمبردار" مولوی وزیر محمد صاحب مدرس اول عربی وفارسی

شیخ غلام قادر صاحب سوداگر چرم منشی نبی بخش صاحب مدرس مشن سکول شیخ محمد حیات صاحب تاجر کتب بابو فضل دین صاحب گڈس کلرک شیخ پیر محمد صاحب سوداگر۔ غلام رسول صاحب نقشہ نویس میاں شیخ محمد دین صاحب محرر کمیٹی۔ میاں شیخ نیاز احمد صاحب سوداگر۔ حکیم سلطان علی صاحب۔ شیخ دین محمد صاحب ٹھیکہ دار۔ منشی نجم الدین صاحب اسٹام فروش میاں عمر بخش صاحب سوداگر چوب۔ سید اکبر علی شاہ صاحب شیخ فتح دین صاحب سوداگر۔ شیخ احمد جان صاحب۔ ماسٹر عنایت اللہ صاحب مشن سکول۔ شیخ الہ بخش صاحب سوداگر آہن۔ حافظ گلاب خاں صاحب سارٹر سفری ڈاک قاضی محمد یوسف صاحب مالگذار۔

جموں

خلیفہ نور الدین صاحب تاجر کتب مولوی محمد صادق صاحب فارسی مدرس ہائی سکول۔ خواجہ جمال الدین صاحب لاہوری بی۔ اے ہیڈ ماسٹر ہائی سکول۔ محمد شاہ صاحب ٹھیکہ دار۔ مستری محمد عمر صاحب۔ مستری محمد دین صاحب ملازم ریلوے احمد پور۔ حافظ محمد دین صاحب ٹھیکیدار وردی پولیس۔ میاں اللہ دتا صاحب سوداگر چرم شیخ محمد الدین صاحب سوداگر چرم۔ منشی نبی بخش صاحب سوداگر۔ اللہ دتا صاحب۔

خوشاب ضلع شاہ پور پنجاب

مولوی حبیب شاہ صاحب۔ قریشی بلند خاں صاحب۔ سید حیدر شاہ صاحب مولوی فضل الدین خاں صاحب۔ مولوی غلام احمد صاحب کھبکی مولوی فتح دین صاحب مولوی غلام احمد صاحب بہادر خاں صاحب ذیلدار و رئیس سید عبدالمجید شاہ صاحب قریشی جوائی خاں صاحب انہیر عالم خاں صاحب میونسپل کمشنر پیر رنگ شاہ صاحب قریشی۔ پیر غلام مرتضیٰ شاہ صاحب قریشی۔ پیر جمال الدین صاحب قریشی مولوی دین محمد صاحب قریشی۔ سید راجہ شاہ صاحب۔ سید ستار شاہ صاحب۔ سید جلال شاہ صاحب سید عالم شاہ صاحب عبدالمجید۔

گوڑیانی ضلع رہتک

وزیر محمد خاں ہیڈ ماسٹر مدرسہ گوڑیانی۔ عبدالصمد خاں صاحب دفعدار۔ محمد اسماعیل خاں صاحب ہاسپٹل اسٹنٹ کڑیانوالہ ضلع۔ ایاز محمد خاں صاحب نائب مدرس کلانور ضلع گجرات پنجاب۔ امیر خاں صاحب محرر کمیٹی۔ عطا محمد خاں صاحب ذیلدار و ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ شاہ محمد خاں صاحب سوداگر عمدہ خاں صاحب سیکنڈ ماسٹر مڈل سکول بہادر گڑھ۔ سردار خاں صاحب دفعدار سلوتری نمبر ۳ رسالہ پنجاب کریم بخش صاحب سوداگر اسپاں قاضی سید محمود الحسن صاحب قادری۔ قاضی عزیز الحسن صاحب سید رحمت علی شاہ صاحب عنایت خاں صاحب جمعدار۔ محمد سعید خاں صاحب سوداگر اسپاں عبداللطیف خاں صاحب سوداگر قاضی محمد یعقوب صاحب محمد یقوب خاں صاحب سوداگر عبدالمناف صاحب سوداگر عبدالصمد صاحب سوداگر خدا بخش صاحب پنشن خوار ریاست گوالیار۔ الٰہی بخش صاحب سوار پنشن خوار۔ غلام دین خاں صاحب سوداگر اسپاں ڈاکٹر محمد ظہیر الدین خاں صاحب منظور احمد صاحب سوداگر اسپاں

نیاز احمد صاحب سوداگر اسپاں عطا محمد خان صاحب " "

نیاز محمد خان صاحب " " سردار خاں صاحب " "

عبداللہ خاں صاحب " " محمد حسن خاں صاحب " "

عبدالرزاق خاں صاحب " "

جہلم

منشی محمد نواب خاں صاحب تحصیلدار جہلم مولوی برہان الدین صاحب میاں عبداللہ خاں برادر تحصیلدار جہلم شیخ غلام محی الدین صاحب عرضی نویس مولوی حافظ محمد قاری صاحب مولوی غلام علی صاحب رہتاسی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ بندوبست مولوی گلاب دین صاحب مدرس رہتاس اللہ دتا صاحب نائب محافظ دفتر سپرنٹنڈنٹ جھنگ محمد امین صاحب تاجر کتب مولوی خان ملک شیخ غلام نبی صاحب تاجر راولپنڈی ساکن کھوتیاں۔ شیخ ابراہیم صاحب جہلم۔

الہ آباد

شیخ عبد الغنی صاحب کمپوزیٹر۔
سید رمضان علی صاحب ہیڈ کانسٹیبل پولیس دفتر الہ آباد۔
سید جیون علی صاحب "سید فرزند حسین صاحب ایضاً۔ سید دلدار علی صاحب سب انسپکٹر۔ سید احسان علی صاحب زمیندار مہرونڈ۔ سید اہتمام علی صاحب ہیڈ کانسٹیبل پنشنر۔ شیخ امیر علی صاحب پنشنر عبد الغنی صاحب ہیڈ کانسٹیبل پنشنر۔ سید منصب علی صاحب ڈاکٹر محلّہ کٹرہ شیخ نعمت اللہ صاحب ہیڈ کانسٹیبل شیخ غلام محمد صاحب انسپکٹر پولیس محمد احمد خاں صاحب ہیڈ کانسٹیبل پنشنر محمد عبد الرحمٰن خاں صاحب ایضاً۔ سید نیاز علی صاحب بدایونی محلّہ دوندی پور حال محرر ملک ریاست رام پور قاضی احسن الدین صاحب قریشی اکبر آبادی پولیس الہ آباد حاجی نجف علی صاحب شیخ حرمت علی صاحب کراری محلّہ باراں دری خدا بخش صاحب ولد غوث محمد صاحب تاجر جونپوری حال الہ آباد شیخ اکبر علی صاحب حسینی خاں صاحب محلّہ کٹرہ سعد اللہ خاں صاحب محلّہ کٹرہ۔

انبالہ

بابو محمد صاحب ہیڈ کلارک دفتر نہر۔ میاں محمد اسماعیل صاحب نقشہ نویس۔

کپورتھلہ

منشی ظفر احمد صاحب اپیل نویس میاں روشن دین صاحب ٹھیکیدار منشی اروڑا صاحب نقشہ نویس عدالت منشی عبد الرحمٰن صاحب اہلمد جرنیلی قاضی شیخ احمد صاحب منشی فیاض علی صاحب محرر پلٹن نمبر اول حسو خاں صاحب میاں حبیب الرحمٰن صاحب مالک و نمبردار موضع حاجی پور میاں سردار خاں صاحب کورٹ دفعدار رسالہ امپیریل سروس مولوی محمد حسین صاحب کھیوٹ دار موضع بھاگو ارائیں حکیم سید مہتاب علی صاحب اہلمد نظامت۔ بشیر احمد کانسٹیبل۔

قصور

شیخ امین الدین صاحب میونسپل کمشنر۔ مرزا فضل بیگ صاحب مختار حکیم فتح محمد صاحب ڈاکٹر بوڑا خاں صاحب اسسٹنٹ سرجن مولوی فضل حق صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ سکول میاں حسین خاں صاحب ٹھیکیدار سکول۔

لدھیانہ

منشی رحیم بخش صاحب ممبر میونسپل کمیٹی لدھیانہ منشی عبد الحق صاحب لدھیانہ شیخ شہاب الدین صاحب لدھیانہ۔ منشی ابراہیم صاحب تاجر قاضی خواجہ علی صاحب ٹھیکیدار شکرم۔ شہزادہ عبد المجید صاحب محلّہ اقبال گنج مولوی نور محمد صاحب مانگٹ۔ تاج محمد صاحب کلارک میونسپل کمیٹی کرم الٰہی صاحب کانسٹیبل مرزا حکیم رحمت اللہ صاحب تاجر کتب۔ سید عنایت علی شاہ صاحب محلّہ صوفیاں۔

﴿۴۹﴾

پشاور

مولوی غلام حسن صاحب رجسٹرار۔ بابو الٰہ بخش صاحب جیلمی کلارک محکمہ ملٹری ورکس چھاؤنی کوہ چراٹ علاقہ پشاور۔ شیخ عبد الرحیم صاحب محلّہ کوٹلہ فیلباناں۔ احمد جان ولد محمد کمال صاحب محلّہ نو۔

بٹالہ

منشی عبد العزیز صاحب عرف نبی بخش نمبردار و ممبر کمیٹی۔ بابو علی محمد صاحب مالک مطبع شعلہ نور میاں محمد امین صاحب میاں محمد اکبر صاحب ٹھیکیدار لکڑی۔

پٹیالہ

ڈاکٹر عبد الحکیم خاں صاحب سول سرجن چھاؤنی پٹیالہ۔ شیخ منشی محمد حسین صاحب مراد آبادی۔ شیخ عبید اللہ صاحب مولوی حافظ عظیم بخش صاحب مولوی محمد یوسف صاحب سنوری۔

بلاد متفرقات

ڈاکٹر عبد الشکور صاحب سرسہ ضلع حصار۔ مولوی غلام امام صاحب

صاحب عزیز الواعظین منی پور ملک آسام۔ منشی زین الدین صاحب محمد ابراہیم صاحب انجینئر چیچ پوکلی کالی چوکی بمبئی۔ سید تفضّل حسین صاحب تحصیلدار شکوہ آباد ضلع مین پوری۔ منشی عبدالعزیز صاحب محرر دفتر نہر جمن غربی دہلی۔ سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب حاجی اللہ رکھا صاحب تاجر ساجن کمپنی مدراس۔ سیٹھ محمد صالح صاحب مدراس۔ سیٹھ علی محمد صاحب بنگلور مولوی حسن علی صاحب واعظ اسلام بھاگلپور صوبہ بہار مولوی انوار حسین خاں صاحب رئیس شاہ آباد ضلع ہردوئی شیخ مولوی حسین عرب صاحب یمانی محدث بھوپال مولوی محمد بشیر صاحب بھوپال سابق مہتمم مدارس ریاست مذکور۔ ابوالحبیب محبوب احمد صاحب مدرس مدرسہ ملتان بابو الہ بخش صاحب گڈس کلرک ریلوے سٹیشن پھلور منشی محمد فضل حق صاحب مختار کارساکن سراوہ ضلع میرٹھ۔ میاں عبدالواسع صاحب۔ مولوی عبداللہ صاحب ملتان اندرون پاک دروازہ۔ سید خصلت علی شاہ ڈپٹی انسپکٹر ڈنگہ ضلع گجرات بابو غلام محی الدین صاحب گڈس کلرک پھلور۔ چوہدری رستم علی صاحب ڈپٹی انسپکٹر گورداسپور۔ مولوی سید محمد عسکری خاں صاحب تحصیلدار کٹڑہ ضلع الہ آباد مولوی میر مردان علی صاحب منتظم صدر محاسب سرکار نظام حیدر آباد۔ مولوی سید ظہور علی صاحب وکیل حیدر آباد دکن شیخ یوسف علی صاحب رئیس نشام ضلع حصار سارجنٹ درجہ اول انسپکٹری ریاست جیند مرزا محمد امین بیگ صاحب رئیس بھالوجی ریاست کھیتڑی علاقہ جے پور۔ خلیفہ رشید الدین صاحب ڈاکٹر چکروتہ مولوی جمال دین صاحب سید والہ ضلع منٹگمری مولوی عبداللہ صاحب ٹھٹھا شیر کا ضلع منٹگمری حاجی سید عبدالہادی صاحب سب اوورسیر ضلع شملہ میرزا نیاز بیگ صاحب ضلع دار نہر ضلع ملتان منشی احمد جان صاحب مدرس گوجرانوالہ۔ غلام جیلانی صاحب مدرس گہڑونوہ مولوی وزیرالدین صاحب مدرس مدرسہ ریاست نادون مولوی حاکم شاہ صاحب // امانت خان صاحب عرضی نویس مولوی عبدالحکیم صاحب آصف موضع دہارواڑ علاقہ بمبئی مولوی محمد افضل صاحب کلہ ضلع گجرات پنجاب۔ مولوی محمد اکرم صاحب // مولوی محمد شریف صاحب // //

﴿۷۰﴾

مولوی نظام الدین صاحب رنگ پور ضلع جھنگ۔ حافظ نور احمد صاحب سوداگر لدھیانہ مولوی سید تلطّف حسین صاحب تاجر دہلوی پاٹک حبش خاں محمد عبدالرحیم صاحب موس پاٹر صدر انبالہ۔ فضل حسین صاحب قصبہ جھابو ضلع بجنور حافظ امام الدین صاحب امام مسجد کپورتھلہ مستری جانی صاحب کپورتھلہ حافظ محمد علی صاحب امام مسجد کپورتھلہ۔ میاں محمد صاحب زمیندار بوٹ کپورتھلہ مولوی صادق حسین صاحب اٹاوہ۔

امرتسر

شیخ یعقوب علی صاحب اڈیٹر اخبار فیروز۔ میاں عطاء اللہ صاحب سوداگر مس۔ میاں قطب الدین صاحب سوداگر مس مولوی قاضی سید امیر حسین صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ۔ مولوی غلام محمد صاحب مختار عدالت وسپرنٹنڈنٹ مطبع روز بازار۔ حافظ عبدالرحمٰن صاحب ملازم محکمہ مال دفتر صاحب ڈپٹی کمشنر میاں فیروز الدین صاحب سوداگر و پروپرائٹر اخبار فیروز۔ میاں علی محمد صاحب مدرس ایم بی سکول مولوی نیاز علی خاں صاحب سوداگر مالک مطبع وکیل پنجاب شیخ کرم الٰہی صاحب سارجنٹ پولیس میاں اسد اللہ صاحب سوداگر پشمینہ میاں غلام رسول صاحب ٹھیکیدار مستری کریم بخش صاحب میاں خیر الدین صاحب ٹھیکیدار حکیم رحیم بخش صاحب، میاں نور الدن صاحب سوداگر پشمینہ، محمد غلام قادر صاحب ٹھیکیدار داروغہ فضل الدین صاحب میاں حبیب اللہ خاں صاحب میاں خیر الدین صاحب سوداگر حافظ احمد صاحب سوداگر میاں محمد عبداللہ صاحب شال مرچنٹ۔ میاں نتھو شاہ صاحب گدی نشین لوپوکے تحصیل اجنالہ۔

ہوشیار پور و جالندھر

امیر المومنین صاحب سررشتہ دار محکمہ نہر منٹگمری باشندہ ہوشیار پور احمد جان صاحب امین محکمہ نہر ساکن نندا چور ضلع ہوشیار پور حکیم غلام رسول صاحب۔ شیخ رحمت علی صاحب کتب فروش۔ شیخ مہر علی صاحب رئیس اعظم ہوشیار پور شیخ جان محمد صاحب ممبر میونسپل کمیٹی شیخ محمد بخش صاحب

طالب علم گورنمنٹ کالج لاہور۔ مستری محمد صدیق صاحب فیض محمد صاحب تار بابو ہوشیار پور۔ محمد حیات خاں صاحب عرضی نویس حسین بخش صاحب ٹھیکیدار جالندھر۔ محی الدین صاحب پوسٹل کلارک ہوشیار پور۔ حکیم غلام رسول صاحب شیخ رحمت علی صاحب تاجر کتب۔ عبدالعلی صاحب رئیس جالندھر۔ شیخ محمد بخش صاحب عرضی نویس۔ سید محبوب عالم صاحب سربراہ ذیلدار جالندھر۔ محمد وزیر علی صاحب رئیس جالندھر شیخ شادی صاحب سوداگر۔ فضل الدین صاحب سوداگر۔ شیخ عمر بخش صاحب وقائع نگار۔ شیخ محمد بخش صاحب سوداگر۔ برکت علی صاحب۔ مولوی عبدالکریم صاحب رحمت علی صاحب کلرک محکمہ ڈاک پیر بخش صاحب سوداگر شمس الدین صاحب سوداگر چرم۔ امام الدین صاحب ״ کرم الٰہی صاحب سوداگر۔ اللہ یار صاحب ایضاً۔ چراغ الدین صاحب ״ حاجی خلیل اللہ صاحب۔ خدا بخش صاحب سوداگر۔ سید رستم علی صاحب۔ محمد علی صاحب نمبردار بستی سید مہتاب علی صاحب۔ سید سندی شاہ صاحب حسنی چشتی۔ منشی علی گوہر خاں صاحب برنچ پوسٹ ماسٹر۔ عمر بخش صاحب مختار عدالت۔ سید محمد صاحب منشی فاضل صاحب مدرس نواب خاں صاحب۔ شیخ نور احمد صاحب۔ محمد بخش خان صاحب مثل خواں۔ ولی احمد خان صاحب نائب شرف۔ سید امیر الدین صاحب نقل نویس صدر۔ محمد عالم خان صاحب نائب شرف۔ محمد گوہر صاحب سابق شرف عدالت حال پنشنر حکیم ابراہیم صاحب بستی شاہ قلی۔ سید قاضی دوست محمد صاحب آنریری مجسٹریٹ شہر جالندھر۔ نیاز محمد صاحب وکیل۔ مرزا نواب بیگ صاحب سارجنٹ درجہ اول۔ محمد اکبر علی صاحب نمبردار بستی۔ سید غلام حسین صاحب۔ ڈاکٹر سید احمد شاہ صاحب مترجم کمشنری۔ مولوی رحمت علی صاحب غلام حسین صاحب سابق صوبہ دار میجر سردار بہادر آنریری مجسٹریٹ و سب رجسٹرار شہر جالندھر۔ حیدر خاں صاحب نمبردار افغاناں۔

مالیرکوٹلہ

نواب صاحب محمد علی خاں صاحب رئیس مالیرکوٹلہ۔ مولوی مرزا خدا بخش صاحب اتالیق نواب صاحب موصوف۔ نواب خاں صاحب حکیم الٰہ بخش صاحب۔

بلاد متفرقات

منشی عبدالمجید صاحب محرر دفتر ان گورداسپور۔ شہامت خاں صاحب عرضی نویس نادون ضلع کانگڑہ۔ عبدالرحمٰن خاں صاحب مختار عدالت۔ سلیمان علی صاحب ناظر کمشنری جالندھر۔ برکت علی خاں صاحب نائب تحصیلدار۔ برکت علی شاہ صاحب عرضی نویس مولوی حکیم فضل محمد صاحب محمد برکت علی صاحب کلرک پبلک بک چھاؤنی جالندھر۔ شاہ دین صاحب عرضی نویس محمد بخش صاحب اپیل نویس فتح گڑھ۔ غلام رسول صاحب نائب مدرس سکول بجواڑہ۔ غیاث الدین صاحب طالب علم ایف اے کلاس۔ رانا محمد بخش صاحب ذیلدار ہریہ۔

سہارنپور وغیرہ

عبدالحمید صاحب سہارنپور۔ محمد خان صاحب سامانہ ریاست پٹیالہ۔ محمد یاسین خاں صاحب پوٹھر ضلع سہارن پور محمد عارف صاحب ساکن تھانہ بھون ضلع مظفر نگر۔ احمد حسن صاحب گنگوہ ضلع سہارنپور۔ محمد امیر خاں صاحب پٹھڑ ضلع سہارنپور۔ علی محمد صاحب سہارنپور۔ عبداللطیف خاں صاحب پٹواری۔ فہیم الدین صاحب تاجر کتب سہارنپور محمد اسماعیل صاحب جلد گر ریاست مالیرکوٹلہ۔ عبدالعزیز صاحب سہارنپور۔ امیر حسن صاحب ساکن سہارن پور غلام محمد خاں صاحب ساکن سہارنپور۔ محمد نعیم خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ و رئیس سہارنپور۔ احسان الحق صاحب گنگوہ ضلع سہارن پور۔ محمد یوسف صاحب رئیس انصاری۔ رحمت اللہ خاں صاحب سہارنپوری۔ محمد حسین صاحب سوداگر۔ حاجی محمد عمر صاحب سوداگر سہارنپور احمد بیگ صاحب" "حافظ محمد حسین صاحب" "حاجی محمد اسماعیل صاحب" " نور احمد احمد صاحب" "محمد ابراہیم صاحب رئیس سہارنپور فضل رحیم صاحب رئیس سہارنپور مولوی قمر الدین صاحب

مدرس عربی سہارنپور۔ محمد زکریا صاحب ساکن سہارنپور۔ امام علی صاحب نمبردار بلاس پور ضلع سہارنپور۔ علاؤالدین صاحب سہارن پور۔ احمد جان صاحب سہارن پور۔ احمد حسین صاحب سہارنپور۔ محمد یاسین صاحب سوداگر سہارن پور۔ زین الدین احمد صاحب سوداگر سہارنپور۔ منشی رحیم بخش صاحب سہارن پور۔ محمد ابراہیم صاحب سہارن پور۔ نبی بخش صاحب سہارن پور حمید اللہ صاحب سہارنپور۔ محمد ابراہیم صاحب سوداگر سہارنپور۔ وحید خاں صاحب امروہہ ضلع مراد آباد۔ حکیم اللہ خان صاحب ضلع بلندشہر۔ ظہور اللہ صاحب کھاتولی ضلع مظفرنگر اللہ دیا صاحب تھانہ بھون ضلع مظفر نگر۔ نبی بخش صاحب حسین بخش صاحب " "منظور محمد صاحب " "رحیم بخش صاحب " "محمد اسماعیل صاحب رئیس سہارنپور۔ سید حیدر حسن صاحب سہارنپور۔ مناظر الدین سہارن پور۔ محمد صدیق صاحب سہارنپور۔ حافظ نور رمضان صاحب پانی پت ضلع کرنال محمد عمر الدین عبدالرحمٰن صاحب سہارنپور۔ ذوالفقار خاں صاحب سوداگر سہارن پور۔ محمد ابراہیم صاحب سہارنپور۔ سرفراز خاں صاحب تھانہ دار پنشنر سہارنپور۔ عمر خان صاحب // //حافظ کریم بخش صاحب " عبدالکریم صاحب " عبدالحی و کریم بخش صاحبان " علاؤ الدین صاحب مدرس مدرسہ انجمن اسلام سہارن پور ساکن نورمحل ضلع جالندھر۔

﴿۷۲﴾

ملتان وعلاقہ ملتان

مرزا نیاز بیگ صاحب ساکن کلانور ضلع گورداسپور۔ الطاف حسین صاحب سب اوورسیر موہال نہرسدہ نی ملتان۔ عبدالغنی صاحب سب اورسیر " میاں محمد صاحب ٹھیکیدار۔ محمد بخش صاحب مجیٹھہ موہال نہرسدہ نی اسسٹنٹ سب اوورسیر۔ محبّ علی صاحب گرداور ملتان امام بخش پنسال نویس اللہ دتہ صاحب گرداور نہر راجباہ ہتار ضع ملتان۔ غلام صاحب چپراسی موہال نہرسدہ نی محمود بخش صاحب گرداور راجباہ ہتار ضلع ملتان۔ نبی بخش صاحب گرداور نہر" " برکت علی صاحب گرداور نہر" "الٰہی بخش صاحب امیدوار ساکن ملتان سابق محرر محکمہ انہار ملتان۔ اللہ داد صاحب گرداور نہر" "محمد حسن خاں صاحب زمیندار۔ مہتاب نمبردار موضع ہتار ضلع ملتان۔

اجنالہ ضلع امرتسر وغیرہ

برکت علی شاہ صاحب اجنالہ ضلع امرتسر ڈاکٹر محمد یاسین صاحب وٹرنری اسسٹنٹ جسر وال ضلع امرتسر امام الدین صاحب دوکان دار" " کرم الدین صاحب منصرم ساکن فتح گڑھ ضلع لاہور۔ مولوی غلام صاحب مدرس اول جسر وال ضلع امرتسر شیخ نبی بخش صاحب دوکان دار" " بلند خاں صاحب رئیس نیپال ضلع امرتسر۔ حیدر حسین صاحب قانون گوئی اجنالہ ضلع امرت سر۔ محمد وارث صاحب محرر " "فضل الدین صاحب عرضی نویس" "علی بخش صاحب نمبردار ملک پور ضلع امرتسر کریم بخش صاحب نمبردار" " عبدالواحد صاحب پٹواری" " روڑے خاں صاحب جمعدار ملک پور۔" پیر بخش صاحب لوہار ساکن لوہار کہ ضلع" حسن محمد صاحب شیخ دلاور صاحب زمیندار۔ نبی بخش صاحب مدرس اجنالہ ضلع امرت سر۔ محسن علی دوم مدرس اجنالہ // متوطن قلعہ سوبہا سنگہ سیالکوٹ۔ غلام دستگیر صاحب نائب مدرس اجنالہ متوطن جسر وال شیخ رحیم بخش صاحب۔ قطب شاہ صاحب۔ غلام حسین صاحب قاضی۔ قاضی غلام رسول صاحب جسر وال // کرم الدین صاحب پٹواری پنال "خدا بخش صاحب نائب تحصیلدار حصہ دار مڈہ پہلووال ضلع" غلام رسول صاحب امام مسجد مڈہ پہلووال " عبداللہ خان صاحب پنشن خوار جسر وال " محمد ابراہیم صاحب لوہیاں" شیخ رحمت اللہ صاحب سوداگر جسر وال" شیخ عمر بخش صاحب

حوالدار عیسیٰ پور " خلیل خاں صاحب اعلیٰ نمبردار عمر پور " شاہ سوار صاحب مالک عمر پور " ابراہیم خاں صاحب حصہ دار عمر پور " فتح خاں صاحب حصہ دار عمر پور " فضل الدین صاحب موروثی عمر پور " فیروز خاں صاحب حصہ دار عمر پور " دین محمد صاحب اجنالہ " میاں ہیرا صاحب زمیندار کمال پور میاں بڈھا صاحب حصہ دار و ساہوکار نسوکی " نبی بخش صاحب راجپوت چماری " اللہ داد خاں صاحب ولد علی اکبر خاں صاحب نمبردار محلانوالہ قاضی امام الدین صاحب نسوکے " چوہدری امام الدین صاحب علاقہ امرتسر غلام محمد صاحب نمبردار کمال پور خرد " محمد یار علی نمبردار شہزادہ " مقبول حسین صاحب ہیڈ ماسٹر سکول راماس " فضل حسین صاحب گرداور قانون گوئی حلقہ چماری ضلع امرتسر۔ قاضی اکبر علی صاحب وثیقہ نویس تبڑھ کلاں " گلو خاں صاحب نمبردار اعلیٰ " " ہاشم علی صاحب وثیقہ نویس " حکیم گوہر علی صاحب " " صادق شاہ صاحب چمیاری " محمد خاں صاحب نمبردار جسروال ضلع امرتسر۔

بلادِ متفرقات

فتح محمد صاحب بزدار بلوچ ساکن لیہ ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں سید بہادر علی شاہ صاحب چنیوٹ ضلع جھنگ عبداللہ خاں صاحب لیہ ضلع ڈیرہ اسماعیل خان شمس الدین صاحب میونسپل کمیٹی کشمیر ساکن بھیرہ ضلع شاہپور پیر بخش صاحب تاربابو وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ مولا داد صاحب اسسٹنٹ مینجر سیالکوٹ۔ غلام جیلانی صاحب سوداگر سیالکوٹ۔ محمد ابراہیم صاحب " امرتسر مولا بخش صاحب گماشتہ۔ غلام رسول صاحب سوداگر " اللہ بخش سابق ڈپٹی انسپکٹر لاہور " شیخ عبداللہ صاحب قریشی جزیرہ مکہ معظّمہ۔ محمد حافظ صاحب ڈپٹی انسپکٹر کشمیر ساکن بھیرہ ضلع شاہ پور رحیم بخش صاحب نقشہ نویس لاہور محمد شریف صاحب ٹھیکہ دار ہیلاں ضلع گجرات نور علی صاحب سوداگر پشاور " کرم الدین صاحب سوداگر وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ۔ شیخ عبدالغفار صاحب سوداگر کشمیر " محمد خلیل صاحب سوداگر " " سید غلام رسول صاحب واعظ کشت دار جموں۔ شہاب الدین صاحب منصرم کشمیر ارجن ضلع راولپنڈی۔ عبدالعزیز صاحب سوداگر کشمیری غلام محمد " " عبدالرحیم صاحب سوداگر " عبدالعزیز صاحب سابقہ منشی حوالات کشمیر۔ سید حسن علی صاحب منصرم بندوبست بٹالہ ضلع گورداسپور۔ حاجی محمد نوردین صاحب سابق وزیر اعظم راجہ جموں۔ غلام جیلانی صاحب سوداگر ماسٹر خدا بخش صاحب کشمیر۔ حبیب اللہ صاحب شال مرچنٹ کشمیر۔ سید حبیب شاہ صاحب خلف غلام محی الدین صاحب لدھیانہ۔ فضل الٰہی صاحب سب اوورسیر۔ مولوی محمد حافظ اللہ صاحب کشمیری۔ بابو محمد دین صاحب دفتر رزیڈنسی کشمیر۔ بابو دل محمد صاحب ایضاً۔ مصطفیٰ شاہ صاحب خانقاہ شاہ ہمدان رحمت اللہ علیہ۔ مہر صدر الدین صاحب " مہر بہار شاہ صاحب " محمد حسین سراج صاحب ایرانی۔ محمد حسن سراج صاحب ایرانی۔

نوٹ: ان صاحبوں کے سوا اور بہت سے صاحب ہیں جنہوں نے نوٹس پر دستخط کئے ہیں۔ اگر سب لکھے جاتے تو چار ہزار سے زیادہ نوبت پہنچتی۔ مگر طول سے اندیشہ کر کے اسی قدر پر کہ (۷۰۴) ہیں کفایت کی گئی ہے۔ منہ

﴿۱﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علٰی رسولہ الکریم

السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ امابعد اے غمخواران دین اسلام ومحبان خیرالانام علیہ الف الف سلام میں اس وقت ایک نہایت ضروری التماس آپ لوگوں کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور

خداتعالیٰ سے دعا کرتا ہوں

کہ اس التماس کے قبول کرنے کے لئے آپ لوگوں کے سینوں کو کھولے اور اس مقصد کے فوائد آپ لوگوں کے دلوں میں الہام کرے کیونکہ کوئی امر گو کیسا ہی عمدہ اور سراسر خیر اور مصلحت پر مبنی ہو مگر تب بھی اس کی بجا آوری کے لئے جب تک خداتعالیٰ سے قوت نہ ملے ہرگز انسان ضعیف البنیان سے ہو نہیں سکتا اور وہ

التماس یہ ہے

کہ آپ صاحبوں پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہوگی کہ ان دنوں میں دینی مباحثات ومناظرات کا اس قدر ایک طوفان برپا ہے کہ جہاں تک تاریخ وفا کرسکتی ہے اس کی کوئی نظیر پہلے زمانوں میں معلوم نہیں ہوتی۔ اور اس معاملہ میں اس قدر تالیفات بڑھ گئی ہیں کہ پادری صاحبان کی ایک رپورٹ میں میں نے پڑھا ہے کہ چند سال میں چھ کروڑ کتابیں ان کی طرف سے شائع ہوئیں۔ ایسا ہی اہل اسلام کی طرف سے کروڑہا تو نہیں مگر صدہا رسالوں تک تو نوبت پہنچی ہوگی اور آریہ صاحبوں کی کتابیں جو اسلام کے مقابل پر یا عیسائیوں کے مقابل لکھی گئیں اگرچہ تعداد میں تو کم ہیں مگر گالیاں دینے اور دل آزار کلمات لکھنے میں اول نمبر پر ہیں اور یہ بے تہذیبی اور بدزبانی دن بدن بڑھتی جاتی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے کہ جو کسی قوم کے پیشوا کو گالی دینا اس کا اصول نہیں کیونکہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ہم ان پیمبروں پر

نوٹ: یہ وہ خطوط ہیں جو مسلمانوں کی خدمت میں دستخط کرانے کیلئے بھیجے گئے ہیں۔

ایمان لائے ہیں جن کا ذکر قرآن میں ہے اور یہ بھی ہمارا عقیدہ ہے کہ ہر یک قوم میں کوئی نہ کوئی مصلح گذرا ہے اور ہمیں یہ بھی تعلیم دی گئی ہے کہ ہم پورے علم کے بغیر کسی کی نسبت کوئی رائے ظاہر نہ کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔـوْلًا [1] ☆ سو یہ پاک عقائد ہمیں بے جا بدزبانیوں اور متعصّبانہ نکتہ چینیوں سے محفوظ رکھتے ہیں مگر ہمارے مخالف چونکہ تقویٰ کی راہوں سے بالکل دور اور بے قید اور خلیع الرسن ہیں اور قرآن کریم جو سب سے پیچھے آیا ان کو طبعاً برا معلوم ہوتا ہے لہٰذا وہ جلد فحش گوئی اور بدزبانی اور توہین کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور سچی باتوں کے مقابل پر افتراؤں سے کام لیتے ہیں چنانچہ اس تیس سال کے عرصہ میں ہمارے مخالفوں نے اس قدر فحش گالیاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کتابوں میں دی ہیں اور اس قدر افترا اسلامی تعلیم پر کئے ہیں کہ میں یہ دعویٰ سے کہتا ہوں کہ **آپ لوگ تیرہ سو گذشتہ سالوں میں** یعنی اسلام کے ابتدائی زمانہ سے آج تک اس کی نظیر نہیں پاؤ گے اور اسی پر بس نہیں بلکہ یہ ناجائز طریق ترقی پر ہے اس لئے ہر یک ایسے سچے مسلمان کا فرض ہے کہ جو در حقیقت اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہے کہ ایسے موقعہ پر بے غیرتوں اور بے ایمانوں کے رنگ میں بیٹھا نہ رہے بلکہ جیسا کہ اپنی حفظ عزت کے لئے کوشش کرتا ہے اور جب عزت برباد ہونے کا کوئی موقعہ پیش آوے تو جہاں تک طاقت وفا کرتی اور بس چل سکتا ہے اپنی آبرو کے بچاؤ کے لئے کوئی تدبیر باقی نہیں چھوڑتا۔ بلکہ ہزارہا روپیہ پانی کی طرح بہا دیتا ہے ایسا ہی شریف اور سچے مسلمانوں کے لئے بھی زیبا ہے کہ اس پیارے رسول کی عزت کے لئے بھی جس کی شفاعت کی امید رکھتے ہیں **کوشش کریں اور ایمانی نمونہ دکھلانے سے نامراد نہ جائیں۔**

شاید بعض صاحبوں کی یہ رائے ہو کہ کیا ضرور ہے کہ اسلام کی طرف سے مذہبی تالیفات ہوں اور کیوں اس طریق کو اختیار نہ کیا جائے کہ مخالفوں کی تحریرات کا جواب ہی نہ دیں۔ اس کے جواب میں عرض کیا جاتا ہے کہ اوّل تو کوئی مذہب **بغیر دعوت** اور امر معروف اور نہی منکر کے قائم نہیں

﴿۴۲﴾

☆ **نوٹ۔** یعنی جس بات کا تجھ کو یقینی علم نہیں دیا گیا۔ اس بات کا پیرو کار مت بن اور یاد رکھ کہ کان اور آنکھ اور دل جس قدر اعضاء ہیں ان سب اعضاء سے باز پرس ہوگی۔ منہ

[1] بنی اسرائیل: ۳۷

رہ سکتا۔ اور اگر ایسا ہونا فرض بھی کر لیں تو پھر اسلام جیسا کوئی مذہب مصیبت زدہ نہیں ہوگا کیونکہ جس حالت میں پادری صاحبان و آریہ صاحبان وغیرہ پورے زور وشور سے اسلام پر حملہ کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کو نابود کر دیں اور ہر یک رنگ سے کیا علم طبعی کے نام سے اور کیا علم طب اور تشریح کے بہانہ سے اور کیا علم ہیئت کے پردہ میں انواع اقسام کے دھوکے لوگوں کو دے رہے ہیں اور ٹھٹھے اور ہنسی اور تحقیر کو انتہا تک پہنچا دیا ہے۔ پھر اگر ہمارے معزز بھائیوں کی طرف سے یہی تدبیر ہے کہ چپ رہو اور سنے جاؤ تو یہ خاموشی مخالفوں کی یک طرفہ ڈگری کا موجب ہوگی اور نعوذ باللہ ہماری خاموشی ثابت کر دے گی کہ ہر یک الزام ان کا سچا ہے اور اگر ہم الزامی جواب دیں چنانچہ کئی سال سے دیئے جاتے ہیں تو کوئی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور ہمارا وقت برباد جاتا ہے اور بار بار وہی باتیں اور وہی بہتان ہتک آمیز الفاظ کے ساتھ سناتے ہیں جو لوگ حیا اور شرم کو چھوڑ دیں ان کا منہ بجز قانون کے اور کون بند کرے۔ اور ہم اپنے بھائیوں کے صوابدید سے کل مناظرات اور مباحثات اور تحریر اور تقریر سے دست بردار ہو سکتے ہیں اور چپ رہ سکتے ہیں مگر کیا ہمارے معزز بھائی ذمہ دار ہو سکتے ہیں کہ مخالفانہ حملہ کرنے سے ہندوستان کے تمام پادریوں اور آریوں اور برہموؤں کو بھی چپ کرا دیں گے اور اگر نہیں کرا سکتے اور ان کی گالیوں اور سب و شتم کی کوئی اور تدبیر ان کے ہاتھ میں نہیں تو پھر یہ بات کیوں حرام ہے کہ ہم اپنی محسن گورنمنٹ سے اس بارہ میں مدد لیں اور ان آئندہ خطرات سے اپنی قوم اور نیز دوسری قوموں کو بھی بچا لیں جو ایسے بے قیدی کے مناظرات میں ضروری الوجود ہیں۔ ﴿۳﴾

سو بھائیو یہ تدبیر عمدہ نہیں ہے کہ ہر روز ہم گالیاں سنیں اور روا رکھیں کہ ہندوؤں کے لڑکے بازاروں میں بیٹھ کر اور عیسائیوں کی جماعتیں ہر یک کوچہ گلی میں ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو گندی گالیاں نکالیں اور آئے دن پُر توہین کتابیں شائع کریں۔ بلکہ **اس وقت ضروری تدبیر** یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا منہ بند کرنے کے لئے **سرکاری قانون** سے مدد لیں۔ اور اس درخواست کے موافق جو گورنمنٹ کی توجہ کے لئے علیحدہ لکھی گئی ہے اس مضمون کا گورنمنٹ عالیہ

سے قانون پاس کراویں کہ آئندہ مناظرات ومجادلات میں بغرض رفع فتنہ وفساد عام آزادی اور بے قیدی کو محدود کر دیا جاوے اور ہر یک قوم کے لوگ اعتراض اور نکتہ چینی کے وقت ہمیشہ دو باتوں کے پابند رہیں۔

(۱) یہ کہ ہر یک فریق جو کسی دوسرے فریق پر کوئی اعتراض کرے تو صرف اس صورت میں اعتراض کرنے کے وقت نیک نیت سمجھا جائے کہ جب اعتراض میں وہ باتیں نہ پائی جائیں جو خود اس کے مسلم عقیدہ میں پائی جاتی ہیں یعنی ایسا اعتراض نہ ہو جو وہ اس کے عقیدہ پر بھی وارد ہوتا ہو اور وہ بھی اس سے ایسا ملزم ہو سکتا ہو جیسا کہ اس کا مخالف اور اگر کوئی اس قاعدہ سے تجاوز کرے اور وہ تجاوز ثابت ہو جاوے تو بغیر حاجت کسی دوسری تحقیقات کے یہ سمجھا جاوے کہ اس نے محض بدنیتی سے ایک مذہبی امر میں اپنے مخالف کا دل دکھانے کے لئے یہ حرکت کی۔

(۲) یہ کہ ہر یک معترض ایسے اعتراض کرنے کا ہرگز مجاز نہ ہو کہ جو ان کتب مشتہرہ کے مخالف ہو۔ جن کو کسی فریق نے حصر کے طور پر اپنی مسلّمہ کتابیں قرار دے کر ان کی نسبت اشتہار شائع کرایا ہے اور اگر کوئی شخص ایسا کرے تو قانوناً یہ قرار دیا جاوے کہ اس نے ایک ایسا امر کیا جو نیک نیتی کے برخلاف ہے اور جو شخص ان دونوں تجاوزوں میں سے کوئی ایک تجاوز کر کے یا دونوں کر کے کسی قسم کی صریح ہجو یا اشارہ یا کنایہ سے کسی فریق کا دل دکھاوے تو وہ دفعہ ۲۹۸ تعزیرات کا مجرم قرار دے کر اس سزا کا مستوجب سمجھا جائے جو قانون کی حد تک ہے۔ ﴿۴﴾

یہ قانون ہے جس کا پاس کرانا ضروری ہے۔ سواے بزرگو اور دین اسلام کے غمخوارو برائے خدا اس تحریر پر غور کر کے اس درخواست کو اپنے دستخطوں سے مزین کرو جو اس قانون کے پاس کرنے کے لئے لکھی گئی ہے تا فساد انگیز جھگڑے کم ہو جائیں اور گورنمنٹ کو آرام ملے۔ اور ملک میں صلح کاری اور امن پیدا ہو اور ملک کے باشندوں کے کینے ترقی کرنے سے روکے جائیں بھائیو اس قانون کے پاس ہونے میں بہت ہی برکتیں ہیں اور سچے دین کو اس سے بہت ہی مدد ملتی ہے اور مفسدوں اور افترا پردازوں کے منہ بند ہو جاتے ہیں۔ گورنمنٹ کے کسی منشاء کے

مخالف یہ کارروائی نہیں بلکہ ہماری دانا گورنمنٹ خود ایسی باتوں کو ہمیشہ سوچتی ہے جس سے اس ملک کے فتنے اور فساد کم ہوں اور لوگ ایک دل ہو کر گورنمنٹ کی خدمت میں مشغول رہیں اور نیز یہ وہ مبارک طریق ہے جن سے آئندہ بے جا حملہ کرنے والے رک جائیں گے اور ہر یک جاہل متعصب مناظرہ اور مجادلہ کے لئے جُرأت نہیں کر سکے گا اور یہ امر تمام ان لوگوں کے لئے مفید ہے جو یاوہ لوگوں کا کسی تدبیر سے منہ بند کرنا چاہتے ہیں۔ اور اگر کسی صاحب نے ایسے **مبارک محضر** پر دستخط نہ کئے جس سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت مفتری لوگوں کے افتراؤں سے بچ جاتی ہے اور اسلام بہت سے کمینہ اور سراسر دروغ حملوں سے امن میں آجاتا ہے تو اس کا اسلام نہایت بودا اور تاریکی میں پڑا ہوا ثابت ہوگا اور ہم عزم بالجزم رکھتے ہیں کہ جیسا کہ اس موقع پر ہم دینی غم خواروں کا باعزت نام مخلصانہ دعائے خیر کے ساتھ نہایت شوق سے شائع کریں گے تا ان کی مردی اور سعادت عامہ خلائق پر ظاہر ہو ایسا ہی **ہم ایک پُردرد** تقریر کے ساتھ ان بخیل اور پست فطرت لوگوں کے نام بھی اپنے رسالہ میں شائع کر دیں گے جنہوں نے ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفیٰ خاتم الانبیاء فخر الاصفیاء کی حمایت عزت کے لئے کچھ بھی غم خواری اور حمیت ظاہر نہ کی۔ بھائیو کیا یہ مناسب ہے کہ آپ لوگ تو عزت کی کرسیوں پر بیٹھیں اور بڑے بڑے القاب پائیں اور ہمارے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر یک طرف سے گالیاں دی جائیں اور تحریر اور تقریر میں سراسر افتراء سے نہایت بے عزتی اور توہین کی جائے اور آپ لوگ ایک ادنیٰ تدبیر کرنے سے بھی دریغ کریں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ شریف اور نجیب لوگ ہرگز دریغ نہیں کریں گے اور جو خبیث النفس دریغ کرے گا وہ مسلمان ہی نہیں۔

مبادا دل آن فرومایہ شاد   کہ از بہر دنیا دہد دیں بباد

راقم خاکسار خادم دین مصطفیٰ غلام احمد قادیانی

۲۲ستمبر ۱۸۹۵ء

﴿۶۹﴾

یہ وہ درخواست ہے جو بمراد منظوری گورنمنٹ میں بعد تکمیل دستخطوں کے بھیجی جائے گی

درخواست

یہ درخواست مسلمانان برٹش انڈیا کی طرف سے جن کے نام ذیل میں درج ہیں بحضور جناب گورنر جنرل ہند دام اقبالہ اس غرض سے بھیجی گئی ہے کہ مذہبی مباحثات اور مناظرات کو ان ناجائز جھگڑوں سے بچانے کے لئے جو طرح طرح کے فتنوں کے قریب پہنچ گئے ہیں اور خطرناک حالت پیدا کرتے جاتے ہیں اور ایک وسیع بے قیدی ان میں طوفان کی طرح نمودار ہوگئی ہے دو۲ مندرجہ ذیل شرطوں سے مشروط فرما دیا جاوے اور اسی طرح اس وسعت اور بے قیدی کو روک کر ان خرابیوں سے رعایا کو بچایا جاوے جو دن بدن ایک مہیب صورت پیدا کرتی جاتی ہیں جن کا ضروری نتیجہ قوموں میں سخت دشمنی اور خطرناک مقدمات ہیں۔ ان دو شرطوں میں سے **پہلی شرط** یہ ہے کہ برٹش انڈیا کے تمام وہ فرقے جو ایک دوسرے سے مذہب اور عقیدہ میں اختلاف رکھتے ہیں اپنے فریق مخالف پر کوئی ایسا اعتراض نہ کریں جو خود اپنے پر وارد ہوتا ہو یعنی اگر ایک فریق دوسرے فریق پر مذہبی نکتہ چینی کے طور پر کوئی ایسا اعتراض کرنا چاہے جس کا ضروری نتیجہ اس مذہب کے پیشوا یا کتاب کی کسر شان ہو جس کو اس فریق کے لوگ خدا تعالیٰ کی طرف سے مانتے ہوں تو اس کو اس امر کے بارے میں قانونی ممانعت ہو جائے کہ ایسا اعتراض اپنے فریق مخالف پر اس صورت میں ہرگز نہ کرے جبکہ خود اس کی کتاب یا اس کے پیشوا پر وہی اعتراض ہوسکتا ہو۔ **دوسری شرط** یہ ہے کہ ایسے اعتراض سے بھی ممانعت فرما دی جائے جو ان کتابوں کی بناء پر نہ ہو جن کو کسی فریق نے اپنی مسلم اور مقبول کتابیں ٹھہرا کر ان کی ایک چھپی ہوئی فہرست اپنے ایک کھلے کھلے اعلان کے ساتھ شائع کرا دی ہو اور صاف اشتہار دیدیا ہو کہ یہی وہ کتابیں ہیں جن پر میرا عقیدہ ہے اور جو میری مذہبی کتابیں ہیں سو ہم تمام درخواست کنندوں کی التماس یہ ہے کہ ان دونوں شرطوں کے بارے میں ایک قانون پاس ہو کر اس کی خلاف ورزی کو ایک مجرمانہ حرکت قرار دیا جاوے اور ایسے تمام مجرم دفعہ ۲۹۸ تعزیرات ہند یا جس دفعہ کی رو سے سرکار مناسب سمجھے سزایاب ہوتے رہیں۔ اور جن ضرورتوں کی بناء پر ہم رعایا سرکار انگریزی کی اس درخواست کے لئے مجبور ہوئے ہیں وہ بتفصیل ذیل ہیں۔

﴿۷۰﴾ اوّل یہ کہ ان دنوں میں مذہبی مباحثوں کے متعلق سلسلہ تقریروں اور تحریروں کا اس قدر ترقی پذیر ہو گیا ہے اور ساتھ ہی اس کے اس قدر سخت بدزبانیوں نے ترقی کی ہے کہ دن بدن باہمی کینے بڑھتے جاتے ہیں اور ایک زور کے ساتھ فحش گوئی اور ٹھٹھے اور ہنسی کا دریا بہہ رہا ہے اور چونکہ اہل اسلام اپنے برگزیدہ نبی اور اس مقدس کتاب کے لئے جو اس پاک نبی کی معرفت ان کو ملی نہایت غیرت مند ہیں لہٰذا جو کچھ دوسری قومیں طرح طرح کے مفتریانہ الفاظ اور رنگارنگ کی پُرخیانت تحریر اور تقریر سے ان کے نبی اور ان کی آسمانی کتاب کی توہین سے ان کے دل دُکھا رہے ہیں یہ ایک ایسا زخم ان کے دلوں پر ہے کہ شاید ان کیلئے اس تکلیف کے برابر دنیا میں اور کوئی بھی تکلیف نہ ہو اور اسلامی اصول ایسے مہذبانہ ہیں کہ یاوہ گوئی کے مقابل پر مسلمانوں کو یاوہ گوئی سے روکتے ہیں مثلاً ایک معترض جب ایک بے جا الزام مسلمانوں کے نبی علیہ السلام پر کرتا ہے اور ٹھٹھے اور ہنسی اور ایسے الفاظ سے پیش آتا ہے جو بسا اوقات گالیوں کی حد تک پہنچ جاتے ہیں تو اہل اسلام اس کے مقابل پر اس کے پیغمبر اور مقتدا کو کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ اگر وہ پیغمبر اسرائیلی نبیوں میں سے ہے تو ہر یک مسلمان اُس نبی سے ایسا ہی پیار کرتا ہے جیسا کہ اس کا فریق مخالف وجہ یہ کہ مسلمان تمام اسرائیلی نبیوں پر ایمان رکھتے ہیں اور دوسری قوموں کی نسبت بھی وہ جلدی نہیں کرتے کیونکہ انہیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ کوئی ایسا آباد ملک نہیں جس میں کوئی مصلح نہیں گذرا اس لئے کہ گذشتہ نبیوں کی نسبت خاص کر اگر وہ اسرائیلی ہوں ایک مسلمان ہرگز بدزبانی نہیں کر سکتا بلکہ اسرائیلی نبیوں پر تو وہ ایسا ہی ایمان رکھتا ہے جیسا کہ نبی آخر الزمان کی نبوت پر۔ تو اس صورت میں وہ گالی کا گالی کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ہاں جب بہت دکھ اٹھاتا ہے تو قانون کی رو سے چارہ جوئی کرنا چاہتا ہے مگر قانونی تدارک بدنیتی کے ثابت کرنے پر موقوف ہے جس کا ثابت کرنا موجودہ قانون کی رو سے بہت مشکل امر ہے لہٰذا ایسا مستغیث اکثر ناکام رہتا ہے اور مخالف فتح یاب کو اور بھی توہین اور تحقیر کا موقعہ ملتا ہے اس لئے یہ بات بالکل سچی ہے کہ جس قدر تقریروں اور تحریروں کی رو سے مذہب اسلام کی توہین ہوتی ہے ابھی تک اس کا کوئی کافی تدارک قانون میں موجود نہیں۔ اور دفعہ ۲۹۸ حق الامر کے ثابت کرنے کے لئے کوئی ایسا معیار اپنے ساتھ نہیں رکھتی جس سے صفائی کے ساتھ نیک نیتی اور بدنیتی میں تمیز ہو جائے یہی سبب ہے کہ نیک نیتی کے ﴿۷۱﴾

بہانہ سے ایسی دلآزار کتابوں کی کروڑوں تک نوبت پہنچ گئی ہے لہٰذا ان شرائط کا ہونا ضروری ہے جو واقعی حقیقت کے کھلنے کے لئے بطور موید ہوں اور صحت نیت اور عدم صحت کے پرکھنے کے لئے بطور معیار کے ہوسکیں سو وہ معیار وہ دونو شرطیں ہیں جو اوپر گذارش کردی گئی ہیں۔ کیونکہ کچھ شک نہیں کہ جو شخص کوئی ایسا اعتراض کسی فریق پر کرتا ہے جو وہی اعتراض اس پر بھی اس کی الہامی کتابوں کی رو سے ہوتا ہے یا ایسا اعتراض کرتا ہے جو ان کتابوں میں نہیں پایا جاتا جن کو فریق معترض علیہ نے اپنی مسلّمہ مقبولہ کتابیں قرار دے کر ان کے بارے میں اپنے مذہبی مخالفوں کو بذریعہ کسی چھپے ہوئے اشتہار کے مطلع کر دیا ہے تو بلاشبہ ثابت ہو جاتا ہے کہ شخص معترض نے صحت نیت کو چھوڑ دیا ہے تو اس صورت میں ایسے مکار اور فریبی لوگ جن حیلوں اور تاویلوں سے اپنی بدنیتی کو چھپانا چاہتے ہیں وہ تمام حیلے نکمے ہو جاتے ہیں اور بڑی سہولت سے حکام پر اصل حقیقت کھل جاتی ہے اور اگرچہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یاوہ گو لوگوں کی زبانیں روکنے کے لئے یہ ایک کامل علاج ہے مگر اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ بہت کچھ یاوہ گوئیوں اور ناحق کے الزاموں کا اس سے علاج ہو جائے گا۔

دوسری ضرورت اس قانون کے پاس ہونے کے لئے یہ ہے کہ اس بے قیدی سے ملک کی اخلاقی حالت روز بروز بگڑتی جاتی ہے ایک شخص سچی بات کو سن کر پھر اس فکر میں پڑ جاتا ہے کہ کسی طرح جھوٹ اور افتراء سے مدد لے کر اس سچ کو پوشیدہ کر دیوے اور فریق ثانی کو خواہ نخواہ ذلت پہنچاوے سو ملک کو تہذیب اور راست روی میں ترقی دینے کے لئے اور بہتان طرازی کی عادت سے روکنے کے لئے یہ ایک ایسی عمدہ تدبیر ہے جس سے بہت جلد دلوں میں سچی پرہیزگاری پیدا ہو جائے گی۔

تیسری ضرورت اس قانون کے پاس کرنے کی یہ ہے کہ اس بے قیدی سے ہماری محسن گورنمنٹ کے قانون پر عقل اور کانشنس کا اعتراض ہے چونکہ یہ دانا گورنمنٹ ہر یک نیک کام میں اول درجہ پر ہے تو کیوں اس قدر الزام اپنے ذمہ رکھے کہ کسی کو یہ بات کہنے کا موقعہ ملے کہ مذہبی مباحثات میں اس کے قانون میں احسن انتظام نہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی بے قیدی سے صلح کاری اور باہمی محبت دن بدن کم ہوتی جاتی ہے اور ایک فریق دوسرے فریق کی نسبت ایسا اشتعال رکھتا ہے کہ اگر ممکن ہو

﴿۷۲﴾ تو اس کو نابود کر دیوے اور اس نا اتفاقی کی جڑ **مذہبی مباحثات کی بے اعتدالی** ہے گورنمنٹ اپنی رعایا کے لئے بطور معلّم کے ہے۔ پھر اگر رعایا ایک دوسرے سے درندہ کا حکم رکھتی ہو تو گورنمنٹ کا فرض ہے کہ قانونی حکمت عملی سے اس درندگی کو دور کر دے۔

چوتھی یہ کہ اہل اسلام گورنمنٹ کی وہ وفادار رعایا ہے جن کی دلی خیرخواہی روز بروز ترقی پر ہے۔ اور اپنے جان و مال سے گورنمنٹ کی اطاعت کے لئے حاضر ہیں اور اس کی مہربانیوں پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اور کوئی بات خلاف مرضی گورنمنٹ کرنا نہایت بے جا خیال کرتے ہیں اور دل سے گورنمنٹ کے مطیع ہیں پس اس صورت میں ان کا حق بھی ہے کہ ان کی **دردناک فریاد کی طرف گورنمنٹ عالیہ توجہ کرے**۔ پھر یہ درخواست بھی کوئی ایسی درخواست نہیں۔ جس کا صرف مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا ہے اور دوسروں کو نہیں بلکہ ہر یک قوم اس فائدہ میں شریک ہے اور یہ کام ایسا ہے جس سے ملک میں صلح کاری اور امن پیدا ہوتا ہے اور مقدمات کم ہوتے ہیں اور بدنیت لوگوں کا منہ بند ہوتا ہے اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ اس کا اثر مسلمانوں سے خاص نہیں ہر یک قوم پر اس کا برابر اثر ہے۔ **آخر ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ہماری اس گورنمنٹ کو ہمیشہ کے اقبال کے ساتھ ہمارے سروں پر خوش و خرم رکھے اور ہمیں سچی شکرگذاری کی توفیق دے اور ہماری محسن گورنمنٹ کو اس مخلصانہ اور عاجزانہ درخواست** کی طرف توجہ دلا وے کہ ہر یک توفیق اسی کے ارادہ اور حکم سے ہے۔ آمین

الملتمســــــــــــــــــین

اہل اسلام رعایا گورنمنٹ جن کے نام علیحدہ نقشوں

میں درج ہیں۔ مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۸۹۵ء

مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس قادیان

باعث تالیف آریہ دھرم وست بچن

یہ بات ہر یک کو معلوم ہے کہ ہم برسوں تک آریوں کے مقابل پر بالکل خاموش رہے قریباً چوداں[۱۴] برس کا عرصہ ہوگیا کہ جب ہم نے پنڈت دیانند اور اندرمن اور کنہیالال کی سخت بدزبانی کو دیکھ کر اور انکی گندی کتابوں کو پڑھ کر کچھ ذکر ہندوؤں کے وید کا **براھین احمدیہ** میں کیا تھا مگر ہم نے اس کتاب میں بجز واقعی امر کے جو ویدوں کی تعلیم سے معلوم ہوتا تھا ایک ذرا زیادتی نہ کی لیکن دیانند نے اپنی ستیارتھ پرکاش میں اور اندرمن نے اپنی کتابوں میں اور کنہیالال نے اپنی تالیفات میں جس قدر بدزبانی اور اسلام کی توہین کی ہے اس کا اندازہ ان لوگوں کو خوب معلوم ہے جنہوں نے یہ کتابیں پڑھی ہوں گی خاص کر دیانند نے ستیارتھ پرکاش میں وہ گالیاں دیں اور سخت زبانی کی جن کا مرتکب صرف ایسا آدمی ہوسکتا ہے جس کو نہ خدا تعالیٰ کا خوف ہو نہ عقل ہو نہ شرم ہو نہ فکر ہو نہ سوچ ہو غرض ہم نے ان سفلہ مخالفوں کے افتراؤں کے بعد صرف چند ورق براہین میں آریوں کے خیالات کے بارہ میں لکھے اور بعد ازاں ہم باوجودیکہ لیکھرام وغیرہ نے اپنی ناپاک طبیعت سے بہت سا گند ظاہر کیا اور بہت سی توہین مذہب کی بالکل خاموش رہے ہاں **سرمہ چشم آریہ** اور **شحنہ حق** جن کی تالیف پر نو برس گذر گئے آریوں کی ہی تحریک اور سوالات کے جواب میں لکھے گئے چنانچہ سرمہ چشم آریہ کا اصل موجب منشی مرلیدھر آریہ تھے جنہوں نے بمقام ہوشیارپور کمال اصرار سے مباحثہ کی درخواست کی اور سرمہ چشم آریہ درحقیقت اس سوال جواب کا مجموعہ ہے جو مابین اس عاجز اور منشی مرلیدھر کے مارچ ۱۸۸۶ء میں ہوا۔ پھر ان کتابوں کی تالیف کے بعد آج تک ہم خاموش رہے اور چوداں[۱۴] برس سے آج تک یا اگر ہوشیارپور کے مباحثہ سے حساب کرو تو نو[۹] برس سے آج تک ہم بالکل چپ رہے اور اس عرصہ میں طرح طرح کے گندے رسالے آریوں کی طرف سے نکلے اور گالیوں سے بھری ہوئی کتابیں اور اخباریں انہوں نے شائع کیں مگر ہم نے بجز اعراض اور خاموشی کے اور کچھ بھی کارروائی نہیں کی پھر جب آریوں کا غلو حد سے زیادہ بڑھ گیا اور ان کی بے ادبیاں انتہا تک پہنچ گئیں تو اب یہ رسالہ **آریہ دھرم** لکھا گیا ہمارے بعض **اندھے مولوی** جو ہر یک بات میں ہم پر یہ الزام لگاتے ہیں اور آریوں اور عیسائیوں کو بالکل معذور سمجھ کر ہر یک سخت زبانی ہماری طرف منسوب کرتے ہیں انکو کیا کہیں اور انکی نسبت کیا لکھیں وہ تو بخل اور حسد کی زہر سے مر گئے اور ہمارے بغض سے اللہ اور رسولؐ کے بھی **دشمن** ہوگئے۔ اے سیہ دل لوگو! تمہیں صریح جھوٹ بولنا اور دن کو رات کہنا کس نے سکھایا گو یہ سچ ہے کہ ہم نے **براھین** میں ویدوں کا کچھ ذکر کیا مگر اس وقت ذکر کیا کہ جب دیانند ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ستیارتھ پرکاش میں صدہا گالیاں دے چکا اور اسلام کی سخت توہین

کر چکا اور ہندو بچے ہر یک گلی کوچہ میں اسلام کے منہ پر تھوکنے لگے پس کیا اس وقت واجب نہ تھا کہ ہم بھی کچھ ویدوں کی حقیقت کھولیں اور آیۂ کریمہ وَالَّذِيْنَ إِذَآ أَصَابَهُمُ الْبَغْىُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ[1] پر عمل کر کے اپنے مولیٰ کو راضی کریں اور پھر اس وقت سے آج تک ہم خاموش رہے لیکن آریوں کی طرف سے اس قدر گندی کتابیں اور گندی اخباریں توہین اسلام کے بارے میں اس وقت تک شائع ہوئیں کہ اگر ان کو جمع کریں تو ایک انبار لگتا ہے یہ کیسا خبث باطن ہے کہ مسلمان کہلا کر پھر ظلم کے طور پر ان لوگوں کو ہی حق بجانب سمجھتے ہیں جو سالہا سال سے ناحق شرارت اور افتراء کے طور پر اسلام کی توہین کر رہے ہیں۔ اے مولویت کے نام کو داغ لگانے والو!!! ذرا سوچو کہ قرآن میں کیا حکم ہے کیا یہ روا ہے کہ ہم اسلام کی توہین کو چپکے سنے جائیں۔ کیا یہ ایمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نکالی جائیں اور ہم خاموش رہیں ہم نے برسوں تک خاموش رہ کر یہی دیکھا ہم دکھ دیئے گئے اور صبر کرتے رہے مگر پھر بھی ہمارے بدگمان دشمن باز نہ آئے اگر تمہیں شک ہے اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ ہم نے ہی عیسائیوں اور آریوں کو توہین مذہب کے لئے برانگیختہ کیا ہے ورنہ یہ بے چارے نہایت سلیم المزاج اور اسلام کی نسبت خاموش تھے بے ادبی اور توہین نہیں کرتے تھے اور نہ گالیاں نکالتے تھے تو آؤ ایک جلسہ کرو پھر اگر یہ ثابت ہو کہ زیادتی ہماری طرف سے ہے اور ابتدا سے ہم ہی محرک ہوئے اور ہم نے ہی ان لوگوں کے بزرگوں کو ابتداءً گالیاں دیں تو ہم ہر ایک سزا کے سزاوار ہیں لیکن اگر اسلام کے دشمنوں کا ہی ظلم ثابت ہو تو ایسے خبیث طبع مولویوں کو کسی قدر سزا دینا ضروری ہے جو ہماری عداوت کیلئے اسلام کو درندوں کے آگے پھینکتے ہیں ہر یک امر کی حقیقت تحقیقات کے بعد کھلتی ہے اگر سچے ہیں تو ایک جلسہ کریں پھر اگر ہم کاذب نکلیں تو بیشک ہندوؤں اور عیسائیوں کی تائید میں ہماری کتابیں جلا دیں اور ہرگز ایسا جلسہ نہیں کریں گے۔ کیونکہ ان لعنتی لوگوں کے اب دل مجذوم ہو گئے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ محض افترا کے طور پر بخل کے تقاضا سے ان کے منہ سے یہ باتیں نکل رہی ہیں لیکن باوا نانک صاحب کے بارہ میں جو ہم نے رسالہ ست بچن لکھا ہے اس میں ہم نے باوا صاحب کی نسبت کوئی توہین کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ ہمارا یہ رسالہ ان کی تعریف اور توصیف سے بھرا ہوا ہے اور ہم ایسے نیک منش اور قابل تعریف انسان کی مذمت کرنا سراسر خبث اور ناپاکی کا طریق جانتے ہیں اور ہماری رائے ان کی نسبت یہی ہے کہ وہ سچے دل سے خدا تعالیٰ کی راہ میں فدا تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جن پر خدا تعالیٰ کی برکات نازل ہوتی ہیں۔

والسلام علٰی من اتبع الھدی

الراقم خاکسار

غلام احمد

[1] الشوریٰ:۴۰

ٹائیٹل بار اوّل

قیمت فی جلد

تعداد جلد ۷۰۰

لائق توجہ گورنمنٹ

چونکہ سکھ صاحبوں کے بعض اخبار نے اپنی غلط فہمی سے ہمارے رسالہ ست بچن کوایسا خیال کیا ہے کہ گویا ہم نے وہ رسالہ کسی بدنیتی اور دلآزاری کی نیت سے تالیف کیا ہے اس لئے ہم گورنمنٹ کی حضور میں اس بات کو ظاہر کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ یہ رسالہ جو ست بچن کے نام سے موسوم ہے نہایت نیک نیتی اور پوری پوری تحقیق کی پابندی سے لکھا گیا ہے۔ اصل غرض اس رسالہ کی ان بے جا الزاموں کا رفع دفع کرنا ہے جو آریوں کے سرگروہ دیانند پنڈت نے بابا نانک صاحب پر اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں لگائے ہیں۔ اور نہایت نالائق لفظوں اور تحقیر آمیز فقروں میں باوا صاحب موصوف کی توہین اور تحقیر کی ہے۔ پھر اس کے ساتھ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ نہایت قوی اور مضبوط دلائل سے ثابت ہوگیا ہے کہ باوا صاحب اپنے کمال معرفت اور گیان کی وجہ سے ہندوؤں کے ویدوں سے بالکل الگ ہوگئے تھے اور انہوں نے دیکھا کہ جس خدا کی خوبیوں میں کوئی نقص اور کسی عیب کی تاریکی نہیں اور ہر یک جلال اور قدرت اور تقدس اور کامل الوہیت کی بے انتہا چمکیں اس میں پائی جاتی ہیں۔ وہ وہی **پاک ذات خدا ہے جس پر اہل اسلام عقیدہ رکھتے ہیں**۔ اس لئے انہوں نے اپنی کمال خدا ترسی کی وجہ سے اپنا عقیدہ اسلام ٹھہرایا چنانچہ یہ تمام وجوہات ہم اس رسالہ میں لکھ چکے ہیں اور ایسے واضح اور بدیہی طور پر یہ ثبوت دے چکے ہیں کہ بغیر اس کے ماننے کے انسان کو بن نہیں پڑتا اور ماسوائے اس کے یہ رائے کہ باوا صاحب اپنی باطنی صفائی اور اپنی پاک زندگی کی وجہ سے مذہب اسلام کو قبول کر چکے تھے صرف ہماری ہی رائے نہیں بلکہ ہماری اس کتاب سے پہلے بڑے بڑے **محقق انگریزوں** نے بھی یہی رائے لکھی ہے اور وہ کتابیں مدت دراز پہلے ہماری اس تالیف سے برٹش انڈیا میں تالیف ہوکر شائع بھی ہو چکی ہیں چنانچہ میں نے بطور نمونہ پادری ہیوز کی ڈکشنری کے چند اوراق انگریزی اس رسالہ کے آخر میں شامل کر دیئے ہیں جن میں پادری صاحب موصوف بڑے دعویٰ سے باوا صاحب کا اسلام ظاہر کرتے ہیں۔ اور یہ ڈکشنری تمام برٹش انڈیا میں خوب شائع ہو چکی ہے سکھ صاحبان بھی اس سے بے خبر نہیں ہیں اس صورت میں یہ خیال کرنا کہ اس رائے میں میں ہی اکیلا ہوں یا میں نے ہی پہلے اس رائے کا اظہار کیا ہے یہ بڑی غلطی ہے ہاں میں نے وہ تمام دلائل جو دوسروں کو نہیں مل سکے اس کتاب میں اکٹھے کر کے لکھ دیئے ہیں جن محقق انگریزوں نے مجھ سے پہلے یہ رائے ظاہر کی کہ باوا صاحب درحقیقت مسلمان تھے ان کے پاس کامل دلائل کا ذخیرہ نہ تھا مگر میری تحقیق سے یہ امر بدیہی طور پر کھل گیا اور میں امید رکھتا ہوں کہ گورنمنٹ عالیہ پادری ہیوز کی اس رائے پر جو بزبان انگریزی کتاب ہذا کے آخر میں شامل ہے۔ **توجہ فرماوے** اور میں سکھ صاحبوں سے اس بات میں اتفاق رکھتا ہوں کہ بابا صاحب درحقیقت خدا تعالیٰ کے مقبول بندوں میں سے تھے اور ان میں سے تھے جن پر الٰہی برکتیں نازل ہوتی ہیں اور جو خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے صاف کئے جاتے ہیں اور میں ان لوگوں کو شریر اور کمینہ طبع سمجھتا ہوں کہ ایسے بابرکت لوگوں کو توہین اور ناپاکی کے الفاظ کے ساتھ یاد کریں ہاں میں نے تحقیق کے بعد وہ پاک مذہب جس سے سچے خدا کا پتہ لگتا ہے اور جو توحید کے بیان میں قانون قدرت کا ہمزبان ہے اسلام کو ہی پایا ہے سو میں خوش ہوں کہ جس دولت اور صاف روشنی کو مجھے دیا گیا مجھ سے پہلے خدا تعالیٰ کے فضل اور عنایت نے باوا صاحب کو بھی وہی دولت دی سو یہ ایک سچائی ہے جس کو میں چھپا نہیں سکتا اور میں اپنا اور باوا صاحب کا اس میں فخر سمجھتا ہوں کہ یہ **پاک توحید خدا کے فضل** نے ہمیں دی۔

خاکسار غلام احمد قادیانی ۲۰ نومبر ۱۸۹۵ء

﴿۱﴾

جان فدائے آنکہ او جان آفرید ۔۔۔ دل نثارِ آن کہ زوشد دل پدید
جان ازو پیداست زین مے جویدش ۔۔۔ ربّنا اللّٰہ ربّنا اللّٰہ گویدش
گر وجود جان نبودی زو عیان ۔۔۔ کی شدی مہر جمالش نقش جان
جسم و جان را کرد پیدا آن یگان ۔۔۔ زین دود دل سوئے اوچون عاشقان
اونمک ہا ریخت اندر جان ما ۔۔۔ جان جان ماست آن جانان ما
ہر وجودے نقش ہستی زو گرفت ۔۔۔ جان عاشق رنگ مستی زو گرفت
ہر کہ نزدش خود بخود جانے بود ۔۔۔ او نہ دانا سخت نادانے بود
گر وجودِ ما نہ زان رحمٰن بُدے ۔۔۔ جان ما باجان او یکسان بُدے
آنکہ جان ما بجانش ہمسر است ۔۔۔ جائے ننگ و عار نے پرمیشر است
سِرّ مفہوم خدائی قدرت است ۔۔۔ منکر آن لائقِ صد لعنت است
گرندانی صدق این گفتار را ۔۔۔ ہم زنانک بشنو این اسرار را
گفت ہر نورے ز نور حق بتافت ۔۔۔ ہر وجودے نقش خود زان دست یافت
وید میگوید کہ ہر جان چون خداست ۔۔۔ خودبخود ۱ نے کردۂ رب الوریٰ است
لیکن این مرد خدا اہل صفا ۔۔۔ آنکہ کرد از کذب قومے را رہا

۱ یعنی باوانانک

﴿۲﴾

گفتؔ ' ہرجائی ز دستش شد پدید | قادر است او جسم و جان را آفرید
فکر کن درگفتۂ این عارفان | رو ' چہ نالی ' بہر وید آریان
بود نانک ' عارف و مرد خدا | راز ہائے معرفت را رہ کشا
وید زان راہ معارف دور تر | ''سادھ کی مہما نجانے'' بے ہنر
این نصیحت ' گر ز نانک بشنوی | در دو عالم ' از شقاوت ہا رہی
او نہ از خود گفت ' این گفتار را | گوش او بشنید این اسرار را
وید را ' از نور حق مہجور یافت | از خدا ترسید و ' راہ نور یافت

اے برادر ' ہم تو سوئے او بیا
دل چہ بندی ' در جہان بے وفا

یعنی باوا صاحب کا قول کہ سادھ کی مہما وید نہ جانے۔ منہ

امابعد واضح ہو کہ ہم نے عام فائدہ کے لئے یہ رسالہ جس کے مقاصد کا ذیل میں بیان ہے تالیف کیا ہے اور ہماری غرض اس تالیف سے بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ آریہ لوگ جو آج کل جلتے ہوئے تنور میں پڑے ہوئے ہیں اور زبان کی ناپاکی اور بیباکی میں اس قدر ترقی کر گئے ہیں کہ کسی وقت بھی ان کے دلوں کو خدا تعالیٰ کا خوف نہیں پکڑتا۔ وہ اس حقّانی انسان کی راست گفتاری اور راست روی کو غور سے دیکھیں۔ جس کا اس رسالہ میں ذکر ہے اور اگر ہو سکے تو اس کے نقش قدم پر چلیں اور وہ انسان وہی **ایک بزرگ** دیوتا ہے جو بابر کے زمانہ میں پیدا ہو کر خدا تعالیٰ کے دین کی صداقت کا ایک گواہ بن گیا یہ انسان جس کا ابھی ہم ذکر کریں گے عوام ہندوؤں میں سے نہیں ہے بلکہ ایک ایسا شخص ہے جو لاکھوں آریوں نے اس کی نیک بختی اور راست گوئی پر مہر کر دی ہے۔ اور وہ ایک اول درجہ کے ان پیشواؤں میں سے شمار کیا گیا ہے جو ہندوؤں میں گذرے ہیں۔ اور غالباً ستّرہ۱۷ لاکھ کے قریب پنجاب میں اس کے فدا شدہ چیلے موجود ہیں۔ اور وہ وہی مظلوم بزرگ ہے جس کی نسبت ناحق پنڈت دیانند آریوں کے پیشرو نے سخت الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ اس کی سوانح کے ضمن میں دیانند کے بے جا اعتراضوں اور سب وشتم کا جواب بھی دے دیں اور وہ یہ ہے۔

﴿۳﴾

باوانانک صاحب کے کمالات

اوران کی

ہتک عزت کی غرض سے دیانند کی خرافات

پنجاب میں غالباً ایسا شخص کوئی بھی نہیں ہوگا جو باوانانک صاحب کے نام سے واقف نہ ہو یا ان کی خوبیوں سے بے خبر ہو۔ اس لئے کچھ بھی ضرورت نہیں کہ ہم ان کی سوانح اور طریق زندگی کی نسبت کچھ مفصل تحریر کریں۔ لہٰذا صرف اس قدر لکھنا کافی ہے کہ باوا صاحب موصوف ہندوؤں کے ایک شریف خاندان میں سے تھے۔ سن نوسو ۹۰۰ ہجری کے اخیر میں پیدا ہوئے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اخلاص رکھتے تھے اس لئے بہت جلد زہد اور پرہیزگاری اور ترک دنیا میں شہرت پا گئے اور ایسی قبولیت کے مرتبہ پر پہنچ گئے کہ درحقیقت ہندوؤں کے تمام گذشتہ اکابر اور کل رشیوں رکھیوں اور دیوتوں میں سے ایک شخص بھی ایسا پیش کرنا مشکل ہے۔ جو ان کی نظیر ثابت ہو۔ ہمارا انصاف ہمیں اس بات کے لئے مجبور کرتا ہے کہ ہم اقرار کریں کہ بیشک باوانانک صاحب ان مقبول بندوں میں سے تھے۔ جن کو خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے نور کی طرف کھینچا ہے۔ اس میں کچھ بھی شبہ نہیں۔ کہ ایک سچی تبدیلی خدا تعالیٰ نے ان میں پیدا کر دی تھی۔ اور حق اور راستی کی طرف ان کا دل کھینچا گیا تھا۔ ان کے وقت میں بہت سے جاہل اور شوریدہ مغز ہندو موجود تھے۔ جو اپنے تئیں جوگی یا بیراگی یا سنیاسی وغیرہ ناموں سے موسوم کرتے تھے۔ اور چھپی بدکاریوں کے سہارے سے رہبانیت کا جھنڈا بہت اونچا کیا ہوا تھا۔ سو باوا صاحب نے اپنی قوم کو یہ بھی اچھا نمونہ دیا کہ انہوں نے جوگی یا بیراگی یا سنیاسی کہلانے سے نفرت کی۔ وہ اس طور کے برہم چرج سے بکلی بیزار تھے۔ جس میں خداداد قوتوں کو ناحق ضائع کر کے الٰہی قانون کو توڑ دیا جائے۔ اسی غرض سے انہوں نے باوجود اپنے کمال

﴿۴﴾

فقر اور زہد کے شادی بھی کی تا لوگوں پر ثابت کریں کہ وید کی تعلیم کا یہ مسئلہ ٹھیک نہیں کہ اعلیٰ مرتبہ کا انسان وہی ہے جو برہم چرج یعنی رہبانیت اختیار کرے باوا صاحب نیوگ☆ کے مسئلہ کے بھی سخت مخالف تھے۔ اور وہ ایسے انسانوں کو جو اپنے جیتے جی اپنی منکوحہ پاک دامن کو عین نکاح کی حالت میں اولاد کے لئے یا شہوت فرو کرانے کیلئے دوسروں سے ہم بستر کراویں سخت بے حیا اور دیوّث اور ناپاک طبع سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان کے پُر برکت اشعار ان باتوں پر شہادت دے رہے ہیں جن کو ہم انشاء اللہ تعالیٰ کسی دوسرے رسالہ میں مفصل تحریر کریں گے۔ اور اس بارے میں تمام عمل ان کا اسلامی تعلیم کے موافق ہے اور یہ دوسری دلیل اس بات پر ہے کہ وہ وید کی تعلیموں سے سخت بیزار تھے۔ اور اسی وجہ سے وہ برہمنوں کے ساتھ ہمیشہ مباحثوں اور مناقشوں میں مصروف رہتے تھے۔ اور کچھ دیانند ہی نے ان کی نسبت بدزبانی نہیں کی بلکہ اس زمانہ میں بھی اکثر نالائق پنڈت ان کے دشمن ہو گئے تھے۔ اور اگر اس زمانہ میں ایک گروہ کثیر باوا صاحب کے ساتھ بھی ہم خیال ہو جاتا تو کچھ شک نہیں کہ ان نزاعوں کا ایک بڑے کشت وخون تک انجام ہوتا۔ اور گو باوا صاحب نہایت شدت کے ساتھ ایسے مباحثوں میں مصروف تھے۔ اور وید کی رسموں ہوم وغیرہ کو نہایت ناچیز خیال کرتے تھے مگر تاہم چونکہ وہ اکیلے تھے لہٰذا شور وشر کے وقت جاہلوں سے کنارہ کرتے تھے۔ اور یہ امر حق اور واقعی ہے کہ ان کا دل اس الٰہی محبت سے رنگین ہو گیا تھا جو محض فضل سے ملتی ہے نہ اپنے کسب سے۔ ان کو وہ تمام باتیں بری معلوم ہوتی تھیں جو حق اور حقیقت کے برخلاف ہوں۔ ان کا

☆ حاشیہ وید کی خاص تعلیموں میں سے ایک نیوگ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی ہندو کے گھر میں اولاد نہ ہو اور کسی وجہ سے مرد نا قابل اولاد ہو مثلاً اس کی منی پتلی ہو۔ یا منی میں کیڑے نہ ہوں یا وہ کیڑے کمزور ہوں یا انزال ہی نہ ہوتا ہو یا کسی اور طبی وجہ سے مرد عقیمہ کی طرح ہو یا ہیجڑہ ہو یا لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہوں تو ان سب صورتوں میں وید کی یہ تعلیم ہے کہ مرد اولاد کی خواہش سے اپنی عورت کو دوسرے سے ہم بستر کراوے اور اگر کسی جگہ مرد نوکر ہو اور تین برس تک گھر میں نہ آوے گو خرچ بھیجتا ہو۔ اور خط بھی بھیجتا ہو۔ تو اس صورت میں بھی اگر عورت کو شہوت غلبہ کرے تو کچھ ضرور نہیں کہ وہ اپنے خاوند کے پاس جاوے بلکہ اپنے اختیار سے کسی دوسرے سے ہم بستر ہو جاوے۔ آریہ دھرم میں اس کا سب ثبوت موجود ہے۔ منه

﴿۵﴾ دل محض بناوٹی رسموں اور خود تراشیدہ ریتوں پر راضی نہیں ہوتا تھا۔ اور اس مصفّٰی پانی کے وہ خواہشمند تھے کہ جو حقیقت کے چشمہ سے بہتا اور روحانیت کے رنگ سے رنگین ہوتا ہے اس لئے کبھی وہ ان بیراگیوں اور جوگیوں اور سنیاسیوں پر راضی نہ ہوئے۔ جو محض رسم پرستی اور ایک باطل قانون کی پیروی سے بیہودہ تخیلات میں دماغ سوزی کر کے اپنی اوقات خراب کیا کرتے تھے۔ باوا صاحب بہت زور لگاتے تھے کہ ہندوؤں میں کوئی روحانی حرکت پیدا ہو اور وہ بیہودہ رسموں اور باطل اعتقادوں سے دستکش ہو جائیں۔ اور اسی لئے وہ ہمیشہ برہمنوں کے منہ سے سخت سست باتیں سنتے اور برداشت کرتے تھے۔ مگر افسوس کہ اس سخت دل قوم نے ایک ذرہ سی حرکت بھی نہ کی اور باوا صاحب ہندوؤں کی رفاقت سے اس قدر نا امید ہو گئے کہ ان کو اپنے معمولی سفروں کے لئے بھی دو ایسے ہندو خادم نہ مل سکے کہ ان کے خیالات کے موافق ہوں☆۔

پس یہ مقام بھی سوچنے کے لائق ہے کہ کیوں ہندوؤں نے باوا نانک صاحب سے اور باوا نانک صاحب نے ہندوؤں سے انس نہ کیا اور تمام عمر مسلمانوں سے ہی مانوس رہے اور اسلامی ملکوں کی طرف ہی سفر کرتے رہے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ باوا صاحب ہندوؤں سے قطع تعلق کر چکے تھے۔ کیا ہندوؤں میں اس کی کوئی نظیر مل سکتی ہے کہ کوئی شخص ہندو ہو کر اپنے تمام تعلقات مسلمانوں سے قائم کر لے۔

یہ کہنا بھی دشنام دہی سے کچھ کم نہیں کہ باوا نانک صاحب نے اسلامی سلطنت کا عروج دیکھ کر مسلمانوں کے ساتھ مداہنہ کے طور پر میل ملاپ کر لیا تھا۔ کیونکہ مداہنہ ایک نفاق کی قسم ہے۔ اور نفاق نیک انسانوں کا کام نہیں۔ مگر باوا صاحب کی یک رنگی ایسے دلوں پر واضح ہے جس سے ایک فرد بھی انکار نہیں کر سکتا۔ باوا صاحب ایک سیدھے سادے اور صاف دل آدمی تھے۔ اور ایک سچے مسلمان کی طرح ان کے عقائد تھے۔ وید کی تعلیم کی طرح ان کا یہ مذہب نہ تھا کہ تمام روحیں اور اجسام خود بخود چلی آتی ہیں۔ بلکہ انہوں نے اس عقیدہ کا بہت زور سے رد کیا ہے

☆نوٹ۔ ایک بالا بظاہر ہندو خاندان میں سے تھا مگر درحقیقت وہ باوا صاحب کی برکت صحبت سے مسلمان ہو چکا تھا۔ منہ

﴿۶﴾ اور ان کے گرنتھ کو غور سے پڑھنے والے اس بات کو جانتے ہیں کہ ان کا یہ مذہب ہرگز نہیں تھا جو آج کل آریہ لوگ پیش کر رہے ہیں۔ یعنی یہ کہ کل جیو قدیم اور خود بخود چلے آتے ہیں ان کا کوئی خالق نہیں بلکہ باوا صاحب اپنے گرنتھ کے کئی مقام میں بتلا چکے ہیں کہ جو آپ ہی آپ بغیر کسی موجد کی ایجاد کے موجود ہے وہ صرف پرمیشر ہے اور دوسری سب چیزیں اس کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ ایک چیز بھی ایسی نہیں جو اس نے پیدا نہیں کی اس سے صاف کھل گیا کہ باوا صاحب اپنی سچی معرفت کے زور سے ہندوؤں کے ویدوں سے دست بردار ہو گئے تھے۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے باوا صاحب کو وہ روشنی ملی تھی کہ اگر ویدوں کے رشیوں کی نسبت ثابت کرنا چاہیں تو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ یہ امر غیر ممکن ہوگا۔ جب ہم سوچتے ہیں کہ باوا صاحب کے گرنتھ میں کیسی کیسی گیان کی باتیں بھری ہوئی ہیں۔ اور کس قدر باریک معارف کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں تو اس کے مقابل پر دیانند کی کتابیں ایک مکروہ بھوتنے کی طرح نظر آتی ہیں۔ تو پھر ساتھ ہی اس بات کے تصور سے رونا آتا ہے کہ یہ نالائق ہندو وہی شخص ہے۔ جس نے اپنے پنڈت ہونے کی شیخی مار کر باوا صاحب کو نادان اور گنوار کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ کیا کوئی یقین کر سکتا ہے کہ جس شخص کے منہ سے ایسے گیان اور معارف کی باتیں نکلیں وہ گنوار یا نادان ہے۔ یہ کیسی ناپاکی طینت ہے کہ پاک دل لوگوں کو جھٹ زبان پھاڑ کر برا کہہ دیا جائے۔ آریہ اس بات کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ دیانند صرف ایک جسمانی خیالات کا آدمی تھا۔ اور ان کتابوں کی تاریکی میں مبتلا تھا جن میں ہر طرح کی برائیاں ہیں۔ اور ایک ایسے مذہب کی خاطر جس کی آج تک کوئی خوبی بجز نیوگ اور مخلوق پرستی کے ثابت نہیں ہوئی۔ ناحق بزرگوں اور مہاتما لوگوں کی نندیا کر کے گذر گیا۔ لہٰذا کوئی نیک طینت انسان اس کو اچھا نہیں کہتا۔ لیکن باوا نانک صاحب تو وہ شخص تھے جن پر اس وقت بیس لاکھ کے قریب انسان جان فدا کر رہے ہیں☆۔ یہ بات بالکل سچی ہے کہ باوا صاحب کی ذات میں اس قدر خوبیاں اور نیکیاں جمع تھیں کہ دیانند کی

☆ نوٹ۔ بیس لاکھ خاص لوگ ہیں ورنہ ان کے معتقد تین کروڑ سے کچھ کم نہیں ہوں گے۔ منہ

سارؔی زندگی میں ان کی ایک نظیر بھی تلاش کرنا بے فائدہ ہے۔جس وقت ہم دیانند اور باوا صاحب کی زندگی کا باہم مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔تو ہمیں شرم اور انصاف ہاتھ پکڑ کر روک دیتے ہیں کہ کس کا کس کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا ہے۔ دیانند کی سوانح تو وہی سچی معلوم ہوتی ہے جو پچھلے سالوں میں برہموں صاحبوں نے شائع کی تھی جس کے لکھنے سے بھی ہمیں شرم آتی ہے لیکن باوا صاحب تو حق اور سچائی سے بھرپور معلوم ہوتے ہیں۔ پھر نہایت ظلم ہے کہ ایک تہی باطن شخص ان کی تحقیر اور توہین میں بڑھتا چلا جائے۔کیا ہر یک سچے معتقد کو اس مقام میں غیرت مندی دکھلانا ضروری نہیں۔کیا اب باوا صاحب باوجود لاکھوں فدا شدہ سکھوں کے غریب اور اکیلے رہ گئے۔کیا کسی کو ان کی پاک عزت کے لئے جوش نہیں‘ بیشک جوش ہوگا مگر اب تک باوا صاحب کے غلاموں کو ان ناپاک الفاظ کی خبر ہی نہیں۔دیانند کا یہ کہنا کہ باوا صاحب وید کو نہیں مانتے بلکہ جابجا اس کی نندیا کرتے ہیں۔عجیب بیوقوفی ہے کیونکہ جبکہ باوا صاحب نے اپنی روشن ضمیری اور اپنے گیان سے معلوم کرلیا کہ وید کچھ بھی چیز نہیں تو کیوں وہ ناراستی کی راہ اختیار کرتے۔ وہ نعوذ باللہ دیانند کی طرح جہالت اور بخل کی تاریکی میں مبتلا نہ تھے اور نہ ہونا چاہتے تھے۔ خدا نے ان کو اس پاک کلام کی برکت سے جو

چولا صاحب

پر لکھا ہوا اب تک پایا جاتا ہے وہ علم عطا کیا تھا جس سے دیانند بے نصیب آیا اور بے نصیب ہی گیا۔باوا صاحب اپنا پاک چولا وصیت نامہ کے طور پر اپنی یادگار چھوڑ کر ایک سچا اور حقیقی پیغام دنیا کو پہنچا گئے۔اب جس کی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں وہ دیکھے اور جس کے کان سن سکتے ہیں وہ سنے۔ باوا صاحب کی تمام باتوں کا مخرج وہی نور تھا۔جس کو وہ ایک سوتی کپڑے پر قدرتی حرفوں سے لکھا ہوا حق کے طالبوں کے لئے چھوڑ گئے۔ درحقیقت وہی آسمانی چولا قدرت کے ہاتھ کا لکھا ہوا ازلی ھادی کے فضل سے ان کو ملا تھا جس سے

﴿۷﴾

﴿۸﴾ اسؔ کمال تک پہنچ گئے جس کو دنیا کی آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں بلکہ دنیا نہیں چاہتی کہ اس نور کا ایک ذرہ بھی پرتوہ ان کے دلوں پر پڑے۔ باوا صاحب ایسے وقت میں ظہور فرما ہوئے تھے کہ جب ہندوؤں کی روحانی حیات بالکل بے حس و حرکت ہوگئی تھی۔ بلکہ اس ملک میں مسلمانوں میں سے بھی بہت سے لوگ صرف نام کے ہی مسلمان تھے اور فقط ظاہر پرستی اور رسوم میں مبتلا تھے۔ پس ایسے وقت میں خدا تعالیٰ نے باوا صاحب کو حق اور حقیقت طلبی کی روح عطا کی جبکہ پنجاب میں روحانیت کم ہو چکی تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بلا شبہ ان عارفوں میں سے تھے جو اندر ہی اندر ذات یکتا کی طرف کھینچے جاتے ہیں۔ اگرچہ ہمیں ان کی ابتدائی زندگی کے حالات اچھی طرح معلوم نہیں۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ ان کا خاتمہ ایک ایسے صراط مستقیم پر ہوا جس کے رو سے ہر یک مومن متقی پر فرض ہے کہ ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھے اور پاک جماعت کے رشتہ میں ان کو داخل سمجھے افسوس کہ آریوں کے پنڈت دیانند نے اس خدا ترس بزرگ کی نسبت اس گستاخی کے کلمے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں لکھے ہیں جس سے ہمیں ثابت ہوگیا کہ درحقیقت یہ شخص سخت دل سیاہ اور نیک لوگوں کا دشمن تھا۔ کاش اگر وہ باوا صاحب کا چیلہ نہ بن سکا تو بارے یہ تو چاہئے تھا کہ بلحاظ ایک مقتدائے قوم کے ان کی عزت کا لحاظ رکھتا مگر ایسے جاہلوں کا ہمیشہ سے یہی اصول ہوتا ہے کہ وہ اپنی بزرگی کی پٹری جمنا اسی میں دیکھتے ہیں کہ ایسے بزرگوں کی خواہ نخواہ تحقیر کریں۔ اس ناحق شناس اور ظالم پنڈت نے باوا صاحب کی شان میں ایسے سخت اور نالائق الفاظ استعمال کئے ہیں جن کو پڑھ کر بدن کانپتا ہے۔ اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اور اگر کوئی باوا صاحب کی پاک عزت کے لئے ایسے جاہل بے ادب کو درست کرنا چاہتا تو تعزیرات ہند کی دفعہ ۵۰۰ اور ۲۹۸ موجود تھی۔ مگر نہ معلوم کہ غیرت مند سکھوں نے ایسے یاوہ گو کی گوشمالی کے لئے کیوں عدالت سے چارہ جوئی نہ کی۔ غالباً انہوں نے عمداً حلم اور برداشت کو قرین مصلحت سمجھا یا اب تک دیانند کی بدزبانیوں کی خبر ہی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ دیانند نے باوا صاحب کے حالات کو اپنے نفس پر خیال کرلیا۔ چونکہ برہمن لوگ جو چار حرف سنسکرت

کے بھی پڑھ جاتے ہیں پرلے درجہ کے متکبر اور ریاکار اور خودبین اور نفسانی اغراض سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور نیز بباعث گم گشتہ طریق اور غبی ہونے کے نادان بھی پرلے سرے کے اس لئے اس نے باوا صاحب کے حالات کو اپنے نفس کے حالات پر قیاس کر کے بکواس کرنا شروع کر دیا۔ اور اپنے خبث مادہ کی وجہ سے سخت کلامی اور بدزبانی اور ٹھٹھے اور ہنسی کی طرف مائل ہو گیا۔ اس لئے ہر یک محقق جو باوا صاحب سے محبت رکھتا ہے نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اسی نادان پنڈت کے اشتعال دہی کی وجہ سے یہ حق رکھتا ہے کہ سچے واقعات کے اظہار سے اس کی پردہ دری بھی کرے۔ اور صاحبو ہم اس بات کے کہنے سے ہرگز رک نہیں سکتے کہ جو حقیقی معرفت کا حصہ باوا صاحب کو ملا تھا اس سے یہ خشک دماغ پنڈت بکلی بے نصیب اور بے بہرہ تھا۔ ہر یک کو یہ مان لینا ضروری ہے کہ باوا صاحب کو اس لطیف عقل میں سے عنایت ازلی نے حصہ دے دیا تھا۔ جس کے ذریعہ سے انسان روحانی عالم کی باریک راہوں کو دیکھ لیتا اور اس حق ذات کی محبت میں ترقی کرتا اور اپنے تئیں ہیچ اور ناچیز سمجھتا ہے مگر کیا اس عقل سے اس پنڈت کو بھی کچھ حصہ ملا تھا۔ ہرگز نہیں۔ اس کی کتابوں کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہایت ہی موٹی سمجھ کا آدمی اور با ایں ہمہ اول درجہ کا متکبر بھی تھا۔ باوا نانک کی طرف جو تعلیمیں منسوب کی جاتی ہیں ان میں سے ٹھیک ٹھیک ان کی تعلیم وہی ہے جو توحید اور ترک دنیا پر مشتمل ہے اور جو مشرکانہ خیالات یا کہانیاں اور خلاف حق باتیں ہیں۔ وہ ان کی طرف ہرگز منسوب نہیں ہو سکتیں۔ ہم کو اقرار کرنا چاہئے کہ باوا صاحب نے اس سچی روشنی پھیلانے میں جس کے لئے ہم خدمت میں لگے ہوئے ہیں وہ مدد کی ہے کہ اگر ہم اس کا شکر نہ کریں تو بلاشبہ ناسپاس ٹھہریں گے۔ یہ بات ہمیں تخمیناً تیس برس کے عرصہ سے معلوم ہے کہ باوا صاحب الٰہی دین کے ایک **پوشیدہ خادم** تھے اور ان کے دل میں ایک سچا نور تھا جس کو انہوں نے نااہلوں سے چھپا رکھا تھا۔ ان کے دل میں ان باتوں کا ایک گہرا یقین ہو گیا تھا کہ **دنیا میں ایک اسلام ہی مذہب** ہے جس میں خدائے واحد لاشریک

﴿۹﴾

﴿۱۰﴾ کی وہ **تعظیم** اور وہ **ثنا** ہے کہ جو اس کے افعال کی عظمت پر نگاہ کر کے اس کے لئے واجب ٹھہرتی ہے اور ایسا ہی وہ پاک اور صاف صاف توحید ہے جس پر صحیفہ قدرت گواہی دے رہا ہے ان کے دل میں یہ بھی یقین ہو گیا تھا کہ قرآنی تعلیم ایسے احکام پر مشتمل ہے جن کا ماننا ایک نیک انسان بن جانے کو لازم پڑا ہوا ہے مثلاً جو شخص شراب خواری سے جو شہوت رانی اور عیاشیوں کی جڑھ ہے رک جائے قمار بازی سے دست بردار ہو اور عورت مرد کے ناجائز میل جول حتّٰی کہ ایک دوسرے پر نظر ڈالنے سے کنارہ کش ہو اور حرام خوری اور رشوت اور سود خوری سے پرہیز کرے اور ناانصافی اور جھوٹ اور غرور اور اسراف اور دنیا پرستی اور خود غرضی اور حرام کاری اور ریا کاری سے دور رہے اور عبادت اور محبت الٰہی میں سرگرم ہو اور اپنے دن رات کو ذکر الٰہی سے معمور رکھے اور صلہ رحم اور مروت اور ہمدردی بنی نوع اس کی عادت ہو اور توحید اور **لا الٰہ الا اللّٰہ** اس کا مذہب ہو اور خدا تعالیٰ کو ہر یک فیض کا مظہر جانے نہ کہ روحوں کو مع ان کی تمام قوتوں کے اپنے وجود کا آپ خدا سمجھے اور اس غیر مرئی اور غیب الغیب اور غیر محدود طاقتوں والے خدا پر ایمان لاوے جس کے پکڑنے اور مصلوب کرنے کیلئے کسی دشمن کے ہاتھ لمبے نہیں ہو سکتے اور نیز زنا اور بے حیائی اور دیوثی سے مجتنب ہو اور پرہیز گاری اور جوان مردی کے اعلیٰ مراتب پر قائم ہو بلکہ اس کے مذہب میں کسی ناجائز محل شہوت پر دیکھنا بھی حرام ہو کہ تا دل ناجائز خیالات میں مبتلا نہ ہو جائے اور آخرت کو دنیا پر مقدم رکھے اور حق اللہ اور حق العباد میں ایک ذرہ فتور نہ کرے جیسا کہ یہ سب تعلیمیں قرآن میں موجود ہیں۔ تو اس میں کیا شک ہے کہ وہ ایک نیک اور موحد انسان بن جائے گا۔ مگر کیا کسی دوسرے مذہب کی کتاب نے التزام اور تکمیل سے ان تعلیموں کو لکھا ہے ہرگز نہیں۔ پس یہ وہی بات تھی جو باوا صاحب کے حق پسند دل پر کھل گئی اور انہوں نے دیکھ لیا کہ کتاب اللہ صرف قرآن ہی ہے۔ اور باقی سب کتابیں تاریکی میں پڑی ہوئی ہیں۔ لہٰذا اسلام کی پاک روحانیت ان کے دل میں گھر کر گئی۔ اور نہ صرف اسی قدر بلکہ انہوں نے اس کے نمونے بھی دیکھے اور اس پاک نبی سے آسمانی نور حاصل کرنے والے ستاروں کی طرح

چمکتے ہوئے مشاہدہ بھی کئے اور درحقیقت یہ سب اسلام کے حقیقی اور روحانی حسن کا نتیجہ تھا کہ جس کی زبردست کششوں نے باوا صاحب جیسے صاف باطن رشی کو اس پاک دین کی طرف جھکا دیا۔ برخلاف اس کے جب باوا صاحب نے ویدوں کی تعلیم اور ان کے پیروؤں پر نظر ڈالی تو وہاں بالکل اس پاک تعلیم کے برخلاف پایا وہ ویدوں سے کوئی برکت حاصل کرنے سے بکلی نومید ہوگئے۔ اور صاف طور پر انہوں نے بار بار گواہی دی کہ وید روحانی برکتوں سے خالی ہیں چنانچہ ان گواہوں میں سے ایک یہ شعر بھی ہے۔ جس پر دیانند نے بہت ہی سیاپا کیا اور ناحق ایسے بزرگ کو گالیاں دی ہیں جس کی نظیر اس کے بزرگوں میں ایک بھی نہیں اور وہ شعر جس کے سننے سے دیانند جل گیا یہ ہے۔ ﴿۱۱﴾

”وید پڑھت برہما مرے چاروں وید کہانی“

”سادھ کی مہما وید نجانی“

یعنی برہما بھی ویدوں کو پڑھ کر مر گیا اور حیات جاودانی حاصل نہ کی۔ چاروں وید سراسر کہانی اور محض یاوہ گوئی ہے جن میں کچھ بھی ودیا نہیں۔ اور وہ اُستت اور مہما پرمیشر کی جو عارف بیان کیا کرتے ہیں۔ اور وہ خوبیاں ایشر کی جو سچوں کو معلوم ہوتی ہیں ویدوں کو ان کی کچھ بھی خبر نہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ ایسے کلمات باوا صاحب کیوں منہ پر لائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ باوا صاحب نے وید کو اس کی واقعی رنگت میں دیکھ لیا تھا اور انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ ویدوں میں بجز آفتاب پرستی اور عناصر پرستی اور ناپاک رسموں کے اور کچھ بھی نہیں۔ اور وہ خوب جانتے تھے کہ جو کچھ اس ملک میں اس قسم کی شرک پائی جاتی ہیں۔ ان تمام گندی نالیوں کا اصل مبدا وید ہی ہے۔ اور وہ حق گوئی کی راہ میں ایسے دلیر تھے کہ سچ کہنے کے وقت کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ اس لئے ایسے شعر اُن کے منہ سے نکل گئے۔ اور بلاشبہ یہ بات صحیح ہے کہ ان کو دیانند کی نسبت زیادہ اور وسیع تجربہ ویدوں کے بارے میں حاصل تھا۔ اور سچے گیان سے ان کا دل بھر گیا تھا کیونکہ دینی امور میں سچا اور پاک تجربہ اسی کو حاصل ہوتا ہے جو سچے دل سے خداتعالیٰ کو ڈھونڈتا ہے اور ہریک پکش بات کا پلید چولہ اپنے پر سے اتار کر ایک پاک چولہ

﴿۱۲﴾ انصاف اور حق جوئی کا پہن لیتا ہے تب باوا صاحب کی طرح آسمانی چولا اس کے لئے اترتا ہے جس پر پاک کلام قدرت سے لکھا ہوا ہوتا ہے۔ مگر دیانند نے نہ چاہا کہ اس پلید چولے بخل اور تعصب کو اپنے بدن پر سے دفع کرے۔ اس لئے پاک چولا اس کو نہ ملا اور سچے گیان اور سچی ودیا سے بے نصیب گیا۔ باوا صاحب نے جوانمردی سے سفلی زندگی کا چولا پھینک دیا۔ اس لئے وہ آسمانی چولا ان کو پہنایا گیا۔ جس پر قدرت کے ہاتھ نے گیان اور معرفت کی باتیں لکھی ہوئی تھیں اور وہ خدا کے منہ سے نکلی تھیں۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ جس زبان میں باوا صاحب نے پرورش پائی تھی۔ وہ زبان ویدک سنسکرت سے بہت ہی ملتی تھی۔ اور دراصل وہ تھوڑے تغیر کے بعد ویدک سنسکرت ہی تھی۔ جیسا کہ ہم نے کتاب **منن الرحمٰن** میں تحقیق اُلسنہ کے تقریب میں بہت وضاحت کے ساتھ اس مطلب کو لکھا ہے۔ لہٰذا باوا صاحب کو وید کے پڑھنے میں بہت ہی آسانی تھی گویا انہیں کی زبان میں وید تھا۔ اس لئے جو کچھ ان کو وید کی اصل حقیقت جاننے میں بہت کچھ موقعہ ملا اور ساتھ اس کے عارفانہ طبیعت کی زیرکی نے بھی مدد دی۔ یہ موقعہ ایسے پنڈت کو کہاں مل سکتا تھا جو ناحق کے تعصب اور فطرتی غباوت میں غرق تھا۔ اور دیانند کا نربھو کے لفظ کو پیش کرنا کہ دراصل یہ نربھے ہے اور اس سے باوا صاحب کی جہالت ثابت کرنا نہایت سفلہ پن کا خیال ہے کیونکہ باوا صاحب کا اس کتاب میں ویدک سنسکرت پیش کرنا ارادہ نہ تھا۔ افسوس کہ اس زود رنج پنڈت نے ایک ادنیٰ لفظی تغیر پر اس قدر احمقانہ جوش دکھلایا حالانکہ جائز تھا کہ باوا صاحب نے دراصل نربھے ہی لکھا ہو اور پھر سہو کاتب سے نربھو ہو گیا ہو۔ اگر اس قدر سہو کاتب ماننے کے لائق نہیں اور خواہ نخواہ باوا صاحب کو ہی ملزم کرنا ہے تو پھر دیانند کے پاس اس بات کا کیا جواب ہے جو اس نے اپنی پہلی ستیارتھ پرکاش میں بہت سے امور کو اپنے مذہب کی تعلیم قرار دیا اور جب چاروں طرف سے اعتراض اٹھے۔ اور جواب بن نہ پڑا تو یہ بہانہ بنایا کہ یہ میرا مذہب نہیں یہ کاتب نے آپ لکھ دیا ہوگا۔ اب کوئی سوچے کہ کاتب تو صرف ایک لفظ یا دو لفظ کو کم و بیش کر سکتا ہے۔ نہ یہ کہ کئی ورق کاتب اپنی طرف سے لکھے اور

﴿۱۳﴾ وہ چھپ بھی جائیں اور دیانند کو خبر نہ ہو۔ پس یہ بھی ایک باوا صاحب کی کرامت ہے کہ دیانند نے ایک لفظ کا ان پر الزام دینا چاہا اور خود اس پر کئی ورقوں کا الزام آ گیا۔ علاوہ اس کے باوا صاحب کو حقائق سے بحث اور غرض تھی وہ ناچیز برہمنوں اور کم ظرف پنڈتوں کی طرح صرف الفاظ پرست نہیں تھے۔ اور غالباً وہ ان لفظی نزاعوں میں جو برہمنوں کے فرقوں میں ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں ہوا کرتی ہیں کبھی نہیں پڑے۔ اور نہ اس جنس کے سفلی خیالات کی ان کے روح میں استعداد تھی۔ دیانند کو باوا صاحب کی تحقیر کے وقت شرم کرنی چاہیئے تھی کیونکہ وہ خود ایسے موٹے خیالات اور غلطیوں میں گرفتار تھا کہ دیہات کے گنوار بھی اس سے بمشکل سبقت لے جاسکتے تھے۔ دیانند نے باوا صاحب کی باتوں پر انصاف کی نظر سے غور نہیں کی۔ اور اپنے نہایت درجہ کے بخل سے ان کے معارف کو چھپانا چاہا۔ اس کی بات بات سے یہ ٹپکتا ہے کہ اس نے نہ صرف بخل اور حق پوشی کی راہ سے بلکہ شرارت سے بھی ایک ناجائز حملہ باوا صاحب پر کیا ہے۔ ہم مناسب دیکھتے ہیں کہ مختصر طور پر اس پرچہ میں اس حملہ کا جواب دیدیں۔ چنانچہ ذیل میں بطور **قولہ و اقول** کے لکھا جاتا ہے۔

منقول از صفحہ ۷۸۶ ستیارتھ پرکاش

قولہ۔ نانک جی کا آشے تو اچھا تھا[۱]۔ پر ودیا کچھ بھی نہیں تھی۔ یعنی نانک جی جو خدا طلبی اور فقر کے خیال میں لگ گئے یہ خیال تو اچھا تھا مگر علم سے بالکل بے بہرہ تھے۔ **اقول**۔ دیانند کے اس حملہ سے اصل غرض یہ ہے کہ فقر اور جوگ پوری ودیا کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور نانک جی علم سے بکلی بے نصیب تھے۔ اس لئے خدا شناسی کا دعویٰ بھی صحیح نہیں تھا لیکن یقیناً سمجھنا چاہیئے کہ باوا صاحب پر جہالت کا الزام دینے سے خود دیانند نے اپنی پردہ دری کرائی ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ دینی علم اور آسمانی معارف جن کا جاننا فقرا کے لئے ضروری ہے وہ اس طور سے حاصل نہیں ہوا کرتے جس طور سے دنیوی علم حاصل ہوتے ہیں دنیوی علموں میں کچھ بھی ضروری نہیں کہ انسان ان کی تحصیل کے وقت ہر قسم کے فریب اور جعل اور چالاکی

[۱] شریر انسانوں کا طریق ہے کہ ہجو کرنے کے وقت پہلے ایک تعریف کا لفظ لے آتے ہیں گویا وہ منصف مزاج ہیں۔ منہ

﴿۱۴﴾ اور ناپاکی کی راہوں کو چھوڑ دے۔ لیکن دینی علم اور پاک معارف کے سمجھنے اور حاصل کرنے کیلئے پہلے سچی پاکیزگی کا حاصل کر لینا اور ناپاکی کی راہوں کا چھوڑ دینا ازبس ضروری ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الۡمُطَہَّرُوۡنَ[1] یعنی خدا کی پاک کتاب کے اسرار کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو پاک دل ہیں اور پاک فطرت اور پاک عمل رکھتے ہیں۔ دنیوی چالاکیوں سے آسمانی علم ہرگز حاصل نہیں ہو سکتے پس اگر علوم سے یہی فریب اور تزویر اور انسانی منصوبہ بازیاں اور بخل اور باطل پرستی مراد ہے تو ہم بھی دیانند صاحب سے اتفاق کرتے ہیں کہ یہ سب علوم انہیں کو نصیب ہوئے اور باوا صاحب کو حاصل نہ تھے اور اگر علوم سے وہ علوم مراد ہیں جو تقویٰ اور ریاضت اور جوگ اور پاک دلی سے حاصل ہوتے ہیں اور پرہیزگار انسانوں پر ہی کھلتے ہیں تو اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ باوا صاحب ان علوم کی روشنی سے منور کئے گئے تھے۔ مگر دیانند ان پاک معارف سے بالکل بے خبر تھا اور بے خبر ہی مر گیا۔

قولہ۔ وید آدی شاستر اور سنسکرت کچھ بھی نہیں جانتے تھے جو جانتے ہوتے تو نربھی شبد کو نربھو کیوں لکھتے۔ **اقول۔** یہ صرف تکبر اور خود پسندی کی وجہ سے ایک بدگمانی ہے۔ اگر یہ بات سچی ہوتی تو یہ الزام دینا ان پنڈتوں کا حق تھا۔ جو باوا صاحب کے زمانہ میں موجود تھے ہم نے تو سنا ہے کہ باوا صاحب جس پنڈت سے بحث کرتے تھے اس کو لاجواب اور ساکت کر دیتے تھے۔ باوا صاحب کے گرنتھ پر غور کرنے والوں پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ویدوں کے ان اصولوں سے باوا صاحب نے صاف انکار کر دیا ہے جن کو سچائی کے مطابق نہیں پایا۔ مثلاً ویدوں کے رو سے تمام ارواح اور ذرات غیر مخلوق اور انادی ہیں۔ لیکن باوا صاحب کے نزدیک تمام ذرات اور ارواح مخلوق ہیں۔ جیسا کہ وہ فرماتے ہیں۔

اول اللہ نور اُپایا قدرت کے سب بندے اک نور سے سب جگ الجھا کون بھلے کون مندے

یعنی خدا تعالیٰ نے ایک نور پیدا کر کے اس نور سے تمام کائنات کو پیدا کیا۔ پس پیدائش کی رو سے تمام ارواح نوری ہیں یعنی نیک و بد کا اعمال سے فرق پیدا ہوتا ہے ورنہ باعتبار خلقت ظلمت

[1] الواقعۃ: ۸۰

محض کوئی بھی پیدا نہیں کیا گیا۔ ہر یک میں نور کا ذرہ مخفی ہے۔ اس میں باوا صاحب نے آیت

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [1]

سے اقتباس کیا ہے۔ اسی لئے اللہ اور نور کا لفظ شعر میں قائم رہنے دیا۔ تا اقتباس پر دلالت کرے۔ اور نیز حدیث **اول ماخلق اللہ نوری** کی طرف بھی اس شعر میں اشارہ کیا ہے اور یہی باوا صاحب کی عادت تھی کہ قرآن شریف کے بعض معارف ہندی زبان میں ترجمہ کر کے لوگوں کو فائدہ پہنچاتے چنانچہ ان کے اشعار میں صدہا قرآنی آیتوں کا ترجمہ موجود ہے۔ اسی طرح باوا صاحب کا ایک شعر یہ ہے۔

جنہاں درشن اِت ہے اُہناں درشن اُت جنہاں درشن اِٹ نا اُنہاں اِٹ نہ اُت

ترجمہ یہ ہے کہ جو لوگ اس جہان میں **خدا کا درشن** پالیتے ہیں وہ اس جہان میں بھی پالیتے ہیں۔ اور جو نہیں پاتے وہ دونوں **جہانوں** میں اس کے درشن سے بے نصیب رہتے ہیں۔ اور یہ شعر بھی اس آیت قرآن کا ترجمہ ہے۔

مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى [2]

قولہ۔ چاہتے تھے کہ میں سنسکرت میں بھی پگ اڑاؤں۔ پرنتو بنا پڑھے سنسکرت کیسے آ سکتا ہے یعنی باوا نانک صاحب سنسکرت میں خوانخواہ پاؤں اڑاتے تھے۔ بھلا سنسکرت پڑھنے کے بغیر کیسے آ سکتا ہے۔ **اقول**۔ یہ کلمہ بھی متکبرانہ ہے۔ دیانند نے چار حرف سنسکرت کے تو پڑھ لئے مگر تکبر کی زہر نے اس کو روحانی زندگی سے محروم کر دیا جو نیک دلوں کو حاصل ہوتی ہے۔

قولہ۔ ہاں ان گرامنیوں کے سامنے جنہوں نے سنسکرت کبھی سنا بھی نہیں تھا سنسکرتی بنا کر سنسکرت کے بھی پنڈت بن گئے ہوں گے یعنی ان گاؤں والوں کے سامنے جنہوں نے کبھی سنسکرت سنی بھی نہ تھی ایسی ایسی عبارتیں سنسکرت کی بنا کر پنڈت بن گئے ہوں گے۔ **اقول**۔ اس نااہل پنڈت کا ارادہ یہ ہے کہ باوا صاحب کو نہ صرف نادان اور جاہل کہے۔ بلکہ ان کو فریبی اور مکار بھی بناوے۔ اسی لئے لکھتا ہے کہ جو لیاقتیں ان میں موجود نہیں تھیں۔ عوام کو دھوکہ دینے کے لئے

[1] النور:۳۶ [2] بنی اسرائیل:۷۳

﴿۱۶﴾ انؔ کا دعویٰ کر دیا۔ مگر یہ سب شرارت ہے باوا صاحب ایک خاکسار آدمی تھے۔ پنڈت بننے کا ان کو شوق نہیں تھا۔ یہ ریا کاریاں وہ لوگ کیا کرتے ہیں جو دنیا پر نظر رکھتے ہیں۔ مگر افسوس کہ نادان انسان ہر ایک آدمی کو اپنے نفس پر قیاس کر لیتا ہے اس لئے یہ مرض اس کا لاعلاج ہے۔

قولہ۔ جب کچھ ابھیمان تھا تو مان پرتشٹھا لئے کچھ دنبہ بھی کیا ہوگا۔ یعنی کچھ لالچ اور دل کی خواہش تھی۔ اس پر کچھ غرور بھی کیا ہوگا۔ **اقول**۔ اس فقرہ میں دیانند نے یہ ظاہر کیا ہے کہ نانک ایک لالچی اور مغرور آدمی تھا۔ اور تمام فقیری اس کی اسی غرض سے تھی۔ اب ناظرین خیال کریں کہ اس سے زیادہ تر سخت الفاظ اور کیا ہوں گے۔ ایسے سکھ صاحبوں پر نہایت افسوس ہے کہ ان کے گرو کی نسبت ایسے ایسے سخت کلمے کہے جائیں اور پھر بھی وہ آریوں سے محبت کے تعلقات رکھیں۔ بھلا وہ ذرا انہیں الفاظ سے دیانند کو یاد کر کے کوئی اشتہار دے دیں پھر دیکھیں کہ کیونکر آریہ صبر کرتے ہیں۔ اگر باوا صاحب سے سچی محبت اور ان کے لئے سچی غیرت ہے تو اس کا نمونہ دکھلانا چاہئے۔

قولہ۔ ان سے کوئی وید کا ارتھ پوچھتا جب نہ آتا تب پرتشٹھا نشٹ ہوتی۔ یعنی اگر کوئی ان سے کوئی وید کا مطلب پوچھتا اور ان سے کچھ بن نہ آتا تو سب کاریگری برباد جاتی اور تمام قلعی کھل جاتی۔ **اقول**۔ یہ تمام گالیاں ہیں اس کا ہم کیا جواب دیں۔ مگر دیانند سے کوئی پوچھے کہ کیا تیری قلعی کھلی یا نہیں۔ کیا ایسے عقیدوں کے شائع کرنے سے کہ ہر یک جان کا پرمیشر سہارا نہیں اور نجات جاودانی نہیں اور ہر یک فیض کا پرمیشر مبدء نہیں اور خاوند والی عورت دوسرے سے ہم بستر ہو۔ کیا اس سے تیری تمام کاریگری برباد ہو چکی یا اب تک کچھ باقی ہے۔ دیانند کو اس بات پر سارا غصہ ہے کہ باوا صاحب وید کے ان عقائد کو قبول نہیں کرتے تھے اور انہوں نے بہت زور سے ان باتوں کا رد لکھا ہے۔

قولہ۔ اپنے ششوں کے سامنے کہیں کہیں ویدوں کے وروده بولتے تھے اور کہیں اچھا بھی کہا ہے۔

کیونکہ جو کہیں اچھا نہ کہتے تو لوگ ان کو ناستک بناتے جیسے کہ ہے۔ وید پڑھت برہما مرے

﴿۱۷﴾ چاروں وید کہانی۔ سادھ کی مہما وید نجانی۔ **نانک برھم گیانی آپ پرمیشر**۔ کیا وید پڑھنے والے مرگئے۔ اور نانک جی آدمی اپنے کو امر سمجھتے تھے۔ کیا وے نہیں مرگئے۔ وید تو سب وڈّیاؤں کا بھنڈار ہے پرنتو جو چاروں ویدوں کو کہانی کہے۔ اس کی سب باتیں کہانی ہوتی ہیں۔ جن مورکھوں کا نام سنت ہوتا ہے وہ بیچارے ویدوں کی مہما کبھی نہیں جان سکتے۔ نانک جی اگر ویدوں پر بھروسہ کرتے تو ان کا سمپر ڈالی نہ چلتا نہ وے گورو بن سکتے تھے کیونکہ سنسکرت وڈّیا تو پڑھی ہی نہیں تھی تو دوسرے کو پڑھا کر شش کیسے بنا سکتے۔ باقی ترجمہ یہ ہے کہ نانک جی اپنے سکھوں کے روبرو وید کے مخالف باتیں کیا کرتے تھے۔ یعنی ایسی تعلیم دیتے تھے جو وید کی تعلیم کے برعکس ہوتی۔ اور کبھی کوئی موافق بات بھی کہتے مگر دل سے نہیں بلکہ اس خوف سے کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ یہ خدا کا قائل نہیں یعنی نانک ایک منافق آدمی تھا۔ وہ درحقیقت ویدوں کی تعلیم سے دل سے بیزار تھا کبھی ویدوں کے موافق کوئی بات اس لئے کہتا تھا کہ تا ہندوؤں کو دھوکہ دیوے اور وہ لوگ سمجھیں کہ یہ شخص ہندو مذہب سے بکلی دست بردار نہیں سو یہ کارروائی لوگوں کے ڈر سے تھی نہ سچے دل سے اور پھر دیانند اپنی اس رائے کی تائید کے لئے کہ نانک درحقیقت ہندو مذہب اور ویدوں سے الگ ہو گیا تھا۔ باوا نانک صاحب کا مندرجہ ذیل شعر اسی غرض سے پیش کرتا ہے اور وہ شعر یہ ہے۔

وید پڑھت برہما مرے چاروں وید کہانی سادھ کی مہما وید نجانی۔ نانک برہم گیانی آپ پرمیشر یعنی وید پڑھتے پڑھتے برہما مرگیا اور حیات جاودانی حاصل نہ ہوئی۔ چاروں وید کہانی یعنی یاوہ گوئی ہے اور خدا تعالیٰ کی وہ تعریف جو راستباز کیا کرتے ہیں ویدوں کو معلوم نہیں یعنی وہ حمد وثناء اللہ جلشانہ کی جو صادق کے منہ سے نکلتی ہے اور وہ سچی تعریف اس کی اور سچی شناخت اس کی جو عارفوں کو حاصل ہوتی ہے چاروں وید اس سے محروم اور بے نصیب ہیں۔ کیونکہ اے نانک یہ پرمیشر کا خاصہ ہے جو صحیح اور پاک علم سے خاص ہے یعنی ویدوں نے جو صراط مستقیم کو چھوڑ دیا اور گمراہی کی راہیں بتلائیں اس میں وید معذور ہیں کیونکہ وہ اس ایشر برہم گیانی کی طرف سے نہیں ہیں۔

﴿۱۸﴾ جسؔ کا بیان غلط باتوں سے پاک ہوتا ہے۔ باقی ترجمہ دیانند کی کلام کا یہ ہے۔ کیا وید پڑھنے والے مرگئے اور نانک جی وغیرہ گرنتھ والے آپ کو زندہ سمجھتے ہیں یا وہ نہیں مرے۔ وید تو جملہ علوم کا خزانہ ہے جو ویدوں کو کہانی بتائے اس کی سب باتیں کہانی ہیں یعنی وہ خود یاوہ گو ہے (پھر دیانند اشارہ کے طور پر باوا صاحب کو ایک گالی دے کر کہتا ہے) جن گنواروں کا نام سنت اور ہادی رکھا گیا یعنی باوا نانک صاحب وہ بیچارے ویدوں کی تعریف کیا جانیں۔ نانک جی اگر ویدوں پر بھروسہ کرتے تو ان کی مکّاری کیونکر چل سکتی اور کیونکر گرو بن سکتے۔ کیونکہ آپ تو وہ سنسکرت کے علم سے ناواقف تھے تو پھر دوسرے کو وید پڑھا کر کیونکر اپنا سکھ بناتے۔

اقول۔ جس قدر دیانند نے باوا صاحب کے نام نادان اور جاہل اور فریبی اور گنوار اور مکّار اور دنیا پرست اور لالچی وغیرہ وغیرہ اپنی اس کتاب میں رکھے ہیں۔ درحقیقت وہ تمام غصّہ باوا صاحب کے اس شعر کی وجہ سے اور نیز ان اسلامی عقائد کی وجہ سے ہے جو باوا صاحب کے اشعار میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ لیکن اگر یہ متعصب پنڈت خدا ترس ہوتا۔ تو یہ تمام وجوہ باوا صاحب کی عظمت اور بزرگی اور نیک بختی پر دلالت کرتی تھیں۔ باوا صاحب ایک راست باز آدمی تھے۔ وہ نادان پنڈتوں کی طرح تعصب اور بخل کے کیچڑ میں مبتلا نہیں تھے۔ اور ان کو وہ روشنی دی گئی تھی جو ان لوگوں کو دی جاتی ہے جو سچے دل سے خدا تعالیٰ کو ڈھونڈتے ہیں اور انہوں نے حق الیقین کی طرح سمجھ لیا تھا کہ ہندوؤں کے وید ضلالت اور گمراہی سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس لئے انہوں نے فرمایا کہ **چاروں وید کہانی اور یاوہ گوئی ہے**۔ کوئی وڈّیا ان میں نہیں۔ اور اسی لئے علانیہ طور پر گواہی دے دی کہ خدا تعالیٰ کی وہ تعریفیں جو راست باز اور عارف اور واصلان درگاہ الٰہی کرتے ہیں۔ وید نے اس پاک ذات کی وہ تعریفیں نہیں کیں۔ پس باوا صاحب کا یہ قول سراسر سچ ہے۔ اور آب زر سے لکھنے کے لائق ہے۔ باوا صاحب کے زمانہ پر قریباً چار سو برس گذر گیا۔ اور اب جا بجا وید ترجمہ ہو کر مشتہر ہوئے اور معلوم ہوئے کہ ان میں بجز عناصر پرستی اور ستارہ پرستی کے اور کچھ نہیں پس درحقیقت

﴿۱۹﴾ یہ باوا صاحب کی بڑی کرامت ہے کہ اس زمانہ میں انہوں نے ویدوں کی حقیقت معلوم کر لی جبکہ وید ایسے گم تھے کہ گویا نابود تھے۔ لیکن دیانند ایسے زمانہ میں بھی نابینا رہا جبکہ انگلستان اور جرمن وغیرہ میں ویدوں کے ترجمے ہو چکے تھے۔ اور پھر دیانند نے جو طعن کے طور پر لکھا یعنی یہ کہ اگر وید کے جاننے والے مرگئے تو کیا باوا نانک ہمیشہ کے لئے زندہ رہ گئے☆۔ یہ بھی اس کی کمال نادانی تھی جو باوا صاحب کی باریک اور پُرمعرفت بات کو نہ سمجھ سکا۔ باوا صاحب کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ وید کے جاننے والے جسمانی موت سے مرے تا باوا صاحب کی موت کا ذکر کرنا اس کو زیبا ہوتا۔ اس بات کو کون نہیں جانتا کہ جسمانی موت ہر یک کو درپیش ہے بلکہ باوا صاحب کا تو یہ مطلب تھا کہ وہ روحانی زندگی جو سچے مذہب کے پیرو ہونے کی حالت میں اور سچی کتاب کے ماننے کی صورت میں انسان کو ملتی ہے وہ زندگی وید کے ماننے والوں کو نہیں ملی اور سب کے سب گمراہی کی موت میں مرگئے۔ اب باوا صاحب پر ان کی موت کی وجہ سے اعتراض کرنا حماقت ہے۔ کیونکہ بلاشبہ وہ پاک توحید اور پاک کلمہ کی برکت سے ہمیشہ کے لئے زندہ رہے بھلا انصافاً سوچو کہ باوا صاحب کو فوت ہونے پر قریباً چار سَو برس گذر گئے اور ابتک ان کا چولا جس پر

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

لکھا ہوا ہے جس کو وہ نہایت صدق اور اخلاص سے پہنتے تھے۔ جس کا ہر یک لفظ ان کی دلی حالت کا ترجمان تھا ان کی اولاد کے پاس موجود ہے۔ پس یہ بھی ایک قسم زندگی کی ہے کہ خدا تعالیٰ نیک لوگوں کے کپڑوں کو بھی ضائع ہونے نہیں دیتا۔ دیکھو آریوں کا دیانند ابھی مرا ہے گویا کل فوت ہوا ہے کیا اس کی ایک لنگوٹی بھی جو باندھا کرتا تھا آریوں کے پاس موجود ہے؟ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی خدا نے اس کو ذلیل کیا اور باوا نانک صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر عزت کی نگاہ سے دیکھا کہ کلمہ طیبہ کا کپڑا اپنا چولا بنالیا اس لئے

☆ نوٹ۔ دیانند اس قول کے بعد بہت جلد مر گیا پس یہ بھی باوا صاحب کی ایک کرامت ہے۔ منہ

﴿۲۰﴾

خدا نے بھی ان کو وہ عزت دی کہ کروڑ ہا آدمی اعتقاد کے ساتھ ان کے پاؤں پر گرے اور حیات روحانی ان کو حاصل ہوئی سو ہمیشہ کی زندگی پانے کی یہی راہ ہے جس نے سوچنا ہو سوچ لے۔

آنانکہ گشت کوچۂ جاناں مقام شان ثبت است برجریدۂ عالم دوام شان

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق میرد کسیکہ نیست مرامش مرام شان

اے مردہ دل مکوش پئے ہجو اہل دل جہل و قصور تست نفہمی کلام شان

قولہ۔ نانک جی کے سامنے کچھ ان کا سمپر دائے و بہت سے شش نہیں ہوئے تھے۔ کیونکہ اودہ وانوں میں یہ حال ہے کہ مرے پیچھے ان کو سدھ بنا لیتے ہیں۔ ''پشچات بہت سا مہاتم کر کے ایشر کے سمان مان لیتے ہیں۔'' یعنی نانک جی کا کچھ پورا پورا تسلّط نہیں ہوا تھا۔ اور نہ سکھ ہی بنے تھے۔ کیونکہ جاہلوں کا دستور ہے کہ مرنے کے بعد مردوں کو سادھ اور بھگت قرار دیدیتے ہیں۔ **اقول۔** پنڈت صاحب کا اس تقریر سے یہ مطلب ہے کہ نانک درحقیقت کوئی اچھا آدمی نہیں تھا۔ مرنے کے بعد خواہ نخواہ اس کو بھگت بنایا گیا۔ مگر درحقیقت دیانند کی یہ تمام باتیں ایک ہی کینہ کی وجہ سے ہیں یعنی یہ کہ باوا صاحب وید کو ایک فضول کتاب اور گمراہ کرنے والی کہانی کہتے تھے اور یہی جا بجا نصیحت کرتے تھے اور ان کی زندگی کے مقاصد میں سے اعلیٰ مقصد یہی تھا کہ وہ لوگوں کو وید سے چھوڑا کر خدا تعالیٰ کے پاک کلام کی جو قرآن شریف ہے مصدق بنا دیں اور درحقیقت ان کا وجود خدا تعالیٰ کی قدرتوں کا ایک عظیم الشان نمونہ تھا جس کی تمام مسلمانوں کو قدر کرنی چاہئے۔ اس خدا نے جو اپنے پاک نبی کے لئے پتھروں اور درختوں اور درندوں سے گواہی دلائی اس آخری زمانہ میں ان کے لئے جو تاریکی میں بیٹھے تھے انہیں میں سے ایک چمکتا ہوا ستارہ نکالا اس نے **اس نور کی گواہی دی** جو دنیا کو روشن کرنے کے لئے آیا تھا۔ نور کو تاریکی شناخت نہ کرسکی آخر اس نے شناخت کیا جس کو نور میں سے حصہ دیا گیا تھا۔ **پاک ہے وہ خدا جس نے اسلام کے لئے یہ گواہیاں پیدا کیں۔** اس صادق انسان نے ویدوں کو گمراہی کی تعلیم کہہ کر نا اہل پنڈتوں سے گالیاں کھائیں اگر وہ ویدوں سے

بیزار نہ ہو جاتے تو کوئی بھی پنڈت ان کو برا نہ کہتا۔ اب تو باوا صاحب ان پنڈتوں کی نظر میں کچھ بھی نہیں وید کے مکذب جو ہوئے۔ ﴿۲۱﴾

قولہ۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ویدوں کو نہ سنا نہ دیکھا۔ کیا کریں جو سننے اور دیکھنے میں آوے تو بدھ مان لوگ جو کہ ہٹی درہ گرہے نہیں دے سب سمپر دای والے بیدمت میں آجاتے ہیں۔ یعنی نانک وغیرہ اس کے سکھوں نے نہ ویدوں کو سنا نہ دیکھا کیا کریں جو سننے یا دیکھنے میں آویں تو جو عقلمند متعصب نہیں وہ فوراً اپنی ٹھگ بدیا چھوڑ کر وید کی ہدایت میں آجاتے ہیں۔

اقول۔ اس تمام تقریر سے پنڈت صاحب کا مطلب صرف اتنا ہے کہ باوا نانک صاحب اور ان کے پیرو ٹھگ ہیں انہوں نے دنیا کے لئے دین کو بیچ دیا۔ مگر ہر چند یہ تو سچ ہے کہ باوا نانک صاحب نے وید کو چھوڑ دیا اور اس کو گمراہ کرنے والا طومار سمجھا لیکن پنڈت صاحب پر لازم تھا کہ یوں ہی باوا صاحب کے گردنہ ہو جاتے اور ٹھگ اور مکّار ان کا نام نہ رکھتے بلکہ ان کے وہ تمام عقیدے جو گرنتھ میں درج ہیں اور مخالف وید ہیں اپنی کتاب کے کسی صفحہ کے ایک کالم میں لکھ کر دوسرے کالم میں اس کے مقابل پر وید کی تعلیمیں درج کرتے تا عقلمند خود مقابلہ کر کے دیکھ لیتے کہ ان دو تعلیموں سے سچی تعلیم کونسی معلوم ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ صرف گالیاں دینے سے کام نہیں نکلتا۔ ہر یک حقیقت مقابلہ کے وقت معلوم ہوتی ہے اور ناحق گالیاں دینا سفلوں اور کمینوں کا کام ہے۔

قولہ۔ نانک جی بڑے دھنار اور رئیس بھی نہ تھے۔ پرنتو ان کے چیلوں نے نانک چندودے اور جنم ساکھی وغیرہ میں بڑے سدھ اور بڑے ایشرج والے لکھے ہیں۔ نانک جی برہما دی سے ملے بڑی بات چیت کی سب نے ان کا مان کیا۔ نانک جی کے وواہ میں گھوڑے، رتھ، ہاتھی سونا چاندی موتی پنا ادی رتنوں سے جڑے ہوئے پار ادار نتھا لکھا ہے۔ بھلا یہ گپوڑے نہیں تو کیا ہے یعنی نانک جی کہیں کے مالدار اور رئیس نہیں تھے۔ مگر ان کے چیلوں نے پوتھی نانک چند ودی اور جنم ساکھی وغیرہ میں بڑے دولتمند اور بھگت کر کے لکھا ہے

﴿۲۲﴾ یہ بھی لکھا ہے کہ نانک جی کی برہما سے ملاقات ہوئی بڑی بحث کی۔سب دیوتوں نے ان کی تعظیم کی۔نانک جی کے بیاہ میں گھوڑے ہاتھی رتھ سونا چاندی پنا موتی وغیرہ رتنوں سے جڑے ہوئے تھے اوران کا کچھ حد وحساب نہ تھا۔ بھلا یہ گپ نہیں تو اور کیا ہے۔

اقول۔ یہ آخری قول پنڈت دیانند کا ہمارے نزدیک کسی قدر صحیح☆ ہے مگر اس کو باوا نانک صاحب سے کچھ تعلق نہیں۔ ہاں اس میں کچھ شک نہیں کہ بعض نادان دوستوں نے کئی طور سے ایسے افتراء کئے ہیں جن میں شاید ان کی یہ غرض تھی کہ باوا صاحب کی اس سے تعریف اور بزرگی ثابت ہوگی مگر ان کو یہ خبر نہیں تھی کہ نامعقول اور بیہودہ افتراؤں سے کسی کی بزرگی ثابت نہیں ہوسکتی بلکہ آخرکار یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسے مفتری اور یاوہ گو لوگوں پر اس بزرگ کی برکات کا کچھ بھی اثر نہ پڑا۔ سو بعض ایسے لوگوں کی نسبت جنہوں نے بے تحقیق باوا صاحب کی سوانح میں غلط باتیں ملا دیں ضرور یہ کہنا پڑتا ہے جو انہوں نے احتیاط اور دیانت سے کام نہیں لیا۔ اور ایسی باتیں جو شرم اور حیاء سے بھی بعید ہیں منہ سے نکالیں۔ جیسا کہ یہ ایک جھوٹا قصہ کہ باوا صاحب جب مکہ میں گئے تو جس طرف پاؤں کرتے تھے مکہ اسی طرف آجاتا تھا کیا یہ قصہ مہادیو کی لِٹوں سے گنگا نکلنے سے کچھ کم ہے۔ اس قدر تو سچ ہے کہ چونکہ باوا صاحب ملّت اور مذہب کی رو سے اہل اسلام تھے اس لئے حج کرنے کے لئے بھی گئے لیکن واقعات صحیحہ پر ایسے حاشیے چڑھا دینا جو سراسر عقل اور قرائن صحیحہ کے مخالف ہیں کسی متدین کا کام نہیں جس شہر کی ایک لاکھ سے زیادہ آبادی ہے وہ کیسے باوا صاحب کے پیروں کی طرف معہ تمام باشندوں کے بار بار آتا رہا۔ اور اگر مکہ سے مراد خانہ کعبہ ہے تو پھر ایسا قصہ بجز اس کے کہ مسلمانوں کا دل دکھایا جاوے اور ایک بیہودہ اور بے ثبوت یاوہ گوئی سے ان کو ستایا جاوے کوئی اور ماحصل نہیں رکھتا مگر جن لوگوں نے باوا صاحب کو خدا کے برابر بنا رکھا ہے۔ اگر وہ بیت اللہ کی تحقیر کریں تو ہم ان پر کیا افسوس کریں ایسے زمانہ میں جو اکثر لوگ تربیت یافتہ ہوگئے ہیں اور صدق اور کذب میں تمیز کرنے کا مادہ بہتوں میں پیدا ہوگیا ہے۔ ایسے لغو قصے مشہور کرنا ایک طور سے

☆ **نوٹ**۔ اگر نانک جی رئیس نہیں تھے اور نہ رئیس زادے تھے تو بھلا شکر ہے کہ دیانند تو کسی ملک کا بڑا رئیس تھا جس کی معمولی حسب ونسب کا بھی اب تک کوئی صحیح صحیح پتہ نہیں ملا۔ منہ

اپنے مذہب کی آپ ہجو کرنا ہے۔ اگر باوا صاحب مکہ میں حج کی نیت سے نہیں گئے تھے بلکہ ﴿۲۳﴾
کرامت دکھلانے گئے تھے تو چاہئے تھا کہ کعبہ کو اسی جگہ چھوڑ آتے جس طرف پیر تھے۔ اگر زیادہ
نہیں تو اپنے مقام مخصوص سے دس بیس قدم ہی کم وبیش ادھر ادھر کر آتے یا اپنے پیچھے پیچھے کعبہ کو
اپنے گھر تک لے آتے تا اس کرامت کو دوسرے سکھ بھی دیکھ لیتے۔ مگر چونکہ اب تک کعبہ اُسی
جگہ ہے جس جگہ پر وہ قدیم سے چلا آتا ہے اور مکہ والے باوا نانک صاحب کے نام سے بھی
ناواقف ہیں قطع نظر اس سے جو کوئی ایسا اعجوبہ یاد رکھتے ہوں تو صاف ظاہر ہے کہ یہ نہایت مکروہ
جھوٹ کسی شریر انسان کا افتراء ہے۔ باوا صاحب نے ہرگز ایسا دعویٰ نہ کیا۔ مکہ اسلام کا مرکز
ہے۔ اور لاکھوں صلحاء اور علماء اور اولیاء اس میں جمع ہوتے ہیں۔ اور ایک ادنیٰ امر بھی جو مکہ میں
واقع ہو فی الفور اسلامی دنیا میں مشہور ہو جاتا ہے پھر ایسا عظیم الشان واقعہ جس نے اسلام اور
قانون قدرت دونو کو زیر وزبر کر دیا۔ اور پھر ایسے نزدیک زمانہ کا کہ جس پر ابھی پورے چار سَو
برس بھی نہیں گذرے۔ وہ لاکھوں آدمیوں کو فراموش ہو جائے اور صرف سکھوں کی جنم ساکھیوں
میں پایا جائے کیا اس سے بڑھ کر اور کوئی بھی قابل شرم جھوٹ ہوگا۔ عجیب تر یہ کہ ان قصوں میں
یہ بیان ہوا ہے کہ باوا صاحب نے مکہ میں پنجابی بھاشا میں باتیں کیں اور مکہ کے رہنے والوں
نے بھی پنجابی میں باتیں کیں۔ پھر باوا صاحب مدینہ میں پہنچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کا روضہ بھی ان کے پیروں کی طرف آیا۔ اور وہاں باوا صاحب نے پنجابی بھاشا میں شعر
بنائے اور لوگوں نے پنجابی میں جواب دیئے۔ اب فرمایئے کہ یہ کس قدر جھوٹ ہے ظاہر ہے
کہ عرب کے باشندے ہندی زبان کو نہیں سمجھ سکتے۔ پھر انہوں نے باوا صاحب کی بھاشا کو کیا
سمجھا ہوگا۔ اگر یہ قصہ صحیح تھا تو باوا صاحب کی پہلی کرامت یہ چاہئے تھی کہ وہ عربی زبان
والوں سے عربی میں ہی بات کرتے اور ان کے سنانے کیلئے عربی میں شعر بناتے نہ کہ پنجابی
میں اور وہ عربی تقریر جو باوا صاحب عربوں کے ساتھ کرتے اور وہ عربی اشعار جو ان کو سناتے
وہ سب جنم ساکھی یا گرنتھ میں لکھنے چاہئے تھے۔ اگر ایسا کرتے تو بیشک کسی قدر بات بن
جاتی۔ مگر اب تو بجز مضحکہ عقلاء کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ پھر مکہ میں پہنچنے کے واقعات بھی

﴿۲۴﴾ خوب صحیح لکھے ہیں۔ جیسا کہ جنم ساکھی میں بیان کیا ہے کہ کعبہ میں ایک پتھر رکھا ہوا ہے۔ اس کو دھوتے ہیں اور نالیوں سے اس کا پانی بہتا ہے اسی پانی کو آب زمزم کہتے ہیں۔ اب کہو کہ اگر ایسے خلاف واقعہ اور سراسر جھوٹ بات کو باوا نانک صاحب کی طرف منسوب کیا جائے تو کیا یہ ماننا نہیں پڑے گا کہ نعوذ باللہ باوا صاحب کو جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔ تمام لوگ جانتے ہیں کہ آب زمزم ایک کنوئیں میں سے نکلتا ہے۔ اور وہ کنواں حضرت **ابراہیمؑ** کے وقت سے مکہ میں موجود ہے۔ اس کو **خانہ کعبہ** اور **سنگ اسود** سے کچھ تعلق نہیں۔ پھر لکھا ہے کہ باوا صاحب کی **امام اعظم** سے مکہ میں ملاقات ہوئی حالانکہ امام اعظم صاحب باوا نانک صاحب کی پیدائش سے سات سو برس پہلے فوت ہو چکے تھے۔ مکہ میں تو ان کی قبر بھی نہیں۔ غرض ایسی قابل شرم باتیں اور نہایت مکروہ جھوٹ جنم ساکھیوں میں پائے جاتے ہیں کہ جو نہ صرف منقول کے مخالف بلکہ عقل اور نقل دونوں کے مخالف ہیں۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ باوا صاحب کی وفات کے بعد بہت افتراء ان پر کئے گئے ہیں۔ اور ان افتراؤں کا وہی زمانہ تھا۔ جبکہ باوا صاحب کے بعد بعض نافہموں کے دلوں میں اسلام کے ساتھ کچھ تعصب پیدا ہو گئے تھے۔ یہ وہی لوگ تھے جو باوا صاحب کے نقش قدم پر قائم نہ رہے اس لئے ان کو یہ مشکلیں پیش آئیں کہ وہ تمام امور جو باوا صاحب کے اسلام پر دلالت کرتے تھے ان سب کی ان کو تاویلیں کرنی پڑیں۔ مگر چونکہ علم تاریخ اور علم بلاد سے بکلی محروم تھے۔ اس لئے جس قدر انہوں نے جھوٹی تاویلیں کیں اسی قدر ان کی دروغ گوئی نہایت فضیحت کے ساتھ ثابت ہوئی اور وہ جھوٹ مخفی نہ رہ سکا۔ بلکہ تاریخ دانوں اور جغرافیہ دانوں نے ان پر ٹھٹھا اڑایا اور اب تک اڑاتے ہیں۔ اگر وہی جاہلیت کا زمانہ رہتا جو آج سے پچاس برس پہلے تھا۔ تو شاید یہ تمام نامعقول باتیں بعض سادہ لوحوں کی نظر میں قبول کے لائق ہوتیں۔ مگر اب زمانہ اس طرز کا نہیں رہا اور معقولیت کی طرف بہت پلٹا کھا گیا ہے اور لوگوں کی نظریں باریک اور حقیقت شناس ہو گئی ہیں۔ اب ایسی باتوں کے ماننے کا وقت گذر گیا کہ باوا صاحب نے مدینہ میں بیٹھ کر بالا کی آنکھیں بند کرائیں تو وہ آنکھ بند کرتے ہی کیا دیکھتا ہے کہ پنجاب میں اپنے گاؤں میں بیٹھا ہے ان جنم ساکیوں[۱] کے

[۱] ایڈیشن اول میں کاتب سے سہو ہوا ہے درست ''ساکھیوں'' (ناشر)

﴿۲۵﴾ اکثر بیانات صرف غیر معقول ہی نہیں بلکہ ان میں اس قدر تناقض ہے اور اس قدر بعض بیانات بعض سے متناقض پائے جاتے ہیں کہ ایک عقلمند کے لئے بجز اس کے کوئی چارہ نہیں کہ اس حصہ کو جو غیر معقول اور قریب قیاس باتوں سے متضاد ہے پایہ اعتبار سے ساقط کرے ہاں یہ بھی کہیں گے کہ جس قدر ان میں ایسا حصہ محفوظ ہے کہ نہ تو اس میں کوئی تناقض اور نہ غیر معقول باتیں ہیں اور نہ لاف وگزاف اور گپ کے طور پر کسی مبالغہ کی اس میں سے بو آتی ہے وہ بیشک سوانح کی مد میں قبول کرنے کے لائق ہے اور یاد رہے کہ یہ تناقض اور اختلاف بیانات جیسا کہ جنم ساکھیوں میں پایا جاتا ہے۔ یہی تناقض باوا صاحب کے ان اشعار میں بھی ہے جو آدگرنتھ میں موجود ہیں۔ جیسا کہ پڑھنے والوں اور غور کرنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ اکثر حصہ باوا صاحب کے اشعار کا جو گرنتھ میں☆ موجود ہے قرآن شریف کی آیتوں کا

حاشیہ

☆ بعض کا یہ اعتراض ہے کہ باوا نانک صاحب گرنتھ میں تناسخ کے قائل ہیں۔ پھر کیوں کر ان کا مذہب اسلام ہوسکتا ہے۔ سو واضح ہو کہ ہمیں باوا صاحب کے کلمات کا بخوبی علم ہے اور ہم نے قریباً تیس برس تک یہ شغل رکھا ہے۔ باوا صاحب اس تناسخ کے ہرگز قائل نہیں جس کے آریہ قائل ہیں۔ جیسا کہ وہ آپ فرماتے ہیں۔

اول اللہ نور اُپایا قدرت کے سب بندے اک نور سے سب جگ اپجا کون بھلے کون مندے

ਅਵੱਲ ਅੱਲਾ ਨੂਰ ਉਪਾਯਾ ਕੁਦਰਤ ਕੇ ਸਬ ਬੰਦੇ ਇਕ ਨੂਰ ਸੇ ਸਬ ਜਗ ਉਪਜਾ ਕੌਨ ਭਲੇ ਕੌਨ ਮੰਦੇ

یعنی خدا نے پہلے نور پیدا کیا اور پھر اسی نور سے تمام دنیا کو پیدا کیا پس یہ تفریق کیونکر ہو کہ پیدائش کی رو سے کوئی بھلا اور کوئی برا ہے۔ یعنی یہ کہنا کہ کوئی جزا کے طور پر پیدا ہوا اور کوئی سزا کے طور پر یہ سراسر غلطی ہے کیونکہ سب نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ یہ شعر باوا صاحب کا اواگون یعنی تناسخ کے رد میں ہے کیونکہ تناسخ میں یہ کہنا پڑتا ہے کہ نیک عمل والوں کو اچھا جنم ملا اور بدعملوں والوں کو برا جنم ملا لیکن حق بات یہ ہے جو باوا صاحب نے فرمائی کہ روحوں میں پیدائش کی رو سے نیک و بد کی تقسیم نہیں ہوسکتی ہاں اعلیٰ اور ادنیٰ کی تقسیم ہوسکتی ہے جیسے مثلاً کپڑے ایک ہی رنگ سے رنگے جائیں کوئی ہلکا رنگ اور کوئی

﴿۲۶﴾ ترجمہ ہے یایوں کہہ سکتے ہیں کہ بجز چند اشعار کے جو الحاق اور جعلسازی کے طور پر باوا صاحب کی طرف منسوب کئے گئے ہیں باقی کل اشعار جو باوا صاحب کے منہ سے نکلے ہیں وہ قرآن مجید کی متفرق آیتوں کے ترجمے ہیں۔ ہم نے بہت فکر اور غور سے گرنتھ کو پڑھا ہے اور جہاں تک انسانی طاقت ہے خوب ہی سوچا ہے آخر نہایت صفائی سے یہ فیصلہ ہوا کہ باوا نانک صاحب نے قرآن شریف ﴿۲۷﴾

بقیہ حاشیہ

بہت شوخ تو یہ غلطی ہوگی کہ رنگ کے لحاظ سے ان میں وہ مقابلہ ثابت کریں جو ضدوں میں ہوتا ہے لیکن مراتب کے لحاظ سے ان میں باہم تفاوت ہوسکتا ہے۔ یعنی ایک بہت شوخ رنگ ہے اور ایک کم اور ایک اس سے کم یہاں تک کہ ایک اس ادنیٰ مرتبہ پر ہے جس نے رنگ میں سے بہت ہی کم حصہ لیا ہے سو ایسا شخص جو ربانی فیض کے رنگ سے کم حصہ رکھتا ہے اسی کو قرآنی اصطلاح میں **شقی** کہتے ہیں اور جس نے کافی حصہ لیا اس کا نام سعید ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنی پاک کلام میں مخلوقات کو سعادت اور شقاوت کے دو حصوں پر تقسیم کر دیا ہے مگر ان کو حسن اور قبح کے دو حصوں پر تقسیم نہیں کیا اس میں حکمت یہ ہے کہ جو خدا تعالیٰ سے صادر ہوا اس کو بُرا تو نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس نے جو کچھ بنایا وہ سب اچھا ہے ہاں اچھوں میں مراتب ہیں۔ پس جو شخص اچھا ہونے کے رنگ میں نہایت ہی کم حصہ رکھتا ہے وہ حکمی طور پر بُرا ہے اور حقیقی طور پر کوئی بھی برا نہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ میری مخلوق کو دیکھ کیا تو اس میں کوئی بدی پاتا ہے سو کوئی تاریکی خدا تعالیٰ سے صادر نہیں ہوئی بلکہ جو نور سے دور جا پڑا وہ مجازاً تاریکی کے حکم میں ہوگیا۔ باوا صاحب کے گرنتھ میں اس کا بہت بیان ہے اور ہر یک بیان قرآن سے لیا گیا ہے۔ مگر اس طرح نہیں کہ خشک تقلید کے لوگ لیتے ہیں۔ بلکہ سچی باتوں کو سن کر باوا صاحب کی روح بول اٹھی کہ یہ سچ ہے پھر اس تحریک سے فطرت نے جوش مارا اور کسی پیرایہ میں بیان کر دیا۔ غرض باوا صاحب تناسخ کے ہرگز قائل نہ تھے اور اگر قائل ہوتے تو ہرگز نہ کہتے کہ ہر یک چیز خدا سے پیدا ہوئی اور کوئی بھی چیز نہیں جو اس کے نور سے پیدا نہیں ہوئی۔ اور یاد رہے کہ باوا صاحب نے اپنے اس قول میں بھی قرآنی آیت کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ یہ ہے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [1]

[1] النور:۳۶

کی آیتوں سے اپنے گرنتھ کو جمع کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآن شریف کی بہت تلاوت کرتے تھے۔ اکثر مساجد میں جاتے اور صلحاء وقت سے قرآن سنتے اور پھر قرآنی مضامین کو نظم میں لکھتے تا قوم کو ایک حکمت عملی کے ساتھ کلام الٰہی سے فائدہ پہنچاویں۔ ہمارا ارادہ تھا کہ ہم اس رسالہ میں دکھلاویں کہ کس عمدہ طور سے باوا صاحب نے جابجا قرآنی آیات کا

بقیہ حاشیہ

یعنی خدا ہی کے نور سے زمین و آسمان نکلے ہیں اور اسی کے نور کے ساتھ قائم ہیں یہی مذہب حق ہے جس سے توحید کامل ہوتی ہے اور خدا شناسی کے وسائل میں خلل نہیں ہوتا مگر جو شخص کہتا ہے کہ خدا خالق نہیں وہ گویا یہ کہتا ہے کہ خدا نہیں کیونکہ عام عقلیں خدا کو خدا کے کاموں سے پہچانتی ہیں پھر اگر خدا ارواح اور ذرات عالم کا خالق نہیں تو وسائل معرفت مفقود ہو جائیں گے یا ناقص ہو کر بے فائدہ ٹھہریں گے لیکن جس نے خدا کا خالق الارواح ہونا مان لیا وہ تناسخ کے مسئلہ کو کسی طرح مان نہیں سکتا کیونکہ جس خدا نے خالق ہونے کی حیثیت سے پہلی دنیا کو کمی بیشی کے ساتھ پیدا کیا یعنی کسی کو انسان بنایا کسی کو گھوڑا وغیرہ اور اس وقت یعنی ابتدا میں گذشتہ اعمال کا وجود نہ تھا کیونکہ خود روحیں نہ تھیں تو پھر اعمال کہاں سے ہوتے تو اس صورت میں وہ خدا جو اپنے اختیار سے برابر مخلوقات میں کمی بیشی کرتا آیا اب کیونکر وہ اعمال کے سوا کمی بیشی نہیں کر سکتا لہٰذا جو لوگ تناسخ یعنی اواگون کو مانتے ہیں۔ وہ جب تک تمام روحوں کو انادی اور غیر مخلوق قرار نہ دیں تب تک ممکن نہیں کہ تناسخ کا خیال بھی ان کے دلوں میں آ سکے کیونکہ جبکہ ان کا یہ مذہب ہے کہ ہر یک روح اور ہر یک جسم مخلوق ہے تو اس صورت میں انہوں نے مان لیا کہ کمی بیشی خدا کے ارادہ سے ہے نہ کہ کسی گذشتہ عمل کی وجہ سے تو تناسخ جاتا رہا۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ تناسخ ماننے والے کسی طرح موحد نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کا تناسخ کا مسئلہ تبھی چلتا ہے جب ذرہ ذرہ کو قدیم اور غیر مخلوق اور انادی اور اپنے وجود کا آپ ہی خدا قرار دیدیں مگر کیا ایسا مذہب اس شخص کی طرف منسوب کر سکتے ہیں جو توحید کے دریا میں بڑے زور سے تیر رہا ہے اور کسی چیز کا وجود بجز وسیلہ قدرت کے خود بخود نہیں سمجھتا کیا وہ بزرگ جس کے چولے پر لکھا ہوا ہے کہ خدا تمام ارواح اور تمام موجودات

﴿۲۸﴾

ترجمہ اپنے اشعار میں کیا ہے۔ مگر چونکہ یہ رسالہ مختصر ہے اس لئے ہم انشاءاللہ ایک مبسوط رسالہ میں اس کا مفصل بیان کریں گے بالفعل جس ذکر کو ہم نے ابھی چھیڑا تھا وہ یہ ہے کہ باوا صاحب کے اشعار میں کیوں اختلاف پایا جاتا ہے اور کیونکر فیصلہ کریں کہ متناقض اشعار میں سے بعض ان کی طرف سے اور بعض دوسروں کی طرف سے ہیں۔ سو ہم بیان کر چکے ہیں کہ اختلاف محض اس وجہ سے

بقیہ حاشیہ

کا خالق ہے اس کی نسبت ایک سیکنڈ کیلئے بھی ہم گمان کر سکتے ہیں کہ نعوذ باللہ وہ اس گندے اعتقاد کو پسند کرتا تھا۔ دوسری[۲] یہ کہ اواگون کے لئے شرط ہے کہ کسی کو کبھی جاودانی مکتی نہ ہو اور ہمیشہ خواہ نخواہ مقدس لوگ بھی جونوں میں پھنسے رہیں یہاں تک کہ ایک ایسا شخص بھی جو مثلاً ایک زمانہ میں ایک بڑا اوتار ہو چکا ہے اس اعتقاد کے رو سے ممکن ہے کہ وہ کسی دوسرے زمانہ میں اواگون کے چکر میں آ کر نجاست کا کیڑا بن جائے اور یہ اعتقاد باوا نانک صاحب کا ہرگز نہیں بلکہ وہ تو جاودانی مکتی کے قائل ہیں۔ اور ان کا اعتقاد ایسا نہیں کہ پرمیشر ایک شخص کو قرب کی عزت دے کر اور اسی پر اس کی وفات کر کے پھر اس کو ذلیل کرے۔ تیسری[۳] یہ کہ باوا صاحب اس بات کے قائل ہیں کہ خدا کریم اور رحیم ہے۔ اور توبہ قبول کرنے والا اور گنہ بخشنے والا اور پروردگار ہے اور یہ سب باتیں اواگون کے عقیدہ کے مخالف ہیں اور باوا صاحب نے صرف ان کو اپنے گرنتھ میں ہی بیان نہیں کیا بلکہ چولا صاحب میں قرآنی آیات کے حوالہ سے بار بار لکھ دیا ہے کہ خدا غفور اور رحیم اور توّاب اور اپنے بندوں کو بخشنے والا ہے۔ اور ہم باوا صاحب کے گرنتھ میں سے یہ مقامات نہ ایک جگہ بلکہ صدہا جگہ پیش کر سکتے ہیں اور تمام عقلمند جانتے ہیں۔ اور آریوں کو بھی اس بات کا اقرار ہے کہ جو شخص یہ تینوں اسلامی عقیدے رکھتا ہو وہ ہرگز اواگون کا قائل نہیں ہو سکتا مگر اس صورت میں کہ دیوانہ یا پرلے درجہ کا جاہل ہو۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی بے ادبی نہیں ہوگی کہ نعوذ باللہ اواگون کو باوا صاحب کا عقیدہ ٹھہرا دیا جاوے کیونکہ خدا کو خالق مان کر اور نجات کو ابدی سمجھ کر اور یہ اعتقاد رکھ کر خدا گناہ

﴿۲۹﴾

ہے کہ جو لوگ باوا صاحب سے بہت پیچھے آئے انہوں نے باوا صاحب کے قدم پر قدم نہیں رکھا اور انہوں نے مخلوق پرستی کی طرف دوبارہ رجوع کر دیا اور لوگوں کو دیویوں اور دیوتوں کی پرستش کے لئے رغبت دلائی اور نیز اسلام سے ان کو تعصب ہو گیا اور دوسری طرف انہوں نے یہ دیکھا کہ باوا صاحب سراسر اسلام کی تائید کئے جاتے ہیں اور تمام باتیں ان کی مسلمانوں

بقیہ حاشیہ

بخش دیتا ہے پھر تناسخ کا قائل ہونا اسی شخص کا کام ہے جو پرلے درجہ کا جاہل ہو۔ جو اپنے کلام میں متناقض بیانوں کو جمع کرے اور اس پر اطلاع نہ رکھے۔ اس وقت گرنتھ ہمارے پاس موجود ہے اور نہ آج سے بلکہ تیس برس سے ہم باوا صاحب کے اصل عقائد کا پتہ لگانے کیلئے جہاں تک انسانی طاقت ہے خوض کر رہے ہیں اور ہماری کامل تحقیقات نے یہی فیصلہ دیا کہ باوا صاحب رحمۃ اللہ سچے مسلمان اور ایسے صادق تھے کہ اسلام کے انوار حاصل کرنے کے لئے ساری زندگی بسر کر دی ہر یک شخص اپنے منہ سے تو کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ باوا صاحب جیسا نمونہ دکھلانا مشکل ہے وہ ان میں سے تھے جن کو خدا کا ہاتھ صاف کرتا رہا ہے خدا ان کو دور سے کھینچ لایا اور پھر دور تک آگے لے گیا۔ تیس۳۰ برس کا عرصہ ہوا کہ مجھے صاف صاف مکاشفات کے ذریعہ سے ان کے حالات دریافت ہوئے تھے۔ اگر میں جزماً کہوں تو شاید غلطی ہو مگر میں نے اسی زمانہ میں ایک دفعہ عالم کشف میں ان سے ملاقات کی یا کوئی ایسی صورتیں تھیں جو ملاقات سے مشابہ تھیں چونکہ زمانہ بہت گذر گیا ہے اس لئے اصل صورت اس کشف کی میرے ذہن سے فرو ہو گئی ہے۔ غرض باوا صاحب تناسخ کے قائل ہرگز نہیں تھے اور کوئی اس بات سے دھوکا نہ کھاوے کہ ان کے بعض اشعار میں ایسے اشارات پائے جاتے ہیں کیونکہ اگر فرض کے طور پر چند اشعار پائے جائیں جن کی ہم تاویل نہ کر سکیں تو پھر ہم ان کے ان بہت سے اشعار کو جو قریباً ان کا سارا گرنتھ ہے کہاں پھینک دیں جو تناسخ کے اصولوں سے مخالف ہیں اس لئے یا تو ہم ان کی تاویل کریں گے اور یا الحاقی ماننا پڑے گا کیونکہ بزرگوں کی کلام میں تناقض روا نہیں ہم نے بہت دیکھا ہے اور تحقیق سے

﴿۳۰﴾

کے رنگ میں ہیں اس لئے انہوں نے باوا صاحب کے اشعار میں اپنی طرف سے اشعار ملا دیئے۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان اشعار میں تناقض پیدا ہوگیا۔ مگر صاف ظاہر ہے کہ کسی سچیار اور عقلمند اور صاف دل انسان کی کلام میں ہرگز تناقض نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کوئی پاگل اور مجنون یا ایسا منافق ہو کہ خوشامد کے طور پر ہاں میں ہاں ملا دیتا ہو اس کا کلام بے شک متناقض ہو جاتا ہے۔ رہا یہ فیصلہ کہ ہم کیونکر ان تمام اشعار میں سے کھرے کھوٹے میں فرق کر سکیں اور کیونکر سمجھیں کہ ان میں سے یہ یہ اشعار باوا صاحب کے منہ سے نکلے ہیں اور یہ یہ اشعار جو ان پہلے شعروں کی نقیض پڑے ہیں وہ کسی اور نے باوا صاحب کی طرف منسوب کر دیئے ہیں۔ تو واضح رہے کہ یہ فیصلہ نہایت آسان ہے چنانچہ طریق فیصلہ یہ ہے کہ ان تمام دلائل پر غور اور انصاف سے نظر ڈالی جاوے جو باوا صاحب کے مسلمان ہو جانے پر ناطق ہیں سو بعد غور اگر یہ ثابت ہو کہ وہ دلائل صحیح نہیں ہیں اور دراصل باوا صاحب ہندو ہی تھے اور وید کو مانتے تھے۔ اور اپنی عملی صورت میں انہوں نے اپنا اسلام ظاہر نہیں کیا بلکہ اسلام کی عداوت ظاہر کی تو اس صورت میں ہمیں اقرار کرنا پڑے گا کہ جو کچھ باوا صاحب کی نسبت مسلمانوں کا یہ پرانا خیال چلا آتا ہے کہ درحقیقت وہ مسلمان ہی تھے اور پانچ وقت نماز بھی پڑھتے تھے اور حج بھی کیا تھا۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے اور اس صورت میں وہ تمام اشعار الحاقی مانے جائیں گے جو باوا صاحب کے اسلام پر دلالت

بقیہ حاشیہ یہ فیصلہ لکھا ہے چاہئے کہ کوئی جلدی سے انکار نہ کرے یہی سچ ہے اور ماننا پڑے گا۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ صوفی لوگ اسی زندگی میں ایک قسم کے اواگون کے قائل ہیں۔ اور ہر یک آن کو وہ ایک عالم سمجھتے ہیں اور نیز کہتے ہیں کہ انسان جب تک کمال تک نہیں پہنچتا وہ طرح طرح کے حیوانوں سے مشابہ ہوتا ہے اسی لئے اہل کشف کبھی انسان کو کتے کی صورت میں دیکھتے ہیں اور پھر دوسرے وقت میں بیل کی صورت پر اس کو پاتے ہیں۔ ایسا ہی صدہا صورتیں بدلتی رہتی ہیں اور مدت کے بعد انسان بنتا ہے تب جنموں کی بھانسے ٹوٹتی ہے۔ پس کیا تعجب کہ باوا صاحب کی بھی یہی مراد ہو ورنہ آریوں کے تناسخ سے باوا صاحب صریح منکر ہیں۔ منه

﴿۳۱﴾ کرتے ہیں اور ہم تسلیم کرلیں گے کہ شاید کسی مسلمان نے موقعہ پا کر گرنتھ میں داخل کر دیئے ہیں لیکن اگر دلائل قاطعہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ باوا صاحب نے اسلام کے عقائد قبول کر لئے تھے اور وید پران کا ایمان نہیں رہا تھا تو پھر وہ چند اشعار جو باوا صاحب کے اکثر حصہ کلام سے مخالف پڑے ہیں جعلی اور الحاقی تسلیم کرنے پڑیں گے یا ان کے ایسے معنے کرنے پڑیں گے جن سے تناقض دور ہو جائے اور ظاہر ہے کہ ایک دل سے دو متناقض باتیں نکل نہیں سکتیں۔ کیونکہ ایسے طریق سے یا انسان پاگل کہلاتا ہے یا منافق۔ پس بڑی بے ادبی ہوگی کہ متناقض باتوں کا مجموعہ باوا صاحب کی طرف منسوب کیا جائے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ باوا صاحب نے ایسے مسلمانوں اور قاضیوں مفتیوں کو بھی اپنے اشعار میں سرزنش کی ہو جنہوں نے اس حق اور حقیقت کو چھوڑ دیا جس کی طرف خدا تعالیٰ کا کلام بلاتا ہے اور محض رسم اور عادت کے پابند ہو گئے چنانچہ قرآن شریف اور حدیث میں بھی ہے کہ ایسے نمازیوں پر لعنتیں ہیں جن میں صدق اور اخلاص نہیں اور ایسے روزے نری فاقہ کشی ہے جن میں گناہ ترک کرنے کا روزہ نہیں۔ سو تعجب نہیں کہ غافل مسلمانوں کے سمجھانے کے لئے اور اس غرض سے کہ وہ رسم اور عادت سے آگے قدم بڑھاویں باوا صاحب نے بعض بے عمل مولویوں اور قاضیوں کو نصیحت کی ہو۔

اب ہم کھول کر لکھتے ہیں کہ ہماری رائے باوا نانک صاحب کی نسبت یہ ہے۔ کہ بلاشبہ وہ سچے مسلمان تھے اور یقیناً وہ وید سے بیزار ہو کر اور کلمہ طیبہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** سے مشرف ہو کر اس نئی زندگی کو پا چکے تھے جو بغیر خدائے تعالیٰ کے پاک رسول کی پیروی کے کسی کو نہیں مل سکتی۔ وہ ہندوؤں کی آنکھوں سے پوشیدہ رہے اور پوشیدہ ہی چلے گئے اور اس کے دلائل ہم ذیل میں لکھتے ہیں۔

﴿۳۲﴾

دلیل اول۔ باوانانک صاحب کا وصیت نامہ جو سکھوں میں چولا صاحب کر کے مشہور ہے

یہ وصیت نامہ جس کو سکھ لوگ چولا صاحب کے نام سے موسوم کرتے ہیں بمقام ڈیرہ نانک جو ضلع گورداسپور پنجاب میں واقع ہے اس مکان گوردوارہ میں نہایت اعزاز اور اکرام سے رکھا ہوا ہے۔ جس کو کابلی مل کی اولاد نے جو باوا صاحب کے نسل میں سے تھا خاص اس تبرک کے لئے بنوایا ہے اور پہلا مکان جو چولا صاحب کے لئے بنوایا گیا تھا کہتے ہیں کہ اس پر **کئی ہزار** روپیہ سے کچھ زیادہ خرچ آیا تھا۔ غرض یہ چولا صاحب اس قدر عزت سے رکھا گیا ہے کہ دنیا میں بڑھ کر اس سے متصور نہیں اور یہ ایک سوتی کپڑا ہے جو کچھ خاکی رنگ اور بعض بعض کناروں پر کچھ سرخی نما☆ بھی ہے۔ سکھوں کی جنم ساکھی☆ کا یہ بیان ہے کہ اس میں تیس۳۰ سیپارہ قرآن شریف کے لکھے ہوئے ہیں۔ اور نیز وہ تمام اسماء الٰہی بھی اس میں مکتوب ہیں جو قرآن کریم میں ہیں۔ اور سکھوں میں یہ امر ایک متفق علیہ واقعہ کی طرح مانا گیا ہے کہ یہ چولا صاحب جس پر قرآن شریف لکھا ہوا ہے۔ آسمان سے باوا صاحب کے لئے اترا تھا اور قدرت کے ہاتھ سے لکھا گیا اور قدرت کے ہاتھ سے سیا گیا اور قدرت کے ہاتھ سے باوا صاحب کو پہنایا گیا۔ یہ اشارہ اس بات کی طرف بھی تھا کہ اس چولا پر آسمانی کلام لکھا ہوا ہے۔ جس سے باوا صاحب نے ہدایت پائی۔ اور ہم نے ان بیانات پر پورا بھروسہ نہ کر کے خود اپنے خاص دوستوں کو اس کی پوری پوری تحقیقات کے لئے موقعہ پر بھیجا اور ان کو تاکید سے کہا کہ کسی کے کہنے پر ہرگز اعتبار نہ کریں اور خود توجہ سے اپنے آنکھ سے اس کپڑے کو دیکھیں کہ اس پر کیا لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ قادیان سے روانہ ہو کر ڈیرہ نانک میں پہنچے اور اس موقعہ پر گئے۔ جہاں چولا کی زیارت کے لئے ایک مندر بنایا گیا ہے اور کابلی مل کی اولاد کو ملے۔ اور وہ لوگ خاطرداری اور تواضع سے پیش آئے

☆ **نوٹ**۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ سرخی اس زمانہ میں ڈالی گئی ہے کہ جب کچھ تعصب پیدا ہو گیا تھا غرض یہ تھی کہ وہ حروف مٹ جائیں مگر وہ حروف بھی ابتک پڑھنے کے لائق ہیں۔ منہ ☆ دیکھو اگلا صفحہ شمس

حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۴۴ و طبع اوّل صـ۳۲

﴿۱﴾

ਜਨਮ ਸਾਖੀ ਭਾਈ ਬਾਲੇ ਵਾਲੀ ੫. ੪੧੮	جنم ساکھی بھائی بالے والی جو انگد کی جنم ساکھی کر کے مشہور ہے صفحہ:۴۱۸
ਸਾਖੀ ਅਰਬ ਦੇਸ਼ ਦੇ ਪਾਤਿਸ਼ਾਹ ਨਾਲ ਹੋਈ	ساکھی عرب دیش دے بادشاہ نال ہوئی عرب کے بادشاہ کے ساتھ جو قصہ گذرا
ਇਕ ਸਮੇ ਮਰਦਾਨੇ ਸ੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਜੀ ਅੱਗੇ ਮੱਥਾ	ترجمہ: ایک سمے مردانے سری گورو جی اگے متّھا ایک زمانہ میں مردانہ نے گورو جی کے سامنے
ਟੇਕਿਆ ਅਰਦਾਸ ਕੀਤੀ ਹੇ ਸੱਚੇ ਪਾਤਸ਼ਾਹ ਜੀ ਅਰਬ ਦੇਸ਼	ٹیکیا ارداس کیتی ہے سچے پادشاہ جی عرب دیش ادب سے عرض کی اے سچے بادشاہ عرب کا ملک
ਕੈਸਾ ਹੈ ਜੀ ਤਾਂ ਸ੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਜੀ ਕਹਿਆ ਮਰਦਾਨਿਆਂ ਤੂੰ	کیسا ہے جی تاں سری گورو جی کہیا مردانیا توں کیسا ہے سری گورو جی نے کہا مردانہ تو
ਦੇਖਣਾ ਹੈ ਤਾਂ ਤੈਨੂੰ ਦਿਖਾ ਲਿਆਵਾਂਗੇ ਤਾਂ ਫੇਰ	دیکھناہے تاں تینوں دکھالیاواں گے تاں پھر دیکھنا چاہتا ہے تو تجھے دکھا لائیں گے۔ تب پھر
ਗੁਰੂ ਅੰਗਦ ਜੀ ਸ੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਜੀ ਮੇਰੇ ਤਾਈਂ ਆਖਿਆ	گورو انگد جی سری گورو جی نے میرے تائیں آکھیا گورو جی نے مجھے فرمایا
ਕਿਉਂ ਭਾਈ ਬਾਲਾ ਮਰਦਾਨਾ ਕੀ ਆਖਦਾ ਹੈ ਤਾਂ ਮੈਂ ਆਖਿਆ	کیوں بھائی بالا مردانہ کی آکھدا ہے تاں میں آکھیا کیوں بھئی مردانہ کیا مرضی ہے۔ میں نے عرض کی
ਗੁਰੂ ਜੀ ਜੋ ਤੁਸਾਡੀ ਰਜ਼ਾਇ ਤਾਂ ਸ੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਨਾਨਕ ਭੀ	گورو جی جوتساڈی رجائے تاں سری نانک بھی جو آپ کی رضا ہو تب سری نانک صاحب

﴿۲﴾

ਗੁਰਮੁਖੀ	شاہ مکھی / ترجمہ
ਉਥੋਂ ਜਾਂਦੇ ਜਾਂਦੇ ਅਰਬ ਦੇਸ਼ ਵਿੱਚ ਜਾਇ	اوتھوں جاندے جاندے عرب دیش وچ جائے وہاں سے چل کر عرب کے ملک میں پہنچے
ਪ੍ਰਾਪਤ ਹੂਏ ਅੱਗੇ ਉਸੀ ਦੇਸ਼ ਦਾ ਪਾਤਿਸ਼ਾਹ ਲਾਜਬਰਦ	پراپت ہوئے اگّے اُسی دیش دا پادشاہ لاج برد اس ملک کے بادشاہ کانام لاجورد
ਨਾਮ ਕਰਕੇ ਆਖੀ ਦਾ ਸੀ ਅਤੇ ਬਹੁਤ ਜ਼ੁਲਮੀ ਕਰਦਾ ਸੀ	نام کرکے آکھی داسی اَتے بہت ظلمی کردا سی مشہور تھا اور بہت ظلم کرتا تھا
ਪਰਜਾ ਦੇ ਲੋਕ ਵੱਡੇ ਦੁਖੀ ਹੈਸਨ ਅਤੇ ਜੋ ਕੋਈ	پر جادے لوگ وڈے دُکھی ہیسن اَتے جو کوئی رعیت بڑی تنگ تھی اور جو کوئی
ਹਿੰਦੁਸਤਾਨ ਦਾ ਉਸ ਮੁਲਕ ਵਿੱਚ ਜਾਂਦਾ ਸੀ ਤਿਸਨੂੰ	ہندوستان دا اس ملک وچ جاندا سی تِسنوں ہندوستان سے اس ملک میں جاتا اُس کو
ਗਰਦਨ ਮਰਵਾਉਂਦਾ ਸੀ ਇਹ ਧੁੰਮ ਉਸ ਮੁਲਕ ਵਿਚ ਪੈ ਰਹੀ	گردن مرواوندا سی ایہ دُھم اوس ملک وچ پے رہی قتل کر دیا کرتا تھا۔ اس ملک میں یہی دھوم مچ رہی
ਸੀ ਜਦ ਲੋਕ ਬਹੁਤ ਦੁਖੀ ਹੂਏ ਤਾਂ ਸੱਚੇ	سی جد لوک بہت دُکھی ہوئے تاں سچے تھی جب تمام لوگ بہت تنگ ہوئے تو
ਪਰਮੇਸ਼ਰ ਅੱਗੇ ਓਨਾਂ ਪ੍ਰਾਰਥਨਾ ਕੀਤੀ ਤਾਂ ਉਨਾਂ ਦੀ	پرمیشر اگے اوہناں پرارتھنا کیتی تاں اوہنا دی پرمیشر کے آگے عاجزی سے دعا کی تو ان کی عاجزی
ਬੇਨਤੀ ਸੱਚੇ ਦਰ ਕਬੂਲ ਹੋਈ ਤਾਂ ਉਸ ਵਾਹਿਗੁਰੂ ਦੀ	بینتی سچے در کبول ہوئی تاں اوس واہگورو دی کی دعا بارگاہ میں قبول ہوئی تب خدا کی
ਦਰਗਾਓ ਸ਼੍ਰੀ ਬਾਬੇ ਨਾਨਕ ਜੀ ਪ੍ਰਤੀ ਅਕਾਸ਼	درگاہوں سری بابے نانک جی پرتی اکاش بارگاہ سے بابے نانک جی کو آسمانی
ਬਾਣੀ ਹੋਈ ਹੇ ਨਾਨਕ ਤੇਰੇ ਉਪਰ ਮੈਂ ਬਹੁਤ	بانی ہوئی۔ ہے نانک تیرے اوپر میں بہت ندا ہوئی۔ اے نانک میں تجھ سے بہت

﴿۳﴾

ਪ੍ਰਸਨ ਹਾਂ ਅਤੇ ਇਕ ਖਿਲਤ ਤੇਰੇ ਤਾਂਈਂ	پرسّن ہاں اتے ایک کھلت تیرے تائیں خوش ہوں اور ایک خلعت تجھ کو عطا
ਮਿਲਦੀ ਹੈ ਤਾਂ ਸ਼੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਜੀ ਕਹਿਆ ਹੇ	مِلدی ہے تاں سری گورو جی کہیا ہے ہوتا ہے تب گورو جی نے عرض کیا کہ اے
ਨਿਰੰਕਾਰ ਜੀ ਜੋ ਆਪਦੀ ਰਜ਼ਾਇਤਾਂ ਸ੍ਰੀ ਮਹਾਰਾਜ	نرنکاری جی جو آپ دی رضائے تاں سری مہاراج وحدہ لا شریک جو تیری رضا ہو تب گورو جی نے
ਅੰਤਰਧਿਆਨ ਹੋਇ ਕੇ ਸ਼੍ਰੀ ਠਾਕਰ ਜੀ ਪਾਸ ਅਰਦਾਸ ਕੀਤੀ ਤਾਂ ਇਕ ਖਿਲਤਾ ਹੱਥ	انتر دھیان ہوئیکے سری ٹھاکر جی پاس ارداس کیتی تاں اک کھلتا ہتھ مراقب ہوکر خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا
ਲਗਾ ਤਾਂ ਉਸ ਖਿਲਤੇ ਉਪਰ ਕੁਦਰਤ ਦੇ ਅੱਖਰ ਲਿਖੇ ਹੋਏ ਹਨ ਅਰਬੀ ਤੁਰਕੀ ਫ਼ਾਰਸੀ	لگا تاں اُس کھلتے اوپر قدرت دے اکّھر لکھے ہوئے ہیں عربی ترکی فارسی تب ایک خلعت مرحمت ہوا۔ اور اُس خلعت
ਹਿੰਦਵੀ ਸੰਸਕ੍ਰਤੀ ਇਹ ਪੰਜ ਤਰਾਂ ਦੇ ਅਖਰ ਲਿਖੇ ਹੋਏ ਹਨ ਤਾਂ ਸ਼੍ਰੀ	ہندی سنسکرتی ایہ پنج طرح دے اکّھر لکھے ہوئے ہیں تاں سری پر قدرت کے حرف عربی ترکی فارسی ہندی سنسکرت
ਗੁਰੂ ਜੀ ਉਹ ਖਿਲਤਾ ਪਹਿਨ ਕਰ ਉਸ ਸ਼ਹਿਰ ਦੇ ਦਰਵਾਜੇ ਦੇ ਬਾਹਿਰ ਜਾਏ ਬੈਠੇ ਜਾਂ ਸਤ ਦਿਨ ਗੁਜ਼ਰ ਗਏ	گورو جی اوکھلتا پہن کر اوس شہر دے دروازہ لکھے ہوئے پانچوں قسم کے موجود تھے تب سری گورو جی وہ خلعت دے باہر جائے بیٹھے۔ ست دن گُجر گئے پہن کر اُس شہر کے دروازہ کے باہر جا بیٹھے رات دن گذرنے کے بعد
ਤਾਂ ਲੋਕਾਂ ਆਖਿਆ ਦੇਖੋ ਭਾਈ ਇਹ ਕੈਸਾ ਦਰਵੇਸ਼	تاں لوکاں آکھیا دیکھو بھائی ایہ کیسا درویش لوگوں نے کہا کہ بھائیو ایک ایسا درویش
ਹੈ ਜੋ ਜਿਸਦੇ ਖਿਲਤੇ ਉਪਰ ਕੁਦਰਤੀ ਕੁਰਾਨ ਦੇ	ہے جو جسدے کھلتے اوپر قدرتی قرآن دے بیٹھا ہے کہ جس کی خلعت پر قدرتی قرآن کے
ਤੀਹ ਸਪਾਰੇ ਲਿਖੇ ਹੋਏ ਹੈਨ ਜਾਂ ਉਹਨਾਂ	تیہ۳۰ سپارے لکھے ہوئے ہیں۔ جاں اوہناں تیس سیپارے لکھے ہوئے ہیں جب اُن

﴿۴﴾

ਲੋਕਾਂ ਅੱਛੀ ਤਰਾਂ ਦੇਖਿਆ ਤਾਂ ਬਾਦਸ਼ਾਹ ਨੂੰ	لوکاں اچھی دیکھیا تاں پادشاہ نوں لوگوں نے غور سے دیکھا تو بادشاہ کو
ਜਾਇ ਕਰ ਖ਼ਬਰ ਦਿੱਤੀ ਹੇ ਬਾਦਸ਼ਾਹ ਹਮਾਰੇ ਸ਼ਹਿਰ ਦੇ ਬਾਹਰ	جائیکر خبر دتی ہے پادشاہ ہمارے شہر دے باہر خبر دی کہ اے بادشاہ ہمارے شہر کے باہر
ਇਕ ਦਰਵੇਸ਼ਾ ਆਇ ਬੈਠਾ ਹੈ ਉਸ ਦੇ ਗਲ ਵਿਚ ਇਕ	اک درویش آئے بیٹھا ہے اوسدے گل وچ اک ایک درویش ایسا بیٹھا ہے کہ جس کے گلے میں ایک
ਖਿਲਤਾ ਪਿਆ ਹੈ ਉਸ ਉਪਰ ਤੀਹ ਸਪਾਰੇ ਕੁਰਾਨ ਦੇ ਲਿਖੇ	کھلتا پیا ہے اوس اوپر تیہ سپارہ قرآن دے لکھے خلعت ہے اُس خلعت پر تیس سپارے قرآن کے لکھے
ਹੋਏ ਹੈਨ ਤਾਂ ਬਾਦਸ਼ਾਹ ਨੇ ਵਜ਼ੀਰ ਨੂੰ ਆਖਿਆ	ہوئے ہَن۔ تاں پادشاہ نے وزیر نوں آکھیا ہوئے ہیں تب بادشاہ نے وزیر سے کہا
ਜਾ ਵਜ਼ੀਰ ਉਸ ਦਰਵੇਸ਼ ਦੇ ਗਲੋਂ ਖਿਲਤਾ ਉਤਾਰ ਲਿਆ	جاوزیر اوس درویش دے گلوں کھلتا اوتار لیا کہ اس درویش کے جسم سے وہ خلعت اتار لاؤ
ਤਾਂ ਵਜ਼ੀਰ ਨੇ ਜਾਇ ਕਰ ਆਖਿਆ ਹੇ ਦਰਵੇਸ਼ ਇਹ ਖਿਲਤਾ	تاں وزیر نے جائیکر آکھیا ہے درویش ایہ کھلتا تب وزیر نے جا کر کہا کہ اے درویش یہ خلعت
ਗਲੋਂ ਉਤਾਰ ਦੇ ਬਾਦਸ਼ਾਹ ਮੰਗਦਾ ਹੈ ਬਾਦਸ਼ਾਹ ਦਾ ਹੁਕਮ	گلوں اوتار دے بادشاہ منگدا ائے پادشاہ کا حکم اوتار کر ہمیں دے کہ ہمارا بادشاہ طلب کرتا ہے بادشاہ کی
ਨਹੀਂ ਮੋੜਨਾ ਨਹੀਂ ਤਾਂ ਆਪ ਕੋ ਦੁਖ ਦੇਵੇਗਾ ਤਾਂ ਏਹ	نہیں موڑنا نہیں تاں آپ کوڈُکھ دیویگا۔ تاں ایہ عدول حکمی نہیں چاہئے۔ ورنہ آپ کو سزا دیگا۔ تب یہ
ਬਾਤ ਸੁਣ ਕਰ ਸ਼੍ਰੀ ਬਾਬੇ ਜੀ ਆਖਿਆ ਭਾਈ ਜੇ ਤੁਸਾਡੇ	بات سُن کر سری بابے جی آکھیا بھائی جی تساڈے بات سُن کر سری بابا جی نے کہا کہ اگر بھائیو تم سے
ਪਾਸੋਂ ਉਤਰਦਾ ਹੈ ਤਾਂ ਉਤਾਰ ਲੇਵੋ ਜਦ ਸ਼੍ਰੀ ਬਾਬੇ ਜੀ	پاسوں اُتر دا ہے تاں اوتار لیؤ جد سری بابے جی اُتر سکتا ہے تو اُتار لو جب سری بابے نے

﴿۵﴾

ਗੁਰਮੁਖੀ	شاہ مکھی / اردو
ਏਹ ਬਚਨ ਕੀਤਾ ਤਾਂ ਜਿੰਨੇ ਵਜ਼ੀਰ ਨਾਲ ਨਫ਼ਰ ਸਨ ਸਭ ਸ਼੍ਰੀ	آیہ بچن کیتا تاں جنے وزیر نال نفرسَن سب سری ایہ فرمایا تو جس قدر لوگ وزیر کے ساتھ تھے سب کے سب
ਬਾਬੇ ਜੀ ਵਲ ਦੌੜੇ ਪਰ ਉਹ ਕੁਦਰਤ ਦਾ ਖਿਲਤਾ	بابے جی ول دوڑے پر اوہو قدرت دا کھلتا سری بابے جی کی طرف دوڑے لیکن وہ قدرتی خلعت
ਫੇਰ ਕੁਦਰਤ ਦਾ ਕਪੜਾ ਤੇ ਕੁਦਰਤ ਨਾਲ ਸ਼੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਜੀ ਦੇ	پھیر قدرت دا کپڑا اتے قدرت نال سری گورو جی دے اور قدرتی کپڑا اور قدرتی
ਗਲ ਪਾਇਆ ਹੈ ਨਿਰੰਕਾਰ ਦੀ ਆਗਿਆ ਨਾਲ ਉਹ ਖਿਲਤਾ ਕਿਸ ਤਰ੍ਹਾਂ	گل پایا ہے نرنکار دی آگیا نال اوکھلتا کس طرح پہنایا ہوا وحدہٗ لا شریک کا عطیہ اُن
ਇਨਾ ਜੀਵਾਂ ਝੁਠਿਆ ਪਾਸੋਂ ਉਤਰੇ ਬਥੇਰਾ	اِہناں جیواں جھوٹھیاں پاسوں اُترے۔ بہتیرا جھوٹے لوگوں سے کیونکر اُتر سکتا بہت کچھ
ਜਤਨ ਕਰ ਰਹੇ ਨਾਖਿਚਿਆਂ ਲਹਿੰਦਾ ਹੈ ਨਾ ਫਾੜਿਆਂ ਹੀ	جتن کر رہے نا کھینچیا[1] لہندا ہے نا پاڑیاں ہی جتن کیا نہ کھینچنے سے اُترا نہ پھاڑے سے پھٹ کر
ਲਹਿੰਦਾ ਹੈ ਤਾਂ ਸਭ ਲੋਕ ਅਚਰਜ ਹੋਇ ਗਏ ਬਾਦਸ਼ਾਹ	لہندا ہے تاں سب لوگ اچرج ہوئے گئے پادشاہ اُترا تو سب لوگ حیران رہ گئے۔ بادشاہ
ਦੇ ਪਾਸ ਸਨਿਹਾ ਭੇਜਿਆ ਕਿ ਹੇ ਬਾਦਸ਼ਾਹ ਜੀ ਉਸ ਫ਼ਕੀਰ ਦੇ	دے پاس سنیہا بھیجا کہ ہے پادشاہ جی اوس فقیر کے پاس اطلاع دی گئی کہ اے بادشاہ اُس فقیر
ਗਲੋਂ ਖਿਲਤਾ ਨਹੀਂ ਉਤਰਦਾ ਤਾਂ ਬਾਦਸ਼ਾਹ ਨੇ	دے گلوں کھلتا نہیں اُتردا۔ تاں پادشاہ نے کے گلے سے وہ خلعت نہیں اُترتا ہے۔ تب بادشاہ نے
ਸੁਣਕਰ ਬੜਾ ਕਰੋਧ ਕਰਕੇ ਆਖਿਆ, ਅਰੇ ਤੁਮ ਹਿੰਦੂ ਫ਼ਕੀਰ ਕੋ	سُنکر بڑا کرودھ کرکے آکھیا۔ ارے تم ہندو فقیر کو سُنکر بہت سخت ناراض ہو کر کہا کہ تم اس فقیر کو دریا میں
ਦਰੀਆਉ ਮੇਂ ਡੋਬ ਦੇਹੁ ਤਾਂ ਫੇਰ ਹੁਕਮ ਵਜ਼ੀਰ ਨੂੰ ਆਇਆ	دریاؤ میں ڈوب دیوءتاں پھیر حکم وزیر نوں آیا ڈبودو جب یہ حکم وزیر کے پاس آیا

[1] ایڈیشن اول میں سہو کتابت ہے صحیح ”کھچیاں“ ہے (ناشر)

﴿۶﴾

ਗੁਰਮੁਖੀ	اردو
ਤਾਂ ਵਜ਼ੀਰ ਨੇ ਨਫ਼ਰਾਂ ਤਾਈਂ ਕਹਿਆ ਏਸ ਫ਼ਕੀਰ ਨੂੰ	تاں وزیر نے نفراں تائیں کہیا اس فقیر نوں تب وزیر نے لوگوں سے کہا کہ اس فقیر کو
ਦਰਿਆਉ ਮੈਂ ਡੋਬ ਦੇਹ ਤਾਂ ਓਨਾਂ ਲੋਕਾਂ ਨੇ	دریاؤ میں ڈوب دیہو تاں اوہناں لوکاں نے دریا میں غرق کر دو تب اُن لوگوں نے
ਸ਼੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਜੀ ਕੋ ਦਰੀਆਉ ਮੇਂ ਡੋਬ ਦੀਆ ਅਤੇ ਹੋਰ ਸਭੀ	سری گورو جی کو دریا میں ڈوب دیا اتے ہور سب لوک سری گورو جی کو دریا میں دھکیل دیا اور سب لوگ
ਲੋਕ ਤਮਾਸ਼ਾ ਦੇਖ ਰਹੇ ਥੇ ਤਾਂ ਸ਼੍ਰੀ ਬਾਬੇ ਜੀ ਦੇ ਗਲ ਦਾ ਖਿਲਤਾ	تماشا دیکھ رہے تھے تاں سری بابے جی دا گل دا کھلتا تماشا دیکھ رہے تھے۔تو سری بابے جی کا گلے کا خلعت
ਭਿੱਜਾ ਭੀ ਨਹੀਂ ਤੇ ਮਹਾਰਾਜ ਕੋ ਜਲ ਨੇ ਸਪਰਸ਼ ਵੀ ਨਹੀਂ ਕੀਆ	بھجا بھی ناہیں تے مہاراج کو جل نے سپرش وی نہیں کیا بھیگا بھی نہ تھا اور پانی کا اثر بھی نہ پہنچا تھا جو پانی کے
ਔਰ ਬਰਨ ਦੇਵਤਾ ਸ਼੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਜੀ ਕੋ ਦੋਹਾਂ ਹੱਥਾਂ ਉਪਰ ਉਠਾਇ ਲੀਆ	اور برن دیوتا سری گورو جی کو دوہاں ہتھاں اُوپر اُٹھالیا موکل یعنی فرشتہ نے سری گورو جی کو دونوں ہاتھوں پر تھام لیا
ਅਤੇ ਸ਼੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਨੂੰ ਚਰਨ ਬੰਦਨਾ ਕੀਤੀ ਅਤੇ ਕਿਨਾਰੇ ਉਪਰ	اتے سری گورونوں چرن بندنا کیتی اتے کنارے اوپر اور سری گورو جی کے قدم چوم کر صحیح وسلامت کنارہ پر
ਬੈਠਾਇ ਦਿੱਤਾ ਤਾਂ ਉਹ ਲੋਕ ਦੇਖ ਕਰ ਸ਼੍ਰੀ ਬਾਬੇ ਜੀ ਕੋ	بٹھائے دتا تاں اوہ لوک دیکھ کر سری بابے جی کو بٹھائے دیا تب وہ لوگ سری بابا جی کو دیکھ کر
ਅਚਰਜ ਹੋਇ ਗਏ ਤਾਂ ਬਾਦਸ਼ਾਂਹ ਨੂੰ ਖ਼ਬਰ ਗਈ ਕੇ ਦਰਵੇਸ਼	اچرج ہوئے گئے تاں پادشاہ نوں خبر گئی کہ درویش متعجب ہوئے پھر بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ وہ درویش
ਤਾਂ ਦਰਿਆਉ ਵਿੱਚ ਡੁਬਦਾ ਨਾਹੀਂ ਤਾਂ ਫ਼ੇਰ ਬਾਦਸ਼ਾਹ ਕ੍ਰੋਧ ਕਰਕੇ	تاں دریاؤ وچ ڈبدا نہیں تاں پھر پادشاہ کرودھ کر کے دریا میں نہیں ڈوبا پھر بادشاہ نے غضب ناک ہو کر
ਕਹਿਆ ਇਸ ਫ਼ਕੀਰ ਕੋ ਅਗਨਿ ਮੇਂ ਜਲਾਇ ਦੇਵੇ ਤਾਂ ਵਜ਼ੀਰ ਨੇ	کہیا اوس فقیر کو اگن میں جلائے دیوے تاں وزیر نے کہا کہ اس فقیر کو آگ میں جلا دو تب وزیر نے

﴿۷﴾

ਗੁਰਮੁਖੀ	اردو
ਬੜੇ ਬੜੇ ਲੱਕੜ ਇਕੱਠੇ ਕਰਕੇ ਸ਼੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਜੀ ਦੇ	بڑے بڑے لکڑے اکٹھے کرکے سری گورو جی دے بڑے بڑے لکڑے جمع کر کے سری گورو جی کے
ਦਵਾਲੇ ਜੋੜ ਦਿੱਤੇ ਅਤੇ ਅੱਗ ਲਗਾਇ ਦਿੱਤੀ ਤਾਂ	دوالے جوڑ دتّے اَتے اگ لگائے دتّی تاں ارد گرد چُنے پھر آگ لگا دی تب
ਬਸੰਤਰ ਦੇਵ ਨੇ ਸ਼੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਜੀ ਕੇ ਚਰਨਾਂ ਪਰ ਨਮਸਕਾਰ ਆਏ	بسنتر دیو نے سری گورو جی کے چرناپر نمشکار آئے موکل آتش یعنی فرشتہ نے سری گورو جی کے قدموں پر
ਕੀਤੀ ਅਤੇ ਕਹਿਉਸ ਮਹਰਾਜ ਦੇ ਸ਼੍ਰੀਰ ਦਾ ਇੱਕ ਲੂੰ	کیتی اتے کیہوس مہاراج دے سریر کا ایک لُون جُھک کر یہ عرض کی کہ آپ کے جسم کا ایک بال
ਭੀ ਨਹੀਂ ਸੜਿਆ ਪਰ ਸਭ ਲਕੜਿਆਂ ਜਲ ਕਰ ਰਾਖ ਹੋਇ ਗਈਆਂ	بھی ناہی سڑیا پر سب لکڑیاں جل کر راکھ ہوئے گیاں بھی نہیں جلا لیکن سب لکڑیاں جل کر راکھ ہو گئیں
ਤਾਂ ਲੋਕ ਦੇਖ ਕਰ ਹੈਰਾਨ ਹੋਇ ਗਏ ਤਾਂ ਇਹ ਬਾਤ	تاں لوک دیکھ کر حیران ہوئے گئے تاں ایہ بات تب لوگ دیکھ کر حیران ہو گئے پھر یہ خبر
ਪਾਤਸ਼ਾਹ ਨੇ ਸੁਣੀ ਤਾਂ ਲਗਾ ਕਹਿਣ ਕਿ ਇਹ ਫ਼ਕੀਰ ਕੋਈ ਚੇਟਕੀ ਹੈ	بادشاہ نے سُنی تاں لگا کہن کہ ایہ فقیر کوئی چیٹکی ہے بادشاہ نے سُنی اور کہنے لگا کہ یہ فقیر کوئی چٹکلے دکھلانے والا ہے
ਪਰ ਇਸ ਨੂੰ ਕਿਸੀ ਵਡੇ ਅਸਤਾਨ ਉੱਤੇ ਡੇਗ ਦੇਵੇ ਤਾਂ ਫ਼ੇਰ ਵਜ਼ੀਰ ਨੇ	پر اس نوں کسے وڈے استان اوتے ڈیگ دیوے تاں پھیر وزیر نے لیکن اس کو کسی بڑی اونچی جگہ سے گرا دو تب وزیر نے
ਸ਼੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਜੀ ਕੋ ਬੜੇ ਉੱਚੇ ਪਰਬਤ ਉੱਤੋਂ ਬਾਬੇ ਜੀ ਕੋ	سری گورو جی کو بڑے اوچے پربت اوتوں بابے جی کو سری گورو جی کو بڑے اونچے پہاڑ سے نیچے گرا دیا
ਡੇਗ ਦਿੱਤਾ ਜਦ ਸ਼੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਜੀ ਡਿੱਗੇ ਤਾਂ ਪਉਣ ਦੇਵਤਾ ਨੇ	ڈیگ دتّا جد سری گورو جی ڈگے تاں پون دیوتا نے جب سری گورو جی نیچے گرے تو موکل ہوا یعنی فرشتہ نے
ਸ਼੍ਰੀ ਬਾਬੇ ਜੀ ਕੋ ਆਪਨੇ ਹਥਾਂ ਉਪਰ ਬਬਾਣ ਵਿਚ ਬੈਠਾਇ ਕੇ	سری بابے جی کو اپنے ہتھاں اوپر ببان وچ بٹھائیکے سری بابا جی کو اپنے ہاتھوں پر بٹھا کر ایک ہنڈولے میں بٹھا کر

﴿۸﴾

ਗੁਰਮੁਖੀ	اردو
ਜ਼ਮੀਨ ਉਪਰ ਲਿਆਇ ਕਰ ਬੈਠਾਇ ਦਿੱਤਾ ਪਰ ਉੱਥੇ ਬੜੀ ਸੁੰਦਰ ਫੁਲੋਂ	زمین اوپر لیائے کر بٹھا دتا پر اوتھے بڑی سُندر پھولوں زمین پر لا اوتارا پھر وہاں بہت خوبصورت پھولوں کی
ਕੀ ਸਿਹਜਾਤੇ ਆਇ ਬੈਠੇ ਤਾਂ ਉਸ ਮੁਲਕ ਦੇ ਸੱਭ ਲੋਕ	کی سہجاتے آئے بیٹھے تاں اس ملک دے سب لوک سیج پر آبیٹھے اور اس ملک کے سب لوگ وہاں
ਉਥੇ ਖੜੇ ਸਨ ਦੇਖ ਕਰ ਭਏਭੀਤ ਹੋ ਗਏ ਤਾਂ ਵਜ਼ੀਰ ਨੇ	اوتھے کھڑے سن دیکھ کر بھے بھیت ہوگئے تاں وزیر نے کھڑے تھے دیکھ کر بھیانک ہو گئے تب وزیر نے
ਪਾਤਸ਼ਾਹ ਕੋ ਜਾ ਕਰ ਕਹਿਆ ਜੀ ਉਹਤਾਂ ਫ਼ਕੀਰ ਅਜੇ ਭੀ ਜਿੰਦਾ ਹੈ	پاتشاہ کو جا کر کہیا جی اوہ تاں فقیر اجے بھی جندہ ہے خود بادشاہ کو جا کر کہا کہ وہ فقیر اب تک بھی زندہ ہے
ਤਾਂ ਪਾਤਸ਼ਾਂਹ ਨੇ ਕਹਿਆ ਅਰੇ ਵਜ਼ੀਰ ਏਹ ਤਾਂ ਫ਼ਕੀਰ ਕੋਈ ਚੇਟਕੀ ਹੈ	تاں پاتشاہ نے کہیا ارے وزیر ایہ تاں فقیر کوئی چیٹکی ہے تو بادشاہ نے کہا کہ اے وزیر نہ فقیر کوئی چٹکلے باز ہے
ਪਰ ਤੁਸੀ ਬੜਾ ਡੂੰਗਾ ਖਾਤਾ ਕੱਢ ਕਰ ਉਸ ਵਿੱਚ ਇਸਨੂੰ ਪਾਇ ਕਰ ਉੱਤੋਂ	پر تسیں بڑا ڈونگا کھاتا کڈھ کر اُس وچ اس نوں پائے کر اوتوں لیکن تم کوئی عمیق گڑھا کھود کر اس میں اِسے ڈال کر اُوپر سے
ਪੱਥਰਾਂ ਸੇ ਸੰਗਸਾਰ ਕਰੋ ਤਾਂ ਵਜ਼ੀਰ ਨੇ ਇਕ ਬੜਾ ਭਾਰੀ	پتھراں سے سنگسار کرو۔ تاں وزیر نے ایک بڑا بھاری پتھر چوٹ کرو۔ تب وزیر نے ایک بڑا بھاری
ਖਾਤਾ ਕਢਵਾਇ ਕਰ ਉਸ ਵਿੱਚ ਸ਼੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਜੀ ਕੋ ਪਾਇ ਕਰ ਉਪਰ ਤੇ	کھاتا کھڈوائیکر اوس وچ سری گورو جی کو پائیکر اوپر تے گہرا کھتہ کھود کر سری گورو جی کو اس میں ڈال کر اُوپر
ਪਥੱਰਾਂ ਕੀ ਮਾਰ ਕੀਤੀ ਤਾਂ ਸ਼੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਜੀ ਕੋ ਹਜ਼ਾਰਾਂ ਮਣਾਂ ਦੇ	پتھراں کی مار کیتی تاں سری گورو جی کو ہجاراں مناں دے پتھروں کی بھرمار کی اور سری گورو جی کو ہزاروں من پتھروں
ਪਥੱਰਾਂ ਨਾਲ ਦਬਾਇ ਕੇ ਸਭ ਆਪੋ ਆਪਣੇ ਘਰ ਕੋ ਚਲੇ ਗਏ ਤਾਂ ਫੇਰ ਜੋ	پتھراں نال دبائیکے سب اپواپنے گھر چلے گئے تاں پھیر جو سے دبا کر سب اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ اور جن لوگوں نے
ਲੋਕਾਂ ਉਨਾਂ ਨੂੰ ਪੁਛਿਆ ਭਾਈ ਕੀ ਕਰ ਹੋਇ ਤਾਂ ਉਨ੍ਹਾਂ	لوکاں اوہناں نوں پوچھیا بھائی کیکر ہوئی تاں اوہناں اُن سے دریافت کیا کہ کیا قصہ گذرا تب اونہوں نے

﴿۳۳﴾

اوران کو چولہ دکھلایا گیا اورانہوں نے کلمہ طیّبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ چولہ پر لکھا ہوا دیکھا اور ایسا ہی کئی اور آیات دیکھیں اور واپس آ کر تمام حال ہمیں سنایا۔لیکن ہم نے ان کے بیان پر بھی اکتفانہ کیا۔اور سوچا کہ باوانانک کی اسلام کے لئے یہ ایک عظیم الشان گواہی ہے اور ممکن ہے کہ دوسروں کی روایتوں پر تحقیق پسند لوگوں کو اعتماد نہ ہواور یا آئندہ آنے والی نسلیں اس سے تسلی نہ پکڑ سکیں اس لئے یہ قرین مصلحت معلوم ہوا کہ آپ جانا چاہئے تا صرف شنید پر حصر نہ رہے اور اپنی ذاتی رویت ہو جائے۔ چنانچہ ہم بعد استخارہ مسنونہ تیس ستمبر ۱۸۹۵ء کو پیر کے دن ڈیرہ نانک کی طرف روانہ ہوئے اور قریباً دس۱۰ بجے پہنچ کر گیارہ بجے چولا صاحب کے دیکھنے کے لئے گئے۔اور ایک جماعت مخلص دوستوں کی میرے ساتھ تھی۔ جو چولا صاحب کے دیکھنے میں میرے شریک تھی۔اور وہ یہ ہیں۔

(۱)اخویم مولوی حکیم نورالدین صاحب بھیروی (۲)اخویم مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی
(۳)اخویم مولوی محمد احسن صاحب امروہی (۴)اخویم شیخ رحمت اللہ صاحب گجراتی
(۵)اخویم منشی غلام قادر صاحب فصیح سیالکوٹی (۶)اخویم میرزاایوب بیگ صاحب کلانوری
(۷)اخویم شیخ عبدالرحیم صاحب نومسلم (۸)اخویم میر ناصر نواب صاحب دہلوی
(۹)سید محمد اسماعیل دہلوی (۱۰) شیخ حامد علی تھہ غلام نبی

چنانچہ ایک مخلص کی نہایت درجہ کی کوشش اور سعی سے ہم کو دیکھنے کا وہ موقعہ ملا کہ اس جگہ کے لوگوں کا بیان ہے کہ جہاں تک یاد ہے ایسا موقع کسی کو بھی نہیں ملا یعنی یہ کہ چولا صاحب کی تمام تحریرات پر ہمیں اطلاع ہوگئی اور ہمارے لئے وہ بہت ہی اچھی طرح کھولا گیا۔اس پر تین ۳ سو کے قریب یا کچھ زیادہ رومال لپیٹے ہوئے تھے اور بعض ان میں سے بہت نفیس اور قیمتی تھے۔

☆ **نوٹ**۔ وہ میرے دوست جو مجھ سے پہلے میرے ایما سے ڈیرہ نانک میں گئے اور چولہ صاحب کو دیکھ کر آئے ان کے نام یہ ہیں۔(۱) مرزا یعقوب بیگ صاحب کلانوری (۲) منشی تاج دین صاحب اکونٹنٹ دفتر ریلوے لاہور۔(۳) خواجہ کمال الدین صاحب بی اے لاہور (۴) میاں عبدالرحمٰن صاحب لاہوری۔ اور مرزا یعقوب بیگ نے چولہ دکھانے والوں کو ایک روپیہ بھی دیا تھا۔ منہ

﴿۳۴﴾ کچھ تو ریشمی رومال تھے اور کچھ سوتی اور بعض پشمینہ کے تھے اور بعض پشمینہ کے شال اور ریشمی کپڑے ایسے تھے کہ ان کی بنت میں کچھ لکھا ہوا تھا اس غرض سے کہ تا معلوم ہو کہ یہ فلاں راجہ یا امیر نے چڑھائے ہیں ان رومالوں سے جو ابتدا سے ہی چڑھنے شروع ہو گئے یہ یقین کیا جاتا ہے کہ جو کچھ اس چولہ کی اب تعظیم ہوتی ہے وہ صرف اب سے نہیں بلکہ اُسی زمانہ سے ہے کہ جب باوا نانک صاحب فوت ہوئے۔ غرض جب ہم جا کر بیٹھے تو ایک گھنٹہ کے قریب تک تو یہ رومال ہی اترتے رہے۔ پھر آخر وہ کپڑا نمودار ہو گیا جو چولا صاحب کے نام سے موسوم ہے۔ درحقیقت یہ نہایت مبارک کپڑا ہے جس میں بجائے زری کے کام کے **آیات قرآنی** لکھی ہوئی ہیں۔ چنانچہ ہم نے اس کپڑا کا نقشہ اسی رسالہ میں لکھ کر ان تمام قرآنی آیات کو جا بجا دکھلا دیا ہے۔ جو اس کپڑے پر لکھی ہوئی ہم نے دیکھی ہیں۔ اس وقت یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کپڑے کے دکھلانے کے وقت دکھلانے والوں کو کچھ شرم سی دامنگیر ہو جاتی ہے اور وہ حتی المقدور نہیں چاہتے کہ اصل حقیقت سے لوگ اطلاع پا جائیں کیونکہ جو عقیدہ باوا صاحب نے اس کپڑا یعنی چولا صاحب کی تحریروں میں ظاہر کیا ہے وہ ہندو مذہب سے بکلی مخالف ہے اور اسی وجہ سے جو لوگ چولا صاحب کی زیارت کراتے ہیں وہ بڑی احتیاط رکھتے ہیں اور اگر کوئی اصل بھید کی بات دیکھنا چاہے تو ان کا دل پکڑا جاتا ہے مگر چونکہ ناخواندہ محض ہیں اس لئے کچھ طمع دینے سے دکھلا دیتے ہیں اور ہم نے جب دیکھنا چاہا تو اول انہوں نے صرف لپیٹا ہوا کپڑا دکھایا۔ مگر کچھ تھوڑا سا کنارہ اندر کی طرف کا نمودار تھا۔ جس کے حرف مٹے ہوئے تھے اور پشت پر ایک اور باریک کپڑا چڑھا ہوا تھا اور اس کی نسبت بیان کیا گیا کہ یہ وہ کپڑا ہے کہ جس کو ارجن صاحب کی بیوی نے اپنے ہاتھ سے سوت کات کر اور پھر بنوا کر اس پر لگایا تھا اور بیان کرنے والا ایک بڈھا بیدی باوا صاحب کی اولاد میں سے تھا جو چولا کو دکھلا رہا تھا۔ اور اس نے یہ بھی کہا کہ جو کچھ اس پر لکھا ہوا ہے وہ انسان کا لکھا ہوا نہیں بلکہ قدرت کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے۔ تب ہم نے بہت اصرار سے کہا کہ وہ قدرتی حروف ہم دیکھنا چاہتے ہیں۔ جو خاص پرمیشر کے ہاتھ کے ہیں اور اسی لئے ہم دور سے آئے ہیں تو پھر اس نے تھوڑا سا پردہ اٹھایا جس پر **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم**

﴿۳۵﴾ نہایت خوشخط قلم سے لکھا ہوا تھا اور پھر اس بڈھے نے چاہا کہ کپڑے کو بند کر لے مگر پھر اس سے بھی زیادہ اصرار کیا گیا اور ہر یک اصرار کرنے والا ایک معزز آدمی تھا اور ہم اس وقت غالباً بیس کے قریب آدمی ہوں گے اور بعض اسی شہر کے معزز تھے جو ہمیں ملنے آئے تھے۔ تب اس بڈھے نے ذرا سا پھر پردہ اٹھایا۔ تو ایک گوشہ نکلا جس پر موٹے قلم سے بہت جلی اور خوشخط لکھا ہوا تھا۔ **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** پھر اس بڈھے نے بند کرنا چاہا مگر فی الفور اخویم شیخ رحمت اللہ صاحب گجراتی نے مبلغ تین روپیہ اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے جن میں سے دو روپیہ ان کے اور ایک روپیہ مولوی محمد احسن صاحب کی طرف سے تھا اور شیخ صاحب پہلے اس سے بھی چار روپیہ دے چکے تھے۔ تب اس بڈھے نے ذرہ اور پردہ اٹھایا۔ یک دفعہ ہماری نظر ایک کنارہ پر جا پڑی جہاں لکھا ہوا تھا **انّ الدّین عنداللہ الاسلام** یعنی سچا دین اسلام ہی ہے اور کوئی نہیں۔ پھر اس بڈھے میں کچھ قبض خاطر پیدا ہوگئی تب پھر شیخ صاحب نے فی الفور دو روپیہ اور اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے یہ دو روپیہ اخویم مولوی حکیم نور دین صاحب کی طرف سے تھے اور پھر اس کے خوش کرنے کے لئے شیخ صاحب نے چار روپیہ اور اپنی طرف سے دیدیئے اور ایک روپیہ اور ہمارے ایک اور مخلص کی طرف سے دیا۔ تب یہ چودان روپیہ پاکر وہ بڈھا خوش ہوگیا اور ہم بے تکلف دیکھنے لگے۔ یہاں تک کہ کئی پردے اپنے ہاتھ سے بھی اٹھا دیئے۔ دیکھتے دیکھتے ایک جگہ یہ لکھا ہوا نکل آیا **اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمدًا عبدہ و رسولہ** ۔ پھر شیخ رحمۃ اللہ صاحب نے اتفاقاً دیکھا کہ چولہ کے اندر کچھ گرد و غبار سا پڑا ہے۔ انہوں نے تب بڈھے کو کہا کہ چولہ کو اس گرد سے صاف کرنا چاہئے لاؤ ہم ہی صاف کر دیتے ہیں یہ کہہ کر باقی تہیں بھی اٹھا دیں۔ اور ثابت ہوگیا ہے کہ تمام قرآن ہی لکھا ہے اور کچھ نہیں۔ کسی جگہ سورۃ فاتحہ لکھی ہوئی ہے اور کسی جگہ سورۃ اخلاص اور کسی جگہ قرآن شریف کی یہ تعریف تھی کہ **قرآن خدا کا پاک کلام ہے اس کو ناپاک لوگ ہاتھ نہ لگاویں** ۔ معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسلام کے لئے باوا صاحب کا ایسا سینہ کھول دیا تھا کہ اللہ رسول کے عاشق زار ہوگئے تھے۔ غرض باوا صاحب کے اس چولہ سے نہایت قوی روشنی اس بات پر پڑتی ہے کہ وہ دین اسلام پر

﴿۳۶﴾ نہایت ہی فدا ہو گئے تھے اور وہ اس چولہ کو اسی غرض سے بطور وصیت چھوڑ گئے تھے کہ تا سب لوگ اور آنے والی نسلیں ان کی اندرونی حالت پر زندہ گواہ ہوں اور ہم نہایت افسوس کے ساتھ لکھتے ہیں کہ بعض مفتری لوگوں نے یہ کیسا جھوٹ بنالیا کہ چولے پر سنسکرت اور شاستری لفظ اور زبور کی آیتیں بھی لکھی ہیں۔ یاد رہے کہ یہ بالکل جھوٹ اور سخت مکروہ افترا پردازی ہے اور کسی شریر انسان کا کام ہے نہ بھلے مانس کا۔ ہم نے بار بار کھول کے دیکھ لیا تمام چولہ پر قرآن شریف اور کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت لکھا ہوا ہے اور بعض جگہ آیات کو صرف ہندسوں میں لکھا ہوا ہے مگر زبور اور سنسکرت کا نام ونشان نہیں ہریک جگہ قرآن شریف اور **اسماء الٰھی** لکھے ہیں جو قرآن شریف میں ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ جھوٹ صرف اس لئے بنایا گیا کہ تا لوگ یہ سمجھ جاویں کہ چولا صاحب پر جیسا کہ قرآن شریف لکھا ہوا ہے وید بھی لکھا ہوا ہے مگر ہم بجز اس کے کیا کہیں کہ **لعنت اللہ علی الکاذبین**۔ باوا صاحب تو چولے میں صاف گواہی دیتے ہیں کہ بجز دین اسلام کے تمام دین جھوٹے اور باطل اور گندے ہیں۔ پھر وہ وید کی تعریف اس میں کیوں لکھنے لگے۔ چولا موجود ہے جو شخص چاہے جا کر دیکھ لے۔ اور ہم تین ہزار روپیہ نقد بطور انعام دینے کے لئے طیار ہیں اگر چولہ میں کہیں وید یا اس کی شرتی کا ذکر بھی ہو یا بجز اسلام کے کسی اور دین کی بھی تعریف ہو یا بجز قرآن شریف کے کسی اور کتاب کی بھی آیتیں لکھی ہوں۔ ہاں یہ اقرار ہمیں کرنا مناسب ہے کہ چولا صاحب میں یہ صریح کرامت ہے کہ باوجودیکہ وہ ایسے شخصوں کے ہاتھ میں رہا جن کو اللہ و رسولؐ پر ایمان نہ تھا اور ایسی سلطنت کا زمانہ اس پر آیا جس میں تعصب اس قدر بڑھ گئے تھے کہ بانگ دینا بھی قتل عمد کے برابر سمجھا جاتا تھا مگر وہ ضائع نہیں ہوا۔ تمام مغلیہ سلطنت بھی اس کے وقت میں ہی ہوئی اور اسی کے وقت میں ہی نابود ہوگئی مگر وہ اب تک موجود ہے اگر خدا تعالیٰ کا ہاتھ اس پر نہ ہوتا تو ان انقلابوں کے وقت کب کا نابود ہو جاتا مقدر تھا کہ وہ ہمارے زمانہ تک رہے اور ہم اس کے ذریعہ سے باوا صاحب کی عزت کو بے جا الزاموں سے پاک کریں اور ان کا اصل مذہب لوگوں پر ظاہر کر دیں۔ سو ہم نے چولہ کو ایسے طور سے دیکھا کہ غالباً کسی نے بھی ایسا دیکھا نہیں ہوگا کیونکہ

نہ صرف ظاہری نظر سے کامل طور پر دیکھا بلکہ باطنی نظر سے بھی دیکھا اور وہ تمام پاک کلمات جو عربی میں لکھے تھے جن کو ہر یک سمجھ نہیں سکتا وہ ہم نے پڑھے اور ان سے نہایت پاک نتائج نکالے سو یہ دیکھنا ہم سے پہلے کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ اس وقت تک چولہ باقی رہنے کی یہی حکمت تھی کہ وہ ہمارے وجود کا منتظر تھا۔ ﴿۳۷﴾

بعض لوگ انگد کے جنم ساکھی کے اس بیان پر تعجب کریں گے کہ یہ چولہ آسمان سے نازل ہوا ہے اور خدا نے اس کو اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کی بے انتہا قدرتوں پر نظر کر کے کچھ تعجب کی بات نہیں کیونکہ اس کی قدرتوں کی کسی نے حد بست نہیں کی کون انسان کہہ سکتا ہے کہ خدا کی قدرتیں صرف اتنی ہی ہیں اس سے آگے نہیں۔ ایسے کمزور اور تاریک ایمان تو ان لوگوں کے ہیں جو آج کل نیچری یا برہمو کے نام سے موسوم ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ باوا صاحب کو یہ قرآنی آیات الہامی طور پر معلوم ہو گئے ہوں اور اذن ربّی سے لکھے گئے ہوں۔ لہٰذا بموجب آیت مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى [1] وہ سب فعل خدا تعالیٰ کا فعل سمجھا گیا ہو۔ کیونکہ قرآن آسمان سے نازل ہوا ہے اور ہر یک ربانی الہام آسمان سے ہی نازل ہوتا ہے دین اسلام درحقیقت سچا ہے اور اس کی تائید میں خدا تعالیٰ بڑے بڑے عجائبات دکھلاتا ہے اگرچہ اس غیب الغیب کا وجود اس آگ سے بھی زیادہ مخفی ہے جو پتھروں اور ہر یک جسم میں پوشیدہ ہے مگر تاہم کبھی کبھی اس وجود کی دنیا پر چمکار پڑتی رہتی ہے۔ ہر یک چیز میں عنصری آگ ہوتی ہے۔ مگر دلوں میں خدا تعالیٰ نے اپنی ذات کی شناخت کی ایک آگ رکھی ہے۔ جب کبھی بے انتہا دردمندی کی چقماق سے وہ آگ بھڑک اٹھتی ہے تو دل کی آنکھوں سے وہ غیر مرئی ذات نظر آجاتی ہے اور نہ صرف یہی بلکہ جو لوگ اس کو سچے دل سے ڈھونڈتے ہیں اور جو روحیں ایک نہایت درجہ کی پیاس کے ساتھ اس کے آستانہ کی طرف دوڑتی ہیں۔ ان کو وہ پانی بقدر طلب ضرور پلایا جاتا ہے جس نے اپنے قیاسی اٹکلوں سے خدا تعالیٰ کو پہچانا اس نے کیا پہچانا۔ درحقیقت پہچاننے والے وہی ہیں جن پر خدا تعالیٰ نے آپ ارادہ کر کے اپنا چہرہ ظاہر کر دیا ہے

[1] الانفال:۱۸

﴿۳۸﴾ سو ایسے پہچاننے والے کبھی خوارق کے ذریعہ سے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف کھینچے جاتے ہیں تا ان کی کمزوریاں دور ہو جاویں اور ان کا دل یقین سے بھر جاوے پھر اس سے کیوں تعجب کرنا چاہئے کہ یہ چولا قدرت سے ہی لکھا گیا ہو چونکہ باوا صاحب طلب حق میں ایک پرند کی طرح ملک بملک پرواز کرتے پھرے اور اپنی عمر کو اس راہ میں وقف کر دیا اور خدا تعالیٰ سے چاہا کہ سچا مذہب ان پر ظاہر ہو سو خدا تعالیٰ نے ان کا صدق دیکھ کر ان کو ضائع نہ کیا بلکہ وہ چولا ان کو عطا کر دیا۔ جس پر قدرت کے تمام نقوش ہیں ایسا کیا تا ان کا اسلام پر یقین بڑھ جائے اور تا وہ سمجھیں کہ بجز **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کے اور کوئی سبیل نجات نہیں سو انہوں نے اس چولہ کو اسی غرض سے پہنا کہ تا اس چولے کو اپنی نجات کا ذریعہ قرار دیں اور تمام دنیا کو اپنے اسلام پر گواہ کر دیں۔

بعض نادان آریوں نے بغیر حوالہ کسی کتاب کے محض شرارت سے یہ بات بنائی ہے کہ وہ چولا باوا صاحب کو ایک فتح کے بعد ایک قاضی سے بطور نشان فتح ملا تھا لیکن ایسے متعصب لوگ یہ نہیں سوچتے کہ چولا صاحب پر تو اس مضمون کی آیتیں لکھی ہیں کہ فقط اسلام ہی سچا ہے اور اسلام ہی حق ہے اور محمد رسول اللہ خدا کے سچے نبی ہیں اور خدا وہی سچا خدا ہے جس نے قرآن کو اتارا۔ پھر اگر باوا صاحب ان آیات کے منکر تھے تو انہوں نے چولے کی اس قدر کیوں عزت کی نعوذ باللہ اگر ان کی نظر میں وہ **کلام ناپاک تھا** تو چاہئے تھا کہ پیروں کے نیچے روندا جاتا اور نہایت بے عزتی کی جاتی یا ایک عظیم الشان جلسہ میں اس کو جلا دیا جاتا۔ مگر باوا صاحب نے تو ایسا نہ کیا بلکہ ہر یک کو یہ کہتے پھرے۔ کہ **یہ خدا کے ہاتھ کا کلام لکھا ہوا ہے اور یہ کلام خدا کی قدرت ہی نے لکھا اور اسی کی قدرت کے ہاتھ نے ہی مجھ کو پہنایا۔** اور اس کلام کی دلوں میں اس قدر عزت جمائی کہ ان کے تمام جانشین اس چولہ کی تعظیم کرتے رہے اور جب کوئی بلا پیش آتی اور کوئی سختی نمودار ہوتی یا کوئی عظیم الشان کام کرنا ہوتا تو اس چولہ کو سر پر باندھتے اور کلام الٰہی سے جو اس پر لکھا ہوا ہے برکت چاہتے۔ تب

﴿۳۹﴾

خدا تعالیٰ وہ مراد پوری کر دیتا۔ اور اب تک جو عرصہ چار[4] سو برس کا گذرتا ہے اس چولہ سے مشکلات کے وقت برکتیں ڈھونڈتے اور بے اولادوں کے لئے کلام الٰہی سے لونگ وغیرہ چھوا کر لوگوں کو دیتے ہیں اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی عجیب تاثیرات ہوئی ہیں غرض وہ برکتوں کے حاصل کرنے کا ذریعہ اور بلاؤں (کے) دفعہ کرنے کا موجب سمجھا جاتا ہے اور صدہا روپیہ کے شال اور ریشمی کپڑے اس پر چڑھے ہوئے ہیں اور کئی ہزار روپیہ خرچ کر کے اس کے لئے وہ مکان بھی بنایا گیا اور اسی زمانہ میں ایک نہایت مبالغہ کے ساتھ انگد صاحب نے جو باوا صاحب کے جانشین تھے اس چولے کی بہت سی برکتیں اپنی جنم ساکھی میں تحریر کیں اور اس کو آسمانی چولہ تسلیم کیا ہے اور اس جنم ساکھی میں یہ بھی بیان ہے کہ وہ کلام جو چولے پر لکھا ہوا ہے خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک دنیا اس کی تعظیم کے لئے الٹ پڑی اور نہایت سرگرمی سے اس کی تعظیم شروع ہوئی۔ اس صورت میں کوئی یقین کر سکتا ہے کہ یہ سب **اکرام** اور **اعزاز** ایک ایسے کپڑے کے لئے تھا جس پر ایک مفتری اور دروغ گو کا ناپاک کلام لکھا ہوا ہے نہ خدا تعالیٰ کا اور یہ سب تعظیمیں ان الفاظ کی تھیں جو نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں بلکہ کسی جھوٹے کا اپنا کلام تھا جس میں ہر طرح کی برائیاں تھیں۔ جس قدر برابر چار سو برس سے چولہ صاحب کی آیتوں کی تعظیم ہو رہی ہے کیا کبھی باوا صاحب کے ہاتھ سے یہ **عزت وید کو بھی نصیب ہوئی**۔ کیا کوئی ایسا چولہ بھی سکھ صاحبوں کے پاس موجود ہے جس پر وید کی شرتیاں لکھی ہوئی ہوں اور اس کی بھی یہی تعظیم ہوتی ہو جیسی کہ اس چولہ کی ہوتی ہے اور اس پر بھی ہزارہا روپیہ کے دوشالے چڑھتے ہوں اور اس کی نسبت بھی کہا گیا ہو کہ یہ چولہ بھی آسمان سے ہی اترا ہے اور یہ شرتیاں پرمیشر نے اپنے ہاتھ سے لکھی ہیں۔ اب یہ کیسا ظلم ہے کہ حق کو چھپایا جاتا ہے اور سراسر خلاف واقعہ کہا جاتا ہے کہ باوا صاحب ایک قاضی صاحب سے فتح کے طور پر یہ چولا لائے تھے۔ حالانکہ وہ کتاب جو عرصہ چار سو برس سے گوروانگد نے جو جانشین باوا صاحب کا ہے لکھی ہے جو انگد کی جنم ساکھی کہلاتی ہے جس سے پہلے سکھ صاحبوں کے ہاتھ میں کوئی ایسی کتاب نہیں جو باوا صاحب کے سوانح کے متعلق ہو۔ اس میں صاف لکھا ہے کہ قرآن

﴿۴۰﴾

قدرت کے ہاتھ سے چولے پر لکھا ہوا تھا اور ایک بادشاہ نے چاہا کہ وہ آسمانی چولا باوا صاحب سے چھین لے مگر وہ چھین نہ سکا اور اس چولہ کی برکت سے باوا صاحب سے بڑی بڑی کرامات ظاہر ہوئیں۔ اب فرمایئے کہ انگد کے بیان کے مخالف اور کونسی معتبر کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے ذرہ اس کو پیش تو کرو اور یاد رکھو کہ باوا صاحب سچے مسلمان تھے☆ اور وید کو اپنے صاف بیان سے گمراہی کی کتاب ٹھہرا چکے تھے اور وہ بابرکت چولا ان کے اسلام کا گواہ تھا۔ پھر اب کیونکر اس کھلے کھلے سچ پر تاریکی کا پردہ ڈال دیا جاوے جو شخص اوسط درجہ کے ثبوت سے انکار کرے اس کا نام متعصب ہے اور جو شخص کھلے کھلے سچ سے منکر ہو بیٹھے اس کا نام بے حیا اور بے شرم ہے مگر مجھے ہرگز امید نہیں کہ سکھ صاحبوں کی طرف سے جو باوا صاحب سے سچی محبت رکھتے ہیں۔ ایسے حق پوشی کے کلمات شائع ہوں یہ تو سب کچھ آریوں کے حصہ میں آ گیا۔ جنہوں نے ہٹ دھرمی کو اپنا ورثہ بنالیا ہے۔ باوا صاحب تو ہمیشہ فتح یاب تھے۔ کتنے چولے انہوں نے اکٹھے کئے تھے۔ حیف ہے ان لوگوں کی سمجھ پر جواب تک حقیقت سے غافل ہیں۔ چاہئے کہ ذرہ دو دن حرج کر کے ڈیرہ نانک میں چلے جائیں اور چولہ صاحب کی بچشم خود زیارت کریں۔ تا معلوم ہو کہ جس چیز کو حقیر سمجھا جاتا ہے کیا اس کی ایسی ہی تعظیم ہوتی ہے اگر کہو کہ تعظیم اس لئے ہے کہ باوا صاحب نے اس کو پہنا تھا اور باوا صاحب کے ہاتھ اس کو لگے تھے تو ایسا خیال سخت نادانی ہے کیونکہ باوا صاحب اس چولہ سے پہلے ننگے تو نہیں پھرتے تھے۔ کم سے کم اخیر زندگی تک شاید ہزاروں چولے پہنے ہوں گے پھر اگر باوا صاحب کے پوشش کے لحاظ سے یہ تعظیم ہوئی تو بجائے اس کے ان کا کوئی اور چولا محفوظ رکھنا چاہئے تھا ایسے چولہ کے رکھنے کی کیا ضرورت تھی جس سے لوگوں کو دھوکا لگتا تھا اور نیز قرآنی آیات کے لکھنے سے اس کی پاکیزگی پر داغ بھی لگ گیا تھا اور اس کے کلمہ طیبہ سے جو اس پر لکھا ہوا ہے صاف سمجھا جاتا ہے کہ باوا صاحب اس کلمہ کے مصدق ہیں اور اس پر ایمان لائے ہیں اگر وہ کلام خدا کا کلام نہ ہوتا تو چولہ اس کلام سے پلید ہو جاتا۔ کیونکہ اگر قرآن شریف خدا تعالیٰ کا کلام نہیں اور نعوذ باللہ کسی کاذب کا کلام ہے تو بلاشبہ وہ کپڑا پاک نہ رہا

☆ **نوٹ**۔ تمام سکھ صاحبان اس بات کے قائل ہیں کہ باوا نانک صاحب نے اپنے شعروں میں صاف کہہ دیا ہے کہ میں ہندو نہیں تو کیا اس فقرہ کے بجز اس کے کوئی اور بھی معنی ہیں کہ میں وید کو نہیں مانتا اور یہ اگر سچ ہے کہ میں مسلمان بھی نہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ ظاہر ظاہر مسلمان نہیں کیونکہ دوسرے معنوں سے ان کے کلام میں سخت تناقض پیدا ہوتا ہے۔ یہ بتلانا چاہئے کہ ہندو مذہب چھوڑنے کے بعد جس کا انہیں خود اقرار ہے پھر کس الہامی کتاب کے پیرو رہے۔ منہ

جس پر نعوذ باللہ نقل کفر کفر نباشد۔ یہ ناپاک کلام لکھا گیا اور پھر وہ مکان بھی ناپاک ہوگیا جس میں یہ رکھا گیا اور پھر باوا صاحب کو کیا کہیں جو ایسے ناپاک چولے کو پہنی پھرے۔ جس میں پہلی نظر میں ہی **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** لکھا ہوا نظر آتا ہے چاہئے تھا کہ وید کی شرتیاں لکھا کر کوئی چولہ پہنتے تا اس کی برکت سے مکتی ہو جاتی۔ اے **نالائق آریو ! کیوں اس قدر باوا صاحب کی بے ادبی** کر رہے ہو۔ کیا وہ گالیاں بس نہیں تھیں جو ایک نااہل پنڈت نے اپنی ستیارتھ پرکاش میں دیں کیا باوا صاحب کے لئے کوئی بھی غیرت کرنے والا باقی نہیں رہا!!! ﴿۴۱﴾ **بیشک وہ چولا اپنی ان تمام پاک آیتوں کے ساتھ جو اس پر لکھی ہوئی ہیں باوا صاحب کی ایک پاک یادگار ہے اور پاک ہے وہ مکان جس میں وہ رکھا گیا اور پاک ہے وہ کپڑا جس پر وہ آیات لکھی گئی ہیں اور پاک تھا وہ وجود جو اس کو پہنے پھرتا تھا اور لعنت ہے ان پر جو اس کے برخلاف کہیں اور مبارک وہ ہیں** جو چولا صاحب کے کلام سے برکت ڈھونڈھتے ہیں۔

نظم

یہی پاک چولا ہے سکھوں کا تاج یہی کابلی مل کے گھر میں ہے آج
یہی ہے کہ نوروں سے معمور ہے جو دور اِس سے اُس سے خدا دور ہے
یہی جنم ساکھی میں مذکور ہے جو انگد سے اس وقت مشہور ہے
اسی پر وہ **آیات ہیں بیّنات** کہ جن سے ملے **جاودانی** حیات
یہ نانک کو **خلعت** ملا سرفراز خدا سے جو تھا درد کا چارہ ساز
اسی سے وہ سب **راز حق** پا گیا اسی سے وہ **حق کی طرف** آگیا
اسی نے بلا سے بچایا اسے ہر اک بد گہر سے چھوڑایا اسے
ذرا سوچو **سکھو** یہ کیا چیز ہے یہ اس مرد کے تن کا تعویذ ہے
یہ اس بھگت کا رہ گیا **اک نشاں** **نصیحت** کی باتیں **حقیقت** کی جاں

﴿۴۲﴾

گرنتھوں میں ہے شک کا اک احتمال کہ انساں کے ہاتھوں سے ہیں دست مال
جو پیچھے سے لکھتے لکھاتے رہے خدا جانے کیا کیا بناتے رہے
گماں ہے کہ نقلوں میں ہو کچھ خطا کہ انساں نہ ہووے خطا سے جدا
مگر یہ تو محفوظ ہے بالیقین وہی ہے جو تھا اس میں کچھ شک نہیں
اسے سر پہ رکھتے تھے اہل صفا تذلل سے جب پیش آتی بلا
جو نانک کی مدح و ثنا کرتے تھے وہ ہر شخص کو یہ کہا کرتے تھے
کہ دیکھا نہ ہو جس نے وہ پارسا وہ چولہ کو دیکھے کہ ہے رہنما
جسے اس کے مَتْ کی نہ ہووے خبر وہ دیکھے اسی چولہ کو اک نظر
اسے چوم کر کرتے رو رو دعا تو ہو جاتا تھا **فضل قادر خدا**
اسی کا تو تھا **معجزانہ** اثر کہ نانک بچا جس سے وقت خطر
بچا آگ سے اور بچا آب سے اسی کے اثر سے نہ اسباب سے
ذرہ دیکھو انگد کی تحریر کو کہ لکھتا ہے اس ساری تقریر کو
یہ چولا ہے **قدرت** کا جلوہ نما **کلام خدا اس پہ ہے جابجا**
جو شائق ہے نانک کے درشن کا آج وہ دیکھے اسے چھوڑ کر کام و کاج
برس گذرے ہیں چارسَو کے قریب یہ ہے نو بنواک کرامت عجیب
یہ نانک سے کیوں رہ گیا اک نشاں بھلا اس میں حکمت تھی کیا درنہاں
یہی تھی کہ **اسلام کا ہو گواہ** بتادے وہ پچھلوں کو نانک کی راہ
خدا سے یہ تھا فضل اس مرد پر ہوا اس کی دردوں کا اک چارہ گر
یہ مخفی امانت ہے **کرتار** کی یہ تھی اک **کلید** اس کے اسرار کی
محبت میں صادق وہی ہوتے ہیں کہ اس چولہ کو دیکھ کر روتے ہیں
سنو مجھ سے اے لوگو نانک کا حال سنو قصّہِ قدرتِ ذوالجلال

﴿۴۳﴾

وہ تھا آریہ قوم سے نیک ذات خردمند خوش خو مبارک صفات

ابھی عمر سے تھوڑے گزرے تھے سال کہ دل میں پڑا اس کے دیں کا خیال

اسی جستجو میں وہ رہتا مدام کہ کس راہ سے سچ کو پاوے تمام

اُسے وید کی راہ نہ آئی پسند کہ دیکھا بہت اس کی باتوں میں گند

جو دیکھا کہ یہ ہیں سڑے اور گلے لگا ہونے دل اس کا اوپر تلے

کہا کیسے ہو یہ **خدا کا کلام** ضلالت کی تعلیم ناپاک کام

ہوا پھر تو یہ دیکھ کر سخت غم مگر دل میں رکھتا وہ رنج و الم

وہ رہتا تھا اس غم سے ہر دم اداس زباں بند تھی دل میں سوسو ہراس

یہی فکر کھاتا اسے صبح و شام نہ تھا کوئی ہمراز نے ہمکلام

کبھی باپ کی جبکہ پڑتی نظر وہ کہتا کہ اے میرے پیارے پسر

میں حیراں ہوں تیرا یہ کیا حال ہے وہ غم کیا ہے جس سے تو پامال ہے

نہ وہ تیری صورت نہ وہ رنگ ہے کہو کس سبب تیرا دل تنگ ہے

مجھے سچ بتا کھول کر اپنا حال کہ کیوں غم میں رہتا ہے اے میرے لال

وہ رو دیتا کہہ کر کہ سب خیر ہے مگر دل میں اک خواہش سیر ہے

پھر آخر کو نکلا وہ دیوانہ وار نہ دیکھے بیاباں نہ دیکھا پہاڑ

اوتار اپنے موہنڈوں سے دنیا کا بار طلب میں سفر کرلیا اختیار

خدا کے لئے ہوگیا دردمند **تنعم کی راہیں نہ آئیں پسند**

طلب میں چلا بیخود و بیحواس خدا کی عنایات کی کر کے آس

جو پوچھا کسی نے چلے ہو کدھر غرض کیا ہے جس سے کیا یہ سفر

کہا رو کے حق کا طلب گار ہوں نثار رہ پاک کرتار ہوں

سفر میں وہ رو رو کے کرتا دعا کہ اے میرے کرتار **مشکل کشا**

﴿۴۴﴾

مَیں عاجز ہوں کچھ بھی نہیں خاک ہوں	مگر بندۂ درگہِ پاک ہوں
میں قرباں ہوں دل سے تیری راہ کا	نشاں دے مجھے مردِ آگاہ کا
نشاں تیرا پا کر وہیں جاؤنگا	جو **تیرا** ہو وہ اپنا ٹھہراؤنگا
کرم کر کے وہ راہ اپنی بتا	کہ جس میں ہوا ے میرے تیری رضا
بتایا گیا اس کو **الہام** میں	**کہ پائیگا تو مجھ کو اسلام میں**
مگر مرد عارف فلاں مرد ہے	وہ اسلام کے راہ میں فرد ہے
ملا تب خدا سے اسے ایک پیر	کہ **چشتی طریقہ** میں تھا دستگیر
وہ بیعت سے اس کے ہوا فیضیاب	سنا شیخ سے ذکر راہِ صواب
پھر آیا وطن کی طرف اس کے بعد	ملے پیر کے فیض سے بخت سعد
کوئی دن تو پردہ میں مستور تھا	زبان چپ تھی اور سینہ میں نور تھا
نہاں دل میں تھا درد و سوز و نیاز	شریروں سے چھپ چھپ کے پڑھتا نماز
پھر آخر کو مارا صداقت نے جوش	تعشق سے جاتے رہے اس کے ہوش
ہوا پھر تو حق کے چھپانے سے تنگ	محبت نے بڑھ بڑھ کے دکھلائے رنگ
کہا یہ تو مجھ سے ہوا اک گناہ	کہ پوشیدہ رکھی سچائی کی راہ
یہ صدق و وفا سے بہت دور تھا	کہ غیروں کے خوفوں سے دل چور تھا
تصور سے اس بات کے ہو کے زار	**کہا روکے اے میرے پروردگار**
ترے نام کا مجھ کو اقرار ہے	ترا نام غفّار و ستّار ہے
بلاریب تو حیّ و **قدّوس** ہے	ترے بن ہر اک راہ سالوس ہے
مجھے بخش اے خالق العالمین	**توسُبّوح وَ اِنّی من الظالمین**
میں تیرا ہوں اے میرے کرتار پاک	نہیں تیری راہوں میں خوف ہلاک
تیرے در پہ **جاں میری** قربان ہے	محبت تیری خود مری جان ہے

﴿۴۵﴾

وہ طاقت کہ ملتی ہے **ابرار کو**
وہ دے مجھ کو دکھلا کے اسرار کو

خطاوار ہوں مجھ کو وہ رہ بتا
کہ حاصل ہو جس رہ سے تیری رضا

اسی عجز میں تھا **تذلل** کے ساتھ
کہ پکڑا **خدا** کی **عنایت** نے **ہاتھ**

ہوا غیب سے **ایک چولہ عیاں**
خدا کا کلام اس پہ تھا بے گماں

شہادت تھی اسلام کی جابجا
کہ سچا وہی دین ہے اور رہنما

یہ لکھا تھا اس میں **بخطِ جلی**
کہ **اللہ** ہے **اک** اور **محمد نبی** ﷺ

ہوا حکم پہن اس کو اے نیک مرد
اتر جائیگی اس سے وہ ساری گرد

جو پوشیدہ رکھنے کی تھی اک خطا
یہ کفارہ اس کا ہے اے باوفا

یہ **ممکن** ہے کشفی ہو یہ ماجرا
دکھایا گیا ہو بہ حکم خدا

پھر اُس طرز پر یہ بنایا گیا
بحکم خدا پھر **لکھایا گیا**

مگر یہ بھی **ممکن** ہے اے پختہ کار
کہ خود غیب سے ہو یہ سب کاروبار

کہ پردے میں قادر کے اسرار ہیں
کہ عقلیں وہاں ہیچ و بیکار ہیں

تو یک قطرہ داری زعقل و خرد
مگر قدرتش بحر بے حدّ و عدّ

اگر بشنوی قصۂ صادقان
مجنبان سر خود چو مستہزیان

تو خود را خردمند فہمیدۂ
مقامات مردان کجا دیدۂ

غرض اس نے پہنا وہ فرخ لباس
نہ رکھتا تھا مخلوق سے کچھ ہراس

وہ پھرتا تھا کوچوں میں چولہ کیساتھ
دکھاتا تھا لوگوں کو قدرت کے ہاتھ

کوئی دیکھتا جب اسے دور سے
تو ملتی خبر اس کو اس نور سے

جسے دور سے وہ نظر آتا تھا
اسے **چولہ خود بھید** سمجھاتا تھا

وہ ہر لحظہ چولے کو دکھلاتا تھا
اسی میں وہ ساری خوشی پاتا تھا

غرض یہ تھی تا یار خورسند ہو
خطا دور ہو پختہ پیوند ہو

﴿۴۶﴾

جو عشاق اس ذات کے ہوتے ہیں وہ ایسے ہی ڈر ڈر کے جاں کھوتے ہیں
وہ اس یار کو صدق دکھلاتے ہیں اسی غم میں دیوانہ بن جاتے ہیں
وہ جاں اس کی رہ میں فدا کرتے ہیں وہ ہر لحظہ سو سو طرح مرتے ہیں
وہ کھوتے ہیں سب کچھ بصدق و صفا مگر اس کی ہو جائے حاصل رضا
یہ دیوانگی عشق کا ہے نشان نہ سمجھے کوئی اس کو جز عاشقان
غرض جوش الفت سے مجذوب وار یہ نانک نے چولا بنایا شعار
مگر اس سے راضی ہو وہ دلستان کہ اس بن نہیں دل کو تاب و تواں
خدا کے جو ہیں وہ یہی کرتے ہیں وہ لعنت سے لوگوں کی کب ڈرتے ہیں
وہ ہو جاتے ہیں سارے دلدار کے نہیں کوئی ان کا بجز یار کے
وہ جاں دینے سے بھی نہ گھبراتے ہیں کہ سب کچھ وہ کھو کر اسے پاتے ہیں
وہ دلبر کی آواز بن جاتے ہیں وہ اس جاں کے ہمراز بن جاتے ہیں
وہ ناداں جو کہتا ہے دربند ہے نہ الہام ہے اور نہ پیوند ہے
نہیں عقل اس کو نہ کچھ غور ہے اگر وید ہے یا کوئی اور ہے
یہ سچ ہے کہ جو **پاک** ہو جاتے ہیں خدا سے **خدا کی خبر لاتے ہیں**
اگر اس طرف سے نہ آوے خبر تو ہو جائے یہ راہ زیر و زبر
طلبگار ہو جائیں اس کے تباہ وہ مر جائیں دیکھیں اگر بند راہ
مگر کوئی معشوق ایسا نہیں کہ عاشق سے رکھتا ہو یہ بغض و کیں
خدا پر تو پھر یہ گماں عیب ہے کہ وہ **راحم** و **عالم الغیب** ہے
اگر وہ نہ بولے تو کیوں کر کوئی یقیں کر کے جانے کہ ہے مختفی
وہ کرتا ہے خود اپنے بھگتوں کو یاد کوئی اس کے رہ میں نہیں نامراد
مگر وید کو اس سے انکار ہے اسی سے تو بے خیر و بیکار ہے

﴿۴۷﴾

کرے کوئی کیا ایسے طومار کو — بلا کر دکھاوے نہ جو یار کو
وہ ویدوں کا ایشر ہے یا اک حجر — کہ بولے نہیں جیسے اک گنگ و کر
تو پھر ایسے ویدوں سے حاصل ہی کیا — ذرہ سوچو اے **یارو** بہر خدا
وہ **انکار** کرتے ہیں **الہام** سے — کہ ممکن نہیں خاص اور عام سے
یہی سالکوں کا تو تھا مدعا — اسی سے تو کھلتی تھیں آنکھیں ذرا
اگر یہ نہیں پھر تو وہ مرگئے — کہ بیسود جاں کو فدا کر گئے
یہ ویدوں کا **دعویٰ** سنا ہے ابھی — کہ بعد ان کے ملہم نہ ہوگا **کبھی**
وہ کہتے ہیں یہ **کوچہ مسدود** ہے — تلاش اس کی عارف کو **بیسود** ہے
وہ غافل ہیں رحماں کے اس داب سے — کہ رکھتا ہے وہ اپنے احباب سے
اگر ان کو اس رہ سے ہوتی خبر — اگر صدق کا کچھ بھی رکھتے اثر
تو انکار کو جانتے **جائے** شرم — یہ کیا کہہ دیا وید نے ہائے شرم
نہ جانا کہ **الہام** ہے کیمیا — اسی سے تو ملتا ہے **گنج لقا**
اسی سے تو عارف ہوئے بادہ نوش — اسی سے تو آنکھیں کھلیں اور گوش
یہی ہے کہ نائب ہے دیدار کا — یہی ایک چشمہ ہے اسرار کا
اسی سے ملے ان کو نازک علوم — اسی سے تو ان کی ہوئی جگ میں دھوم
خدا پر خدا سے یقیں آتا ہے — وہ باتوں سے ذات اپنی سمجھاتا ہے
کوئی یار سے جب لگاتا ہے دل — تو باتوں سے لذت اٹھاتا ہے دل
کہ دلدار کی بات ہے اک غذا — مگر تو ہے منکر تجھے اس سے کیا
نہیں تجھ کو اس رہ کی کچھ بھی خبر — تو واقف نہیں اس سے اے بے ہنر
وہ ہے مہربان و کریم و قدیر — قسم اس کی۔ اس کی نہیں ہے نظیر
جو ہوں دل سے قربان ربّ جلیل — نہ نقصاں اٹھاویں نہ ہوویں ذلیل

﴿۴۸﴾

اسی سے تو نانک ہوا کامیاب کہ دل سے تھا قربان عالی جناب
بتایا گیا اس کو **الہام** میں کہ پائے گا تو مجھ کو اسلام میں
یقین ہے کہ نانک تھا ملہم ضرور نہ کر **وید کا پاس** اے پُرغرور
دیا اس کو کرتار نے وہ گیان کہ ویدوں میں اس کا نہیں کچھ نشان
اکیلا وہ بھاگا ہنودوں کو چھوڑ چلا **مکّہ** کو ہند سے منہ کو موڑ
گیا **خانہ کعبہ کا کرنے طواف** مسلماں بنا پاک دل بے خلاف
لیا اس کو **فضل خدا** نے اٹھا ملی دونوں عالم میں عزت کی جا
اگر تو بھی چھوڑے یہ **ملک** ہوا تجھے بھی یہ رتبہ کرے وہ عطا
تو رکھتا نہیں **ایک** دم بھی روا جو بیوی سے اور بچوں سے ہو جدا
مگر وہ تو پھرتا تھا دیوانہ وار نہ جی کو تھا چین اور نہ دل کو قرار
ہر اک کہتا تھا دیکھ کر اک نظر کہ ہے اس کی آنکھوں میں کچھ جلوہ گر
محبت کی تھی ۶ سینہ میں اک خلش لئے پھرتی تھی اس کو دل کی تپش
کبھی شرق میں اور کبھی غرب میں رہا گھومتا قلق اور کرب میں
پرندے بھی آرام کرلیتے ہیں مجانیں بھی یہ کام کر لیتے ہیں
مگر وہ تو اک دم نہ کرتا قرار ادا کر دیا عشق کا کاروبار
کسی نے یہ پوچھی تھی عاشق سے بات وہ نسخہ بتا جس سے جاگے تو رات
کہا نیند کی ہے دوا سوز و درد کہاں نیند جب غم کرے چہرہ زرد
وہ آنکھیں نہیں جو کہ گریاں نہیں وہ خود دل نہیں جو کہ بریاں نہیں
تو انکار سے وقت کھوتا ہے کیا تجھے کیا خبر عشق ہوتا ہے کیا
مجھے پوچھو اور میرے دل سے یہ راز مگر کون پوچھے بجز عشق باز
جو برباد ہونا کرے اختیار خدا کے لئے ہے وہی بختیار

﴿۴۹﴾

جو اس کیلئے کھوتے ہیں پاتے ہیں — جو مرتے ہیں وہ زندہ ہو جاتے ہیں
وہی وحدہ **لا شریک** اور عزیز — نہیں اس کی مانند کوئی بھی چیز
اگر جاں کروں اس کی راہ میں فدا — تو پھر بھی نہ ہو شکر اس کا ادا
میں چولے کا کرتا ہوں پھر کچھ بیاں — کہ ہے یہ پیارا مجھے جیسے جاں
ذرا جنم ساکھی کو پڑھ اے جواں — کہ **انگد** نے لکھا ہے اس میں عیاں
کہ قدرت کے ہاتھوں کے تھے وہ رقم — خدا ہی نے لکھا بہ فضل و کرم
وہ کیا ہے یہی ہے کہ اللہ ہے ایک — **محمد نبی** اس کا پاک اور نیک
بغیر اس کے دل کی صفائی نہیں — بجز اس کے غم سے رہائی نہیں
یہ معیار ہے دیں کے تحقیق کا — کھلا فرق دجال و صدیق کا
ذرہ سوچو یارو گر انصاف ہے — یہ سب کشمکش اس گھڑی صاف ہے
یہ نانک سے کرنے لگے جب جدا — رہے زور کر کر کے بے مدعا
کہا دور ہو جاؤ تم ہار کے — یہ خلعت ہے ہاتھوں سے کرتار کے
بشر سے نہیں تا اوتارے بشر — خدا کا کلام اس پہ ہے **جلوہ گر**
دعا کی تھی اس نے کہ اے کردگار — بتا مجھ کو رہ اپنی خود کر کے پیار
یہ چولہ تھا اس کی دعا کا اثر — یہ قدرت کے ہاتھوں کا تھا سربسر
یہی چھوڑ کر وہ ولی مرگیا — نصیحت تھی مقصد ادا کر گیا
اسے مردہ کہنا خطا ہے خطا — کہ زندوں میں وہ زندہ دل جا ملا
وہ تن گم ہوا یہ **نشاں** رہ گیا — ذرا دیکھ کر اس کو آنسو بہا
کہاں ہے محبت کہاں ہے وفا — پیاروں کا چولا ہوا کیوں بُرا
وفادار عاشق کا ہے یہ نشاں — کہ دلبر کا خط دیکھ کر ناگہاں
لگاتا ہے آنکھوں سے ہوکر فدا — یہی دیں ہے دلدادگاں کا سدا

﴿۵۰﴾

مگر جس کے دل میں **محبت** نہیں اسے ایسی باتوں سے رغبت نہیں
اٹھو جلد تر لاؤ **فوٹوگراف** ذرا کھینچو تصویر چولے کی صاف
کہ دنیا کو ہرگز نہیں ہے بقا فنا سب کا انجام ہے جز خدا
سو لو **عکس جلدی** کہ اب ہے ہراس مگر اس کی تصویر رہ جائے پاس
یہ چولا کہ **قدرت کی تحریر** ہے یہی **رہنما** اور یہی پیر ہے
یہ انگد نے خود لکھدیا صاف صاف کہ ہے وہ کلام خدا بے گزاف
وہ لکھا ہے خود پاک کرتار نے اسی **حیّ** و **قیّوم** و **غفّار** نے
خدا نے جو لکھا وہ کب ہو خطا وہی ہے خدا کا کلام صفا
یہی راہ ہے جس کو بھولے ہو تم اٹھو یارو اب مت کرو راہ گم
یہ نور خدا ہے خدا سے ملا ارے جلد آنکھوں سے اپنے لگا
ارے لوگو تم کو نہیں کچھ خبر جو کہتا ہوں میں اس پہ رکھنا نظر
زمانہ تعصب سے رکھتا ہے رنگ کریں حق کی تکذیب سب بیدرنگ
وہی دین کے راہوں کی سنتا ہے بات کہ ہو متقی مرد اور نیک ذات
مگر دوسرے سارے ہیں پُرعناد پیارا ہے ان کو غرور اور فساد
بناتے ہیں باتیں سراسر دروغ نہیں بات میں ان کے کچھ بھی فروغ
بھلا بعد چولے کے اے پُرغرور وہ کیا کسر باقی ہے جس سے تو دور
تو ڈرتا ہے لوگوں سے اے بے ہنر خدا سے تجھے کیوں نہیں ہے خطر
یہ تحریر چولہ کی ہے اک زبان سنو وہ زباں سے کرے کیا بیان
کہ دین خدا دین **اسلام** ہے جو ہو منکر اس کا بد انجام ہے
محمد وہ نبیوں کا سردار ہے کہ جس کا عدو مثل مردار ہے
تجھے چولے سے کچھ تو آوے حیا ذرا دیکھ ظالم کہ کرتا ہے کیا

﴿۵۱﴾

کہو جو رضا ہو مگر سن لو بات وہ کہنا کہ جس میں نہیں پکش پات
کہ حق جو سے کرتار کرتا ہے پیار وہ انساں نہیں جو نہیں حق گذار
کہو جبکہ پوچھے گا مولیٰ حساب تو بھائیو بتاؤ کہ کیا ہے جواب
میں کہتا ہوں اک بات اے نیک نام ذرہ غور سے اس کو سنیو تمام
کہ بیشک یہ چولہ پُر از نور ہے تمرّد وفا سے بہت دور ہے
دکھائیں گے چولہ تمہیں کھول کر کہ دو اُس کا اُتّر ذرا بول کر
یہی پاک چولہ رہا اک نشاں گرو سے کہ تھا خلق پر مہربان
اسی پر دوشالے چڑھے اور زر یہی فخر سکھوں کا ہے سربسر
یہی ملک و دولت کا تھا اک ستوں عمل بد کئے ہوگئے سرنگوں
خدا کے لئے چھوڑو اب بغض وکیں ذرا سوچو باتوں کو ہو کر امیں
وہ صدق و محبت وہ مہر و وفا جو نانک سے رکھتے تھے تم برملا
دکھاؤ ذرا آج اس کا اثر اگر صدق ہے جلد دوڑو ادھر
گرو نے تو کر کے دکھایا تمہیں وہ رستہ چلو جو بتایا تمہیں
کہاں ہیں جو نانک کے ہیں خاک پا جو کرتے ہیں اس کے لئے جاں فدا
کہاں ہیں جو اس کے لئے مرتے ہیں جو ہے واک اس کا وہی کرتے ہیں
کہاں ہیں جو ہوتے ہیں اس پر نثار جھکاتے ہیں سر اپنے کو کر کے پیار
کہاں ہیں جو رکھتے ہیں صدق وثبات گرو سے ملے جیسے شیر و نبات
کہاں ہیں کہ جب اس سے کچھ پاتے ہیں تعشق سے قرباں ہوئے جاتے ہیں
کہاں ہیں جو الفت سے سرشار ہیں جو مرنے کو بھی دل سے تیار ہیں
کہاں ہیں جو وہ بخل سے دور ہیں محبت سے نانک کی معمور ہیں
کہاں ہیں جو اس رہ میں پُرجوش ہیں گرو کے تعشق میں مدہوش ہیں
کہاں ہیں وہ نانک کے عاشق کہاں کہ آیا ہے نزدیک اب امتحاں

کہاں ہیں جو بہرتے ہیں الفت کا دم
اطاعت سے سر کو بنا کر قدم
ادہر آئیں دیکھیں یہ تصویر ہے
یہی پاک چولہ جہانگیر ہے
صاحب
چولہ بابا نانک
دیکھو اپنے دیں کو کس کس صدق سے دکھلا گیا ÷ وہ بہادر تھا نہ رکھتا تھا کسی دشمن سے ڈر
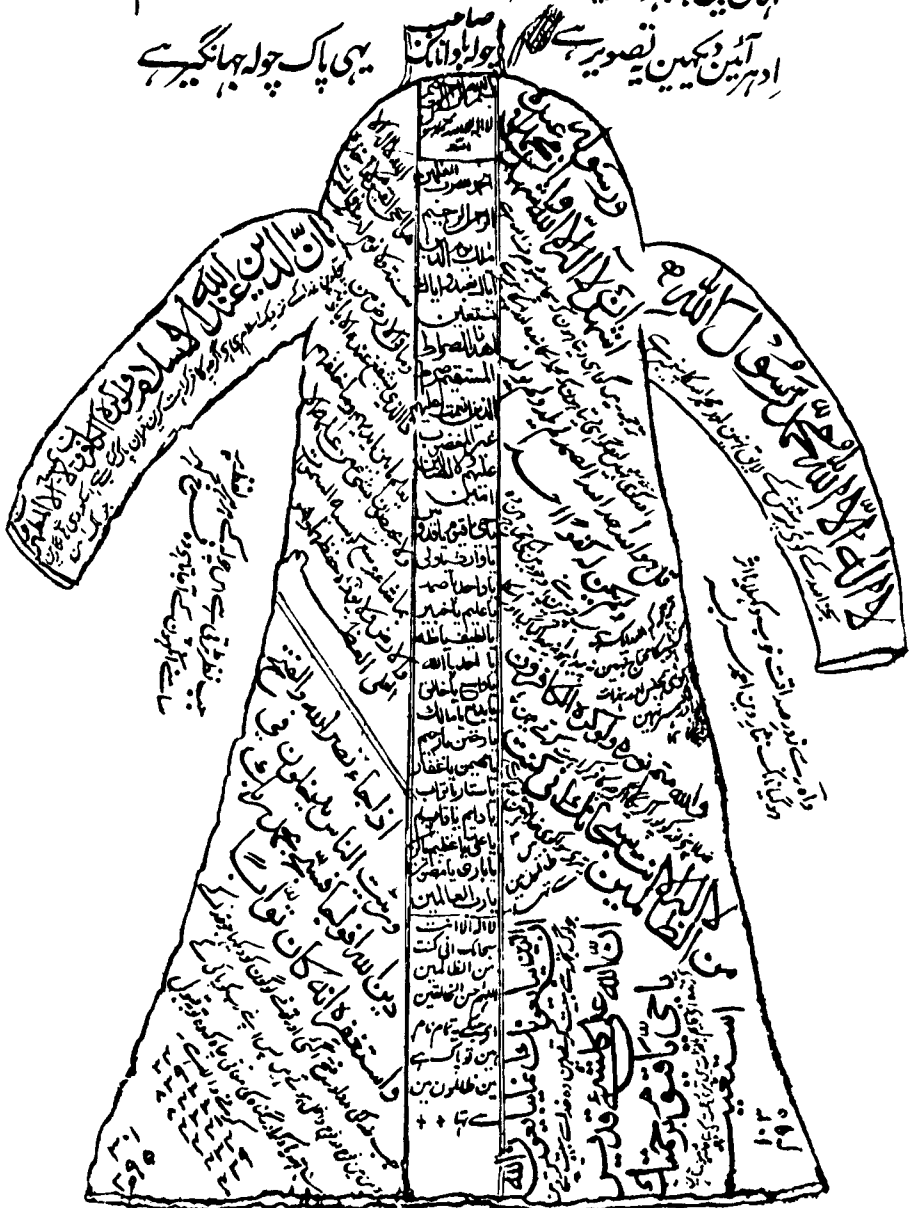
﴿۵۳﴾

گروؔ جس کے اس رہ پہ ہوویں فدا — وہ چیلہ نہیں جو نہ دے سر جھکا
اگر ہاتھ سے وقت جاوے نکل — تو پھر ہاتھ مل مل کر رونا ہے کل
نہ مردی ہے تیر اور تلوار سے — بنو مرد مردوں کے کردار سے
سنو آتی ہے ہر طرف سے صدا — کہ باطل ہے ہر چیز حق کے سوا
کوئی دن کے مہمان ہیں ہم سب سبھی — خبر کیا کہ پیغام آوے ابھی
گرو نے یہ چولا بنایا شعار — دکھایا کہ اس رہ پہ ہوں میں نثار
وہ کیونکر ہو ان ناسعیدوں سے شاد — جو رکھتے نہیں اس سے کچھ اعتقاد
اگر مان لو گے گرو کا یہ واک — تو راضی کرو گے اسے ہو کے پاک
وہ احمق ہیں جو حق کی راہ کھوتے ہیں — عبث ننگ و ناموس کو روتے ہیں
وہ سوچیں کہ کیا لکھ گیا پیشوا — وصیت میں کیا کہہ گیا بر ملا
کہ اسلام ہم اپنا دیں رکھتے ہیں — محمد کی رہ پر یقیں رکھتے ہیں
اٹھو سونے والو کہ وقت آ گیا — تمہارا گرو تم کو سمجھا گیا
نہ سمجھے تو آخر کو پچھتاؤ گے — گرو کے سراپوں کا پھل پاؤ گے

چولہ کی مختصر تاریخ

کتاب ساکھی چولا صاحب سے یہ ثابت ہے کہ جب باوا نانک صاحب کا انتقال ہوا تو یہ چولا انگد صاحب کو جو پہلے جانشین باوا صاحب کے تھے ملا جس کو انہوں نے گدی پر بیٹھنے کے وقت سر پر باندھا اور ہمیشہ بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ اپنے پاس رکھا۔ چنانچہ پانچویں گرو **ارجن**داس صاحب کے وقت تک ہر یک گرو اپنی گدی نشینی کے وقت اس کو مبارک سمجھ کر سر پر رکھتا رہا اور ان میں ایک فرض کی طرح یہ عادت تھی کہ بڑے بڑے درباروں میں اور عظیم الشان مہموں کے وقت یہ چولہ سر پر رکھتے اور اس سے

﴿۵۴﴾ برکت ڈھونڈھتے اور ایک مرتبہ ارجن داس صاحب کے وقت میں امرت سر کا تالاب بن رہا تھا۔ اور بہت اخلاص مند سکھ اس کے کھودنے میں مصروف تھے تو ایک شخص طوطا رام جو زمین کھودنے میں لگا ہوا تھا اور ارجنداس صاحب سے بہت ہی اعتقاد رکھتا تھا۔ اس کے اخلاص کو ارجنداس صاحب نے دیکھ کر اسے کہا کہ میں تجھ سے خوش ہوں اس وقت جو کچھ تو نے مجھ سے مانگنا ہے مجھ سے مانگ اس نے کہا کہ مجھے سکھی دان دو یعنی ایسی چیز دو جس سے مجھے دین کی ہدایت ہو۔ تب ارجن صاحب سمجھ گئے کہ یہ چولہ مانگتا ہے کیونکہ سچے دین کی ہدایتیں اسی میں موجود ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ تو نے تو ہمارے گھر کی پونجی ہی مانگ لی پھر سر سے اتار کر اس کو چولہ دیدیا کہ لے اگر ہدایت چاہتا ہے تو سب ہدایتیں اسی میں ہیں۔ لیکن پھر وہی چولہ ایک مدّت کے بعد کابلی مل کو جو باوا نانک صاحب کے اولاد میں سے تھا مل گیا اور اب تک بمقام ڈیرہ نانک ضلع گورداسپورہ پنجاب انہیں کی اولاد کے پاس موجود ہے جس کا مفصل ذکر ہم کر چکے ہیں۔ اس چولہ کے لئے ایک شخص عجب سنگھ نام نے ایک بڑا مکان ڈیرہ نانک کی شرقی جانب میں بنایا تھا۔ اور جو لوگ چولہ پر رومال چڑھاتے رہے ان میں سے جو بعض کے نام معلوم ہوئے وہ یہ ہیں:

راجہ صاحب سنگھ۔ راجہ بھوپ سنگھ۔ نروان پریتم داس۔ راجہ پنا سنگھ۔ راجہ ٹیلا۔ ہری سنگھ ناوا۔ عجب سنگھ۔ دیوان موتی رام۔ راجہ صاحب پٹیالہ۔ سردار نہال سنگھ چھاچی اور ایسا ہی برہما شکار پور دکن۔ کشمیر۔ بخارا۔ بمبئی وغیرہ ملکوں کے لوگ اب تک اس چولہ پر رومال چڑھاتے رہے اس چولہ کا ہر سال میلہ ہوتا ہے اور دور دور ملکوں سے لوگ آتے ہیں۔ اور صدہا لوگ ملک سندھ کے اور نیز بخارا کے بھی جمع ہوتے ہیں اور ہزار ہا روپیہ کی آمدن ہوتی ہے۔ بخارا میں باوا نانک صاحب کو نانک پیر کر کے بولتے ہیں☆ اور اس کو ایک مسلمان فقیر سمجھتے ہیں اور اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ

☆نوٹ۔ ایک شخص جو بخارا میں دس سال رہ آیا ہے وہ بیان کرتا ہے کہ بخارا میں آج کل باوا نانک صاحب کو باوا ننو کہتے ہیں۔ نانک کے لفظ سے کوئی واقف نہیں اور محمد شریف صاحب پشاوری لکھتے ہیں کہ کابل میں دو مقام نانک کے نہایت مشہور ہیں ایک مکان ایک گاؤں میں ہے جس کا نام خواجہ سرائے ہے اور کابل سے سات کوس کے فاصلہ پر ہے اور دوسرا مقام قلعہ بلند میں ہے جو کابل سے بیس کوس کے فاصلہ پر ہے اور وہاں کے اکثر لوگ اس کو مسلمان خیال کرتے ہیں۔ منہ

اُن ملکوں میں علانیہ طور پر مسلمان رہا اور ایک پرہیز گار اور نیک بخت مسلمان کی طرح نماز اور روزہ کی پابندی اختیار کی یہ تو ظاہر ہے کہ ان ملکوں کے لوگ ہندوؤں سے بالطبع کراہت کرتے ہیں۔ اور ان کو کافر اور بے دین سمجھتے ہیں پھر وہ باوا صاحب کی تعظیم وتکریم بغیر ان کے ثبوت اسلام کے کیونکر کر سکتے تھے غرض بخارا کے لوگوں میں یہ واقعہ مشہورہ ہے کہ باوا نانک صاحب مسلمان تھے اور نانک صاحب کے بعض فارسی اشعار انہیں کے سنانے کے لئے بنائے گئے تھے۔ چنانچہ یہ شعر بھی انہیں میں سے ہے۔ ﴿۵۵﴾

یک عرض کردم پیش تو در گوش کن کرتار　　حقا کریم کبیر تو بے عیب پروردگار

غرض اس بات کے ثبوت کے لئے کہ چولہ درحقیقت نانک صاحب کی طرف سے ہی ہے یہ وجوہ کافی اور شافی اور تسلی بخش ہیں کہ اسی چولہ کا ذکر انگد اور بالا کی اس جنم ساکھی میں مذکور ہے جو اسی زمانہ میں تالیف ہوئی۔ پھر دوسرا ثبوت وہ کتاب ہے جو کابلی مل کی اولاد کے ہاتھ میں ہے جس کا نام چولہ ساکھی ہے جس میں لکھا ہے کہ یہ چولہ نانک صاحب کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملا تھا اور جتنے گرو بعد میں ہوئے ہیں سب کا اس چولہ سے برکت ڈھونڈنا اس میں مذکور ہے یہ دوسرا ثبوت اس بات پر ہے کہ چولہ خود نانک صاحب کا ہی تھا جس کی نسبت ابتدا سے یقین کیا گیا تھا کہ اس میں بہت سی برکتیں ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ تیسرا ثبوت یہ ہے کہ چولہ کی تعظیم اور تکریم برابر چارسو برس سے چلی آتی ہے۔ پس یہ عملی حالت جو ہر یک زمانہ میں ثابت ہوتی چلی آئی ہے جس کے ساتھ پرانے زمانہ سے میلے اور جلسے بھی ہوتے چلے آئے ہیں اور راجوں اور امیروں کا اس پر دوشالے چڑھانا ثابت ہوتا چلا آیا ہے۔ یہ ثبوت بھی نہایت اعلیٰ درجہ کا ثبوت ہے اور پھر اس کے مقابل یہ عذر کرنا کہ دراصل باوا صاحب کو فتح کے طور پر بخارا کے قاضی سے یہ چولا ملا تھا نہایت پوچ اور لچر خیال اور کسی سخت مفتری اور متعصب اور خیانت پیشہ آدمی کا منصوبہ ہے جو بالا کی جنم ساکھی کے برخلاف ہے اور کوئی کتاب اس کے اثبات میں پیش نہیں کی گئی بلکہ انگد اور بالا صاحب کی جنم ساکھی ایسے کاذب کا منہ سیاہ کر رہی ہے اور افسوس یہ کہ باوجود اس نہایت مکروہ افتراء کے یہ مفتری طریق تحقیق کو بھی بھول گیا۔

﴿۵۶﴾

کیونکہ اس عذر کے پیش کرنے سے پہلے یہ ثابت کرنا چاہئے تھا کہ مسلمانوں میں یہی رسم ہے کہ جس سے شکست کھاویں اس کو چولہ بنا کر دیا کرتے ہیں اور یہ بھی خیال نہیں ہوسکتا کہ ایسا چولہ پہلے کسی قاضی کے پاس موجود ہو اور باوا صاحب نے زبردستی فتح پا کر اس سے چھین لیا ہو۔ کیونکہ اس بات کو فتح سے کچھ تعلق نہیں کہ اگر کسی مذہبی مباحثہ میں کوئی غالب ہو تو وہ اس بات کا مجاز سمجھا جائے کہ کسی کا اثاث البیت یعنی گھر کا مال اپنے قبضہ میں لے آوے پھر فتح پانا بھی سراسر جھوٹ ہے۔ اگر باوا صاحب مذہبی امور میں مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرتے پھرتے اور جابجا اسلام کی تکذیب کرتے تو پھر ان کے جنازہ پر مسلمانوں کا یہ جھگڑا کیوں ہوتا کہ یہ مسلمان ہے۔ اور صدہا مسلمان جمع ہو کر ان کا جنازہ کیوں پڑھتے۔ صاف ظاہر ہے کہ جو شخص مذہبی امر میں لڑنے جھگڑنے والا ہو۔ اس کے دشمن دین ہونے میں کسی کو اشتباہ باقی نہیں رہتا۔ پھر اگر باوا صاحب حقیقت میں اسلام کے دشمن تھے تو کیوں ان کا جنازہ پڑھا گیا اور کیوں انہوں نے بخارا کے مسلمانوں کی طرف اپنی سخت بیماری کے وقت خط لکھا کہ اب میری زندگی کا اعتبار نہیں تم جلد آؤ اور میرے جنازہ میں شریک ہو جاؤ کیا کبھی کسی مسلمان نے کسی پادری یا پنڈت کے مرنے کے بعد اس کی نماز جنازہ پڑھی یا اس میں جھگڑا کیا یہ نہایت قوی دلیل اس بات پر ہے کہ وہ دین اسلام کے ہرگز مکذب نہ تھے بلکہ مسلمان تھے تبھی تو علماء صلحاء ان سے محبت رکھتے تھے۔ ورنہ ایک کافر سے محبت رکھنا کسی نیک بخت کا کام نہیں چشتیہ خاندان میں اب تک باوا صاحب کے وہ اشعار زبان زد خلائق ہیں جن میں وہ اسلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد وثناء کرتے ہیں اور وہ اشعار چونکہ اکابر کے سینہ بسینہ چلے آئے ہیں اس لئے گرنتھ کے اشعار سے جو دو سو برس کے بعد عوام الناس کی زبان سے لکھے گئے بہت زیادہ معتبر اور سند پکڑنے کے لائق ہیں چنانچہ ان میں سے ایک یہ شعر ہے ؎

کلمہ کہوں تو کَلُ پڑے بن کلمہ کَلُ نا   جہاں کلمہ کہو لئے سب کل کلمہ میں ما

یعنی مجھے اسی میں آرام آتا ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہوں اور بغیر اس کے مجھے آرام نہیں آتا جہاں کلمہ کا ذکر ہو تو تمام آرام اس سے مل جاتے ہیں۔ اور یہ یقین اور بھی زیادہ ہوتا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ باوا صاحب ایک مدت دراز تک اسلامی ملکوں میں رہے اور تمام مسلمانوں نے ان سے محبت کی بلکہ نانک پیر ان کو

نوٹ۔ یہ بات نہایت بے حیائی کی ہے کہ جس دعویٰ کی تائید میں کوئی تحریری ثبوت اپنے پاس موجود نہ ہو اور کوئی ایسی کتاب اپنے ہاتھ میں نہ ہو جس میں ثابت شدہ روایت اور اس زمانہ کی کتاب کے مخالف یہ قصہ معلوم ہوا ہو تو پھر محض مذہبی تعصب کی رو سے ایسا جھوٹا قصہ بنایا جائے۔ منہ نیز دیکھو اگلا صفحہ حاشیہ متعلقہ صفحہ ہذا۔ شمس۔

﴿الف﴾

حاشیہ متعلق صفحہ ۵۶ ست بچن وصفحہ ۱۷۶ جلد ھٰذا

اس بات کا لکھنا بھی ناظرین کیلئے فائدہ سے خالی نہیں کہ جس قدر ہم باوا نانک صاحب کے اسلام کے بارہ میں لکھ چکے ہیں صرف اسی قدر دلائل نہیں بلکہ سکھ صاحبوں کی اور کئی پورانی کتابیں ہیں جن سے صاف صاف طور پر باوا صاحب کا اسلام ثابت ہوتا ہے چنانچہ منجملہ ان کے بھائی **گورداس** صاحب کی واراں ہے جس میں صفحہ باراں میں یہ لکھا ہے۔

''بابا (یعنی نانک صاحب) پھر مکہ میں گیا نیلے کپڑے پہن کر ولی بن کر عاصا ہاتھ میں کتاب بغل میں (یعنی قرآن بغل میں) کوزہ اور مصلّٰی ساتھ اور بانگ دی یعنی نماز کیلئے اذان کہی اور مسجد میں جا کر بیٹھے جہاں حاجی لوگ حج گذارتے ہیں۔ دیکھو واراں بھائی گورداس مطبوعہ مطبع مصطفائی لاہور صفحہ۱۲ سمہ ۱۹۴۷ ''۔

اب غور کرنا چاہئے کہ یہ طریق کہ نیلے کپڑے پہننا اور عصا ہاتھ میں لینا اور کوزہ اور مصلّٰی ساتھ رکھنا اور قرآن بغل میں لٹکانا اور خانہ کعبہ کا قصد کر کے ہزاروں کوس کی مسافت قطع کر کے جانا اور وہاں مسجد میں جا کر قیام کرنا اور بانگ دینا کیا یہ نشان مسلمانوں کے ہیں یا ہندوؤں کے ظاہر ہے کہ مسلمان ہی حج کے لئے نیلے کپڑے پہن کر جایا کرتے ہیں۔ عصا بھی مسلمانوں کا شعار ہے۔ اور مصلّٰی ساتھ رکھنا نمازیوں کا کام ہے۔ اور قرآن ساتھ لینا نیک بخت مسلمانوں کا طریق۔ اگر کہو کہ یہ لباس اور یہ طریق مکر اور فریب سے اختیار کیا تھا۔ تو تم آپ ہی منصف بن کر جواب دو کہ کیا تمہارا نور قلب اور کانشنس باوا نانک صاحب کی نسبت یہ بات جائز رکھتا ہے کہ انہوں نے باوجود اس یک رنگی کے جو خدا تعالیٰ کے لئے اختیار کی تھی پھر مکر اور فریب کے طریق کو بھی ہاتھ سے نہ چھوڑا اور بہروپیوں کی طرح باہر سے مسلمان بن کر اور اندر سے ہندو رہ کر حاجیوں کے ساتھ مل کر مکہ میں چلے گئے۔ میں اس وقت اس بات پر زور دینا نہیں چاہتا کہ یہ طریق کیسا ایک نیک انسان کے حالات کے مخالف ہے بلکہ میں کہتا ہوں۔ کہ اگر ایک معمولی چال چلن کا انسان بھی ایسی فریب کی کارروائی کرے تو وہ بھی قابل ملامت ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی مسلمان کہلا کر پھر زُنّار پہن لے اور پیشانی پر قشقہ لگا کر اور بتوں کو بغل میں دبا کر جے گنگا جے گنگا۔

+ نوٹ ۔ قرآن شریف کا نام کتاب بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۔[1] لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ [2]

[1] البقرة : ۲،۳ [2] الانعام : ۶۰

﴿ب﴾ کرتا ہوا ہندوؤں کے ساتھ مل کر گنگا پر جا کر اشنان کرے تو اگر چہ وہ دل سے مسلمان ہو۔ مگر میں اس کو ایک نیک انسان نہیں سمجھوں گا۔ کیونکہ اگر اس کو خدا تعالیٰ پر بھروسہ ہوتا تو وہ اپنے ہر یک مطلب کو نہ کسی فریب کے ذریعہ سے بلکہ خدا تعالیٰ کے ذریعہ سے ہی حاصل کرنا چاہتا۔

سو کوئی پاک طبع ایسے انسان پر کسی طرح راضی نہیں ہو سکتا جو دین کے شعار کو بعض نفسانی اغراض کے لئے چھوڑتا ہے ظاہر ہے کہ جب بابا نانک صاحب فریب کے طور پر مسلمان بن کر مکہ میں گئے ہوں گے۔ تو راہ میں بار باران کو اپنے قافلہ کے ساتھ جھوٹ بولنا پڑتا ہوگا۔ اور ہر یک کو محض دروغ گوئی کے طور پر کہتے ہوں گے کہ میں مسلمان ہوں اور دکھلانے کے لئے کلمہ بھی پڑھتے ہوں گے۔ اور پنج وقت نماز بھی پڑھتے ہوں گے کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ جو کوئی مسلمانوں کے ساتھ مل کر اور بظاہر مسلمان بن کر سفر کرے وہ نماز پڑھنے سے اپنے تئیں روک نہیں سکتا بالخصوص جبکہ کسی نے حاجیوں کے ساتھ خانہ کعبہ کا قصد کیا ہو تو کیونکر ممکن ہے کہ وہ جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھے اور قافلہ کے لوگ اس سے دریافت نہ کریں کہ کیا وجہ کہ آج تو نے نماز نہیں پڑھی۔ غرض ایسا مکروہ فریب کہ اندر سے ہندو ہونا اور بظاہر کلمہ بھی پڑھنا روزہ بھی رکھنا اور حاجیوں کے ساتھ حج کرنے کے لئے جانا کسی نیک انسان سے ہرگز صادر نہیں ہو سکتا بلکہ ایسی حرکتیں صرف ان لوگوں سے سرزد ہوتی ہیں جن کو خدا تعالیٰ پر بھی ایمان نہیں ہوتا اور نفسانی اغراض کے لئے بہروپیوں کی طرح اپنی زندگی بسر کرتے ہیں بہتر ہے کہ سکھ صاحبان ایک منٹ کے لئے اس کیفیت کا خاکہ اپنے اندر کھینچیں اور آپ ہی سوچیں کہ ایسی حرکات ایک پارسا انسان کے چال چلن کو داغ لگاتی ہیں یا نہیں راستبازوں کی زندگی نہایت صفائی اور سادگی سے ہوتی ہے وہ اس طرح کے فریبوں سے طبعًا کراہت کرتے ہیں جو ان کی یک رنگی میں خلل انداز ہوں اور میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ یہ افترا کہ گویا مکہ بابا صاحب کے پیروں کی طرف پھرتا تھا نہایت مکروہ افترا ہے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیہودہ باتیں اس وقت کتاب میں ملائی گئیں ہیں کہ جب بابا نانک صاحب کا حج کرنا بہت مشہور ہو گیا تھا اگر معقولی طور پر کچھ باتیں زیادہ کی جاتیں تو شاید بعض لوگ دھوکا میں آجاتے مگر اب اس زمانہ میں اس نامعقول جھوٹ کو کوئی طبیعت قبول نہیں کر سکتی میں ان لوگوں کے ساتھ اتفاق نہیں کر سکتا جو کہتے ہیں۔ کہ بابا صاحب مکہ میں نہیں گئے۔ کیونکہ جب تک کسی بات کی کچھ اصلیت نہ ہو محض افترا کے طور پر کسی مشہور انسان کی سوانح میں اتنا بڑا

جھوٹ لکھ دینا ایک ایسی جرأت ہے جس پر لاکھوں انسانوں کا اتفاق کر لینا خلاف قیاس ہے۔ ﴿ج﴾
ماسوا اس کے بابا نانک صاحب کا حج کے لئے جانا صرف سکھوں کی کتابوں سے ہی نہیں سمجھا جاتا بلکہ چشتی خاندان کے بہت سے ثقہ لوگ ابتک سینہ بہ سینہ یہ روایت کرتے آئے ہیں کہ بابا نانک صاحب ضرور حج کے لئے مکہ میں گئے تھے پس اتنا بڑا واقعہ جو سکھوں اور مسلمانوں میں متفق علیہ ہے کیونکر یک لخت جھوٹ ہوسکتا ہے ہاں جو زوائد ملائے گئے ہیں جو نہ صرف اسلامی روایتوں کے مخالف بلکہ عقل اور قیاس اور تاریخ کے بھی مخالف ہیں وہ بے شک افتراء اور جھوٹ ہے بہتر ہو کہ اب بھی سکھ صاحبان جنم ساکھیوں میں سے ان بے جا زوائد کو نکال دیں کیونکہ یہ نامعقول اور پر تعصب قصے واقعات صحیحہ کو ایک کلنک کی طرح لگے ہوئے ہیں اور اب وہ زمانہ نہیں کہ کوئی زیرک ان کو قبول کرے اگر ایسے قصے ہندوؤں کے تیرتھوں اور مقامات متبرکہ اور درباروں کی نسبت کوئی مسلمان پیش کرتا تو کیا بجز دل دکھانے کے اس کا کوئی اور نتیجہ بھی ہوتا جبکہ معقول باتیں بھی عدالتوں میں بجز تسلّی بخش ثبوت کے قابل پذیرائی نہیں ہوتیں تو ایسی بیہودہ اور نامعقول باتیں جو تاریخی ثبوتوں کے بھی مخالف ہیں کیونکر اور کس طرح قبول ہوسکتی ہیں۔

پھر اسی بھائی گورداس کی واران میں ہے کہ بابا نانک جب بغداد میں گیا تو شہر میں جا کر باہر اپنا ڈیرہ لگایا اور دوسرا شخص بابا کے ساتھ بھائی مردانہ تھا۔ جا کر بانگ دی اور نماز کو ادا کیا دیکھو واراں گورداس صفحہ ۱۳ مطبوعہ مطبع مصطفائی لاہور سمت ۱۹۴۷ پھر اس میں اور جنم ساکھی بھائی منی سنگھ میں لکھا ہے کہ بغداد میں بابا صاحب کی ملاقات پیر دستگیر محی الدین یعنی سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور بہت گفتگو ہوئی۔ دیکھو جنم ساکھی بھائی منی سنگھ صفحہ ۴۲۶ مطبوعہ مطبع مصطفائی سمت ۱۹۴۷۔

اب ناظرین خود سوچ لیں کہ بابا نانک صاحب تو سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے فوت ہونے سے چارسو برس بعد ہوئے ہیں پھر کیسے سیّد موصوف سے بابا صاحب کی ملاقات ہوگئی۔ یہ کس قدر بیہودہ جھوٹ ہے غرض ان تمام افتراؤں کو الگ کر کے اصل بات یہی ثابت ہوتی ہے کہ بابا صاحب ضرور مکہ میں حج کے لئے گئے تھے اور پھر سید عبدالقادر جیلانی کے روضہ کی زیارت کے لئے بغداد میں بھی گئے اور جو اس پر زوائد ملائے گئے ان کے بے اصل اور دروغ ہونے پر

﴿د﴾ یہ ثبوت کافی ہے کہ وہ نہ صرف معقولی طریق کے برخلاف ہیں۔ بلکہ واقعات صحیحہ کے بھی مخالف ہیں۔ اب ان کو سچ وہی سمجھے کہ نرا پاگل ہو جائے کاش اگر ایسے جھوٹ ملانے والوں کو کچھ تاریخ دانی سے بھی حصہ ہوتا تو ایسا سفید جھوٹ بولنے سے شرم کرتے۔ بابا نانک صاحب کا قارون سے ملاقات کرنا باوا فرید شکر گنج سے ملنا کیسی قابل ہنسی باتیں ہیں جو جنم ساکھیوں میں لکھی گئی ہیں تمام لوگ جانتے ہیں کہ قارون تو حضرت موسیٰ کے وقت میں ایک بخیل دولتمند تھا جس کو فوت ہوئے تین ہزار برس سے بھی زیادہ مدت گذر گئی اس کی ملاقات بابا نانک صاحب سے کیونکر ہو گئی اور باوا فرید صاحب دو سو برس باوا نانک صاحب کے وجود سے پہلے دنیا سے گذر گئے۔ ان سے ملاقات ہونے کے کیا معنی یہ تمام امور اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ ان جنم ساکھیوں میں حق کے چھپانے اور تعریف میں مبالغہ کرنے کے لئے بہت ناجائز افترا کئے گئے ہیں۔ منه
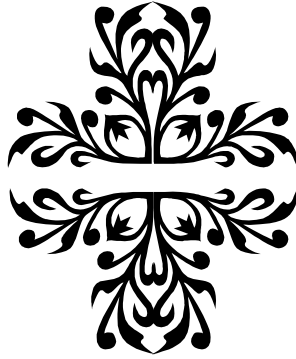
لقب دیا اور ایسا ہونا ممکن نہ تھا جب تک باوانانک صاحب ان ملکوں میں اپنا اسلام ظاہر نہ کرتے ﴿۵۷﴾
اب حاصل کلام یہ ہے کہ یہ چولہ جو کابلی مل کی اولاد کے ہاتھ میں ہے باوانانک صاحب کی طرز زندگی اور ان کی ملت و مشرب کا پتہ لگانے کے لئے ایسا عمدہ ثبوت ہے کہ اس سے بہتر ملنا مشکل ہے میں نے اس ثبوت میں بہت غور کی اور بہت دنوں تک اس کو سوچتا رہا آخر مجھے معلوم ہوا کہ باوا صاحب کے اندرونی حالات کے دریافت کرنے کے لئے یہ وہ اعلیٰ درجہ کا ثبوت ہے جس پر سکھ صاحبوں کو فخر کرنا چاہیئے بلاشبہ اُنہیں لازم ہے کہ اگر باوانانک صاحب سے اُنہیں سچی محبت ہے تو اِس بزرگ چولہ کو تحقیر کی نگاہ سے نہ دیکھیں بلکہ اس کو سرمایہ افتخار سمجھیں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ گرنتھ ایک زمانہ دراز یعنی دوسو برس کے بعد جمع کیا گیا ہے اور گرنتھ دانوں کو اس بات کا اقرار ہے کہ اس میں بہت سے اشعار باوا صاحب کی طرف منسوب کر دیئے گئے حالانکہ وہ اشعار دراصل ان کی طرف سے نہیں ہیں اس صورت میں گرنتھ موجودہ باوا صاحب کی قطعی اور یقینی سوانح پیش کرنے کے وقت حجت قاطعہ کے طور پر پیش نہیں ہوسکتا ہاں یہ شرف اور منزلت چولہ صاحب کو حاصل ہے کہ جو نہ دو۲سو برس بعد بلکہ نانک صاحب کے ہاتھ سے ہی ان کے جانشینوں کو ملا اور تاریخی تواتر سے اب تک نہایت عزت کے ساتھ محفوظ رہا۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض سکھ صاحبان میری اس تحریر سے ناخوش ہیں بلکہ سخت ناراض ہیں کہ کیوں باوانانک صاحب کو مسلمان قرار دیا گیا ہے لیکن مجھے نہایت شبہ ہے کہ وہ اس بات کو سمجھے بھی ہوں کہ میں نے کن دلائل سے باوا صاحب کو مسلمان یقین کیا ہے انہیں معلوم ہو کہ میں نے باوا صاحب کو مسلمان نہیں ٹھہرایا بلکہ اُنہیں کے پاک افعال اور اقوال ہر یک منصف کو اس رائے کے ظاہر کرنے کے لئے مجبور کرتے ہیں جو میں نے ظاہر کی یوں تو سکھ صاحبوں سے ہندو صاحب تعداد میں بہت زیادہ ہیں اور ان کے پنڈت بھی اس قدر ہیں کہ شاید سکھ صاحبوں کی کل مردم شماری بھی اس قدر نہ ہو مگر میں نے کسی کی نسبت یہ رائے ظاہر نہیں کی کہ فلاں پنڈت در پردہ مسلمان تھا۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ درحقیقت وہ دشمن دین ہیں اور وہ راست بازی جس کو ہم اسلام سے تعبیر کرتے ہیں اس کا ہزارم حصہ بھی

﴿۵۸﴾ اٰن میں موجود نہیں مگر ہم اگر چہ دونوں آنکھیں بھی بند کر لیں پھر بھی کسی طرح باوا صاحب کے اسلام کو چھپا نہیں سکتے انہوں نے فی الواقع اسلامی عقائد کو سچ اور صحیح اور درست جانا اور اپنے اشعار میں ان کی گواہی دی اور نیز اپنے اشعار میں صاف اقرار کیا کہ مدار نجات **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** ہے اور اسلام کے مشائخ سے بیعت کی اور اولیاء کے مقابر پر چلہ نشینی اختیار کر کے نماز اور روزہ میں مشغول رہے اور دو حج کئے اور اپنے چولہ صاحب کو آئندہ نسلوں کے لئے ایک وصیت نامہ چھوڑ گئے۔ اب بھی اگر باوا صاحب مسلمان نہیں تو اس سے زیادہ کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ بلاشبہ باوا صاحب کے قول اور فعل سے ان کا اسلام ایسا ثابت ہوتا ہے کہ جیسے نصف النہار میں آفتاب چاہئے کہ ہر یک مسلمان ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھے اور اخوت اسلامی میں داخل تصور کرے۔ ہاں یہ بات سچ ہے کہ باوا صاحب مسیح ابن مریم کے نزول اور حیات کے قائل نہیں تھے بلکہ اسی بروز کے قائل تھے جو صوفیوں میں مسلّم ہے یعنی بعض وقت بعض گذشتہ صلحاء کی کوئی ہم شکل روح جو نہایت اتحاد اُن سے رکھتی ہے۔ دنیا میں آ جاتی ہے اور اِس روح کو اُس روح سے صرف مناسبت ہی نہیں ہوتی بلکہ اُس سے مستفیض بھی ہوتی ہے اور اس کا دنیا میں آنا بعینہٖ اُس روح کا دنیا میں آنا شمار کیا جاتا ہے اِس کو متصوفین کی اصطلاح میں بروز کہتے ہیں سو اس کے باوا صاحب قائل ہیں باوا صاحب کے چولہ میں یہ تحریر موجود ہے کہ خدا وہ سچا خدا ہے جس کا نہ کوئی باپ نہ بیٹا اور نہ ہمسر ہے اور ایسے اشارے انہوں نے اپنے شعروں میں بھی بہت کئے ہیں۔ اس سے کچھ تعصب نہیں کہ باوا صاحب کو کشفی طور پر معلوم ہو گیا ہو کہ تین سَو برس کے بعد اس ملک ہند پر نصاریٰ کا تسلّط ہوگا اور ان کے ایسے ہی عقیدے ہوں گے سو انہوں نے نصیحت کے طور پر سمجھا دیا کہ اگر ان کا زمانہ پاؤ تو ان کے مذہب سے پرہیز کرو کہ وہ لوگ مخلوق پرست اور سچے اور کامل خدا سے دور اور بے خبر ہیں۔ اور درحقیقت باوا صاحب جس خدا کی طرف اپنے اشعار میں لوگوں کو کھینچنا چاہتے ہیں اس پاک خدا کا نہ ویدوں میں کچھ پتہ لگتا ہے اور نہ عیسائیوں کی انجیل محرف مُخرّب میں۔ بلکہ وہ کامل اور پاک خدا قرآن شریف کی مقدس آیات میں جلوہ نما ہے چنانچہ میں ابھی نمونہ کے طور پر لکھوں گا۔ اور آئندہ قصد رکھتا ہوں کہ باوا صاحب

کے کل اشعار کی نسبت یہ ثبوت دوں کہ درحقیقت ہر یک عمدہ مضمون انہوں نے قرآن شریف ﴿۵۹﴾
سے ہی لیا ہے اور نہ صرف اس قدر بلکہ اس کو اپنا اعتقاد ٹھہرا دیا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ
سکھ صاحبوں نے کبھی پوری توجہ باوا نانک صاحب کے قول اور فعل پر غور کرنے کے لئے نہیں کی
ورنہ میں کیونکر یقین کروں کہ اگر وہ ایک محیط اور گہری نظر ان کے افعال اور اقوال اور طرز زندگی
پر کرتے اور ان کی تمام قوتوں اور فعلوں کو یکجائی نظر سے دیکھتے تو پھر اس نتیجہ تک نہ پہنچتے جس تک
خدا تعالیٰ نے مجھے پہنچایا۔ مگر اب مجھے امید ہے کہ میری کتاب کی تحریک سے بہت ایسے لوگ جو
شریف اور پاک دل ہیں ان تمام سچائیوں سے فائدہ اٹھائیں گے جو میں نے اس کتاب میں لکھی
ہیں اور اگر میری ان تحریروں سے ایک نیک دل انسان بھی اپنے تئیں ان غلطیوں سے بچا لے گا
جن میں وہ مبتلا تھا تو میں اس کا اجر پاؤں گا۔

باوا نانک صاحب کی اسلام پر دوسری دلیل
انکے وہ چلّے ہیں جو انہوں نے اسلام کے
مشہور اولیاء اور صلحاء کی مقابر پر بغرض
استفاضہ کئے

تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ باوا صاحب نے بمقام سرسہ شاہ عبدالشکور صاحب کی خانقاہ پر
چالیس[۴۰] دن تک ایک چلہ کیا جیسا کہ صلحاء مسلمانوں کا طریق ہے مسجد کے قریب ایک خلوت خانہ
بنا کر اس میں نماز نوافل پڑھتے رہے اور فرائض پنجگانہ جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرتے
رہے اور اسی غرض سے انہوں نے اپنا خلوت خانہ روبقبلہ بنایا تا وہ مسجد البیت کی طرح ہو
جاوے۔ اب اس خلوت خانہ کا نام چلہ باوا نانک کر کے مشہور ہے اور پنجاب اور سندھ وغیرہ
سے سکھ صاحبان اس چلہ کی زیارت کرنے کے لئے گروہ در گروہ آتے ہیں۔ اور بہت کچھ
روپیہ چڑھاتے ہیں اور وہ روپیہ ان مجاور مسلمانوں کو ملتا ہے جو شاہ عبدالشکور صاحب کی خانقاہ
پر مقرر ہیں کیونکہ باوا صاحب نے یہ چلہ اس خانقاہ کے قریب اس غرض سے کیا کہ باوا صاحب
کو شاہ عبدالشکور صاحب کے کامل ولی ہونے پر نہایت اعتقاد تھا اور وہ جانتے تھے کہ اولیاء کے
مقامات کے قریب خدا تعالیٰ کی برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ اور وہ زمین نہایت مبارک

﴿۶۰﴾ ہوتی ہے جس میں خدا تعالیٰ کے پیارے بندے سوئے ہوئے ہیں سو اسی غرض سے انہوں نے ان کی خانقاہ کے پاس عبادت کے لئے اپنا خلوت خانہ بنایا۔ ہم نے جو اپنے ایک مخلص ڈاکٹر محمد اسماعیل خاں صاحب کو موقعہ پر تحقیقات کرنے کی غرض سے بھیجا تو انہوں نے کامل تحقیقات کر کے کاغذات متعلقہ تحقیقات جو نہایت تشفی بخش تھے ہماری طرف روانہ کئے چنانچہ ان میں سے ایک موقعہ چلہ کا نقشہ ہے جو اس رسالہ کے ساتھ شامل کیا گیا۔ جس کو منشی بختاور سنگھ صاحب سب اوورسیر نے بہت تحقیق کے ساتھ طیار کیا کاغذات آمدہ سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ باوا نانک صاحب نے بعض اور مشاہیر بزرگان اسلام کی خانقاہوں پر بھی چلہ کیا ہے چنانچہ ایک چلہ حضرت معین الدّین صاحب چشتی کی خانقاہ پر بمقام اجمیر کیا اور ایک چلہ بمقام پاک پٹن اور ایک چلہ بمقام ملتان لیکن چونکہ وقت تنگ تھا اس لئے ہم نے صرف چلہ سرسہ اور چلہ ملتان پر کفایت کی سو سرسہ کے چلہ کی کیفیت تو ہم بیان کر چکے اور نقشہ بھی اس رسالہ کے ساتھ آویزاں ہے۔☆ مگر ملتان کے چلہ کی کیفیت بتفصیل ذیل ہے۔

ملتان کے چلّہ کی کیفیت

میں نے اپنے ایک معزز دوست کو جو ایسے امور کی تحقیقات کیلئے ایک طبعی جوش رکھتے تھے اس بات کیلئے تکلیف دی کہ وہ ملتان میں جا کر برسر موقعہ یہ تحقیقات کریں کہ درحقیقت باوا نانک صاحب نے ملتان میں کوئی چلہ کیا ہے یا نہیں چنانچہ ۳۰ ستمبر ۱۸۹۵ء کو ان کا خط معہ نقشہ موقعہ کے بذریعہ ڈاک مجھ کو ملا جسکی اصل عبارت ذیل میں لکھی جاتی ہے۔

بحضرت جناب مسیح موعود مہدی زمان مرزا صاحب دام برکاتہٗ

بعد سلام نیاز کے گذارش ہے کہ سرفراز نامہ حضور کا شرف صدور لا کر باعث سعادت دارین ہوا۔ کمترین برائے تعمیل ارشاد ۲۷ ستمبر ۱۸۹۵ء کو ملتان میں پہنچا۔ عند التحقیقات معلوم ہوا کہ باوا نانک صاحب نے روضہ مبارک حضرت شاہ شمس تبریز پر چالیس روز تک چلہ کیا تھا۔ نقشہ روضہ شامل عریضہ ہذا ارسال ہے نقشہ میں دکھایا گیا ہے کہ روضہ کے جانب جنوب میں وہ مکان ہے جو چلہ نانک کہلاتا ہے

☆ **نوٹ**۔ نقشہ رسالہ کے ساتھ شامل نہیں ہے۔

﴿۶۱﴾

روضہ کی دیوار جنوبی میں ایک مکان محراب دار دروازہ کی شکل پر بنا ہوا ہے۔ اس پر یا اللہ کا لفظ لکھا ہوا ہے اور ساتھ اس کے ایک پنجہ بنا ہوا ہے اس شکل پر یا اللہ۔ اس جگہ کے ہندو مسلمان اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ یہ لفظ یا اللہ کا باوا صاحب نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اور پنجہ کی شکل بھی اپنے ہاتھ سے بنائی تھی۔ دیوار کے ساتھ پائین دیوار میں ایک مکان کا یہ نشان بنا ہوا ہے۔ یہ جگہ ڈیڑھ گز قریب طول میں اور ایک گز عرض میں ہے اور یہ بات ملتان کے ہندو مسلمانوں کے نزدیک مسلّم ہے کہ اس جگہ باوا نانک صاحب چالیس روز چلّہ میں بیٹھے تھے۔ چنانچہ ہندو لوگ اس جگہ کو متبرک سمجھ کر زیارت کرنے کو آتے ہیں اور ایسا ہی سکھ بھی زیارت کے لئے ہمیشہ آتے رہتے ہیں۔ اس روضہ کے اندرونی احاطہ میں ایک مسجد بھی واقع ہے جو نقشہ میں دکھائی گئی ہے اور وہ باوا نانک صاحب کے چلّہ سے بہت قریب ہے صرف پانچ چھ کرم کا فرق ہے اور باوا صاحب کا یہ مکان چلہ روبقبلہ ہے جس میں☆ قبلہ کی طرف منہ کرنا چلہ کش کا اصل مقصود پایا جاتا ہے اور روضہ کے گرداگرد ایک مکان مسقّف بنا ہوا ہے جس کو یہاں کے لوگ غلام گردش کہتے ہیں جس کا نمونہ نقشہ میں علیحدہ دکھلایا گیا ہے نانک صاحب کی جائے نشست غلام گردش کے اندر ہے جو جگہ مسقّف ہے اور بحسیس شاہ صاحب رئیس ملتان سجادہ نشین شمس تبریز سبزواری کی زبانی معلوم ہوا کہ جب باوا نانک صاحب بیت اللہ شریف سے واپس تشریف لائے تو حج خانہ کعبہ سے فراغت کرتے ہی ملتان میں آئے۔☆☆ اور روضہ مبارک شاہ شمس تبریز صاحب پر چالیس روز

☆ نوٹ۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ باوا صاحب کا وہ مکان چلہ جو سرسہ میں بنا ہوا ہے وہ بھی روبقبلہ ہے اور اب ہمارے اس دوست کی تحریر سے معلوم ہوا ہے کہ یہ چلہ بھی روبقبلہ باوا صاحب نے بنایا تا نماز پڑھنے کے لئے آسانی ہو۔ اور مسجد کے قریب بنایا تا فرضی نمازیں جماعت کے ساتھ مسجد میں سہولیت سے ادا کریں۔ اب ان روشن ثبوتوں کے مقابل پر باوا صاحب کے اسلام سے انکار کرنا گویا دن کو رات کہنا ہے۔ م۔غ۔ا

☆☆ نوٹ۔ اللہ اللہ یہ شخص کیسا دین اسلام کی محبت میں فنا ہو گیا تھا اور خدا جوئی اور محبت الٰہی کی آگ کیسی اور کس قدر اس کے دل میں جوش زن تھی اور کس زور وشور سے اس کے اندر آگ بھڑک رہی تھی اور وہ کیا شے تھی جو اس کو ایسا بے آرام کر رہی تھی جو مکہ معظّمہ میں مدت دراز تک رہ کر پھر نہ چاہا کہ گھر میں جا کر آرام کرے۔ بچوں کی محبت میں مشغول ہو۔ بلکہ سیدھا ملتان میں پہنچا اور شمس تبریز کے روضہ کے قرب وجوار میں ریاضت اور مجاہدہ شروع کیا۔ چاہیئے کہ ہر یک سستی کا مارا دنیا میں غرق نام کا مسلمان بلکہ مولوی اس مرد خدا کی سرگرمی کے طرف خیال کر کے عبرت پکڑے اور مرنے سے پہلے متنبہ ہو جائے کہ پھر یہ موقعہ دوسری مرتبہ ہرگز نہیں ملے گا کہ دنیا میں آوے اور خدا تعالیٰ کے راضی کرنے کے لئے دل وجان سے مجاہدات کرے۔ یارو یہی چند روز ہیں جس نے سمجھنا ہو سمجھ لیوے اے سونے والو جاگو اور اگر رات ہے تو دن کا انتظار مت کرو اور اگر دن ہے تو رات کے منتظر مت رہو کہ پیچھے سے بے فائدہ رونا ہوگا اور دل کو جلا دینے والی حسرتیں کبھی منقطع نہیں ہوں گی۔ منہ

﴿۶۲﴾

چلّہ میں بیٹھے رہے اوران کا وِردخداتعالیٰ کے ناموں میں سے ھُوْ کے نام کا وِرد تھا۔ کیونکہ شاہ شمس تبریز کا بھی یہی وِرد تھا۔ اوراکثر وہ یہ مصرع پڑھا کرتے تھے۔

بجز یاھُوْ ویامن ھُوْ دگر چیزے نمیدانم

بخسیس شاہ صاحب کا یہ بھی بیان ہے کہ باوا صاحب کا باپ مسمّی بھائی کالو اوران کا دادا مسمّی بھائی سوبھا بھی حضرت شاہ شمس تبریز صاحب کے سلسلہ کے مرید تھے اسی لئے باوانانک صاحب بھی اسی سلسلہ میں مرید ہوئے۔ یہ تو سجادہ نشین صاحب کا بیان ہے جو ملتان کے رئیس بھی ہیں۔ مگراس کے مطابق ہی سید حامد شاہ صاحب گردیزی رئیس ملتان اور خلیفہ عبدالرحیم صاحب جو خاص مجاور روضہ موصوفہ کے ہیں گواہی دیتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ یہ ایک مشہور واقعہ متواتر روایتوں سے چلا آتا ہے اور عام اور خاص اور ہندو اور مسلمان اس پر متفق ہیں کہ روضہ موصوفہ کے ساتھ باوانانک صاحب نے ایک خلوت خانہ بنا کر چالیس روز تک اس میں چلہ کیا تھا اور جو دیوار پر یااللہ کا لفظ لکھا ہوا اب تک موجود ہے۔ اور ساتھ اس کے ایک پنجہ ہاتھ کی شکل پر بنایا ہوا ہے۔ یہ دونوں یادگار بھی باوانانک صاحب کے ہی ہاتھ کی ہیں۔ لہٰذا ہندولوگ باوا صاحب کی تحریر اور نشان کی بہت تعظیم کرتے ہیں۔ یہ واقعات ہیں جو موقعہ کی تحقیقات سے معلوم ہوئے اور یہ بات بالکل صحیح ہے کہ باوانانک صاحب کے اس جگہ چلّہ بیٹھنے اور یااللہ کا لفظ لکھنے اوراس جگہ پنجہ کی شکل بنانے میں ہندو اور مسلمان دونوں قوموں کو اتفاق ہے۔

☆**نوٹ**۔ ڈاکٹر ٹرمپ کا یہ قول کہ یہ بات قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی کہ نانک مکہ میں بھی گیا ہو سراسر قلت تدبر اور کم سوچنے کی وجہ سے ہے جس حالت میں ڈاکٹر صاحب خود گرنتھ کے ترجمہ میں باوانانک صاحب کا یہ قول لکھ چکے ہیں کہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ بجز شفاعت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی شخص نجات نہیں پائے گا تو ایسے صدق اوراعتقاد کے آدمی پر یہ بدظنی کرنا کہ ان کا مکہ میں جانا ایک موضوع قصہ معلوم ہوتا ہے صحیح نہیں ہے۔ ہاں وہ نامعقول زوائد جو ساتھ لگائے گئے ہیں وہ بیشک سراسر افترا ہے اور حج کے لئے مکہ میں باوا صاحب کا جانا چشتی خاندان کے صوفیاء میں سینہ بسینہ روایت چلی آتی ہے۔ چنانچہ ابھی اوپر بیان ہو چکا ہے بلکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ باوا صاحب دو برس برابر مکہ معظّمہ میں رہے اور مکہ معظّمہ کی طرف انہوں نے دوسفر کئے اور دو حج کئے۔ پس ثابت شدہ باتیں کیونکر چُھپ سکتی ہیں۔ م۔غ۔ا۔

اور کوئی کسی قسم کا عذر اور شک نہیں کرتا اور کسی کو اس کی تسلیم اور تصدیق میں انکار نہیں ہے۔ ﴿۶۳﴾

الراقم آپ کا نیاز مند

نیاز بیگ از ملتان ۲۸ ستمبر ۱۸۹۵ء

یہ وہ خط ہے جو میرزا صاحب مقدم الذکر نے کمال تحقیقات کے بعد ہماری طرف لکھا۔ اور اس کے ساتھ انہوں نے نہایت محنت اور تحقیق سے ایک نقشہ موقعہ چلہ کا بھی مرتب کر کے بھیج دیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔
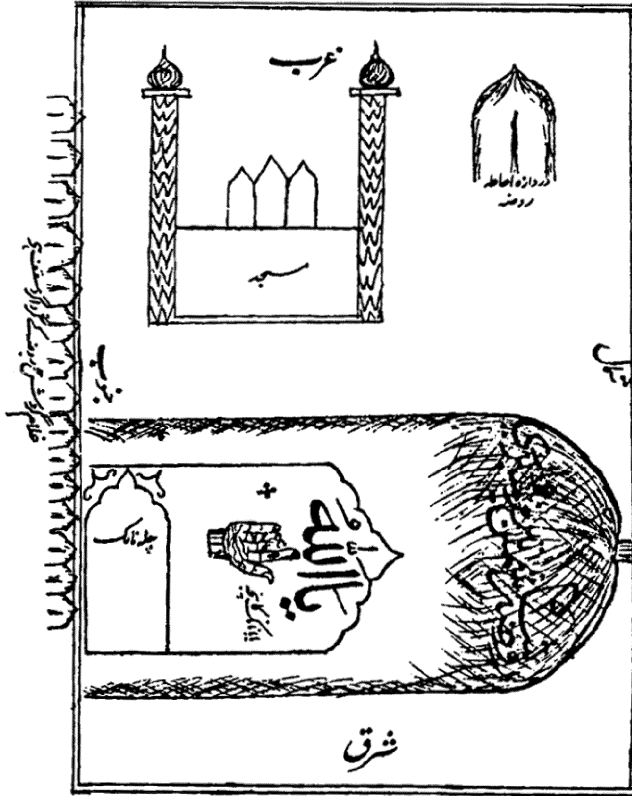
نوٹ:۔ اللہ کا اسم قرآنی اسماء میں سے اسم اعظم ہے اور باوا صاحب کا یا اللہ اپنے ہاتھ سے لکھنا اور پھر اس کے نیچے اپنے ہاتھ کی شکل بنا کر رکھ دینا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اے وہ اللہ جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر ہوا دیکھ کہ میں تیری طرف آ گیا ہوں اور تیرا تابعدار ہو گیا ہوں سو تو رحم کر کے میری دستگیری کر کہ میں تیرے ہی آستانہ پر گرا ہوں۔ منہ

﴿۶۴﴾

اخبار خالصہ بہادر نمبر ۶ مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۸۹۵ء

اس اخبار کے ایڈیٹر صاحب کو یہ بات نہایت مستبعد معلوم ہوئی ہے کہ باوا نانک صاحب اہل اسلام میں سے تھے۔ اس لئے وہ نہایت سادگی سے فرماتے ہیں کہ اصل بات یہ ہے کہ باوا صاحب نہ ہندومت کے پابند تھے اور نہ مسلمان تھے بلکہ صرف واحد خدا پر ان کا یقین تھا۔ اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ ایڈیٹر صاحب کی اس تقریر کا خلاصہ یہی ہے کہ باوا صاحب نہ تو وید کو پرمیشر کی طرف سے جانتے تھے اور نہ قرآن شریف کو ہی منجانب اللہ تسلیم کرتے تھے اور ان دونوں کتابوں میں سے کسی کا بھی الہامی ہونا قبول نہیں کرتے تھے۔ لیکن وید کی نسبت تو یہ قول اڈیٹر صاحب کا بے شک صحیح ہے۔ کیونکہ اگر باوا صاحب وید کے پابند ہوتے تو اپنے شبدوں میں بار بار یہ اقرار نہ کرتے کہ خدا ارواح اور اجسام کا خالق ہے اور نجات جاودانی ہے اور خدا توبہ اور عاجزی کرنے کے وقت گناہ بخش دیتا ہے اور الہام کا دروازہ بند نہیں ہے کیونکہ یہ سب باتیں وید کے اصول کے مخالف ہیں اور باوا صاحب نے اس پر بس نہیں کیا بلکہ چاروں ویدوں کو کہانی یعنی محض یاوہ گوئی قرار دیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ چاروں وید عارفوں کی راہ سے بے خبر ہیں۔ سو باوا صاحب کی ان تمام باتوں سے بلاشبہ یقینی طور پر کھل گیا ہے کہ باوا صاحب نے ہندو مذہب کو چھوڑ دیا تھا اور ہندوؤں کے وید اور ان کے شاستروں سے سخت بیزار ہو گئے تھے مگر یہ بات صحیح نہیں ہے کہ باوا صاحب ہندو مذہب کو چھوڑ کر پھر بالکل لامذہب ہی رہے کیا باوا صاحب اس قدر بھی نہیں سمجھتے تھے کہ وہ خدا کہ جس نے نوع انسان کو اس کی جسمانی محافظت کے لئے سلاطین کی قہری حکومتوں کے نیچے داخل کر دیا۔ اس نے روحانی بلاؤں سے بچانے کے لئے جو انسان کی فطرت کو لگی ہوئی ہیں کوئی قانون اپنی طرف سے ضرور بھیجا ہوگا۔ آڈیٹر صاحب فرماتے ہیں کہ باوا صاحب واحد خدا پر یقین رکھتے تھے۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ یقین ان کو کیونکر اور کس راہ سے حاصل ہوا اگر کہو کہ صرف عقل اور فہم سے سو واضح ہو کہ یہ بات ہزارہا

صادقوں اور عارفوں کی شہادتوں سے ثابت ہو چکی ہے۔ خدا تعالیٰ کی شناخت کے لئے عقل ﴿۶۵﴾
ناکافی ہے دنیا میں دنیوی علوم بھی تعلیم کے ذریعہ سے ہی حاصل ہوتے رہے ہیں اور اگر مثلاً
ایک کروڑ شیرخوار بچہ کو بھی کسی تہہ خانہ میں تعلیم سے دور رکھ کر پرورش کیا جاوے تو قطع نظر اس
سے کہ وہ بچے علوم طبیعی وطبابت وہیئت وغیرہ خود بخود سیکھ لیں کلام کرنے سے بھی عاجز رہ جائیں
گے اور گنگوں کی طرح ہوں گے اور ان میں سے ایک بھی خود بخود پڑھا لکھا نہیں نکلے گا۔ پھر جبکہ
دنیوی علوم بلکہ علم زبان بھی بغیر تعلیم اور سکھلانے کے نہیں آسکتے تو اس خدا کا خود بخود پتہ کیونکر
لگے جس کا وجود نہایت لطیف اور ایک ذرہ سے بھی دقیق تر اور غیب در غیب اور نہاں در نہاں
ہے۔ اس لئے یہ گمان نہایت سادہ لوحی کا خیال ہے کہ وہ عاجز انسان جو صدہا تاریکیوں میں پڑا
ہوا ہے وہ اس ذات بیچوں اور بیچگوں اور وراء الوراء اور نہایت پوشیدہ اور الطف اور ادق کو خود بخود
دریافت کرے اور اس سے زیادہ کوئی شرک بھی نہیں کہ انسان جو ایک مرے ہوئے کیڑے کی
مانند ہے یہ پُرتکبر دعوے کرے کہ میں خود بغیر امداد اس کی چراغ ہدایت کے اس کو دیکھ سکتا ہوں
بلکہ قدیم سے یہ سنت اللہ ہے کہ جب سے کہ دنیا پیدا ہوئی ہے وہ آپ اپنے برگزیدہ بندوں پر اپنا
موجود ہونا ظاہر کرتا رہا ہے اور بغیر ذریعہ خدا کے کوئی خدا تک پہنچ نہیں سکا اور وہی شخص اس کی
ہستی پر پورا یقین لا سکا جس کو خود اس قادر مقتدر ذوالجلال نے انا الموجود کی آواز سے تسلی بخشی
اور یا وہ شخص جو ایسی آواز سننے والے کے ساتھ محبت کے پیوند سے یک دل و یکجان و یکرنگ
ہو گیا سو دنیا میں یہ دو ہی طریق ہیں جو خدا تعالیٰ کے قدیم قانون قدرت میں پائے جاتے ہیں
اور چونکہ خدا تعالیٰ نے ابتداء سے یہی چاہا کہ اس کی مخلوقات یعنی نباتات جمادات حیوانات
یہاں تک کہ اجرام علوی میں بھی تفاوت مراتب پایا جائے اور بعض مفیض اور بعض مستفیض
ہوں اس لئے اس نے نوع انسان میں بھی یہی قانون رکھا اور اسی لحاظ سے دو طبقہ کے انسان
پیدا کئے۔ اول وہ جو اعلیٰ استعداد کے لوگ ہیں جن کو آفتاب کی طرح بلا واسطہ ذاتی روشنی
عطا کی گئی ہے۔ دوسرے وہ جو درجہ دوم کے آدمی ہیں جو اس آفتاب کے واسطہ سے نور
حاصل کرتے ہیں اور خود بخود حاصل نہیں کر سکتے۔ ان دونوں طبقوں کے لئے آفتاب
اور ماہتاب نہایت عمدہ نمونے ہیں جس کی طرف قرآن شریف میں ان لفظوں میں

﴿۶۶﴾ اشارہ فرمایا گیا ہے کہ وَالشَّمۡسِ وَضُحٰهَا وَالۡقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا [1] جیسا کہ اگر آفتاب نہ ہوتو ماہتاب کا وجود بھی ناممکن ہے۔ اسی طرح اگر انبیاء علیہم السلام نہ ہوں جو نفوس کاملہ ہیں تو اولیاء کا وجود بھی حیزّ امکان سے خارج ہے اور یہ قانون قدرت ہے جو آنکھوں کے سامنے نظر آ رہا ہے چونکہ خدا واحد ہے اس لئے اس نے اپنے کاموں میں بھی وحدت سے محبت کی اور کیا جسمانی اور کیا روحانی طور پر ایک وجود سے ہزاروں کو وجود بخشتا رہا۔ سو انبیاء جو افراد کاملہ ہیں وہ اولیاء اور صلحاء کے روحانی باپ ٹھہرے جیسا کہ دوسرے لوگ ان کے جسمانی باپ ہوتے ہیں۔ اور اسی انتظام سے خدا تعالیٰ نے اپنے تئیں مخلوق پر ظاہر کیا تا اس کے کام وحدت سے باہر نہ جائیں اور انبیاء کو آپ ہدایت دیکر اپنی معرفت کا آپ موجب ہوا اور کسی نے اس پر یہ احسان نہیں کیا کہ اپنی عقل اور فہم سے اس کا پتہ لگا کر اس کو شہرت دی ہو بلکہ اس کا خود یہ احسان ہے کہ اس نے نبیوں کو بھیج کر آپ سوئی ہوئی خلقت کو جگایا اور ہر یک نے اس وراء الوراء اور الطف اور ادقّ ذات کا نام صرف نبیوں کے پاک الہام سے سنا اگر خدا تعالیٰ کے پاک نبی دنیا میں نہ آئے ہوتے تو فلاسفر اور جاہل جہل میں برابر ہوتے دانا کو دانائی میں ترقی کرنے کا موقعہ صرف نبیوں کی پاک تعلیم نے دیا اور ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ جبکہ انسان بچہ ہونے کی حالت میں بغیر تعلیم کے بولی بولنے پر بھی قادر نہیں ہوسکتا۔ تو پھر اس خدا کی شناخت پر جس کی ذات نہایت دقیق در دقیق پڑی ہے کیونکر قادر ہوسکتا ہے۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ اگر باوا صاحب ان پاک نبیوں کو کاذب جانتے تھے۔ جو ابتداء سے ہوتے چلے آئے ہیں جنہوں نے وحدانیت الٰہی سے زمین کو بھر دیا تو باوا صاحب نے خوردسالی کی حالت میں اور ایسا ہی ان کے باپ اور دادا نے اللہ جلّ شانہٗ کا نام کہاں سے سن لیا یہ تو ظاہر ہے کہ باوا صاحب تو کیا بلکہ ان کے باپ بھائی کالو اور دادا صاحب بھائی سو بھا بھی خدا تعالیٰ کے نام سے بے خبر نہ تھے۔ سو اگر باوا صاحب ہی سچی معرفت کے بانی مبانی ہیں تو ان کے وجود سے پہلے یہ پاک نام کیوں مشہور ہو گیا۔ پس اس دلیل سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کے مقدس اور پاک لوگ ابتداء سے ہوتے رہے ہیں جو اس سے الہام پا کر اس کی خبر لوگوں کو دیتے رہے مگر سب سے بڑے ان میں سے

[1] الشمس:۲،۳

وہی ہیں جن کی بڑی تاثیریں دنیا میں پیدا ہوئیں اور جن کی متابعت سے بڑے بڑے اولیاء ہر یک زمانہ میں ہوتے رہے سو وہ جناب سید الانبیاء **محمد مصطفٰی** صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی امت کی تعداد انگریزوں نے سرسری مردم شماری میں بیس کروڑ لکھی تھی۔ مگر جدید تحقیقات کی رو سے معلوم ہوا ہے کہ دراصل مسلمان روئے زمین پر چورانوے کروڑ ہیں☆۔ اور باوا نانک صاحب اس بات کے بھی قائل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بڑے بڑے اولیاء گذرے ہیں۔ تبھی تو باوا صاحب صدق دل سے **شیخ معین الدین چشتی** صاحب کے روضہ پر چالیس۴۰ دن تک چلہ بیٹھے رہے تا ان کی روح سے برکتیں اور فیض حاصل ہو اور دل صاف ہو کر یاد الٰہی میں حضور پیدا ہو۔ پھر وہاں سے اٹھ کر بمقام سرسہ **شیخ عبدالشکور سلمی** کے روضہ پر چالیس۴۰ دن تک چلہ نشین رہے اور تسبیح اور نماز اور استغفار اور درود شریف میں مشغول رہے پھر پاک پٹن میں **باوا فرید صاحب** کے روضہ پر چلہ نشین ہوئے پھر مکہ معظّمہ میں جا کر فریضہ حج بجا لائے اور پھر مدینہ منورہ میں پہنچ کر چاکران حضرت نبوی کے سلسلہ میں سعادت حاصل کی اور مجھے تحقیقی طور پر اس بات کا پتہ نہیں ملا کہ مدینہ منورہ میں کتنی مدت رہے مگر مکہ سے گیارہ دن میں مدینہ منورہ میں پہنچے چنانچہ علاوہ سینہ بسینہ روایتوں کے بالا کی جنم ساکھی میں بھی یہی لکھا ہے۔ پھر مدینہ سے فارغ ہو کر اپنے مرشد خانہ میں بمقام ملتان پہنچے

☆ **نوٹ** یہ ایک نہایت غلط اور خلاف واقعہ بلکہ بدیہی البطلان بات مشہور تھی کہ مسلمانوں کی تعداد صفحہ دنیا میں صرف بیس۲۰ کروڑ ہے کیونکہ اب جدید تحقیقات سے اور نہایت واضح دلائل اور روشن قرائن سے ثابت ہو گیا ہے کہ دراصل اہل اسلام کی تعداد روئے زمین پر چورانوے۹۴ کروڑ ہے۔ چنانچہ یہی مضمون بعض انگریزی اخبارات میں بھی چھپ گیا ہے اور اس تعداد کی تقسیم اس طرح پر کرتے ہیں۔ آئندہ ہر یک کو احتیاط رکھنی چاہئے کہ گزشتہ غلطی پر بھروسہ کر کے مسلمانوں کی تعداد کو صرف بیس کروڑ نہ سمجھ لے کیونکہ یہ جدید تحقیق کوئی نظری اور مشتبہ امر نہیں ہیں بلکہ اس کی وجوہ بہت صاف اور بدیہی اور نظروں کے سامنے ہیں یہ قاعدہ ہے کہ ابتدائی تحقیقاتیں ہمیشہ خام اور ناقص ہوتی ہیں اور آخری تحقیقات ایک محیط اور کامل تحقیقات ہوتی ہے جس سے پہلی غلطیاں نکل جاتی ہیں عقلمند کو چاہئے کہ غلط خیال کو چھوڑ دے۔ منہ

ملک	تعداد
برہما اور ہندوستان	۷ کروڑ
ملایا اور سیام	۴ کروڑ
جزائر شرق الہند	۱۰ کروڑ
چین	۶ کروڑ
چینی تاتار	۱۰ کروڑ
تاتار تبت اور سائبیریا	۲۰ کروڑ
افغانستان معہ جمیع حدود	۱۴ کروڑ
ایران معہ جمیع متعلقات	۶ کروڑ
عرب	ایک کروڑ
یورپ کے مختلف حصص بلغاریہ ہنگری آسٹریا	ایک کروڑ
باقی بلاد افریقہ وغیرہ	

﴿۶۸﴾ اور چالیس روز تک روضہ شاہ شمس تبریز پر چلہ میں بیٹھے اور یہ وہ باتیں ہیں جو ایسی طور پر ثابت ہوگئی ہیں جو حق ثابت ہونے کا ہے پھر اسی پر باوا صاحب نے کفایت نہیں کی بلکہ ان لوگوں کی طرح جو غلبہ عشق میں دیوانہ کی مانند ہو جاتے ہیں۔ چولہ پہنا جس پر **لا اله الا الله محمد رسول الله** لکھا ہوا تھا۔ ہم باوا صاحب کی کرامت کو اس جگہ مانتے ہیں اور قبول کرتے ہیں کہ وہ چولہ ان کو غیب سے ملا اور قدرت کے ہاتھ نے اس پر قرآن شریف لکھ دیا۔ ان تمام امور سے ثابت ہے کہ باوا نانک صاحب نے دل و جان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو قبول کیا۔ اور نیز ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اعلیٰ درجہ کے اولیاء پاک زندگی والے ہوئے ہیں۔ تبھی تو وہ بعض ہندوستان کے اولیاء کی مقابر پر چلہ کشی کرتے رہے۔ اور پھر بغداد میں جا کر سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے روضہ پر خلوت گزین ہوئے۔ اگر باوا صاحب نے اس عظمت اور وقعت کی نظر سے کسی اور مذہب کو بھی دیکھا ہے تو ان تمام واقعات کے مقابل پر وہ واقعات بھی پیش کرنے چاہئے ورنہ یہ امر تو ثابت ہوگیا کہ باوا صاحب ہندو مذہب کو ترک کر کے نہایت صفائی اور صدق سے اسلام میں داخل ہو گئے۔ ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو کہ کیسے زبردست قرائن ننگی تلواریں لے کر آپ کے شبہات کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں تمام واقعات جو ہم نے لکھے ہیں۔ ان کو نظر یک جائی سے دل کے سامنے لاؤ تا اس سچے اور یقینی نتیجہ تک پہنچ جاؤ جو مقدمات یقینیہ سے پیدا ہوتا ہے اور یہ بڑی نادانی ہے کہ کوئی واہیات اور بے سروپا شعر ناحق باوا صاحب کی طرف منسوب کر کے اس کو ایک یقینی امر سمجھ لیں۔ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ باوا صاحب کے زمانہ کے بعد متعصب لوگوں نے بعض اقوال افترا کے طور پر ان کی طرف منسوب کر دیئے ہیں۔ گرنتھ کے بعض اشعار اور بعض مضامین جنم ساکھیوں کے نہایت مکروہ جعل سازیوں سے لکھے گئے ہیں اس کی یہ وجہ تھی کہ متعصب لوگوں نے جب دیکھا کہ باوا صاحب کی تحریروں سے تو صاف اور کھلی کھلی ان کا اسلام ثابت ہوتا ہے تو ان کو اسلام کا مخالف ٹھہرانے کیلئے جعلی طور پر بعض شبد آپ بنا کر ان کی طرف منسوب کر دیئے اور جعلی قصے لکھ دیئے اور وہ دو طور کی چالاکی عمل میں لائے ہیں اول ایسے اشعار جو باوا صاحب کے اسلام پر دلالت کرتے تھے۔ گرنتھ سے عمداً خارج رکھے حالانکہ چشتی خاندان کے فقراء جن کے سلسلہ میں باوا صاحب مرید تھے اب تک سینہ بہ سینہ

اُن کو یاد رکھتے چلے آئے ہیں اور ان کی بیاضوں میں اکثر ان کے ایسے اشعار ہیں جن میں بجز مدح وثناء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے اقرار توحید اور اسلام کے اور کچھ نہیں مگر خدا کی قدرت ہے کہ جس قدر گرنتھ اور جنم ساکھیوں میں اب تک ایسے اشعار باقی ہیں وہ بھی اس قدر ہیں کہ اگر چیف کورٹ میں بھی سکھ صاحبان اور مسلمانوں کا یہ مقدمہ پیش ہو تو چیف کورٹ کے ججوں کو یہ ڈگری بحق اہل اسلام صادر کرنی پڑے کہ بے شک باوا نانک صاحب مسلمان تھے۔ اصول تحقیقات میں یہ قاعدہ مسلم ہے کہ اگر شہادتوں میں تناقض واقع ہو تو وہ شہادتیں قبول کی جائیں گی جن کو غلبہ ہو اور جن کے ساتھ اور ایسے بہت قرائن ہوں جو ان کو قوت دیتے ہوں۔ اسی اصول پر روز مرّہ ہزار ہا مقدمات عدالتوں میں فیصل ہوتے ہیں۔ اور نہ صرف دیوانی بلکہ خونی مجرم بھی جو اپنی صفائی کے گواہ بھی پیش کرتے ہیں۔ ثبوت مخالف کے زبردست ہونے کی وجہ سے بلا تامل پھانسی دیئے جاتے ہیں۔ غرض جو لوگ عقلمند ہوتے ہیں وہ بچوں اور کم عقلوں کی طرح کسی ایسی بیہودہ بات پر تسلّی پذیر نہیں ہو سکتے جو بڑے اور زبردست ثبوتوں کے مخالف پڑی ہو یہ تو ظاہر ہے کہ جب کسی فریق کو خیانت اور جعلسازی کی گنجائش مل جائے تو وہ فریق ثانی کا حق تلف کرنے کے لئے دقیق در دقیق فریب استعمال میں لاتا ہے اور بسا اوقات جھوٹی اسناد اور جھوٹے تمسکات بنا کر پیش کر دیتا ہے مگر چونکہ خدا نے عدالتوں کو آنکھیں بخشی ہیں اس لئے وہ اس فریق کے کاغذات پیش کردہ پر آپ غور کرتے ہیں کہ آیا ان میں کچھ تناقض بھی ہے یا نہیں۔ پھر اگر تناقض پایا جائے تو انہیں باتوں کو قبول کرتے ہیں۔ جن کو غلبہ ہو اور ان کے ساتھ بہت سے قرائنی ثبوت اور تائیدی شہادتیں ہوں۔ اب تمام سکھ صاحبان اس بات پر غور کریں کہ اگر فرض کے طور پر ان کے ہاتھ میں دو چار شبد ایسے ہیں جو باوا نانک صاحب کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں اور اسلام کی تکذیب پر مشتمل ہیں اور ان کے وہی معنی ہیں جو وہ کرتے ہیں اور دوسرے معنے کوئی نہیں تو پھر وہ ان بھاری ثبوتوں کے مقابل پر کیا چیز اور کیا حقیقت ہیں جو سکھ صاحبوں کی انہیں کتابوں سے نکال کر ایک ڈھیر لگا دیا گیا ہے اگر ان کے ہاتھ میں تکذیب اسلام کے بارے میں کوئی شعر ہے جو باوا نانک صاحب کی طرف منسوب کرتے ہیں تو ہم نے بھی تو وہی کتابیں پیش کی ہیں جو ان کے مسلّم ہیں اپنے گھر سے تو کوئی بات پیش نہیں کی پس غایت درجہ یہ کہ اس ذخیرہ اور ان چند شعروں میں

﴿۶۹﴾

﴿۷۰﴾ تناقض ہو سو جس طرف کثرت دلائل ہے اس کو قبول کرو اور جو کم ہے اس کو ردّ کرو اور دفع کرو تا تمہاری کتابوں میں تناقض نہ رہے اب کیا اس بدیہی بات سے کوئی آنکھ بند کرلیگا۔ اس طرف تو دلائل قاطعہ کا ایک ڈھیر ہے مگر سکھ صاحبوں کے ہاتھ مخالفانہ بحث کے وقت خالی ہیں۔

اور آپ کا یہ خیال کہ نانک صاحب ان تمام الہامی کتابوں کو جھوٹی خیال کرتے تھے جو ان کے وجود سے پہلے دنیا میں پائی جاتی تھیں یہ کیسا بیہودہ خیال ہے کیا نانک صاحب کی پیدائش سے پہلے دنیا ابتدا سے جھوٹ میں گرفتار تھی اور ہمیشہ یہ زمین راست بازوں سے خالی رہی ہے جب نانک صاحب پیدا ہوئے تو دنیا نے ایک بھگت کا منہ دیکھا جو سچا اور حلال کھانے والا اور لالچ سے پاک تھا۔ کیا ایسا تعصب آپ کا کسی کو پسند آئیگا یا کوئی عقل اور کانشنس اس کو قبول کرلیگی اور کیا کوئی پاک طبع اور منصف مزاج اس بات کو مان لیگا کہ نانک صاحب کے وجود سے پہلے یہ دنیا بے شمار زمانوں سے گمراہ ہی چلی آتی تھی اور جب سے کہ خدا نے انسان کو پیدا کیا جس قدر لوگوں نے باخدا اور ملہم ہونے کے دعوے کئے ہیں وہ سب جھوٹے تھے اور دنیا کے لالچوں میں گرفتار اور حرام خور تھے کوئی بھی ان میں ایسا نہیں تھا جس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سچا الہام ملا ہو اور اس محبوب ازلی سے سچا پیوند ہوا ہو سب کے سب دنیا پرست تھے۔ جو دنیا کی خواہشوں میں پھنس کر خدا کے نام کو بھول گئے تھے اور دنیا کے لالچ میں لگ گئے تھے اور سب ایسے ہی تھے جنہوں نے خدا کا نام بھلایا اور لوگوں سے اپنا نام کہلایا اور وہ سب ایسے ہی نبی اور رسول اور اوتار اور رشی تھے جو حرام کو حلال سمجھ کر کھاتے رہے اور کچھ خدا کا خوف نہ کیا۔ مگر نانک صاحب نے حلال کھایا اور خدا کے بیشمار بندوں میں سے جو دنیا کی ابتداء سے ہوتے آئے ہیں صرف ایک نانک صاحب ہی ہیں جو دنیا کی لالچوں سے پاک تھے اور حرام نہیں کھاتے تھے۔ جن کو خدا تعالیٰ کے سچی معرفت حاصل ہوئی اور سچا گیان ملا اور سچا الہام ملا۔ اب بتلاؤ کہ کیا ایسا خلاف واقعہ خیال کسی عارف اور نیک بخت کا ہوسکتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ مجھ سے پہلے سب ناپاک اور مفتری اور جھوٹے اور لالچی پیدا ہوتے رہے ایک سچا اور حلال کھانے والا میں ہی دنیا میں آیا اور اگر کہو کہ باوا نانک صاحب بجز حضرت نبیّنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور بہت سے کامل بندوں کو مانتے تھے کہ جو نہ صرف کامل تھے بلکہ دوسروں

﴿۷۱﴾ کوکمال تک پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی والہام سے مشرف کر کے بھیجے گئے تو جیسا کہ میں نے ابھی لکھا ہے ایسے شخص کی باوا صاحب کی طرف سے نظیر پیش ہونی چاہئے جس کی کتاب کی پیروی سے چورانوے کروڑ انسان نے مخلوق پرستی اور بت پرستی سے نجات پا کر اس اقرار کو اپنے دل اور جان میں بٹھایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو نہیں پوجوں گا اور پھر ایسے موحّد اور نبی اللہ کو باوا صاحب نے مان لیا ہو۔ کیونکہ اگر باوا صاحب نے کسی ایسے کامل کے کمال کی تصدیق نہیں کی جو آپ بھی کامل تھا اور کروڑ ہا انسانوں کو اس نے توحید اور کمال توحید تک پہنچایا۔ تو پھر باوا صاحب پر وہی پہلا اعتراض ہوگا کہ نعوذ باللہ خدا نے باوا صاحب کو وہ آنکھیں نہیں دی تھیں جن آنکھوں سے وہ ان کاملوں کو شناخت کر سکتے جو باوا صاحب کے وجود سے پہلے دنیا کی اصلاح کے لئے آتے رہے کیونکہ یہ بات تو صریح باطل ہے اور کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی کہ باوا صاحب سے پہلے دنیا ابتداء سے تاریکی میں تھی اور کوئی کامل خداتعالیٰ کی طرف سے ایسا نہیں آیا تھا کہ جو نہ صرف آپ موحّد ہو بلکہ کئی کروڑ انسانوں کو اس نے توحید پر قائم کیا ہو صرف باوا صاحب ہی دنیا میں ایسے آئے جو موحّد اور حلال خور اور لالچوں سے پاک تھے جنہوں نے سکھوں کو کامل توحید پر قائم کیا اور اللہ اور بندوں کے حقوق کی نسبت پورا پورا بیان کر دیا۔ اور حلال حرام کے مسائل سارے سمجھا دیئے اور پھر ببداہت ایسا خیال کرنا جبکہ باطل اور ہادی قدیم کی عادت کے برخلاف ہے تو بیشک باوا صاحب نے کسی ایسے کامل کا اپنے اشعار میں ذکر کیا ہوگا جو خدا سے کمال پا کر دنیا میں آیا۔ اور کروڑ ہا انسانوں کو توحید اور خدا پرستی پر قائم کیا۔ پس جب ہم ایسے شخص کا نشان باوا صاحب کے شبدوں میں ڈھونڈتے ہیں تو جا بجا سیدنا و مولانا **محمد مصطفٰے** صلعم کا ذکر باوا صاحب کے شعروں میں پاتے ہیں۔ اور ضرور تھا کہ باوا صاحب ہندو مذہب کے ترک کرنے کے بعد اسلام میں داخل ہوتے کیونکہ اگر ایسا نہ کرتے تو خدا کے قدیم سلسلہ سے الگ رہنے کی وجہ سے بے دین کہلاتے۔ ہاں یہ بات بالکل سچ ہے کہ باوا صاحب وید سے اور وید پرستوں سے بالکل الگ ہو گئے تھے تبھی تو انہوں نے کہا کہ برہما بھی روحانی حیات سے محروم گیا یہی سبب تھا کہ باوا صاحب سے اس قدر ہندو متنفر ہو گئے تھے۔ اور اس قدر ان کو پاک حالت سے دور اور کراہت کرنے کے لائق سمجھتے تھے کہ جہاں وہ کسی دوکان وغیرہ پر

﴿۷۲﴾ اتفاقاً بیٹھ جاتے تھے تو ہندو سمجھتے تھے کہ یہ جگہ پلید ہوگئی اور پنڈت لوگ فتوے دیتے تھے کہ اب یہ جگہ ایسی ناپاک ہوگئی ہے کہ جب تک اس پر گئو کے گوبر سے لپائی نہ کی جائے گی تب تک یہ کسی طرح پھر پوتّر نہیں ہوسکتی۔ سو ہندو لوگوں کو جو وہم کے مارے ہوئے ہیں ان کے قدم قدم پر گوبر کی لپائی کرنی پڑتی تھی۔ لیکن اگر باوا صاحب کے صدہا شبدوں اور صاف شہادتوں اور روشن ثبوتوں سے قطع نظر کر کے یہ فرض کیا جائے کہ قرآن شریف کے بھی وہ مکذب تھے۔ اور ہمارے پاک نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سچا نبی نہیں سمجھتے تھے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اولیاء باوا فرید اور شمس تبریز اور معین الدّین چشتی وغیرہ کو جو اس وقت بہت شہرت رکھتے تھے باخدا آدمی خیال کرتے تھے بلکہ سب کو لالچی اور گمراہ خیال کرتے تھے تو اس صورت میں ضرور یہ سوال ہوگا کہ وہ کون سچے لوگ ہیں جن کو باوا صاحب پاک دل اور پرمیشر کے بھگت مانتے تھے اور اگر نہیں مانتے تھے تو کیا ان کا یہ اعتقاد تھا کہ جس قدر لوگ ان کے وجود سے پہلے دنیا کی اصلاح کے لئے آئے ان سب کو ناپاک جانتے اور لالچی اور نفسانی خیال کرتے تھے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وید سے تو وہ الگ ہی ہو چکے تھے اور ویدوں کے درخت کو اچھا پھل لانے والا درخت نہیں جانتے تھے تبھی تو پنڈتوں نے یہ فتویٰ دیا کہ اس شخص کے بیٹھنے سے زمین پلید ہو جاتی ہے جہاں بیٹھے اس زمین کو دھوڈالو اور آپ کو بھی تو اقرار ہے کہ وہ ہندو نہیں تھے لیکن کوئی پاک دل یہ بات تو نہیں کہہ سکتا کہ مجھ سے پہلے سب جھوٹوں نے ہی مَت چلائے ہیں اس بات کا ضرور جواب دینا چاہئے کہ باوا صاحب کو گذشتہ نبیوں میں سے کسی نبی کے سچا ہونے کا اقرار تھا کیونکہ اگر نعوذ باللہ یہ بات سچ نہیں کہ خدا تعالیٰ نانک صاحب کے وجود سے پہلے ہی ہزاروں لاکھوں کروڑوں کو اپنی ذات کی اطلاع دیتا رہا ہے اور بے شمار صادق اور خدا تعالیٰ کے پاک نبی دنیا کو الٰہی روشنی دکھلانے کیلئے بندوں کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور بے شمار الہام پانے والے اور وحی پانے والے اور سچے دل والے اور دنیا کی خواہشوں کو چھوڑنے والے اور حلال کھانے والے اور پاک دل والے اور معرفت والے اور گیان والے نانک صاحب سے پہلے دنیا میں ظاہر ہوتے رہے ہیں تو یہ دوسری بات بھی ہرگز سچی

نہیں ہوگی کہ باوا نانک صاحب کو خدا تعالیٰ سے سچا پیوند ہوگیا تھا اور انہوں نے سچا الہام پالیا تھا اور وہ حلال کھانے والے اور دنیا کی خواہشیں چھوڑنے والے تھے کیونکہ جس خدا کی ابتداء سے یہ عادت ہی نہیں کہ وہ دلوں کو پاک کرے اور لالچوں سے رہائی بخشے اور حرام کھانے سے بچاوے اور اپنے الہام سے مشرف کرے وہ نانک صاحب سے خلاف عادت کیوں ایسا کرنے لگا لیکن اگر واقعی اور سچی بات یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی نہ اب سے بلکہ ابتدا سے یہی عادت ہے کہ وہ غافلوں کو جگانے کیلئے بعض خاص بندوں کو اپنی معرفت آپ عطا کر کے دنیا میں بھیجتا ہے جن کو دوسرے لفظوں میں ولی یا پیغمبر کہتے ہیں۔ تو پھر جو شخص ایسے پاک بندوں سے انکار کرے اور الٰہی انتظام کے قدیم فلسفہ کو نہ سمجھے تو کیا ایسے شخصوں کو ہم یا کوئی دوسرا شخص بھگت یا سدھ کے نام سے موسوم کر سکتا ہے اور کیا اس کی نسبت کسی عارف کو ایک ذرا گمان بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اس سچی معرفت سے حصہ پانے والا تھا جو قدیم سے صادقوں کو ملتی آئی ہے کیونکہ جب اس کا ایسے صادقوں پر بھی ایمان نہیں جنہوں نے کروڑہا دلوں میں صدق برسا دیا بلکہ ان کو لالچی اور حرام خور جانتا ہے تو ایسے شخص کو کون حلال خور اور بھلا مانس کہہ سکتا ہے پس پھر ہم منصفوں سے سوال کرتے ہیں اور ان سے انصاف چاہتے ہیں کہ کیا نعوذ باللہ باوا نانک صاحب یہی اعتقاد رکھتے تھے کہ مجھ سے پہلے خدا تعالیٰ کا بندوں کی اصلاح کے لئے کوئی انتظام نہ تھا اور مصلح کے نام سے تمام لوگ ٹھگ اور لالچی اور دنیا پرست ہی آتے رہے اور اگر یہ اعتقاد نہیں رکھتے تھے تو اس بزرگ مصلح اور نبی اللہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر باوا صاحب کی نظر میں اور کون آدمی تھا جس نے کروڑہا انسانوں کو بتوں اور عیسٰی پرستی اور مخلوق پرستی سے نجات دے کر کلمہ طیبہ **لا الہ الا اللہ** پر قائم کر دیا تھا اور ایسا نمونہ باوا صاحب کی آنکھوں کے سامنے اور کون تھا جس نے مخلوق پرستی کی جڑ کو کاٹ کر دنیا کے اکثر ملکوں میں توحید کا باغ لگا دیا تھا کیونکہ اگر کوئی نمونہ نہیں تھا تو پھر وہی ناپاک اعتقاد لازم آئے گا کہ گویا باوا نانک صاحب کا یہی گمان تھا کہ ان سے پہلے تمام دنیا ابتدا سے ظلمت میں ہی پڑی رہی اور کوئی جگانے والا پرمیشر کی طرف سے دنیا میں نہ آیا لیکن اگر باوا صاحب کا یہ اعتقاد تھا کہ بیشک دنیا میں مجھ سے پہلے ایسے کامل بندے آئے جنہوں نے کروڑہا دلوں کو الہام الٰہی کی روشنی سے توحید کی طرف کھینچا تو یہ بار ثبوت باوا صاحب کی

﴿۷۳﴾

﴿۷۴﴾ گردن پر ہوگا کہ ان آنے والوں میں سے کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ ایسے انسان کا پیش کریں جس کی اصلاح سے کروڑ ہا انسان توحید کی روشنی میں داخل ہو گئے ہوں مگر کیا انہوں نے ایسا نمونہ پیش کیا اور کیا کسی ایسے کامل کا اپنے اشعار میں نام لکھا جس نے کروڑ ہا انسانوں کو بت پرستی اور مخلوق پرستی اور طرح طرح کے شرک اور بدعت اور بے حیائی کے کاموں سے چھوڑایا ہو لیکن آپ لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے ایسے کسی عظیم الشان مصلح کا نام نہیں لکھا جو خدا سے الہام یافتہ ہو اور خدا کے کروڑ ہا بندوں کے دلوں پر اس کی اصلاح کا اثر ہوا ہو مگر آپ لوگ اس بے جا تعصب سے نانک صاحب کو مورد اعتراض کرتے ہیں کیونکہ یہ بات تو کوئی قبول نہیں کرے گا کہ نانک صاحب کے وجود سے پہلے تمام زمانہ ابتدائے سے گمراہ ہی چلا آتا تھا اور نانک صاحب ہی ایسے پیدا ہوئے جو ہدایت یافتہ اور پاک دل اور پرمیشر کے بھگت تھے کیونکہ ایسے عقیدہ سے خدا تعالیٰ پر اعتراض آتا ہے۔ سو آپ لوگ غور سے توجہ کریں کہ ایسی باتوں سے جو آپ کر رہے ہیں نانک صاحب کی راستبازی بھی ثابت کرنا محالات سے ہے اگر باوا صاحب درحقیقت راستباز تھے اور ملہم تھے اور دنیا کی خواہشوں میں پھنسے ہوئے نہیں تھے تو ضرور ان کا یہ اعتقاد ہونا چاہئے تھا کہ راست بازی صرف انہیں سے شروع نہیں ہوئی کیونکہ پرمیشر انہیں کے وقت سے پیدا نہیں ہوا۔ اور نہ اس کی ہدایت کی نظر انہیں کے وقت سے شروع ہوئی جو ازلی ہے اس کے سب کام ازلی ہیں کیا ان کا یہ گمان تھا کہ ان کا پرمیشر ایک تنگدل شخص ہے جس کا دل نہیں چاہتا کہ کسی کو فیض پہنچاوے صرف بے شمار برسوں کے گذرنے کے بعد نانک صاحب پر ہی مہر ہوگئی لیکن اگر ان کا ایسا گمان نہ تھا اور خدا تعالیٰ کی رحمت کے میدان کو تنگ نہیں سمجھتے تھے تو یہ سچا گیان ضرور ان کو نصیب ہونا چاہئے تھا کہ خدا قدیم سے اپنے بندوں کو ہدایت کرتا آیا ہے اور جب کبھی دنیا بگڑ گئی اور زمین فساد اور پاپ سے بھر گئی تبھی خدا نے کسی خاص فرد میں سچائی کی روح پھونک دی اور خاص روشنی اور الہامی عرفان دے کر ہزاروں کو ایک ہی چراغ سے منور کیا جیسا کہ وہ ہمیشہ ایک ہی انسان سے ہزاروں کو پیدا کر دیتا ہے۔ اب ہم پھر پوچھتے ہیں کہ کیا یہ کامل گیان باوا صاحب کو حاصل تھا یا نہیں تھا۔ اور اگر حاصل تھا تو اس کا نمونہ انہوں نے اپنے اشعار اور اپنی باتوں میں کیا بتایا کیا کسی ایسے شخص کا نام بتایا جو ان سے پہلی دنیا کو روشن

﴿۷۵﴾ کرنے کے لئے آیا تھا اور کروڑ ہا مخلوق کو توحید کی روشنی سے منور کر کے چلا گیا۔ کیونکہ اگر نہیں بتایا تو اس صورت میں نانک صاحب کی تمام معرفت خاک میں ملتی ہے اور ہمیں امید نہیں کہ اس وقت راستی کے ساتھ آپ جواب دیں کیونکہ تعصب اور بخل سخت بلا ہے۔ اس لئے آپ کی طرف سے ہم ہی جواب دیتے ہیں۔ آپ اس کو غور سے پڑھیں۔

پس واضح ہو کہ نانک صاحب نے اس عظیم الشان مصلح نبی اللہ کا نام جو ہادی ازلی کی قدیم سنت کا اپنی نمایاں ہدایتوں کے ساتھ گواہ ہے محمد مصطفیٰ رسول اللہ بیان کیا ہے اور نہ صرف بیان بلکہ صدق دل سے اس سرور پاکان پر نانک صاحب ایمان لائے ہیں چنانچہ ہم کچھ تھوڑا نمونہ کے طور پر ذیل میں لکھتے ہیں اور حق کے طالبوں سے امید رکھتے ہیں کہ ایک صاف دل اور پاک نظر کے ساتھ ان بیانات پر نظر ڈالیں اور اس سچے حاکم سے ڈر کر جس کی طرف آخر جانا ہے۔ آپ ہی منصف بن جائیں کہ کیا یہ شہادتیں جو باوا صاحب کے منہ سے نکلیں۔ ایسی شہادتوں کے بعد باوا صاحب کے اسلام میں کچھ شک رہ سکتا ہے۔ چنانچہ ان میں سے باوا نانک صاحب کی وہ سی حرفی ہے جو ساکھی کلاں یعنی بالا والی ساکھی میں لکھی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے۔

ساکھی بھائی بھالے والی وڈی صفحہ۲۲۰ `۲۲۲

(یعنی ساکھی کلاں بالا والی جس کو انگد کی ساکھی بھی کہتے ہیں)

آکھے قاضی رکن دین سنیئے نانک شاہ — ترہی حرف قرآن دے ساجے آپ اللہ (بنائے)
معنے اک اک حرف تے کہئے کر تدبیر — جس مراتب کو پہنچیا کے سادھو کے پیر
الف بے فرمائے معنے کر کے بیان — تسیں بھی آکھو شاہ جی (نانک شاہ ۱۲) سچی رب کلام
صفت تمامی رب دی سبھا کھول سنائے — آکھے قاضی رکن دین کہئے برا (برائے ۱۲) خدائے
ہندو مسلمان دوئے دِسدے ہن گمراہ — باجھوں جھگڑے ہور نہ ڈھونڈے سچ نہ راہ
جھڑی گل خدائے دی کہے نہ کوئی مول — کارن لالچ دنی دے جھگڑے رام رسول
راہ سچاواں دسئے جے دس آوے جیو (ولن تفعلوا) — جحت حاجت ورج (روک) کر رہے نمانا تھیو (خاکسار ہوں)

﴿۷۶﴾

جواب نانک شاہ

سنہو قاضی رکن دین نانک آکھے پند

اے قاضی رکن دین متوجہ ہو کر سُنو کہ نانک تمہیں نیک نصیحت کہتا ہے

سئ سیانی گل وچ تِس وچ بھتے بند

جو باتیں درحقیقت عقلمندی کی ہیں وہی باریک ہیں

تریہی حرف قرآن دے تیہی سپارے کین

قرآن کے تیس حرف ہیں اور تیس ہی سپارے کئے گئے ہیں

تِس وچ بہت نصیحتاں سُن کر کرو یقین

اور اس میں بہت نصیحتیں ہیں تم سن کر یقین کرو

پڑھے پکار قرآن بوہ خاطر جمع نہ ہوئے

قرآن کو بہت پڑھتے ہیں مگر جمعیت باطنی حاصل نہیں ہوتی

جو راہ شیطانی گم تھئے پہنچیا جان نہ کوئے

اسکا یہ سبب ہے کہ جو لوگ شیطان کی راہ میں گم ہوگئے ہیں یعنی دراصل قرآن سے منہ پھیر رہے ہیں وہ منزل تک نہیں پہنچ سکتے

اصلی جواب نانک سی حرفی میں

الف اللہ کو یاد کر غفلت منوں وسار

اللہ کو یاد کر اور غفلت کو دل سے بُھلا دے

ساس پلٹین نام بن وہرگ جیون سنسار

کوئی تنفس اگر اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا ہو تو خلقت میں رہنا لعنت ہے

ب بدعت دُور کر قدم شریعت راکھ

یعنی بدعت کو دور کرکے شریعت پر قدم رکھ

نِوّ چل سواگےّ سبھس دے مندا کسی نہ آکھ

ہر ایک کے آگے خاکسارانہ چل اور کسی کو بُرا مت کہہ

ت توبہ کر بدی تے مت توں پچھوتائیں

بدی سے توبہ کر ایسا نہ ہو کہ پیچھے سے شرمندہ ہو

تن بنسے مُکھ گڈئے تب توں کہاں کرائیں

جب تو گاڑا گیا تب تیری توبہ کیا مفید ہوگی

ਸਿਹਰਫੀ ਆਖੀ ਸ਼੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਨਾਨਕ ਸਾਹਬ ਸੂਰਾ –

ਅਲਫ਼ ਅਲਹ ਕੋ ਯਾਦ ਕਰ ਗ਼ਫ਼ਲਤ ਮਨੋਂ ਵਿਸਾਰ ॥
ਸਾਸ ਪਲਟੇ ਨਾਮ ਬਿਨ ਧ੍ਰਿਗ ਜੀਵਨ ਸੰਸਾਰ ॥੧॥
ਬੇ ਬਦਾਇਤ ਦੂਰ ਕਰ ਕਦਮ ਸ਼ਰੀਯਤ ਰਾਖ ॥
ਨਿਵ ਚਲ ਸੁ ਅੱਗੇ ਸਭਸ ਦੇ ਮੰਦਾ ਕਿਸੇ ਨ ਆਖ ॥੨॥
ਤੇ ਤੋਬਹ ਕਰ ਬਦੀ ਤੇ ਮਤ ਤੂੰ ਪਛੋਤਾਹਿ
ਤਨ ਬਿਨ ਸੈ ਮੁਖ ਗੱਡੀ ਐ ਤਬ ਤੂੰ ਕਹਾਂ ਕਰਾਹ ॥੩॥

﴿۷۷﴾

ثؔ ثنائیں بہت کر خالی ساس نہ کڈھ اللہ کی تعریفیں بہت کر اور خالی دم نہ لیا کر	ہٹوہٹ وکایاں مُل نہ لہسی ادھ بہت معبودوں کے ہاتھ بکنے سے قیمت نہ رہیگی
جؔ جماعت جمع کر چلن دا کر بندھ یعنی جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کر اور سفر کی تیاری کر	باجھوں سائیں آپنے پھرسی اندھو اندھ بغیر اپنے مالک کے اندھوں کی طرح پھرتا رہیگا
حؔ حلیمی پکڑ توں دل تھیں حرص نوار حلم اور نرمی اپنا طریق اختیار کر اور حرص کو دل سے دور کر	دہاوت درجو رُکن دین ہر دم خالق سار تم کام میں لگ جاؤ جیسا کہ تمہارا خالق تمہارے کام میں لگا ہوا ہے
خؔ خام تے اوہ بھیۓ جن وِسریا کرتار کچے وہی لوگ ہیں جن کو خدا بھول گیا	دُنیا لالچ لگ مرہن مونڈا اُٹھاویں بھار دنیا کے لالچ میں مرے جاتے ہیں اور سر پر گنہ کا بھار اُٹھا رہے ہیں
دؔ دیانت کرے مَن اُٹھے پہر نہ سوئے اے دل تو دیانت اختیار کر اور ہر وقت سوتا ہی نہ رہ	ایک پہر گھر جاگنا سائیں سچ بگوئے اگر یہ نہ ہو سکے تم کم سے کم ایک پہر رات کو جاگو کہ خدا نے سچ کہا ہے (یہ سورہ مزمل کی طرف اشارہ ہے)۔
ذؔ ذکر عاجزی خاطر ناہیں ڈُلائے ذکر اور عاجزی ایسی چیز ہے جس سے دل متذبذب نہیں ہوتا ہے	تل نہ لگے روال تن لوبھ منوں چُکائے اور ایسا آدمی ایک ذرہ آلودہ نہیں ہوتا اور دل سے حرص جاتی رہتی ہے
رؔ راحت ایمان کی تے اُودیکھیں جائے ایمان کی راحت وہی لوگ دیکھتے ہیں	پنجوہ ورجوہ رکن دین سائیں سون چِت لائے اے رکن دین پانچ وقتوں کی محافظت کرو خدا سے محبت لگاؤ یعنی نماز میں ناغہ نہ کرو۔

ਸੇ ਸਨਾਹੀਂ ਬੁਹਤ ਕਰ ਖਾਲੀ ਸਾਸ ਨ ਕੱਢ	ਹੱਟੋ ਹੱਟ ਵਿਕਾਇਆ ਮੁਲ ਨ ਲਹਿਸੀ ਅੱਧ
ਜੀਮ ਜਮਾਇਤ ਜਮਾਂ ਕਰ ਚੱਲਣ ਦਾ ਕਰ ਬੰਧ	ਬਾਝੂ ਸਾਈਂ ਆਪਣੇਂ ਫਿਰਸੀ ਅੰਧੋ ਅੰਧ
ਹੇ ਹਲੀਮੀ ਪਕੜ ਤੂੰ ਦਿਲ ਥੀਂ ਹਿਰਸ ਨਿਵਾਰ	ਧਾਵਤ ਵਰਜਹੁ ਰੁਕਨ ਦੀ ਹਰ ਦੰਮ ਖ਼ਾਲਕ ਸਾਰ
ਖ਼ੇ ਖ਼ਾਮ ਤੇਊ ਭਏ ਜਿਨ ਵਿਸਰਿਆ ਕਰਤਾਰ	ਦੁਨੀਆ ਲਾਲਚ ਲਗ ਮਰਹਿ ਮੂੰਡ ਉਠਾਵਹਿ ਭਾਰ
ਦਾਲ ਦਿਆਨਤ ਕਰੇ ਮਨ ਅੱਠੇ ਪਹਿਰ ਨ ਸੋਇ	ਇਕ ਪਹਿਰ ਘਰ ਜਾਗਣਾ ਸਾਈਂ ਸਚ ਬਿਗੋਇ
ਜ਼ਾਲ ਜ਼ਿਕਰ ਆਜਜ਼ੀ ਖ਼ਾਤਰ ਨਾਹਿ ਡੋਲਾਇ	ਤਿਲ ਨ ਲੱਗੇ ਰੁਵਾਲ ਤਨ ਲੋਭ ਮਨੋਂ ਚੁਕਾਇ
ਰੇ ਰਹਿਤ ਈਮਾਨ ਕੀ ਤੇਊ ਦੇਖਹਿ ਜਾਇ	ਪੰਜ ਵਰਜਹੁ ਰੁਕਨ ਦੀਨ ਸਾਈਂ ਸੋਂ ਚਿਤ ਲਾਇ

﴿۷۸﴾

زؔ زاری کر منے مانہہ سائیں بے پرواہ

دل کے اندر روتا رہ کیونکہ خدا لاپرواہ ہے

س سودھ من اپنا سب کچھ اس ہے مانہہ

اپنے دل کو درست کر کہ سب کچھ اسی میں ہے

ش شہادت پائے پیاسوں لو لائے

جو شخص اللہ سے دل لگاتا ہے وہ شہادت پاتا ہے

ص صلواۃ گذشت کو آکھو مُکھ تے نت

نبی گذرے ہوئے پر روز درود پڑھو

ض ضلالت گمرہی عادت سون میل

گمراہی اور ضلالت کو دل سے دُور کر دے

ط طلب کر راستی دے سن رسال

سچائی کو ڈھونڈ جو تجھے راہداری کا روانہ دیں گے

ظ ظالم سوئی بُھلّے چیتن ناہیں نام

جو لوگ ظالم ہیں وہی بھولے ہوئے ہیں جو خدا
کی پرستش نہیں کرتے

جو کچھ چاہے سو کرے تِس کیا ویساہ

جو کچھ چاہتا ہے وہی کرتا ہے اس کی بے نیازی کا کیا اعتبار ہے

تن بھانڈا من دست کر حکمی بند سماہیں

جسم کو برتن بنا اور دل کو ایک چیز کی طرح اس میں رکھ
کیونکہ جسم اور دل حکم کے ساتھ بندھے ہیں

رکن ایہے تن جائیسی کیے جسے طلب خدائے

اے رکن دین یہ تن تو فنا ہو جائیگا خدا کی طلب کرنی چاہئے

خاصے بندے رب دے سرمتر دے مت

وہ خدا تعالیٰ کے خاص بندے تھے اور اللہ تعالیٰ سے
پیار کرنے والوں کے سردار تھے

اُٹھیں بندے نظر کر چِنّے ناہیں کھیل

اے بندے غور کر کے اُٹھ یوں بازی میں مت لگا رہ

جنہاں ڈٹھیاں دُکھ جائے تن توٹے مایا جال

جس کو دیکھ کر بدن کا دُکھ دُور ہو اور خواہشوں کا جال ٹوٹ جائے

سائیں تیرے نام بن کیوں آوے آرام

اے خدا تیرے نام کے بغیر کیونکر آرام آجاوے

ਜ਼ੇ ਜ਼ਾਰੀ ਕਰ ਮਨੇ ਮਹਿ ਸਾਈਂ ਬੇਪਰਵਾਹ

ਸੀਨ ਸੋਧ ਮਨ ਆਪਣਾ ਸਭਕਿਛ ਇਸਹੀ ਮਾਹਿ

ਸ਼ੀਨ ਸ਼ਹਾਦਤ ਪਾਈ ਅਹਿ ਪੀਆਸੋਂ ਲਿਵਲਾਇ

ਸੁਆਦ ਸਲਵਾਤ ਗੁਜ਼ਸ਼ਤ ਕਉ ਆਖਹੁ ਮਖੁ ਤੇਨਿੱਤ

ਜ਼ੁਆਦ ਜ਼ਲਾਲਤ ਗੁਮਰਾਹੀ ਆਦਤ ਸੋਂ ਮੇਲ

ਤੋਇ ਤਲਬ ਕਰ ਰਾਸਤੀ ਦੇਇਸਣ ਰਸਾਲ

ਜ਼ੋਇ ਜ਼ਾਲਮ ਸੋਈ ਭੁਲੇ ਚੇਤਨ ਨਾਹੀਂ ਨਾਮ

ਜੋ ਕੁਛ ਚਾਹੇ ਸੋ ਕਰਹਿ ਤਿਸਕਾ ਕਿਆ ਵੇਸਾਹ

ਤਨ ਭਾਂਡਾ ਮਨ ਵਸਤ ਕਰ ਹੁਕਮੀ ਬੰਧ ਸਮਾਹਿ

ਰੁਕਨ ਇਹੈ ਤਨ ਜਾਇਸੀਕੀਰੇ ਤਲਬ ਖ਼ੁਦਾਇ

ਖ਼ਾਸੇ ਬੰਦੇ ਰੱਬ ਦੇ ਸਿਰ ਮਿੱਤਰ ਦੇ ਮਿੱਤ

ਉਠੀ ਬੰਦੇ ਨਜ਼ਰ ਕਰ ਚਿਨਹਿ ਨਾਹੀਂ ਖੇਲ

ਜਿਨ੍ਹਾਂ ਡਿੱਠਿਆਂ ਦੁਖ ਜਾਇ ਤਨ ਤੁਟੇ ਮਾਯਾ ਜਾਲ

ਸਾਈਂ ਤੇਰੇ ਨਾਮਬਿਨ ਕਿਉਂ ਆਵੇ ਆਰਾਮ

﴿۷۹﴾

عؔ عمل کمایئے جیکو پار اواس بن عملاں ناہیں پائے مریئے پچھوتاس

ایسا عمل ثابت کریں جیسا کہ پارہ آگ پر قائم النار ہو جاتا ہے عمل کے بغیر خدا نہیں مل سکتا حسرتوں کیساتھ جان نکل جاتی ہے

غ غنیمت رکن دی جنہیں سواتا آپ اس پنجرے وچ کھیل ہے ناں تس مائی نہ باپ

وہ لوگ غنیمت ہیں جنہوں نے پہچانا اللہ تعالیٰ کو اس پنجرہ میں ایک ایسی بازی ہے جس کی نہ ماں ہے نہ باپ ہے

ف فارق تے اوبھئے جو چلیں مرشد بھائے آپ کیا تحقیق تن رنگا رنگ ملائے

حق و باطل میں فرق کرنیوالے نجات پا گئے جو ہادی کے حکم پر چلے جنہوں نے خودروی اختیار کی انہوں نے حق اور باطل میں خلط ملط کر دیا

ک کلمہ اک یاد کر اور نہ بھاکھو بات نفس ہوائے رکن دی تس سوں ہویں مات

ایک لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یاد کر اور کسی بات کا خیال نہ کر کیونکہ اے رکن دین اس کلمہ سے نفس اور ہوا دونوں مات ہو جائینگے

ق قرار نہ آوئی جت من اُپجے چاؤ تے پارس کنچن تھئے جن بھٹیا ہر راؤ

جس دل میں خواہش پیدا ہو اوسکو آرام نہیں آتا وہ لوگ سونا اور پارس ہو گئے جنہوں نے خدا کی پرستش کی

ل لعنت برسر تنہاں جو ترک نماز کریں تھوڑا بہت کھٹیا ہتھو ہتھ گوبن

ان لوگوں پر لعنت ہے جو نماز کو ترک کریں جو کچھ تھوڑا بہت عمل کیا تھا اس کو بھی دست بدست ضائع کیا

م مرشد من تون من کتیباں چار من توں اک خدائے نوں خاصا جس دربار

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مان اور چار کتابوں کو مان یعنی قرآن توریت زبور انجیل اور ایک خدا مان جس کا دربار خاص ہے

ਐਨ ਅਮਲ ਕਮਾਈਐ ਪਾਰਾਵਾਸ । ਬਿਨ ਅਮਲਾਂ ਨਹੀਂ ਪਾਏ ਮਰੀਐ ਪਛੋਤਾਸ ।

ਗ਼ੈਨ ਗ਼ਨੀਮਤ ਰੁਕਨ ਦੀ ਜਿਨੀਂ ਸਿਵਾਤਾ ਆਪ । ਇਸ ਪਿੰਜਰੇ ਵਿਚ ਖੇਲ ਹੈ ਨਾ ਤਿਸ ਮਾਈ ਨ ਬਾਪ ।

ਫ਼ੇ ਫ਼ਾਰਕ ਤੇਊ ਭਏ ਜੋ ਚਲਹਿ ਮੁਰਸ਼ਦ ਭਾਇ । ਆਪ ਕੀਆ ਤਹਕੀਕ ਤਨ ਰੰਗਾ ਰੰਗ ਮਿਲਾਇ ।

ਕਾਫ਼ ਕਲਮਾ ਇਕ ਯਾਦ ਕਰ ਅਵਰ ਨ ਭਾਖੋ ਬਾਤ । ਨਫ਼ਸ ਹਵਾਈ ਰੁਕਨਦੀ ਤਿਸ ਸੋਂ ਹੋਇਨ ਮਾਤ ।

ਕਾਫ਼ ਕਰਾਰ ਨ ਆਵਈ ਜਿਤ ਮਨ ਉਪਜੈ ਚਾਉ । ਤੇ ਪਾਰਸ ਕੰਚਨ ਥੀਏ ਜਿਨ ਭੇਟਿਆ ਹਰਿ ਰਾਉ ।

ਲਾਮ ਲਾਨਤ ਬਰਸਰ ਤਿਨਾ ਜੋ ਤਰਕ ਨਮਾਜ਼ ਕਰੇਂ । ਥੋੜਾ ਬਹੁਤ ਖੱਟਿਆ ਹੱਥੋਂ ਹੱਥ ਗਵੇਨ ।

ਮੀਮ ਮੁਰਸ਼ਦ ਮੰਨ ਤੂੰ ਮੰਨ ਕਤੇਬਾਂ ਚਾਰ । ਮੰਨ ਤੂੰ ਇਕ ਖੁਦਾਇ ਨੂੰ ਖਾਸਾ ਜਿਸ ਦਰਬਾਰ ।

﴿۸۰﴾

ن نہیں اوہ گُم رہے جن کیتے عمل قبول
وہ گمراہ نہیں جنھوں نے نیک عمل اختیار کئے
و واؤ جو آوے رُکن دی سر پھاٹے ہتھ نال
ہوا و حرص سر اور ہاتھ کو توڑتی ہے
ہ ہیبت تس دناں دی جس دن عدل کرے
اس دن کا خوف ہے جس دن وہ عدالت کریگا
ل لایق تے اوبھئے جنہاں رحمت ندر دھرے
وہی لوگ لائق ٹھہرے جن پر خدا تعالیٰ نے آپ رحمت کی نظر کی
الف اللہ توہ نال ہی چیتے کیون نہ اجان
خدا تو ہر وقت تیرے ساتھ ہے تو کیوں فکر نہیں کرتا
ی یاری کر رب سوں جسدا اب چل راج
خدا سے محبت کر جس کا غیر فانی راج ہے

مایا بندھن گل پڑے جت خالی ووین بھول
دُنیا کے جنجال گلے پڑتے ہیں اگر خالی بھول میں جاویں
عمر وہانی باورے پڑیو کت جنجال
عمر گذرتی چلی جاتی ہے اے دیوانی تو کس جنجال میں پھنس گیا
باب ہمارے رکن دین کہیا حکم پڑے
خدا جانے ہماری نسبت اے رکن دین کیا حکم ہوگا
جو سولوچن کیا تھئے جے آپ نہ سنگ ملئے
سو تدبیر کریں کیا ہوتا ہے جب آپ خدا فضل کرے اور نیکوں کے ساتھ نہ ملاوے
گور سیوا تے چھٹسی اوسر انت ندان
اللہ تعالیٰ کی عبادت سے دُکھ سے آخر نجات ملے گی او نادان
اک اکیلا نانکا کسے نہ ہوئے محتاج
وہ اکیلا وحدہٗ لاشریک ہے کسی کا محتاج نہیں

ਨੂਨ ਨਹੀਂ ਉਹ ਗੁਮ ਰਹੇ ਜਿਨ ਕੀਤੇ ਅਮਲ ਕਬੂਲ
ਵਾ ਵਾਉ ਜੁ ਆਵੇ ਰੁਕਨ ਦੀ ਸਿਰ ਭਾਏ ਹੱਥ ਨਾਲ
ਹੇ ਹੈਬਤ ਤਿਸ ਦਿਨਾਂ ਦੀ ਜਿਸਦਿਨ ਅਦਲ ਕਰੇਇ
ਲਾਮ ਲਾਇਕ ਤੇਊ ਭਏ ਜਿਨਾਂ ਰਹਮਤ ਨਦਰ ਧਰੇਇ
ਅਲਫ਼ ਅੱਲਾਹ ਤੋਹਿ ਨਾਲ ਹੈ ਚੇਤਾਹਿ ਕਿਉਂ ਨ ਅਜਾਨ
ਯੇ ਯਾਰੀ ਕਰ ਰੱਬ ਸੋਂ ਜਿਸਦਾ ਅਬਚਲ ਰਾਜ

ਮਾਯਾ ਬੰਧਨ ਗਲ ਪੜੇ ਜਿਤ ਖਾਲੀ ਦਵੇਂ ਭੂਲ
ਉਮਰ ਵਿਹਾਣੀ ਬਾਵਰੇ ਪੜਿਓ ਕਿਤ ਜੰਜਾਲ
ਬਾਬ ਹਮਾਰੇ ਰੁਕਨ ਦੀ ਕੇਹ ਹੁਕਮ ਪੜੇਇ
ਜੋ ਸਉ ਲੋਚਨ ਕਿਆ ਥੀਐ ਜੇ ਆਪ ਨੇ ਸੰਗ ਮਿਲੇਇ
ਗੁਰਸੇਵਾ ਤੇ ਛੁੱਟਸੀ ਅਉਸਰ ਅੰਤ ਨਿਦਾਨ
ਇਕ ਇਕੇਲ ਨਾਨਕਾ ਕਿਸੇ ਨ ਹੋਇ ਮੁਹਤਾਜ

☆☆☆

﴿۸۱﴾ اگر کسی کو اپنی کوتہ اندیشی کی وجہ سے یہ شبہ گذرے کہ یہ نصیحتیں تو نانک صاحب نے دوسروں کو دی ہیں۔ مگر آپ اس کے پابند نہیں تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نیک آدمیوں کی یہی نشانی ہے کہ وہ ایسی نصیحت کسی دوسرے کو ہرگز نہیں دیتے جس کے آپ پابند نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ [1] کیا تم لوگوں کو نیک باتوں کے لئے نصیحت کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو یعنی آپ ان نیک باتوں پر عمل نہیں کرتے۔ اور اگر کہو کہ نانک صاحب ان باتوں کو اپنے دل میں اچھی باتیں نہیں سمجھتے تھے مگر پھر بھی دوسروں کو ان کی پابندی کے لئے نصیحت کرتے تھے تو یہ طریق نہایت ناپاکی کا طریق ہوگا۔ کیونکہ بُرے عقیدوں اور غلط خیالوں پر قائم رہنے کے لئے لوگوں کو نصیحت کرنا اچھے آدمیوں کا کام نہیں ہے۔

بالآخر یہ بھی واضح رہے کہ جو لوگ گرنتھ میں سے کوئی امر مخالف تعلیم اسلام نکالنا چاہتے ہیں ایسی سعی اور کوشش ان کی محض دھوکا اور خیانت کی راہ سے ہوگی کہ وہ غلطی سے یا عمداً بد دیانتی سے ایسے شعر پیش کریں جو درحقیقت باوا نانک صاحب کی طرف سے نہیں بلکہ گرنتھ جمع کرنے والوں نے خود بنا کر ناحق ان کی طرف منسوب کر دئے ہیں چنانچہ یہ امر گرنتھ دانوں میں ایک مسلم اور مانی ہوئی بات ہے کہ بہت سے ایسے شعر گرنتھ میں موجود ہیں جن کی اصل مصنف باوا نانک صاحب نہیں ہیں بلکہ صرف فرضی طور پر ان شعروں کے آخر میں نانک کا اسم ملا دیا گیا ہے اور ایک ناواقف یہی خیال کرتا ہے کہ گویا وہ باوا نانک صاحب کے ہی شعر ہیں پس یہ امر بھی بددیانتی میں داخل ہے کہ کوئی شخص دیدہ دانستہ ایسا شعر اس غرض سے پیش کر دیوے کہ تا لوگ اس کو باوا نانک صاحب کا شعر سمجھ کر اس دھوکہ میں پڑ جائیں کہ گویہ باوا نانک صاحب کے وہی شعر ہیں جو گرنتھ کے ایسے مقام میں لکھے گئے ہیں جہاں یہ لفظ موجود ہے کہ **آسا محلّہ پہلا یا گوڑی محلّہ پہلا** اور یہ امر گرنتھ دانوں میں ایک متفق علیہ امر ہے۔ کہ نانک صاحب کا اسم کسی مصلحت سے اور شعروں کے اخیر میں بھی ملا دیا گیا ہے جو درحقیقت باوا نانک صاحب کی طرف سے نہیں ہیں مگر جو اشعار خاص باوا صاحب کے مونہہ سے نکلے ہیں یعنی جن کی نسبت یہ عقیدہ گرنتھ جمع کرنے والوں کا ہے کہ یہ شعر خود اُن کے بنائے ہوئے ہیں ان کی انہوں نے یہی علامت رکھی ہے کہ ان

[1] البقرۃ:۴۵

﴿۸۲﴾ اصطلاحی الفاظ کے نیچے اس کو لکھتے ہیں کہ آسا پہلا محلّہ یا گوڑی پہلا محلّہ مگر چونکہ گرنتھ کے اشعار باوا صاحب سے دوسو برس بعد بلکہ اس کے پیچھے بھی لکھے گئے ہیں اور ان کے جمع کرنے کے وقت کوئی ایسی تنقید اور تحقیق نہیں ہوئی کہ جو تسلی بخش ہو لہٰذا ضرورت نہیں کہ بغیر باضابطہ تحقیق کے خواہ نخواہ قبول کئے جائیں بلکہ تناقض کے وقت وہ حصہ اشعار کا ہرگز قابل پذیرائی نہیں ہوسکتا جو ایسے دوسرے حصہ کا نقیض پڑا ہو جس کی صحت مختلف طریقوں اور انواع اقسام کے قرینوں اور یقینی اور قطعی شواہد کی تائید سے بپایہ ثبوت پہنچ گئی ہو۔ مگر تاہم سکھ صاحبوں کی یہ خوش قسمتی ہے کہ ایسے اشعار جو گرنتھ کے پہلے محلّہ میں لکھے گئے ہیں قریباً وہ سارے ایسے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی اسلامی تعلیم سے مخالف نہیں اور نہ ان میں کوئی لفظ تکذیب اور توہین اسلام کا موجود ہے بلکہ وہ اسلامی تعلیم سے عین موافق ہیں اور اگر کوئی کسی شعر کو اسلامی تعلیم کے مخالف سمجھے یا اس میں کوئی توہین کا لفظ خیال کرے تو یہ اُس کے فہم کی غلطی ہے۔ ہاں اگر شاذ و نادر کے طور پر کوئی ایسا شعر ہو بھی جو الحاق کے طور پر عمداً یا سہواً ان سے ملایا گیا ہو تو ایسا شعر حصہ کثیرہ کے نقیض واقع ہونے کی وجہ سے خود ردی کی طرح ہوگا اور اعتبار سے ساقط ہوگا اور اس کے جھوٹا ٹھہرانے کے لئے نانک صاحب کے دوسرے شعر اور نیز دوسرے آثار یقینی اور قطعی ذریعہ ہوگا۔ کیونکہ کسی ایک شعر کے مقابل پر صدہا شعروں اور دوسرے روشن ثبوتوں کا باطل ہونا غیر ممکن ہے بلکہ وہی باطل ٹھہرے گا جو اس قطعی ثبوت کے مقابل پڑا ہے مگر پھر بھی اس صورت میں کہ اس کے کوئی اچھے معنے نہ ہوسکیں۔

یہ دھوکا بھی رفع کرنے کے لائق ہے کہ بعض نادان خیال کرتے ہیں کہ باوا نانک صاحب کے بعض اشعار میں سے تناسخ یعنی اواگون کا مسئلہ پایا جاتا ہے اور یہ اسلامی اصول کے برخلاف ہے سو واضح ہو کہ اسلام میں صرف وہ قسم تناسخ یعنی اواگون کے باطل اور غلط ٹھہرائے گئے ہے جس میں گذشتہ ارواح کو پھر دنیا کی طرف لوٹایا جاوے لیکن بجز اس کے اور بعض صورتیں تناسخ یعنی اواگون کی ایسی ہیں کہ اسلام نے ان کو روا رکھا ہے چنانچہ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسلامی تعلیم سے ثابت ہے کہ ایک شخص جو اس دنیا میں زندہ موجود ہے جب تک وہ تزکیہ نفس کر کے اپنا سلوک

تمام نہ کرے اور پاک ریاضتوں سے گندے جذبات اپنے دل میں سے نکال نہ دیوے تب تک ﴿۸۳﴾
وہ کسی نہ کسی حیوان یا کیڑے مکوڑے سے مشابہ ہوتا ہے اور اہل باطن کشفی نظر سے معلوم کر جاتے
ہیں کہ وہ اپنے کسی مقام نفس پرستی میں مثلاً بیل سے مشابہ ہوتا ہے یا گدھے سے یا کُتے سے یا کسی
اور جانور سے اور اسی طرح نفس پرست انسان اسی زندگی میں ایک جون بدل کر دوسری جون میں
آتا رہتا ہے ایک جون کی زندگی سے مرتا ہے اور دوسری جون کی زندگی میں جنم لیتا ہے۔ اسی
طرح اس زندگی میں ہزارہا موتیں اس پر آتی ہیں اور ہزارہا جونیں اختیار کرتا ہے اور اخیر پر اگر
سعادت مند ہے تو حقیقی طور پر انسان کی جون اس کو ملتی ہے اسی بناء پر خدا تعالیٰ نے نافرمان
یہودیوں کے قصہ میں فرمایا کہ وہ بندر بن گئے اور سؤر بن گئے سو یہ بات تو نہیں تھی کہ وہ حقیقت
میں تناسخ کے طور پر بندر ہو گئے تھے بلکہ اصل حقیقت یہی تھی کہ بندروں اور سؤروں کی طرح
نفسانی جذبات ان میں پیدا ہو گئے تھے۔ غرض یہ قسم تناسخ کی اسی دنیا کی زندگی کے غیر منقطع
سلسلہ میں شروع ہوتی ہے اور اسی میں ختم ہو جاتی ہے اور اس میں مرنا اور جینا اور آنا اور جانا ایک
حکمی امر ہوا کرتا ہے نہ واقعی اور حقیقی۔ اور دوسری قسم تناسخ کی وہ ہے جو قیامت کے دن دوزخیوں
کو پیش آئے گی اور وہ یہ ہے کہ ہر ایک دوزخی جس گندے جذبہ میں گرفتار ہوگا اسی کے مناسب
حال کسی حیوان کی صورت بنا کر اس کو دوزخ میں ڈالا جائے گا مثلاً جو لوگ شکم پرستی کی وجہ سے
خدا سے دور پڑ گئے وہ کُتوں کی شکل میں کر کے دوزخ میں گرائے جائیں گے اور جو لوگ شہوت
کے جماع کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے حکم سے روگردان ہو گئے۔ وہ سؤروں کی شکل میں دوزخ
میں گرائے جائیں گے اور جن لوگوں نے نافرمانی کر کے بہت سے حیوانوں کے ساتھ
مشابہت پیدا کر لی تھی وہ بہت سی جونوں میں پڑیں گے اس طرح پر کہ ایک جون کو ایسی حالت
میں ختم کر کے جو موت سے مشابہ ہے دوسری جون کا چولہ پہن لیں گے۔ اسی طرح ایک جون
کے بعد دوسری جون میں آئیں گے اور نہ ایک موت بلکہ ہزاروں موتیں ان پر آئیں گی۔ اور وہ
موتیں وہی ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے ثبور کثیر کے لفظ سے قرآن شریف میں بیان کیا ہے۔ مگر
مومنوں پر بجز ایک موت کے جو موتۃ اولٰی ہے اور کوئی موت نہیں آئے گی۔ تیسری قسم

﴿۸۴﴾ تناسخ کی جو قرآن میں بیان ہے یہ ہے جو انسانی نطفہ ہزار ہا تغیرات کے بعد پھر نطفہ کی شکل بنتا ہے مثلاً اول گندم کا دانہ ہوتا ہے اور ہزاروں برس اس کی یہ صورت ہوتی ہے کہ زمیندار اس کو زمین میں بوتا ہے اور وہ سبزہ کی شکل پر ہو کر زمین سے نکلتا ہے آخر دانہ بن جاتا ہے پھر کسی وقت زمیندار اس کو بوتا ہے اور پھر سبزہ بنتا ہے اسی طرح صدہا سال ایسا ہی ہوتا رہتا ہے اور ہزار ہا قالب میں وہ دانہ آتا ہے یہاں تک کہ اس کے انسان بننے کا وقت آجاتا ہے تب اس دانہ کو کوئی انسان کھالیتا ہے اور اس سے انسانی نطفہ بن جاتا ہے۔ جیسا کہ مثنوی رومی میں ہے۔

ہفصد و ہفتاد قالب دیدہ ام بارہا چوں سبزہ ہا روئیدہ ام

سو باوا صاحب کے کسی شعر میں اگر کوئی اشارہ تناسخ یعنی اواگون کی طرف پایا جاتا ہے سو وہ اشارہ درحقیقت ان تین تناسخوں میں سے کسی تناسخ کی طرف ہے جو قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے☆۔ نہ اس وید والے تناسخ کی طرف جس کیلئے ضرور ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کے خالق ہونے سے انکار کرے اور نجات کو ابدی نہ سمجھے اور خدا تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے کہ وہ گنہ نہیں بخشتا۔ اور کسی کی توبہ قبول نہیں کرتا اور کسی پر رحم نہیں کرتا اور ظاہر ہے کہ باوا صاحب ایسے گندے عقیدوں سے سخت بیزار تھے وہ خدا تعالیٰ کو روحوں اور جسموں کا پیدا کنندہ جانتے تھے اور نجات ابدی پر اعتقاد رکھتے تھے اور اللہ جلّ شانہٗ کو گناہ بخشنے والا یقین رکھتے تھے اور اُن کا یہ صاف اور کھلا کھلا عقیدہ تھا کہ انسان بیل۔ گدھا ایسا ہی ہر یک جاندار خدا تعالیٰ نے آپ اپنی مرضی سے اور اپنے ارادہ سے پیدا کیا ہے اور کوئی روح قدیم نہیں بلکہ تمام روحیں اسی کی پیدائش ہیں۔ پھر اس عقیدہ والا آدمی ہندوؤں کے اواگون کو ماننے والا کیونکر ہو سکتا ہے۔ دیکھو باوا صاحب فرماتے ہیں۔

سو کیوں منو وساری جاکے جیا پران تِس وِن سب اپوِتّر ہے جیتا پہنن کھان

یعنی اسکو کیوں دل سے فراموش کرتا ہے جسکی پیدائش روح اور جسم ہے اس کے بغیر تمام کھانا پہننا ناپاک ہے

اب دیکھو باوا صاحب اس شعر میں صاف اقرار کرتے ہیں کہ جیو اور جسم دونوں خدا تعالیٰ کی پیدائش اور اسکی ملکیت ہیں مگر تناسخ والے تو ایسا نہیں کہتے۔ اس سے تو انکا تناسخ ٹوٹتا ہے۔

☆ نوٹ۔ ایک اور طرح آنا جانا روحوں کا قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے اور وہ یہ کہ بدکاروں کی روحوں کیلئے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے۔ اور پھر وہ زمین کی طرف رد کئے جاتے ہیں قال اللہ تعالیٰ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ ۔(الاعراف:۴۱) منه

﴿۸۵﴾ پھر ایک اور شعر میں فرماتے ہیں جس کے جیا پران ہیں **من و سے سُکھ ہو**۔ یعنی جس کی پیدائش روح اور جسم ہیں وہ دل میں آباد ہو تو راحت اور آرام ہو۔ غرض باوا صاحب ویدوالے تناسخ کے قائل نہ تھے صرف اس تناسخ کے قائل تھے جس کا قرآن شریف میں ذکر ہے۔ ویدوالے تناسخ کا قائل بجز دہریہ اور نیم دہریہ کے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

پھر اڈیٹر صاحب پرچہ خالصہ بہادر جنم ساکھی کے چند شعر لکھ کر ان سے یہ نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں کہ باوا نانک صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے نہیں تھے۔ بلکہ مکذب تھے اور وہ شعر یہ ہیں۔

لِکھ محمدؐ ایک خدا الکھ سچا بے پروا کئی محمد کھڑے دربار شمار نہ پاویں بے شمار

رسول رسال دنیا میں آیا **جب چاہا تب پھیر منگایا** **یونہی کہا ہے نانک بندے** **پاک خدا اور سب گندے**

اب میں سوچ میں ہوں کہ اڈیٹر صاحب نے ان اشعار کو کیوں پیش کردیا۔ اگر ان کی اس مصرعہ پر نظر ہے کہ ’’پاک خدا اور سب گندے‘‘ تو اس سے لازم آتا ہے کہ نانک صاحب بھی گندے ہی تھے۔ کیونکہ اگر بجز خدا تعالیٰ کے تمام بندے گندے ہی ہیں تو اس قاعدہ کلیہ سے نانک صاحب بھی باہر نہیں رہ سکتے کیونکہ وہ بھی بندہ ہی ہیں۔ نانک صاحب خدا تو نہیں ہیں۔ تا پاک ہوں افسوس کہ آڈیٹر صاحب نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بغض کی وجہ سے باوا نانک صاحب کی عزت اور راستبازی کا بھی کچھ خیال نہیں کیا۔ اللہ اللہ!!! بُغض اور تعصب بھی کیسی بُری بلا ہے۔ جس سے انسان دیکھتا ہوا نہیں دیکھتا اور سنتا ہوا نہیں سنتا اور سمجھتا ہوا نہیں سمجھتا۔ اڈیٹر صاحب آپ خوب یاد رکھیں اس کے یہ معنی نہیں ہیں جو آپ سمجھے☆ ہیں۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ حقیقی چشمہ پاکی اور پاکیزگی کا خدا تعالیٰ کی ذات ہی ہے اور راستبازوں کو پاکی اور پاکیزگی خدا سے ہی ملتی ہے ورنہ انسان کی حقیقت پر اگر نظر کریں تو وہ ایک ناکارہ بوند سے پیدا ہوتا ہے اس لئے وہ ہیچ محض ہے مگر اللہ تعالیٰ کی عنایتیں اس کے مقبول بندوں کو پاک کرتی ہیں خدا تعالیٰ کا تمام وجود انسان کے فائدہ کیلئے ہے لہٰذا خدا تعالیٰ کی پاکی بھی انسان کے

☆نوٹ۔ نانک صاحب کا اللہ کے مقابل پر محمدؐ کا نام لکھنا اور اللہ اور محمدؐ کا مقابلہ کر کے اللہ کا بڑا اقرار دینا بھی ایک دلیل بزرگ اس بات پر ہے کہ نانک صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کے پیارے اور مقرب اور رسول سمجھتے تھے۔ منہ

﴿۸۶﴾ پاک بنانے کیلئے ہے جس طرح دریا میں بار بار غسل کرنے سے کسی کے بدن پر میل باقی نہیں رہ سکتی اسی طرح جو لوگ خدا تعالیٰ کے ہی ہو جاتے ہیں اور اس کے سچے فرمانبردار بن کر دریائے رحمت الٰہی میں داخل ہو جاتے ہیں بلاشبہ وہ بھی پاک ہو جاتے ہیں مگر ایک اور قوم بھی ہے جو مچھلیوں کی طرح اس دریا میں ہی پیدا ہوتی ہے اور اس دریا میں ہی ہمیشہ رہتی ہے اور ایک دم بھی اس دریا کے بغیر جی نہیں سکتی۔ وہ وہی لوگ ہیں جو پیدائشی پاک ہیں اور ان کی فطرت میں عصمت ہے انہیں کا نام نبی اور رسول اور پیغمبر ہے۔ خدا تعالیٰ دھوکا کھانے والا نہیں وہ انہیں کو اپنا خاص مقرب بناتا ہے جو مچھلیوں کی طرح اس کی محبت کے دریا میں ہمیشہ فطرتاً تیرنے والے ہیں اور اسی کے ہو رہتے ہیں اور اسی کی اطاعت میں فنا ہو جاتے ہیں۔ پس یہ قول کسی سچے راستباز کا نہیں ہوسکتا کہ خدا تعالیٰ کے سوا درحقیقت سب گندے ہی ہیں اور کوئی نہ کبھی پاک ہوا نہ ہوگا گویا خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عبث پیدا کیا ہے بلکہ سچی معرفت اور گیان کا یہ قول ہے کہ نوع انسان میں ابتدا سے یہ سنت اللہ ہے کہ وہ اپنی محبت رکھنے والوں کو پاک کرتا رہا ہے ہاں حقیقی پاکی اور پاکیزگی کا چشمہ خدا تعالیٰ ہی ہے جو لوگ ذکر اور عبادت اور محبت سے اس کی یاد میں مصروف رہتے ہیں خدا تعالیٰ اپنی صفت ان پر بھی ڈال دیتا ہے تب وہ بھی اس پاکی سے ظلی طور پر حصہ پا لیتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی ذات میں حقیقی طور پر موجود ہے مگر بعض کیلئے رحمت الٰہی ابتدا سے ہی سبقت کرتی ہے۔ اور وہ مادر زاد مورد عنایت ہوتے ہیں خدا تعالیٰ ان کو ابتداء سے ہی نالائق جذبات سے محفوظ رکھتا ہے اور نہ صرف اسی قدر بلکہ ان کی فطرت میں خدا شناسی اور خدا ترسی اور صبر اور استقامت کا مادہ سب سے زیادہ ہوتا ہے اور بالطبع وہ گناہ سے ایسا ہی نفرت کرتے ہیں جیسا کہ دوسرے لوگ گناہ سے محبت کرتے ہیں۔ اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ ہمیشہ سے سب لوگ گندے ہی چلے آتے ہیں اور اس فطرت کے لوگ دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوتے کہ جو خدا تعالیٰ سے پاکی حاصل کریں وہ خود گندہ اور نابینا ہے مگر باوا نانک صاحب کی نسبت ہم ایسا عقیدہ ہرگز نہیں رکھتے بلکہ ہم نہایت پختہ یقین سے کہتے ہیں کہ نالائق اور نادان لوگوں نے جن کو سچے گیان اور پاک معرفت کی کچھ خبر نہیں۔ باوا صاحب پر یہ تہمتیں لگا دی

﴿۸۷﴾

ہیں اور ہرگز ان کا یہ مذہب نہیں چنانچہ ہمارے اس دعوے پر ان کے دوسرے شعر گواہ ہیں اور یہ شعر بھی تو گرنتھ صاحب میں اب تک موجود ہے **سکھ داتا گور سینوئیں سب اوگن کڈھے دھو** یعنی آرام کے دینے والے خدا کو پوجنا چاہئے جو تمام بداعمالیوں کو نکال کر دھوڈالنا ہے۔ پھر یہ شعر بھی گرنتھ صاحب میں ہے۔

جن کیتا تسے نجانئے من مکھ پس ناپاک   گن گو بندنت گاوئین اوگن کٹن ہار

یعنی اگر اپنے پیدا کرنے والے کو نہ جانیں تو منہ دل دونوں پلید ہیں اور اگر خدا تعالیٰ کی صفت ثنا کریں تو وہ تمام ناپاکیاں بیماریاں دور کر دیگا۔ دیکھو ان شعروں میں صاف اقرار ہے کہ خدا تعالیٰ کے قرب سے انسان پاک ہوجاتا ہے پھر یہ مقولہ کیونکر درست ہوسکتا ہے کہ بجز خدا تعالیٰ کے سب ناپاک اور گندے ہیں ہر یک بات کے لفظ پکڑ لینے اور حقیقت سے غافل رہنا یہ بڑی غلطی ہے مثلاً یہ شعر گرنتھ صاحب میں موجود ہے۔

کہونانک ہم نیچ کرما   سرن پڑیکی راکھو سرما

یعنی اے نانک اس بات کا اقرار کر دے کہ میں بدعمل آدمی ہوں قدموں پر گرے ہوئے کا لحاظ رکھ لو۔ یعنی اگرچہ میں نہایت ہی بدعمل ہوں مگر اے خالق تیرے قدموں پر آ گرا ہوں سو اس لحاظ سے کہ میں قدموں پر آ گرا ہوں مجھے بخش دے۔ اب نہایت بے ادبی ہوگی اگر کوئی صرف لفظوں کا لحاظ کر کے یہ کہے کہ نعوذ باللہ باوا نانک صاحب کا چال چلن اچھا نہیں تھا کیونکہ وہ آپ اقرار کرتے ہیں کہ میں نیچ کرم آدمی ہوں تو یہ سخت جہالت اور تعصب ہے کیونکہ یہ مقولہ ان کا مقام انکسار میں اللہ جلّ شانہٗ کے سامنے ہے ایسا ہی یہ مقولہ ان کا بجز خدا کے تمام مخلوق گندی ہیں مقام انکسار میں ہوگا اور اس کے یہ معنی ہوں گے کہ حقیقی پاکی صرف خدا کیلئے مسلّم ہے اور باقی سب لوگ اس کے پاک کرنے سے پاک ہوتے ہیں اور ان معنوں سے یہ مضمون قرآن کریم کی تعلیم سے موافق پڑے گا کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ بہشتیوں کی زبان سے فرماتا ہے۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ ہَدٰىنَا لِہٰذَا ۟ وَ مَا کُنَّا لِنَہۡتَدِیَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ ہَدٰىنَا اللّٰہُ [1] یعنی سب تعریف اس خدا کو جس نے

[1] الاعراف: ۴۴

﴿۸۸﴾ ہمیں بہشت میں داخل ہونے کیلئے آپ ہی سب توفیق بخشی آپ ہی ایمان بخشا آپ ہی نیک عمل کرائے آپ ہی ہمارے دلوں کو پاک کیا اگر وہ خود مدد نہ کرتا تو ہم آپ تو کچھ بھی چیز نہ تھے اور پھر فرماتا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ [1] یعنی یہ دعا کرو کہ ہم تیری پرستش کرتے ہیں اور تجھ سے ان تمام باتوں میں مدد چاہتے ہیں سو یہ تمام اشارے نیستی اور تذلل کی طرف ہیں۔ تا انسان اپنے تئیں کچھ چیز نہ سمجھے۔

اس وقت باوا نانک صاحب کے ایک دو شعر اور مجھے یاد آ گئے جن میں انہوں نے کسر نفسی کے ساتھ جناب الٰہی میں مناجات کی ہے جیسا کہ وہ گرنتھ صاحب میں فرماتے ہیں۔

اسی بول وگاڑو گاڑیں بول تُوں نظری اندر تولیں تول

یعنی ہم بکواسی لوگ ہیں بات بگاڑ لیتے ہیں تو اپنی نظر کے اندر وزن کر لیتا ہے پھر ایک جگہ باوا صاحب فرماتے ہیں۔

توں بھر پور جانیاں میں دور جو کچھ کرے سو تیرے حضور

یعنی تو ہر جگہ ہے مگر میں نے دور خیال کیا۔ جو کچھ کریں سو تیرے حضور میں کرتے ہیں۔ پھر ایک جگہ کہتے ہیں۔

توں دیکھیں ہم مکرّ پاؤ تیرے کم نہ تیرے ناؤ

یعنی تو دیکھ رہا ہے اور ہم اپنے بُرے کاموں سے منکر ہوتے ہیں نہ تیرے حکم پر چلتے ہیں اور نہ تیرا نام لیتے ہیں۔ اب کیا یہ خیال کیا جائے کہ نانک صاحب درحقیقت ایسے کلمے منہ پر لایا کرتے تھے جن سے بات بگڑ جاتی تھی اور نیز خدا تعالیٰ کو دور خیال کرتے تھے اور اپنے بُرے کاموں کو چھپایا کرتے تھے اور خدا تعالیٰ کے حکم پر نہیں چلتے تھے اور نہ اُس کا نام لیتے تھے ایسا ہی باوا نانک صاحب گرنتھ کے صفحہ ۲۱۹ میں فرماتے ہیں۔

واہ واہ ساچے میں تیری ٹیک ہوں پاپی توں نرمل ایک

یعنی اے سچے مجھے تیرا آسرا ہے میں سخت بدکار ہوں اور تو بے عیب ہے۔ اور پھر فرماتے ہیں۔

شب روز گشتم در ہوا کردم بدی خیال گاہے نہ نیکی کار کردم مم این چنین احوال
بدبخت ہمچو بخیل غافل بے نظر بے باک نانک بگوید جن ترا تیرے چاکران پا خاک

[1] الفاتحة :۵

﴿۸۹﴾ یعنی میں ہمیشہ حرص و ہوا کے پیچھے ہی پڑا رہا کبھی نیکی کا کام نہ کیا ایسا ہی میرا ہمیشہ حال رہا بدبخت ہوں بخیل ہوں غافل ہوں میں صاحب نظر نہیں ہوں اور بے خوف ہوں اور تیرے چاکروں کا خاک پا ہوں اور پھر ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

ہم اوگن آرے تون سن پیارے تدھ بھاوے سچ سو

یعنی ہم گنہگار ہیں اے پیارے وہی سچ ہے جو تجھے اچھا معلوم ہو۔ اب کیا آپ لوگ ان ابیات کو حقیقت پر حمل کر کے باوانانک صاحب کو ایسا ہی خیال کرو گے جیسا کہ وہ ان شعروں میں اپنی نسبت خیال کرتے ہیں بلکہ یہی معنے کرو گے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کی عظمتوں پر نظر کر کے اپنے تئیں ہیچ سمجھا پس ایسا ہی نوع انسان کیلئے ان کا کلام ہے کہ بغیر خدا تعالیٰ کے فضل کے کوئی پاک نہیں کہلا سکتا۔

پھر عقل مند سوچ سکتا ہے کہ یہ شعر کہ ’’لکھ محمد ایک خدا۔ الکھ سچا ہے بے پروا‘‘ اس کے یہی معنے ہیں کہ محمدؐ اور خدا کی عظمت میں غور کر۔ کیونکر لکھنا غور کرنے اور فکر کرنے کو کہتے ہیں جیسا کہ الکھ کے معنے ہیں فکر اور عقل سے باہر۔ پھر یہ قول نانک صاحب کا ’’کئی محمد کھڑے دربار۔ شمار نہ پاویں بے شمار‘‘ اس کے یہی معنے ہیں کہ خدا کے مقرب اور پیارے بے شمار ہیں جن کو اُس کے دربار خاص میں جگہ ہے۔ اب آنکھیں کھول کر دیکھو کہ کیا اس شعر سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف نکلتی ہے یا مذمت نکلتی ہے بلکہ نانک صاحب نے خدا تعالیٰ کے ہر یک پیارے کا نام محمد رکھ دیا کیونکہ محمد کے معنے عربی میں یہ ہیں کہ نہایت تعریف کیا گیا یعنی جو شخص خدا تعالیٰ کا نہایت ہی پیارا ہو اس کو محمد کہتے ہیں۔ پس نانک صاحب فرماتے ہیں کہ محمد یعنی خدا تعالیٰ کا پیارا ایک نہیں ہے بلکہ بے شمار پیارے ہیں جن کو اس کے دربار میں رسائی ہے سو ان شعروں میں تو نانک صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا صاف اقرار کر دیا ہے۔ اور اگر فرض کے طور پر کوئی ایسا شعر ہو جو مذمت پر دلالت کرتا ہو تو وہ گندہ شعر نانک صاحب کا کبھی نہیں ہوگا کیونکہ وہ جابجا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہیں جیسا کہ

﴿۹۰﴾ وہ ایک شعر میں گرنتھ میں فرماتے ہیں ’’**برکت تن کو اگلی پڑھتے رہن درود**‘‘ یعنی جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں انہیں کو آنے والے زمانہ میں برکت ملے گی۔ اور پھر ایک شعر گرنتھ میں فرماتے ہیں ’’**کرنی کعبہ سچ پیر کلمہ کرم نواج**‘‘ یعنی نیک کام کعبہ کے حکم میں ہیں جن کی طرف منہ کرنا چاہئے اور سچ بولنا مرشد کے حکم میں ہے جس سے رہ ملتی ہے اور کلمہ یعنی **لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ** وہ چیز ہے جس سے قسمت کھلتی ہے اور عمل نیک ہو جاتے ہیں اب فرمایئے کہ کیا ایسا شخص جو اس قدر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے کیا اس کی نسبت گمان کر سکتے ہیں کہ کوئی خلاف تہذیب کا کلمہ اس کے منہ سے نکلا ہوگا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ گرنتھ صاحب کے ایسے اشعار جو تناقض کے مرض میں مبتلا ہیں تو اس کا یہ سبب نہیں کہ باوا نانک صاحب کی کلام میں تناقض تھا بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ تمام اشعار دو سو بلکہ تین سو برس بعد میں جمع کئے گئے اور ہر یک شعر کے پیچھے نانک کا اسم خواہ نخواہ لگا دیا گیا اگرچہ حال کے گرنتھ دان یہ بیان کرتے ہیں کہ جس شبد پر آسا محلّہ پہلا یا گوڑی محلّہ پہلا لکھا ہوا ہو وہ تو درحقیقت نانک صاحب کا ہی شعر ہے اور نہیں تو دوسرے جانشینوں کا شعر ہے لیکن جس حالت میں ہر یک شعر کے آخر میں نانک کا لفظ پایا جاتا ہے تو یہ ایک نہایت قابل اعتراض کارروائی ہے کیونکہ سراسر خلاف واقعہ اور جعل کے رنگ میں ہے اور اس صورت میں اُن شعروں سے بھی امان اٹھ گیا جو دراصل باوا نانک صاحب کے ہوں گے۔ اور اب کئی سو برس کے بعد کون فیصلہ کر سکتا ہے کہ ان میں سے نانک صاحب کے کون سے شعر اور دوسروں کے کون سے شعر ہیں جن لوگوں نے بے محل اپنے شعروں کے اخیر پر نانک کا لفظ ملا دیا ان لوگوں نے اور کیا کچھ دخل نہیں دیا ہوگا۔ پھر جبکہ یہ کارروائی دو سو برس بعد بلکہ مدت کے بعد کی کارروائی ہے تو ایسے مجموعہ پر کیونکر بغیر دوسرے شواہد کے بھروسہ ہو سکتا ہے اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ باوا صاحب کے اس ابتدائی زمانہ کے بھی بعض شعر ہوں جبکہ انہوں نے ابھی اسلامی ہدایت سے شرف حاصل نہیں کیا تھا اور خیالات میں الٰہی روشنی حاصل نہیں ہوئی تھی اور ان خطاؤں اور غلطیوں میں پڑے ہوئے تھے جن کا ان کو خود اقرار ہے لیکن چونکہ ان شعروں کے جمع کرنے میں پوری

﴿۹۱﴾ احتیاط سے کام نہیں لیا گیا اس لئے باوجود اس خیال کے یہ دوسرا شبہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ باوا صاحب کے اشعار میں اجنبی اشعار بہت ملائے گئے ہیں اور ان کے نام سے اپنا سکہ چلایا گیا ہے پھر جس گرنتھ میں ایسا گڑ بڑ پڑا ہوا ہے وہ بجز کسی خاص معیار کے ہرگز قبول کرنے کے لائق نہیں اور عندالعقل چولہ صاحب اور باوا صاحب کے چلوں سے بڑھ کر اور کوئی معیار نہیں اور نیز باوا صاحب کے وہ اشعار بھی معیار میں داخل ہیں جن میں انہوں نے صاف اقرار کیا ہے کہ بغیر اسلام کے کسی کی نجات نہیں اور یہ عقیدہ باوا صاحب کی آخری عمر کا معلوم ہوتا ہے اور یہ کچھ عجیب نہیں کہ ابتدائی عمر کے خیالات آخری عمر کے خیالات سے کچھ تناقض رکھتے ہوں بلکہ حقیقتاً ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ باوا صاحب رفتہ رفتہ حق کی طرف جھکتے چلے آئے ہیں یہاں تک کہ آخری عمر میں چولہ بنا کر اسلامی شعار ظاہر کرنے کے لئے پہن لیا اور آخری عمر میں ہی حج کیا اور آخری عمر میں ہی چلہ کشی کی۔ سو آخری عمر کے قول اور فعل قابل اعتبار ہیں اور اس کے مخالف سب ردّی۔

بالآخر یہ بھی یاد رہے کہ باوا نانک صاحب کے اشعار پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باوا صاحب اپنی گذشتہ زندگی کو نہایت غفلت اور خطا وسہو کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اپنی ذات کی نسبت بار بار یہ لفظ استعمال کرتے ہیں کہ پاپی اور نیچ اور غفلت سے بھرا ہوا اور بخیل اور غافل وغیرہ وغیرہ سو اس صورت میں کچھ تعجب کی بات نہیں کہ جیسا کہ اڈیٹر صاحب خالصہ بہادر فرماتے ہیں کہ باوا نانک صاحب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اپنے اشعار میں ہتک آمیز الفاظ بھی استعمال میں لاتے رہے ہیں یہ بھی کسی ایسے زمانہ کے واقعات ہوں جبکہ باوا صاحب اس حجاب اور غفلت میں پڑے ہوئے تھے جس کا ان کو خود اقرار ہے کیونکہ باوا صاحب اپنے بے شمار گناہوں کا خود اقرار کرتے ہیں اور اپنی گذشتہ غلطیوں کے آپ اقراری ہیں جیسا کہ وہ گرنتھ کے صفحہ ۲۲۴ میں فرماتے ہیں۔

جیتا سمندر ساگر نیر بھریا تے تے اوگن ہمارے دیا کرو کچھ مہر اُپا ہو ڈبدے پتھر تارے

یعنی جس قدر سمندر پانی سے بھرا ہوا ہے اسی قدر ہمارے گناہ اور عیب ہیں کچھ رحم اور مہر کرو اور ایسے پتھروں کو

﴿۹۲﴾ تارد و کہ قریب ہے جو ڈوب جائیں۔ پھر صفحہ ۳۲۸ گرنتھ میں فرماتے ہیں۔

ہم پاپی نِرگن کو گن کرے　　　پربھ ہوئے دیال نانک جن ترے

یعنی ہم بڑے گنہگار ہیں کوئی نیکی نہیں کیا نیکی کریں خدا فضل کرے تو تب ہم تریں یعنی نجات پاویں۔

اسی طرح چولہ صاحب میں یہ لکھا ہوا موجود ہے

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ؎۱

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد انّ محمدًا عبده و رسولهٗ

یعنی اے خدا تو پاک ہے تیرے سوا اور کوئی نہیں میں ظالموں میں سے تھا اور اب میں گواہی دیتا ہوں کہ سچا خدا اللہ ہے اس کے ساتھ اور کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہے۔ اب دیکھو کہ کس تضرع اور عاجزی سے باوا نانک صاحب اپنے گناہوں کا اقرار کر کے صاف کہتے ہیں کہ میں پہلے اس سے ظالم تھا اور اب میں مانتا ہوں کہ اللہ سچ اور محمدؐ اس کا رسول برحق ہے۔ سو ان کے اس تمام بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے اوائل زمانہ میں اس معرفت سے بے خبر تھے کہ دین الٰہی دین اسلام ہے اگرچہ وہ تعصب سے ہمیشہ دور رہے اور خدا تعالیٰ نے ان کا دل ہندوؤں کے تعصب سے خالی پیدا کیا تھا اور حق کی طلب ہوش پکڑتے ہی ان کو دامنگیر ہوگئی تھی مگر بشری غفلت کی وجہ سے اوائل ایام میں اس زندگی کے چشمہ سے بے خبر تھے جس کا نام اسلام ہے اس لئے کچھ تعجب کی بات نہیں کہ وہ پہلے دنوں میں اپنے شعروں میں ایسے خیالات ظاہر کرتے ہوں جو اسلام کے مخالف ہوں اور تکذیب کے رنگ میں ہوں مگر جب ان کو یہ سمجھ آ گئی کہ درحقیقت اسلام ہی سچا ہے اور فی الواقعہ حضرت محمد مصطفیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے پیغمبر اور خدا کے پیارے ہیں تب تو انہوں نے اپنی پہلی زندگی کا چولہ اتار دیا اور اسلامی چولہ پہن لیا اور یہ چولہ جو اب تک کابلی مل کی اولاد میں چلا آتا ہے یہ درحقیقت طرز زندگی کے تبدیل کرنے کا نشان ہے پہلا چولہ انکار کا اتار کر اور آگ میں جلا کر یہ چولہ اقرار کا خدا تعالیٰ کے فضل نے ان کو پہنا دیا جو اب تک چار سو برس سے موجود ہے اور باوا صاحب کی آخری عمر کی سوانح کا ایک

؎۱ الانبیاء:۸۸

زندہ گواہ ہے اور اسی کو باوا صاحب اپنے مذہب اور ملت کی یادگار چھوڑ گئے اور اگر ان کے فوت ہونے کے بعد ان کے گھر میں سے ان کی طریق زندگی کا نشان برآمد ہوا تو یہی چولہ برآمد ہوا کوئی گرنتھ کی جز برآمد نہیں ہوئی بلکہ دوسو تین سو برس بعد عوام الناس کی زبانی اکٹھا کیا گیا پس جب کہ ایک برس کے فرق سے بھی ہزاروں تغیر اور تبدل پیدا ہو جاتے ہیں پھر دوسو تین سو برس کے فرق کے بعد کیا کچھ تغیرات اور تحریفات نہیں ہوئے ہوں گے اور یاد رہے کہ دوسو برس کے بعد میں جمع کیا جانا ان گوروؤں کے شعروں کی نسبت ہے جو گورو ارجن داس صاحب سے پہلے گذر چکے لیکن جو گورو۔ گورو ارجن داس صاحب کے بعد آئے ان کے اشعار تو قریباً تین سو برس کے بعد میں لکھے گئے ہوں گے اور اب تک ٹھیک پتہ نہیں کہ وہ کس نے لکھے اور ان کا جمع کرنا گورو ارجن داس کی طرف کیوں منسوب کیا گیا کیونکہ گورو ارجن داس صاحب تو ان سے پہلے فوت ہو چکے تھے پھر عجیب تر یہ کہ ان شعروں کے آخر میں بھی نانک کا لفظ لگایا گیا اور صدہا شعر باوا نانک صاحب کے ایسے ترک کئے گئے اور گرنتھ میں نہیں لکھے گئے جن میں باوا صاحب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور اسلام کی تعریف اور اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کرتے تھے۔ چنانچہ چشتی سلسلہ کے لوگ جن کے ساتھ ان کا تعلق تھا اب تک ان شعروں کو یاد کرتے اور پڑھتے ہیں۔ ان تمام امور پر نظر ڈال کر ایک حق کا طالب جلد سمجھ سکتا ہے کہ باوا نانک صاحب کے مذہب کی اصل حقیقت دریافت کرنے کیلئے صرف موجودہ گرنتھ پر مدار رکھنا سخت غلطی ہے۔ اس کو کون نہیں جانتا کہ موجودہ گرنتھ کی صحت کے بارہ میں بہت سی پیچیدگیاں اور دقتیں واقع ہوگئی ہیں اور وہ تمام اشعار دو تین سو برس تک ایک پوشیدگی کے گہرے پانی میں غوطہ لگانے کے بعد پھر ایسے زمانہ میں ظاہر ہوئے جس میں سکھ صاحبان کے اصل مذہب کا رنگ بدل چکا تھا اور وہ اپنی اس حالت میں اس قسم کے شعر ہرگز جمع نہیں کر سکتے تھے جن میں باوا صاحب کے مسلمان ہونے کی تصریحات تھیں اور ایسے بے ثبوت اور بے سند طور پر وہ جمع کئے گئے کہ جن میں جعلسازوں کو بہت کچھ خلط ملط کرنے کا موقعہ تھا گورو ارجن داس صاحب کی گو کیسے ہی نیک نیت ہو

﴿۹۳﴾

﴿۹۴﴾ مگر جن لوگوں کے زبانی وہ شعر جمع کئے گئے تھے ان کی درایت اور روایت ہرگز قابل اعتماد نہیں۔ باوا صاحب کے ہاتھ سے جو چیز آج تک دست بدست چلی آتی ہے اور جو ان کے فوت ہونے کے بعد ان کے گھر میں پائی گئی وہ فقط چولہ صاحب ہے ہر یک منصف کو چاہئے کہ اگر باوا صاحب کے مذہب کی اصل حقیقت دریافت کرنا ہے تو اس بارہ میں چولہ صاحب کی شہادت قبول کرے کہ باوا صاحب کا چولہ باوا صاحب کا قائم مقام ہے ہاں دوسری موافق شہادتیں جو گرنتھ وغیرہ سے ملتی ہیں وہ بھی کچھ تھوڑی نہیں ہیں مگر چولہ صاحب بہرحال سب سے مقدّم اور زندہ گواہ ہے۔

باوا نانک صاحب کے اسلام پر خلاصہ دلائل

ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ باوا صاحب وید کی خراب تعلیموں کو دیکھ کر بالکل اس سے دست بردار ہو گئے تھے اور ہمیں غور کرنے کے بعد معلوم ہوا ہے کہ باوا نانک صاحب کی زندگی تین زمانوں پر مشتمل تھی اور وہ فوت نہیں ہوئے جب تک تیسرا زمانہ اپنی زندگی کا نہ پالیا۔

(۱) پہلا زمانہ وہ تھا کہ جب وہ رسم اور تقلید کے طور پر ہندو کہلاتے تھے۔ پس اس زمانہ کے شبد یعنی شعر اُن کے اگر ہندو مذہب کے مناسب حال ہوں تو کچھ بعید نہ ہوگا۔

(۲) اور دوسرا زمانہ باوا نانک صاحب پر وہ آیا جبکہ وہ ہندو مذہب سے قطعاً بیزار ہو گئے۔ اور وید کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے سو وہ تمام شعر ان کے جو ویدوں کی مذمت میں ہیں درحقیقت اسی زمانہ کے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اس دوسرے زمانہ میں باوا صاحب کو اسلام سے بھی کچھ ایسا تعلق نہیں تھا کیونکہ ابھی ان کا گیان اس درجہ تک نہیں پہنچا تھا جس سے وہ الٰہی دین کی روشنی کو پہچان سکتے بلکہ اس مرتبہ میں ان کی معرفت کچھ دُھندلی سی اور ابتدائی درجہ میں تھی۔ اس لئے کچھ تعجب نہیں کہ انہوں نے اپنی زندگی کے اس دوسرے مرحلہ میں ایسی باتیں بھی کہی ہوں یا ایسے شعر بھی بنائے ہوں جو کامل سچائی کے مخالف ہوں (۳) تیسرا زمانہ باوا صاحب پر وہ آیا جبکہ ان کی معرفت کامل ہو گئی تھی اور وہ جان چکے تھے کہ پہلے خیالات میرے خطا سے خالی نہ تھے

اسؔ لئے اکثر جناب الٰہی میں رورو کر گذشتہ زندگی کے بارہ میں بہت عذر معذرت کرتے تھے ﴿۹۵﴾
اوراسی آخری حصہ عمر میں انہوں نے دو حج کئے اور دو برس تک مکہ اور مدینہ میں رہے اور صلحائے اسلام کے روضوں پر چلے گئے اور پرانی زندگی کا بالکل چولہ اتار دیا اورنئی زندگی کا نشان وہ چولہ پہن لیا۔ جس کی ہر یک طرف میں **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** لکھا ہوا اب تک موجود ہے اور ان کا خاتمہ بہت عمدہ ہوا اور مجمع کثیر کے ساتھ مسلمانوں نے ان پر نماز جنازہ پڑھی۔ **انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔**

سکھ صاحبان اس بات پر بھی غور کریں کہ باوانانک صاحب کلام الٰہی کے قائل تھے اور جابجا گرنتھ میں بار بار کہہ چکے ہیں کہ خدا کی ہدایت اور خدا کی کلام کے سوا کوئی شخص اس کی رہ کو نہیں پا سکتا۔ جیسا کہ وہ فرماتے ہیں۔

جیہی توں مت دے تیہی کوئی پاوے تدھ آپے بھاوے تیویں چلاوے

یعنی جیسے تو نصیحت دے ویسے کوئی تجھے پاسکتا ہے تجھے جو اچھا لگا وہی کام تو چلاتا ہے۔ اور پھر فرماتے ہیں

حکمے آیا حکم نہ بوجھے حکم سوارن ہارا

یعنی انسان حکم سے آیا اور حکم نہیں پہچانتا۔ اور خدا کے حکم سے ہی انسان کی اصلاح ہوتی ہے۔ اور ایسے شعر صدہا ہیں۔ اور کوئی اس سے انکار نہیں کرسکتا اور سب کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے الہام اور کلام کی پیروی کرنی چاہیئے تب راہ ملے گی لیکن باوا صاحب نے کسی جگہ یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ گرنتھ کے اشعار جو میرے منہ سے نکلتے ہیں الہامی ہیں یا خدا کا کلام ہے۔ بلکہ اپنا نام شاعر رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتے ہیں۔ دیکھو صفحہ ۹۶۳

ساس ماس سب جیو تمہارا توں میں کھرا پیارا
نانک شاعر اینو کہت ہے سچے پروردگارا

یعنی سانس اور گوشت اور جان تمہاری طرف سے ہیں اور تو مجھے بہت پیارا ہے۔ نانک شاعر اسی طرح کہتا ہے اے سچے پروردگار۔ اب ظاہر ہے کہ اگر یہ کلام نانک صاحب کا خدا تعالیٰ

﴿۹۶﴾ کی طرف سے ہوتا تو وہ اپنا نام ان شعروں میں شاعر نہ رکھتے پس جبکہ نانک صاحب کا یہ اپنا ہی کلام ہوا اور دوسری طرف ان کا یہ اقرار ہے کہ بغیر پیروی ست گور کے حکم یعنی خدا تعالیٰ کی کلام کے کوئی انسان نجات نہیں پا سکتا۔ پس اب یہ سوال بالطبع ہوتا ہے کہ باوا صاحب نے پرمیشر کی رضا حاصل کرنے کیلئے کس کتاب الٰہی کی پیروی کی اور اپنے سکھوں کو کس کتاب الہامی کی ہدایت دی اس سوال کا جواب ہم اس رسالہ میں بخوبی دے چکے ہیں کہ باوا صاحب قرآن شریف کی پیروی کرتے رہے اور اسی کی پیروی کی انہوں نے نصیحت کی۔

اور اگر کوئی انسان ان تمام باتوں سے قطع نظر کر کے باوا صاحب کے ان عقائد پر نظر غور ڈالے جو گرنتھ میں ان کی طرف سے منقول ہیں اور ان کے اشعار میں پائے جاتے ہیں تو بہت جلد یقین کر لے گا کہ ان عقیدوں کا پتہ بجز اسلام کے اور کسی دین میں نہیں ملتا۔ پس یہ بھی ایک پختہ دلیل اس بات پر ہے کہ باوا صاحب نے اسلامی عقائد ہی قبول کئے اور انہیں کو اپنا عقیدہ ٹھہرالیا تھا **پھر ہم ایسے عقیدہ والے کو اگر مسلمان نہ کہیں تو ہمیں بتلاؤ کہ اور کس مذہب کی طرف اس کو منسوب کریں۔** چنانچہ اس وقت چند شعر باوا صاحب کے بطور نمونہ کے اس جگہ لکھے جاتے ہیں ان کو سکھ صاحب غور سے پڑھیں کہ یہ عقیدے کس مذہب کے ہیں۔ منجملہ ان کے یہ شعر ہے۔

ہر بن جیو جل بل جاؤ　　　میں اپنا گور پوچھ دیکھا اور ناہیں تھاؤ

یعنی اے جاندارو خدا کے سوا جل جاؤ گے میں اپنے مرشد سے پوچھ لیا اور کوئی جگہ نہیں۔

اب واضح ہو کہ یہ اس آیت قرآنی کا ترجمہ ہے وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ [1] یعنی جو لوگ نافرمان اور بدکار ہیں اور نفس اور ہوا کے تابع ہیں وہ جہنم میں داخل ہوں گے اور وہاں جلیں گے اور اسی کے مطابق ایک دوسری آیت ہے اور وہ یہ ہے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [2]

یعنی اپنے رب کو بہت ہی یاد کرو تا دوزخ کی آگ سے نجات پاؤ۔ اب ظاہر ہے کہ نافرمانی کی حالت میں

[1] الانفطار:۱۵،۱۶　[2] الانفال:۴۶

آگ میں جلنا ہندوؤں کا مذہب نہیں بلکہ ان کا مذہب تو اواگون اور جونوں میں پڑنا ہے اور ﴿۹۷﴾ عیسائیوں کے مذہب میں بھی یہ تعلیم نہیں کہ خدا سے سچی محبت کر کے انسان دوزخ سے بچ جاتا ہے کیونکہ ان کے مذہب میں مدار نجات حضرت مسیح کی خودکشی پر ایمان لانا ہے سو یہ محض قرآنی تعلیم ہے جو باوا صاحب نے بیان کی۔ قرآن ہی یہ تعلیم دیتا ہے کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا[1] یعنی جہنم کی آگ سے وہ بچے گا جو اپنے تئیں نفس پرستی اور تمام نافرمانیوں سے پاک کرے گا۔ اور پھر ایک اور شعر باوا صاحب کا ہے اور وہ یہ ہے۔

کیتیاں تیری قدرتیں کی وڈی تیری دات کیتی تیرے جیا جنت صفت کریں دن رات

یعنی کس قدر تیری قدرتیں ہیں اور کس قدر تیری بخشش اور عطا ہے اور کس قدر تیری مخلوق ارواح اور اجسام ہیں جو دن رات تیری تعریف کرتے ہیں یہ شعر بھی قرآن شریف کی آیات کا ترجمہ ہے کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ[2] وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ[3] وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا[4] وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ[5]

یعنی خدا وہ قادر ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں وہ نہایت بزرگ اور صاحب عظمت ہے اور اس کی نعمت اور بخشش اس قدر ہے کہ اگر تم اس کو گننا چاہو تو یہ تمہاری طاقت سے باہر ہے اور کوئی چیز نہیں جو خدا کی حمد و ثناء میں مشغول نہیں ہر یک چیز اس کے ذکر میں لگی ہوئی ہے۔ اب دیکھو باوا صاحب کا یہ شعر انہیں آیات کا ترجمہ ہے۔ لیکن یہ شعر وید کے عقیدہ کے صریح برخلاف ہے۔ کیونکہ وید کی رو سے پرمیشر کی عطا اور بخشش کچھ بھی چیز نہیں سب کچھ اپنے عملوں کا پھل ہے اور وید اس بات کا بھی قائل نہیں کہ آگ اور پانی اور ہوا وغیرہ خدا تعالیٰ کی صفت و ثنائیں کر رہے ہیں۔ بلکہ وید تو ان چیزوں کو خود پرمیشر ہی قرار دیتا ہے اور اگر یہ کہو کہ یہ نام اگرچہ مخلوق کے ہیں مگر پرمیشر کے بھی یہ نام ہیں تو اس بات کا ثبوت دینا چاہئے کہ جیسا کہ قرآن بیان کرتا ہے کہ چاند سورج ستارے پانی آگ مٹی ہوا سب خدا کی مخلوق ہے اور اسی کی تعریف کر رہے ہیں اور ان چیزوں

[1] الشمس: ۱۰ [2] البقرة: ۱۱۰ [3] البقرة: ۲۵۶ [4] ابراهيم: ۳۵ [5] بنی اسرائیل: ۴۵

﴿۹۸﴾ میںؔ سے کسی کی پرستش جائز نہیں ایسا ہی وید میں بھی یہ بیان موجود ہے مگر یہ بات ہرگز نہیں تعصب سے ضد کرنا اور بات ہے لیکن ثبوت دینا اور بات ہے سو باوا صاحب نے یہ تمام مضمون قرآن شریف سے لئے ہیں اور پھر باوا صاحب کا ایک شعر یہ ہے۔

اوچوتھان سوہاوناں اوپر محل مرار سچ کرنی دے پائے در گھر محل پیار

یعنی وہ بہشت اونچا مکان ہے اس میں عمارتیں خوبصورت ہیں اور راست بازی سے وہ مکان ملتا ہے اور پیار اس محل کا دروازہ ہے جس سے لوگ گھر کے اندر داخل ہوتے ہیں اور یہ شعر اس آیت سے اقتباس کیا گیا ہے جو قرآن شریف میں ہے۔

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ [1] حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا [2]

یعنی جو لوگ راستباز ہیں اور خدا سے ڈرتے ہیں انہیں بہشت کے بالا خانوں میں جگہ دی جائے گی جو نہایت خوبصورت مکان اور آرام کی جگہ ہے دیکھو اس جگہ صریح باوا صاحب نے اس آیت کا ترجمہ کر دیا ہے کیا اب بھی کچھ شک باقی ہے کہ باوا صاحب قرآن شریف کے ہی تابعدار تھے اس قسم کا بیان بہشت کے بارہ میں وید میں کہاں ہے بلکہ انجیل میں بھی نہیں تبھی تو بعض نابینا عیسائی اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن میں جسمانی بہشت کا ذکر ہے مگر نہیں جانتے کہ قرآن بار بار کہتا ہے کہ جسم اور روح جو دونوں خدا تعالیٰ کی راہ میں دنیا میں کام کرتے رہے ان دونوں کو جزا ملے گی یہی تو پورا بدلہ ہے کہ روح کو روح کی خواہش کے مطابق اور جسم کو جسم کی خواہش کے مطابق بدلہ ملے لیکن دنیوی کدورتوں اور کثافتوں سے وہ جگہ بالکل پاک ہوگی اور لوگ اپنی پاکیزگی میں فرشتوں کے مشابہ ہوں گے اور بایں ہمہ جسم اور روح دونوں کے لحاظ سے لذت اور سرور میں ہوں گے اور روح کی چمک جسم پر پڑے گی اور جسم کی لذت میں روح شریک ہوگا اور یہ بات دنیا میں حاصل نہیں ہوتی بلکہ دنیا میں جسمانی لذت روحانی لذت سے روکتی ہے اور روحانی لذت جسمانی لذت سے مانع آتی ہے مگر بہشت میں ایسا نہیں ہوگا بلکہ اس روز دونوں لذتوں کا ایک دوسری پر عکس پڑے گا اور اسی حالت کا نام سعادت عظمیٰ ہے غرض باوا صاحب نے یہ نکتہ معرفت

[1] الفرقان:۷۶ [2] الفرقان:۷۷

قرآن شریف سے لیا ہے کیونکہ دوسری تمام قومیں اس سے غافل ہیں اور ان کے عقیدے اس کے برخلاف ہیں۔ پھر باوا صاحب کا ایک شعر یہ ہے۔ ﴿۹۹﴾

کیتا اکھن آکھئے اکھن ٹوٹ نہ ہو منگن والے کیتڑی داتا ایکو سو

جس کے جیا پران ہیں من وسّے سکھ ہو

یعنی کس قدر کہیں کہنے کی انتہا نہیں۔ کس قدر مانگنے والے ہیں اور دینے والا ایک ہے جس نے روحوں اور جسموں کو پیدا کیا وہ دل میں آباد ہو جائے تو آرام ملے یہ شعر ان قرآنی آیتوں کا اقتباس ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا [1] اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ [2] يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [3] وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا [4] قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا [5] یعنی زمین پر کوئی بھی ایسا چلنے والا نہیں جس کے رزق کا خدا آپ متکفل نہ ہو وہی ایک سب کا رب ہے اور اس سے مانگنے والے تمام زمین و آسمان کے باشندے ہیں۔ جان کی قسم ہے اور اس ذات کی جس نے جان کو اپنی عبادت کے لئے ٹھیک ٹھیک بنایا کہ وہ شخص نجات پا گیا جس نے اپنی جان کو غیر کے خیال سے پاک کیا۔ اس آیت میں یہ نہیں کہا کہ جس نے اس محبوب کو اپنے اندر آباد کیا جیسا کہ باوا صاحب نے کہا حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ تو اندر میں خود آباد ہے صرف انسان کی طرف سے بوجہ **التفات الی الغیر** دوری ہے پس جس وقت غیر کی طرف سے التفات کو ہٹا لیا تو خود اپنے اندر نور الٰہی کو مشاہدہ کر لے گا خدا دور نہیں ہے کہ کوئی اس طرف جاوے یا وہ اس طرف آوے بلکہ انسان اپنے حجاب سے آپ ہی اس سے دور ہے پس خدا فرماتا ہے کہ جس نے آئینہ دل کو صاف کر لیا وہ دیکھ لے گا کہ خدا اس کے پاس ہی ہے جیسا کہ دوسری جگہ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ [6]

یعنی ہم انسان سے اس کی رگ جان سے بھی قریب تر ہیں۔ یہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جیسا کہ حبل الورید کے خون کے نکلنے سے انسان کی موت ہے۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ سے دور پڑنے میں انسان کی موت ہے بلکہ اس سے زیادہ تر۔

[1] ھود:۷ [2] طٰہٰ: ۹ [3] الرحمٰن:۳۰ [4] الشمس:۸ [5] الشمس:۱۰ [6] ق:۱۷

﴿۱۰۰﴾

پھر باوا صاحب فرماتے ہیں۔

اک تل پیارا وسرے روگ وڈا من ماہین کیون در گہ پت پائے جان ہر وسے من ماہیں

یعنی اگر ایک ذرہ محبوب فراموش ہو جائے تو میرا دل بہت بیمار ہو جاتا ہے اور اس درگاہ میں کیونکر عزت ملے اگر اللہ دل میں آباد نہ ہو۔

اور قرآن شریف میں ہے۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ [1] اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ [2] عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ [3] عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ [4] وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا [5]

یعنی تم مجھ کو یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ نیکوکار آدمی یعنی جو خدا سے دل لگاتے ہیں وہ آخرت میں نعمتوں میں ہوں گے اور تختوں پر بیٹھے ہوئے خدا تعالیٰ کو دیکھیں گے وہ عزت پانے والے بندے ہیں۔ اور جو یہاں اندھا ہے وہ وہاں بھی اندھا ہی ہوگا۔ **یعنی جس کو اس دنیا** میں خدا کا درشن حاصل ہے اس کو اس جہاں میں بھی درشن ہوگا اور جو شخص اس کو اس جگہ نہیں دیکھتا آخرت میں بھی اس عزت اور مرتبہ سے محروم ہوگا۔ اب دیکھو اس شعر کا تمام مضمون قرآن شریف ہی سے لیا گیا ہے اور اسلام کے عقیدہ کے موافق ہے اور ہندوؤں کے وید سے اس کا کچھ تعلق نہیں پس کیا ابھی تک سمجھ نہیں آیا کہ باوا صاحب ہر یک امر میں اسلامی عقائد کے موافق بیان کرتے جاتے ہیں اور قرآن کے سرچشمہ سے ہر یک نکتہ معرفت لیتے ہیں۔

اور پھر باوا صاحب ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

ونج کرو ونجاریو وکھر ولے ہو سمال

تیسی دست وسائیے جیسی نبھے نال اگے ساہ سوجان ہے لیسی دست سمال

جنہاں راس نہ سچ ہے کیوں تنہاں سکھ ہو کھوٹے ونج ونجئے من تن کھوٹا ہو

یعنی اے بیوپاریو اسباب کو سنبھالو۔ ایسی چیز لو جو ہمراہ جائے آگے مالک علیم وخبیر ہے وہ دیکھ بھال کر اسباب لے گا جن کی متاع کھوٹی ہے ان کو آرام کیونکر ملے گا۔ کھوٹے بیوپار سے دل اور جسم کھوٹا ہوگا۔

[1] البقرہ:۱۵۳ [2] الانفطار:۱۴ [3] المطففین:۳۶ [4] الانبیاء:۲۷ [5] بنی اسرائیل:۷۳

﴿۱۰۱﴾ یہ تمام مضمون ان مفصلہ ذیل قرآنی آیات میں ہے غور سے دیکھو اور وہ یہ ہیں۔

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ تُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ ط ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ [1] یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ج وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ [2] کَلَّا بَلْ سکتہ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ. کَلَّآ اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ [3]

یعنی اے وے لوگو جو ایمان لائے کیا تمہیں ایک سوداگری کی خبر دوں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے۔ یعنی یہ سوداگریاں جو تم کر رہے ہو یہ خساروں سے خالی نہیں اور ان میں آئے دن عذاب بھگتنا پڑتا ہے سو آؤ تمہیں وہ سوداگری بتلا دیں جس میں نفع ہی نفع ہے اور خسارہ کا احتمال نہیں اور وہ یہ ہے کہ خدا اور اس کے بھیجے ہوئے پر ایمان لاؤ ☆ اور اپنے مال اور جان کے ساتھ خدا کی راہ میں کوششیں کرو اگر تمہیں سمجھ ہو تو یہی سوداگری تمہارے لئے بہتر ہے جس سے تمہارا روحانی مال بہت بڑھ جائے گا۔ اے ایمان والو خدا سے ڈرتے رہو اور ہر یک تم میں سے دیکھتا رہے کہ میں نے اگلے جہان میں کونسا مال بھیجا ہے اور اس خدا سے ڈرو جو خبیر اور علیم ہے اور تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے یعنی وہ خوب جاننے والا اور پرکھنے والا ہے اس لئے

☆نوٹ خدا کے بھیجے ہوئے پر ایمان لانا جس کو عربی زبان میں رسول کہتے ہیں اسلئے ضروری ہے کہ خدا نہایت پوشیدہ اور وراء الوراء اور نہاں در نہاں ہے اور اسکی ذات کے مشاہدہ کرنیوالے اسکے رسول ہیں جن کو وہ آپ تعلیم دیکر بھیجتا ہے اور انسان اپنی ابتدائی حالت میں اس دقیق در دقیق ذات کو خود بخود اور محض اپنی آنکھوں کی قوت سے دیکھ نہیں سکتا ہاں اسکے رسول کے خوردبین کے ذریعہ سے دیکھ سکتا ہے غرض جس شخص کو خدا نے اپنی معرفت سے آپ رنگین کر دیا ہے اس سچے گورو کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کو طلب کرنا یہی سیدھی راہ ہے اور ایسے کامل گورو کا پیرو اس روشنی سے حصہ پالیتا ہے یہی طریق ابتداء سے جاری ہے کہ جیسے انسان سے انسان پیدا ہوتا ہے ایسا ہی خدا کے حق جو بندے خدا کے کامل بندوں کے ذریعہ سے روحانی وجود پاتے ہیں اور یہ قدیم نظام الٰہی ہے۔ آریوں کے مذہب میں یہ بھی ایک نقص ہے کہ وہ نور جو ایک سینہ سے دوسرے سینہ میں جاتا ہے اور رسول جو سچا گرو اور روحانی باپ ہے اسکا نور جو محبت کی نالی سے اسکے پیرووٴں میں آتا ہے اس ضروری تعلیم کا ذکر وید میں کچھ بھی نہیں بلکہ وید کے رسولوں کا پتہ ہی نہیں۔ منہ

[1] الصف: ۱۱،۱۲ [2] الحشر: ۱۹ [3] المطففین: ۱۵،۱۶

﴿۱۰۲﴾ وہ تمہارے کھوٹے اعمال ہرگز قبول نہیں کرے گا۔ اور جنہوں نے کھوٹے کام کئے انہیں کاموں نے ان کے دل پر زنگار چڑھا دیا۔ سو وہ خدا کو ہرگز نہیں دیکھیں گے۔ اب غور اور انصاف سے دیکھنا چاہئے کہ باوا صاحب صریح صریح قرآنی آیات سے اقتباس کر رہے ہیں اور قرآنی عقیدہ کو بیان فرمار ہے ہیں اگر ان کا قرآن کی طرف رجوع نہیں تھا تو کیوں انہوں نے قرآنی تعلیم کو اپنا عقیدہ ٹھہرایا۔ دین میں داخل ہونا اور کس کو کہتے ہیں اسی کو تو کہتے ہیں کہ کسی دین کی تعلیموں کو سچ سمجھ کر انہیں کے موافق اپنا اعتقاد ظاہر کرنا۔ پھر باوا نانک صاحب فرماتے ہیں۔

جیتا دیہیں تیتا ہوں کھاؤ بیا در نہیں کے در جاؤ

نانک ایک کہے ارداس جیو پنڈ سب تیرے پاس

یعنی جس قدر تو دیوے اسی قدر ہم کھاتے ہیں دوسرا دروازہ نہیں جس پر جاویں نانک ایک ہی عرض کرتا ہے کہ روح اور جسم سب تیرے پاس ہیں یہ مضمون نانک صاحب نے ان آیات قرآنی سے لیا ہے۔ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ [1] اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ [2] یعنی ہم نے تمہارے کھانے پینے اور دوسری حاجات کی چیزیں تم میں تقسیم کر دی ہیں کسی کو تھوڑی اور کسی کو بہت دی ہیں اور بعض کا بعض سے مرتبہ زیادہ کر دیا ہے اور خدا تعالیٰ کے ملک سے جو زمین و آسمان ہے تم باہر نہیں جا سکتے۔ جہاں جاؤ گے خدا کا غلبہ تمہارے ساتھ ہوگا۔ ب دیکھو باوا صاحب نے صریح ان آیتوں سے اپنا مضمون بنایا ہے اور یہ مضمون **اواگون** کے عقیدے سے بالکل مخالف ہے کیونکہ اواگون والا یہ نہیں کہے گا کہ رزق کی کمی بیشی خدا تعالیٰ کی تقدیر سے ہے بلکہ وہ تو اپنی تمام عزت اور ذلت کو اپنے پہلے عملوں کی طرف منسوب کرے گا۔ اور روحوں کا خالق خدا تعالیٰ کو کبھی نہ مانے گا۔ پھر باوا نانک صاحب فرماتے ہیں۔

تیرا حکم نہ جاپے کیتر الکھ نہ جانے کو جے سو شاعر میلئے تل نہ پوجاوے ہو

یعنی تیرے حکم کی تعداد کسی کو معلوم نہیں اگر سو شاعر جمع کریں تو ایک تل بھر بھی پورا نہ کر سکیں

[1] الزخرف:۳۳ [2] الرحمٰن:۳۴

اب آپ لوگ ذرا غور کر کے دیکھیں کہ یہ مضمون باوا صاحب نے قرآن شریف کی اس آیت ﴿۱۰۳﴾
سے لیا ہے۔ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا [1] یعنی کہہ کہ اگر خدا کے کلموں کیلئے سمندر کو سیاہی بنایا جاوے تو سمندر ختم ہو جائے گا قبل اس کے جو خدا کے کلمے ختم ہوں اگرچہ کئی ایک سمندر اسی کام میں اور بھی خرچ ہو جاویں۔

پھر باوا صاحب اسی شبد کے آخر میں کہتے ہیں۔

قیمت کنے نہ پائیا سب سن سن آکھن سو

یعنی خدا کی اصل حقیقت کا اندازہ کسی کو معلوم نہیں صرف سماعی باتوں پر مدار رہا مطلب یہ کہ ایمان کے طور پر خدا کو مانا گیا مگر اصل کنہ اس کی کسی کو معلوم نہ ہوئی۔ یہ شعر درحقیقت اس آیت کا ترجمہ ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ [2]

یعنی خدا کو آنکھیں نہیں پاسکتیں اور وہ آنکھوں کو پاسکتا ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی کنہ کوئی عقل دریافت نہیں کرسکتی پھر باوا صاحب ایک شبد میں گرنتھ میں فرماتے ہیں۔

پیر پیغمبر سالک سہدے اور شہید شیخ مشائخ قاضی ملا در درویش رسید

برکت تن کو اگلی پڑھدے رہن درود

یعنی جس قدر پیر پیغمبر اور سالک اور شہید گذرے اور شیخ مشائخ اور قاضی ملا اور نیک درویش ہوئے ہیں ان میں سے انہیں کو برکت ملے گی جو جناب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ یہ اشارہ اس آیت کی طرف ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا [3] قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ [4]

یعنی اللہ اور تمام فرشتے اس کے اس نبی پر درود بھیجتے ہیں اے وے لوگو جو ایمان دار ہو تم بھی اس پر درود اور سلام بھیجو۔ اے نبی ان کو کہہ دے کہ اگر تم خدا سے پیار کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تا خدا بھی تم سے پیار کرے اور تمہارے گناہ بخش دیوے۔ اب ناظرین غور سے دیکھیں۔

[1] الکہف:۱۱۰ [2] الانعام:۱۰۴ [3] الاحزاب:۵۷ [4] آل عمران:۳۲

﴿۱۰۴﴾ کہ باوا صاحب نے یہ تمام شبد انہیں آیتوں سے نقل کئے ہیں قبول نہ کرنا اور دانستہ ضد کرنا یہ اور بات ہے ورنہ باوا صاحب کا منشاء آفتاب کی طرح چمک رہا ہے کہاں تک اس کو کوئی چھپاوے اور کب تک اس کو کوئی پوشیدہ کرے اور پھر ایک اور شبد میں باوا صاحب فرماتے ہیں۔

پوچھ نہ ساجی پوچھ نہ ڈھائی پوچھ نہ دیوے لئے

اپنی قدرت آپے جانے آپے کرن کرے

سبناں دیکھے ندر کرے جے بھاوے تین دے

یعنی نہ پوچھ کر وہ بناتا ہے اور نہ پوچھ کر وہ فنا کرتا ہے اپنی قدرت آپ ہی جانے اور آپ ہی کاموں کا کرنے والا ہے سب کو دیکھتا ہے نظر کرتا ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اب پوشیدہ نہ رہے کہ یہ شبد مفصلہ ذیل آیات سے لیا گیا ہے۔

كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا [1] لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِىٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا [2] اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ [3] قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ [4]

یعنی خدا اپنے کاموں کا آپ ہی وکیل ہے کسی دوسرے کو پوچھ پوچھ کر احکام جاری نہیں کرتا اسکا کوئی بیٹا نہیں اور اسکے ملک میں اسکا کوئی شریک نہیں اور ایسا کوئی اسکا دوست نہیں جو درماندہ ہو کر اس نے اسکی طرف التجا کی اسکو نہایت بلند سمجھ اور اسکی نہایت بڑائی کر۔ اللہ باریک نظر سے اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے جسکو چاہتا ہے دیتا ہے۔ ہر یک جان پر وہ کھڑا ہے اسکے عمل مشاہدہ کر رہا ہے پھر ایک اور شعر باوا صاحب کا ہے۔

سُن من بھولے باورے گور کی چرنی لاگ

ہر جپ نام دھائے توں جم ڈر پی دکھ بھاگ

یعنی اے نادان دل مرشد کے قدم پر لگ جا اللہ کے نام کا وظیفہ کر ملک الموت ڈر جائے گا اور

[1] النساء: ۱۳۳ [2] بنی اسرائیل: ۱۱۲ [3] الشوریٰ: ۲۰ [4] الرعد: ۳۴

﴿۱۰۵﴾ دکھ بھاگ جائے گا یہ تمام شبداس آیت قرآنی کا ترجمہ ہے۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔[1] فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۔[2] یعنی جو لوگ خدا کے ہو رہتے ہیں۔ ان کو کسی کا خوف باقی نہیں رہتا اور وہ غم نہیں کرتے سو تم خدا تعالیٰ کی طرف بھاگو۔

اسی طرح ایک اور شعر باوا صاحب کا ہے اور وہ یہ ہے۔

شبد مرے سو مر رہے پھر مرے نہ دوجی وار
شبد ہی تین پائی ہرنامے لگے پیار

یعنی جو شخص خدا تعالیٰ کے کلام کی پیروی میں مر رہے ایسے لوگ پھر نہیں مریں گے خدا کی کلام سے خدا ملتا ہے اور اس سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ یہ شعر باوا صاحب کا ان آیات سے لیا گیا ہے۔ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ۔[3] لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۔[4]

یعنی متقی امن کے مقام میں آ گئے وہ بجز پہلی موت کے جو ان پر وارد ہوگئی پھر موت کا مزہ نہیں چکھیں گے اور خدا ان کو جہنم کے عذاب سے بچائے گا اس میں بھید یہ ہے کہ مومن متقی کا مرنا چارپایوں اور مویشی کی طرح نہیں ہوتا بلکہ مومن خدا کیلئے ہی جیتے ہیں اور خدا کیلئے مرتے ہیں اسلئے جو چیزیں وہ خدا کیلئے کھوتے ہیں ان کو وہ واپس دی جاتی ہیں جیسا کہ **امام المومنین سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم** کے حق میں اللہ جلّ شانہٗ نے فرمایا۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔[5] یعنی کہہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا مرنا اور میرا جینا سب اللہ تعالیٰ کیلئے ہے اور اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔

فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔[6]

یعنی جو لوگ میری کلام کی پیروی کریں نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں سو یہ موتیں اور ذلتیں جو دنیا پرستوں پر آتی ہیں۔ ان موتوں کے خوف سے وہ لوگ رہائی پا جاتے ہیں۔ جو کہ خود رضائے الٰہی میں فانی ہو کر روحانی طور پر موت قبول کر لیتے ہیں پھر ایک شعر میں باوا صاحب فرماتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

[1] یونس:۶۳ [2] الذاریات:۵۱ [3] الدخان:۵۲ [4] الدخان:۵۷ [5] الانعام:۱۶۳ [6] البقرۃ:۳۹

﴿۱۰۶﴾

دیاوان دیال توں کر کر دیکھیں ہار دیا کریں پر بھ میل لیہ کہن میں ڈاہ اسار

یعنی تو مہربان دینے والا ہے اور کر کر کے دیکھتا ہے اگر تو مہربانی کرے تو اپنے ساتھ میل لے ایک لمحہ میں ٹہا دے اور اسارے یہ شعر باوا صاحب کا اس آیت قرآنی کے مطابق ہے۔

اَللّٰہُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَہۡدِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یُّنِیۡبُ [1] کُلَّ یَوۡمٍ ہُوَ فِیۡ شَاۡنٍ [2] یعنی خدا جس کو چاہتا ہے اس کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جو اس کی طرف جھکتا ہے اس کو وہ راہ دکھاتا ہے ہر یک دن وہ ہر یک کام میں ہے کسی کو بلاوے اور کسی کو رد کرے اور کسی کو آباد کرے اور کسی کو ویران کرے اور کسی کو عزت دے اور کسی کو ذلت دے اور پھر باوا نانک صاحب کا ایک یہ شعر بھی ہے۔

تیا گی من کی متڑی وساری دوجی بھاوجی او
ایتو پاوے ہر دسا ورنہ لگے تتی واوجیو

یعنی دل کی خواہش کو ترک کر دیوے دوسرا خیال چھوڑ دیوے اس طرح خدا کا دیدار پاوے تو اس کو ہوا گرم نہ لگے۔ یہ شعر اس آیت سے اقتباس کیا گیا ہے۔ فَمَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلۡیَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا یُشۡرِکۡ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖۤ اَحَدًا [3] یعنی جو شخص خدا تعالیٰ کا دیدار چاہتا ہے چاہئے کہ وہ ایسے کام کرے جن میں فساد نہ ہو یعنی ایک ذرہ متابعت نفس اور ہوا کی نہ ہو اور چاہئے کہ خدا کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ کرے نہ نفس کو نہ ہوا کو اور نہ دوسرے باطل معبودوں کو اور پھر دوسری جگہ فرماتا ہے وَ اَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَہَی النَّفۡسَ عَنِ الۡہَوٰی ۔ فَاِنَّ الۡجَنَّۃَ ہِیَ الۡمَاۡوٰی [4] یعنی جو شخص خدا سے ڈرے اور اپنے نفس کو اس کی نفسانی خواہشوں سے روک لیوے۔ سو اس کا مقام جنت ہوگا جو آرام اور دیدار الٰہی کا گھر ہے اور پھر باوا صاحب ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

سب دنیا آون جاونی مقام ایک رحیم

یعنی تمام دنیا فنا ہونے والی ہے ایک خدا باقی رہے گا۔ اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ یہ بالکل اس آیت کے مطابق ہے کہ

کُلُّ مَنۡ عَلَیۡہَا فَانٍ ۔ وَّ یَبۡقٰی وَجۡہُ رَبِّکَ ذُو الۡجَلٰلِ وَ الۡاِکۡرَامِ [5]

[1] الشوریٰ:۱۴ [2] الرحمٰن:۳۰ [3] الکہف:۱۱۱ [4] النازعات:۴۱،۴۲ [5] الرحمٰن:۲۷،۲۸

﴿۱۰۷﴾ یعنی ہریک چیز فنا ہونے والی ہے اور ایک ذات تیرے رب کی رہ جائے گی۔ اور پھر باوا صاحب ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

گورمکھ تول تلاسی سچ ترُاجی تول اسا منسا موہنی گورٹھا کے سچ بول

یعنی خدا سچے ترازو سے تولے گا پورا پورا تول۔ اور امید اور طول امل تجھ کو برباد کر رہے ہیں ایک خدا کو مضبوط پکڑ لے اور سچ بول۔ اب دیکھو باوا صاحب نے وہ عقیدہ اس جگہ ظاہر کیا ہے جو قرآن نے مسلمانوں کو عقیدہ سکھلایا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں وارد ہے۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ۣ الْحَقُّ [۱] وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا [۲] يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا [۳] وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا [۴]

یعنی اس دن اعمال تولے جائیں گے اور ایک تاگے کے برابر کسی پر زیادتی نہیں ہوگی۔ اے وے لوگو جو ایمان لائے ہو خدا سے ڈرو اور وہ باتیں کیا کرو جو سچی اور راست اور حق اور حکمت پر مبنی ہوں۔ اور خدا کو یاد کر اور اس کی طرف جھکا رہ۔ اور پھر باوا نانک صاحب ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

ورناں ورن بھانے جے کئی وڈا کرے

اے وڈے ہتھ وڈیاں جے بھاوے تن دے

یعنی طرح طرح کی اس کی تقدیر ہے جس کو چاہے بڑا کرے اسی بڑے کے ہاتھ بڑائیاں ہیں جس کو چاہے دیدے۔ اب دیکھو ایسے طور سے تقدیر کو ماننا خاص اسلام کا اعتقاد ہے اور یہی تعلیم تمام قرآن میں بھری پڑی ہے اور ہریک عزت اور ذلت خدا تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے جس کو چاہتا ہے عزیز بنا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے مگر وید کے ماننے والوں کا یہ ہرگز اعتقاد نہیں وہ تو انسان کے ذرہ ذرہ رنج اور راحت کو کسی پہلے نامعلوم جہنم☆ کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا [۵]۔ یعنی آپ خدا نے ہریک چیز کو پیدا کیا اور اس کا اندازہ بھی آپ اپنے اختیار سے مقرر کر دیا اور نیز فرماتا ہے۔ مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا [۶] یعنی کوئی حادثہ نہ زمین پر نازل ہوتا ہے اور نہ تمہاری جانوں پر مگر وہ سب لکھا ہوا ہے۔

[۱] الاعراف:۹ [۲] النساء:۵۰ [۳] الاحزاب:۷۱ [۴] المزمل:۹ [۵] الفرقان:۳ [۶] الحدید:۲۳

☆ ایڈیشن اول میں سہو کاتب سے ''جہنم'' لکھا گیا ہے درست ''جنم'' ہے (ناشر)

﴿۱۰۸﴾ یعنی مقدر ہے اور ایسا ہی اللہ جلّ شانہٗ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ [۱] یعنی خدا جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔

پھر باوا صاحب ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

آپے نیڑے دور آپے منجھ میان
آپے دیکھے سُنے آپے قدرت کرے جہان

یعنی وہ آپ ہی نزدیک ہے اور آپ ہی دور ہے اور آپ ہی درمیان ہے اور آپ ہی دیکھتا سنتا اور آپ ہی قدرت سے جہان بنایا۔ اب ناظرین دیکھیں اور سوچیں کہ اس اعتقاد کو وید کے اعتقاد سے کچھ بھی نسبت نہیں۔ وید کا یہ اعتقاد ہرگز نہیں کہ تمام جہان کو خدا نے قدرت سے پیدا کیا یہ تعلیم اسی کتاب کی ہے جس میں یہ لکھا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ [۲] یعنی سب تعریفیں اللہ کی ذات کو ہیں جس نے تمام عالم پیدا کئے اور اسی نے فرمایا۔ ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ [۳] ھُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰہٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰہٌ [۴] وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ [۵] وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ [۶]۔ یعنی وہ پہلے بھی ہے اور پیچھے بھی اور ظاہر بھی ہے اور چھپا ہوا بھی وہ آسمان میں ہے یعنی دور ہے اور زمین میں ہے یعنی نزدیک ہے اور جب میرے پرستار تجھ سے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں یعنی دوستوں کیلئے نزدیک اور دشمنوں کے لئے دور اور جانوں کہ خدا انسان اور اس کے دل کے درمیان آجاتا ہے یعنی جیسا کہ دور اور نزدیک ہونا اس کی صفت ہے۔ ایسا ہی درمیان آجانا بھی اس کی صفت ہے۔

پھر باوا نانک صاحب گرنتھ صاحب میں ایک شبد میں فرماتے ہیں۔

توں مار جوالیں بخش ملا جیوں بھاویں تیوں نام جپا

یعنی تو مار کر زندہ کرنے والا ہے اور گناہ بخش کر پھر اپنی طرف ملانے والا جس طرح تیری مرضی ہو اسی طرح تو اپنی پرستش کراتا ہے۔ اب ہر یک شخص سوچ لے کہ یہ عقیدہ اسلام کا ہے یا آریوں کا آریہ صاحبان بھی اگر چاہیں تو گواہی دے سکتے ہیں کہ وید کی رو سے جی اٹھنا ثابت نہیں اور نیز

[۱] ال عمران:۲۷ [۲] الفاتحۃ:۲ [۳] الحدید:۴ [۴] الزخرف:۸۵ [۵] البقرۃ:۱۸۷ [۶] الانفال:۲۵

﴿۱۰۹﴾ یہ بھی ثابت نہیں کہ پرمیشر توبہ قبول کر لیتا ہے اور گناہ بخش دیتا ہے یہ تو عقیدہ اسلام کا ہے جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۔ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ۙ[۱] غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ [۲]

یعنی انسان کہتا ہے کہ ایسی ہڈیوں کو کون نئے سرے زندہ کرے گا جو سڑ گل گئی ہوں ان کو کہہ دے وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اور وہ ہر یک طور سے پیدا کرنا جانتا ہے گناہوں کو بخشتا اور توبہ قبول کرتا ہے۔ اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ [۳] یعنی تم اس خدا سے کیوں انکار کرتے ہو جس نے تمہیں موت کے بعد زندگی بخشی پھر تمہیں موت دیگا اور پھر زندہ کرے گا اور پھر اس کی درگاہ میں حاضر کئے جاؤ گے۔

غرض باوا صاحب کا تمام کلام اسلام کے عقیدے سے ملتا ہے اور اگر کوئی شخص بشرطیکہ متعصب نہ ہو ایک سرسری نظر سے بھی دیکھے تب بھی وہ حق الیقین کی طرح سمجھ جائے گا کہ باوا صاحب کا کلام قرآنی تعلیم اور قرآنی حقائق معارف کے رنگ سے رنگ پذیر ہے اور وہ تمام ضروری عقیدے اسلام کے جو قرآن شریف میں درج ہیں باوا صاحب کے کلام میں مذکور ہیں۔ پس اس جگہ بالطبع یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر باوا صاحب نے وید کو ترک کرنے کے بعد اسلام کی طرف رجوع نہیں کیا تھا تو پھر انہوں نے اسلام کے عقیدے کیوں اختیار کر لئے تمام جہان کی کتابیں اکٹھی کر کے دیکھو باوا صاحب کے اشعار اور ان کے منہ کی باتیں بجز قرآن شریف کے اور کسی کتاب کے ساتھ مطابقت نہیں کھائیں گی اور اسی پر بس نہیں بلکہ باوا صاحب نے تو علانیہ کہہ دیا کہ بجز متابعت حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی نجات نہیں چنانچہ ہم ابھی اس رسالہ میں بعض محقق انگریزوں کی شہادت بھی اس بارہ میں پیش کریں گے اور ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ باوا صاحب کی اصل سوانح دریافت کرنے کیلئے چولہ صاحب نہایت عمدہ رہنما ہے جس پر صدہا سال سے اتفاق چلا آتا ہے باوا صاحب کی وفات کے بعد

[۱] یٰسٓ: ۷۹، ۸۰ [۲] المؤمن: ۴ [۳] البقرۃ: ۲۹

﴿۱۱۰﴾ انؔ کے گھر سے نہ کوئی وید نکلا اور نہ کوئی شاستر برآمد ہوا اور نہ وہ گرنتھ کے اشعار اپنے گھر میں لکھ کر چھوڑ گئے اور نہ کسی دیوتے یا دیوی کی مورت برآمد ہوئی نکلا تو چولہ صاحب نکلا جس کی تمام زمین زری کے کام کی طرح قرآنی آیات سے بھری ہوئی ہے۔ باوا صاحب سے سچی محبت کرنے والوں کو چاہیئے کہ اس بات کو ردی کی طرح پھینک نہ دیں۔ اگر چولہ صاحب پُر برکت یادگار نہ ہوتی تو کبھی کا ضائع ہو جاتا ایک طرف چولہ صاحب کو دیکھئے اور دوسری طرف انگد صاحب کی جنم ساکھی نے اس بات کو تصدیق کر لیا ہے کہ جو کلام چولہ پر لکھا ہوا ہے وہ قدرت کے ہاتھ سے لکھا گیا ہے۔ اب سوچ لو کہ جو قدرت کے ہاتھ سے لکھا گیا وہ کس کا کلام ہوا خدا کا یا انسان کا۔ غرض بھائی بالا صاحب کی جنم ساکھی جو اسی زمانہ میں لکھی گئی تصدیق کرتی ہے کہ **قرآن خدا کا کلام** ہے پس کیا اس سے زیادہ کوئی اور بھی ثبوت ہوگا کہ چولہ صاحب اس وقت سے اب تک موجود ہے اور **انگد صاحب** کی جنم ساکھی بھی اس وقت سے اب تک موجود ہے ہم اپنے گھر سے کوئی چیز پیش نہیں کرتے۔ **چولہ صاحب بھی آپ کے پاس موجود ہے** اور جنم ساکھی **انگد صاحب** کی بھی آپ کے پاس موجود ہے۔ **آپ چاہو رد کرو خواہ قبول کرو۔**

باوا نانک صاحب کی وفات کے متعلق بعض واقعات

جبکہ ہم نے نہایت پختہ دلائل سے باوا صاحب کا اسلام اس کتاب میں ثابت کیا تو یہ بھی قرین مصلحت دیکھا کہ باوا صاحب کے وقت وفات پر بھی کچھ بحث کی جائے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جس شخص نے اپنے مذہبی عقائد سے ہاتھ نہ دھویا ہو اور اپنی قوم کے پرانے عقیدہ پر پختہ ہو اور اسی پر اس کا انتقال ہو تو اس کے اخیر وقت پر جو اس کی زندگی کے دائرہ کا آخری نقطہ ہے ہر یک خویش و بیگانہ معلوم کر لیتے ہیں جو اپنی قوم کے مذہب پر ہی اس کا خاتمہ ہوا۔ اگر کوئی غیر شخص اس کے فوت ہونے کے وقت خواہ نخواہ اس کی قوم کا جا کر مزاحم ہو کہ یہ شخص ہمارے مذہب میں تھا اس کی لاش ہمارے حوالہ کرو تا اس کو ہم اپنے

طریق پر دفن کریں۔ اور اپنے مذہب کے رو سے جنازہ وغیرہ جو کچھ مذہبی امور ہوں بجالاویں تو ﴿۱۱۱﴾
اس کی وہ بات سخت اشتعال کا موجب ہوگی اور کچھ تعجب نہیں کہ قوم مشتعل ہو کر اس گستاخ اور
بےادب کو مار پیٹ کر کے نہایت ذلت سے سزا دیں کیونکہ ایسا دعویٰ صرف شخص متوفی کی ذات
پر ہی مؤثر نہیں بلکہ اس دعویٰ سے ساری قوم کی سبکی ہوتی ہے اور نیز اس مذہب کی توہین بھی متصوّر
ہے۔ اب ہم جب دیکھتے ہیں کہ باوا نانک صاحب کی وفات پر کوئی اس قسم کا ماجرا پیش آیا
یا نہیں اور اگر پیش آیا تو قوم کے بزرگوں نے اس وقت کیا کیا تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ ان کی
وفات کے وقت ہندو مسلمانوں کا ضرور جھگڑا ہوا تھا۔ ہندو باوا صاحب کی نعش کو جلانا چاہتے تھے
اور مسلمان ان کے اسلام کے خیال سے دفن کرنے کیلئے اصرار کرتے تھے اس تکرار نے ایسا طول
کھینچا کہ جنگ تک نوبت پہنچی انگریزی مورخ سب اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ مسلمانوں
نے آ کر نہایت زور کے ساتھ دعویٰ کیا کہ باوا صاحب ہم میں سے تھے ان کی نعش ہمارے حوالہ
کرو۔ تا اسلام کے طریق پر ہم ان کو دفن کریں۔ پھر تعجب یہ کہ باوا صاحب کی قوم کے بزرگوں
میں سے جن کے سامنے یہ دعویٰ ہوا اس بات کا ردّ کوئی بھی نہیں کر سکا کہ ایسا دعویٰ کیوں کیا جاتا
ہے کہ باوا صاحب مسلمان تھے بلکہ قوم کے بزرگ اور دانشمندوں نے بجائے رد کے یہ بات
پیش کی کہ باوا صاحب کی نعش چادر کے نیچے گم ہوگئی ہے اب ہندو مسلمان نصف نصف چادر لے
لیں اور اپنی اپنی رسوم ادا کریں۔ چنانچہ مسلمانوں نے نصف چادر لے کر اس پر نماز جنازہ پڑھی
اور دفن کر دیا☆ اور ہندوؤں نے دوسرے نصف کو جلا دیا۔ یہ انگریزی مورخوں نے سکھ صاحبوں

☆ نوٹ۔ باوا صاحب کا جنازہ پڑھا جانا بہت قرین قیاس ہے کیونکہ گرنتھ صاحب میں ایک شعر ہے جس میں باوا صاحب نے
بطور پیشگوئی کے اپنا جنازہ پڑھے جانے کے بارہ میں فرما دیا ہے جیسا کہ وہ فرماتے ہیں۔
دنیا مقام فانی تحقیق دل دانی۔ مم سر موعزرائیل گرفتہ دل ہیچ ندانی۔ زن پسر پدر برادران کس نیست دستگیر۔ آخر بیفتم کس ندارد و
چوں شود تکبیر۔ یعنی دنیا فنا کا مقام ہے یہ تحقیقی بات ہے اس کو دل سے سمجھ۔ میرے سر کے بال عزرائیل کے ہاتھ میں ہیں اے دل
تجھے کچھ بھی خبر نہیں عورت لڑکا باپ بھائی کوئی بھی دستگیری نہیں کر سکتا۔ آخر جب تکبیر یعنی نماز جنازہ میرے پر پڑھی جائے گی تو
میں اس وقت بیکس ہوں گا اور بیکس ہو کر گرا ہوا ہوں گا۔ اب تکبیر کا لفظ ایسا کھلا ہے کہ ہر یک جانتا ہے کہ موت کے وقت تکبیر انہیں
کیلئے ہوتی ہے جن کا جنازہ پڑھتے ہیں۔ منہ

﴿۱۱۲﴾ کی معتبر کتابوں سے لکھا ہے اور ساتھ اس کے یہ بھی بیان کیا ہے کہ قیاس میں آتا ہے کہ کوئی مرید نعش کو پوشیدہ طور پر نکال کر لے گیا ہوگا لیکن ایسے مورخوں کو سوچنا چاہیئے تھا کہ یہ عجیب قصہ باوا صاحب کی وفات کا اور پھر ان کی نعش کے گم ہونے کا حضرت مسیح علیہ السلام کے قصہ سے بہت ملتا ہے کیونکہ یہی واقعہ وہاں بھی پیش آیا تھا اور حضرت مسیح کی نعش کے چورایا جانے کا اب تک یہودیوں کو شبہ چلا جاتا ہے چنانچہ انجیل متی ۲۷ باب ۶۲ آیت میں ہے کہ دوسرے روز جو تیاری کے دن کے بعد ہی سردار کاہنوں اور فریسیوں نے مل کر پلاطس کے پاس جمع ہو کے کہا کہ (۶۳) اے خداوند ہمیں یاد ہے کہ وہ دغا باز (یعنی حضرت مسیح) اپنے جیتے جی کہتا تھا کہ میں تین دن بعد جی اٹھوں گا۔ (۶۴) اسلئے حکم کر کہ تیسرے دن تک قبر کی نگہبانی کریں۔ نہ ہو کہ اس کے شاگرد رات کو آ کر اسے چرا لے جائیں اور لوگوں سے کہیں کہ وہ مردوں میں سے جی اٹھا ہے تو یہ پچھلا فریب پہلے سے بدتر ہوگا۔ غرض جب اسی الزام کے نیچے عیسائی صاحبوں کا عقیدہ بھی ہے تو پھر باوا نانک صاحب کے قصہ پر یہ اعتراض بے جا ہے بالخصوص جب باوا صاحب کے گرنتھ میں اس قسم کے شعر بھی پائے جاتے ہیں کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کی محبت میں مرے ہوئے ہوں وہ پھر بھی زندہ ہو جایا کرتے ہیں تو ایسے شعران کے اس واقعہ کے اور بھی موید ٹھہرتے ہیں۔ اگر یہ خیال درست بھی ہو کہ درپردہ کوئی مرید باوا صاحب کی نعش نکال کر لے گیا تھا۔ تو کچھ شک نہیں کہ ایسا مرید کوئی مسلمان ہوگا۔ اس پر ایک قرینہ تو یہ ہے کہ مسلمانوں میں ایک جھوٹی قبر بنانا اور صرف کپڑا دفن کرنا اور اس کو قبر سمجھنا ایک فریب اور گناہ میں داخل ہے مسلمان ہرگز ایسا نہیں کر سکتے اور اگر ان کو صرف چادر ملتی تو وہ تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھتے اور ہرگز نہ چاہتے کہ اس کو دفن کریں بجائے نعش کے چادر یا کسی اور کپڑہ کا دفن کرنا کسی جگہ اسلام میں حکم نہیں اور نہ قرآن اور حدیث میں اس کا کچھ نشان پایا جاتا ہے بلکہ یہ دجل اور فریب کے قسم میں سے ہے جو شریعت اسلام میں کسی طرح جائز نہیں دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اس وقت پنجاب میں حنفی مذہب کے مسلمان تھے اور حنفی مذہب کی رو سے بجز حاضری نعش کے نماز جنازہ درست نہیں پھر ان حنفی مسلمانوں نے جبکہ باوا صاحب کی نماز جنازہ

پڑھی تو اس صورت میں ماننا پڑتا ہے۔ کہ کسی طرح باوا صاحب کی نعش پر ان مسلمانوں کا قبضہ ﴿۱۱۳﴾
ہوگیا تھا اور پھر ہندوؤں کے آنسو پونچھنے کیلئے اس قصہ کو پوشیدہ رکھا گیا۔ اسی لئے باوا صاحب کا
کریا کرم ہونا ثابت نہیں مگر بالاتفاق جنازہ ثابت ہے اور باوا صاحب کی یہ پیشگوئی کہ میرا جنازہ
پڑھا جائے گا اسی صورت میں کامل طور پر تکمیل پاتی ہے کہ جب کہ نعش کی حاضری میں جیسا کہ
عام دستور ہے جنازہ پڑھا گیا ہو لیکن یہ دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ باوا صاحب کی نعش ہرگز جلائی
نہیں گئی۔ کیونکہ نعش کا جلانا کسی طرح مخفی نہیں رہ سکتا۔ اگر نعش کو جلاتے تو باوا صاحب کے پھول
بھی گنگا میں پہنچاتے یا کریا کرم بھی کرتے مگر ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ پھر ایک تیسرا قرینہ یہ ہے کہ باوا
صاحب جنم ساکھی کلاں یعنی انگد کی جنم ساکھی میں دفن کئے جانا پسند کرتے ہیں اس سے صاف
طور پر نکلتا ہے کہ باوا صاحب نے پوشیدہ طور پر دفن کئے جانے کیلئے اپنے مرید مسلمانوں کو
وصیت کی ہوگی کیونکہ انسان جس چیز کو پسند کرتا ہے اس کے حاصل کرنے کیلئے تدبیر بھی کرتا ہے
اور ایسے موقعہ پر بجز وصیت کے اور کوئی تدبیر نہیں۔

پھر ہم اصل مطلب کی طرف عود کر کے لکھنا چاہتے ہیں کہ باوا صاحب کی وفات
کے وقت جب بعض مسلمانوں نے باوا صاحب کے وارثوں کے پاس آ کر جھگڑا کیا کہ
باوا صاحب مسلمان تھے اور ہم اسلام کے طور پر ان کی گور منزل کریں گے تو جس قدر
بزرگ باوا صاحب کے جانشینوں اور دوستوں اور اولاد میں سے وہاں بیٹھے تھے کوئی ان کی
بات پر ناراض نہ ہوا۔ اور کسی نے اٹھ کر یہ نہ کہا کہ اے نالائقو! نادانو اور آنکھوں کے
اندھو اور بے ادبو!!! یہ تم کیسے بکواس کرنے لگے۔ کیا باوا صاحب مسلمان تھے تا ان کی نعش
ہم تمہارے سپرد کر دیں اور تم اس پر جنازہ پڑھو اور دفن کرو۔ اے احمقو!!! کیا تمہیں معلوم
نہیں وہ تو اسلام کے سخت دشمن تھے اور تمہارے نبی کو جس کی شرع کی رو سے تم جنازہ

نوٹ۔ جنم ساکھی کلاں صفحہ ۲۰۲۶ میں باوا صاحب کا یہ شعر قبر کے بارے میں ہے

داغ پوتر دھرتری جو دھرتی ہوے سمائے تان نکٹ نہ آوے دوزخ سندی بھا
یعنی جو لوگ داغ سے پاک ہو کر قبر میں داخل ہوئے دوزخ کی بھاپ ان کے نزدیک بالکل نہیں آئے گی۔ منہ

﴿۱۱۴﴾ پڑھنا چاہتے ہو جھوٹا جانتے تھے اور گندی گالیاں نکالا کرتے تھے بلکہ چاہئے تھا کہ قوم کے بزرگ ایسی بے ادبی سے سخت جوش میں آ کر ایسے جاہلوں کو دو چار سوٹے لگا دیتے اور دروغ گو کو اس کے گھر تک پہنچانے کیلئے چند شعر باوا صاحب کے ان کو سنا دیتے جن میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہوتی کم سے کم وہ شعر تو ضرور سنانے چاہئے تھے جو پرچہ خالصہ بہادر تیس ستمبر ۱۸۹۵ء میں صفحہ ۵و۶ میں درج ہیں مگر یہ کیا بھول کی بات ہوگئی کہ ان بزرگوں نے ان گستاخوں اور جھوٹوں اور بے ادبوں کو نہ ڈنڈوں کی مار کی نہ جھڑ کا نہ گالیاں دیں اور نہ باوا صاحب کے ایسے شعر ان کو سنائے جن سے ثابت ہوتا ہو کہ وہ اسلام سے سخت بیزار تھے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا نبی اور سچا پیغمبر نہیں سمجھتے تھے۔ اور شعر بنا بنا کر گالیاں دیا کرتے تھے۔ بلکہ ان بزرگوں نے جب مسلمانوں کی یہ درخواست سنی کہ ہم باوا صاحب کی نعش پر جنازہ ہی پڑھیں گے تو ذرہ بھی یہ جواب نہ دے سکے کہ تمہیں جنازہ پڑھنے کا کیا استحقاق ہے اور ایک ہندو جو اسلام کا مکذب ہے کیوں مسلمان اس کا جنازہ پڑھیں بلکہ انہوں نے ایک عذر درمیان لا کر جس کی حقیقت خدا کو معلوم ہے باوا صاحب کی چادر کو نصفا نصف کر کے ہندو مسلمان دونوں کو دیدیا تا مسلمان اس پر جنازہ پڑھ کے دفن کریں اور ہندو اس کو جلا دیں اور معلوم ہوتا ہے کہ باوا صاحب بھی مسلمانوں کی رعایت کرنا چاہتے تھے ورنہ کیا ضرور تھا کہ ان کا جسم گم ہوتا سو جسم اسی لئے گم ہوا کہ تا ہندو ان کی نعش پر قابض نہ ہوں اور جسم گم ہونے کے اشارہ سے باوا صاحب کا مذہب سمجھ لیں غرض جن بزرگوں نے اپنی خوشی اور رضا سے مسلمانوں کو جنازہ پڑھنے اور دفن کرنے کیلئے چادر کا نصف ٹکڑا دے دیا۔ ان کی یہ عملی کارروائی صاف شہادت دیتی ہے کہ وہ بدل اس بات پر راضی ہوگئے کہ اگر مسلمان لوگ باوا صاحب کو مسلمان سمجھتے ہیں تو ان کا اختیار ہے کہ ان کو مسلمان سمجھیں اور ان پر جنازہ پڑھیں اور نہ صرف راضی ہوئے بلکہ چادر کا ٹکڑا دے کر ان کو جنازہ پڑھنے کی ترغیب بھی دی۔ پھر جس صورت میں وہ بزرگ جنہوں نے باوا صاحب کو دیکھا تھا ان لوگوں پر ناراض نہ ہوئے جنہوں نے باوا صاحب کو مسلمان قرار دیا ان پر جنازہ پڑھا ان کی قبر بنائی بلکہ انہوں نے چادر کا نصف ٹکڑا

دے کر آپ چاہا کہ وہ لوگ اپنے خیال کو پورا کریں تو اب ہم منصف مزاج سکھ صاحبوں سے ﴿۱۱۵﴾
پوچھتے ہیں کہ جو تحریر پرچہ **خیر خواہ عام** امرت سر مرقومہ ۲۶؍اکتوبر ۱۸۹۵ء میں اس **مضمون** کی
چھپی ہے کہ کچھ عجب نہیں کہ **ست بچن** کا زہرا گلا ہوا ایک نئی رست خیز کے باعث ہو اور ایک
دوسرے ۱۸۵۷ء کا پیش خیمہ ہو۔ کیا یہ ان بزرگوں کی رائے اور خیال کے موافق ہے جنہوں
نے جانشینی کے پہلے موقعہ میں ہی نہایت نرمی سے یہ فیصلہ دیا کہ مسلمان اپنے زعم اور خیال کے
موافق باوا صاحب کی گور منزل کریں اور ہندو اپنے زعم کے موافق کریں تو کیا اس فیصلہ کا
خلاصہ مطلب یہ نہیں تھا کہ باوا نانک صاحب کی نسبت ہر یک شخص ہندوؤں اور مسلمانوں میں
سے اپنی رائے زنی میں آزاد ہے۔ جو لوگ باوا صاحب کو مسلمان خیال کرتے ہیں وہ مسلمان
خیال کریں جنازہ پڑھیں ان کا اختیار ہے اور ہندو جو کریں ان کا اختیار۔ پھر جبکہ باوا صاحب
کے بعد پہلی جانشینی کے وقت میں ہی پہلے جانشیں اور مہاتما آدمیوں کے عہد میں جو بیشک
خداترسی اور عقلمندی اور حقیقت فہمی اور واقعہ شناسی میں آپ صاحبوں سے ہزار درجہ بڑھ کر تھے
یہ فیصلہ ہوا جو **اوپر لکھ چکا ہوں** تو پھر ایسی مقدس چیف کورٹ کے فیصلہ سے جس کی **صداقت** پر
آپ کو بھروسہ چاہئے تجاوز کر کے اس عاجز کی اس رائے کو **ہنگامہ محشر کا نمونہ سمجھنا** کیا ایسا کرنا
اچھے اور شریف آدمیوں کو مناسب ہے اے معزز سکھ صاحبان! آپ یاد رکھیں کہ یہ وہی
مسلمانوں کی طرف سے مدلل دعویٰ ہے جس کی ڈگری آپ کے خداترس بزرگ مسلمانوں کو
دے چکے ہیں اور ان کے حق میں اپنی قلم سے فیصلہ کر چکے ہیں اب ساڑھے تین سو برس کے
بعد آپ کے یہ عذر معذرت خارج از میعاد ہے کیونکہ **مقدمہ ایک بااختیار عدالت سے انفصال**
پاچکا ہے اور وہ حکم قریباً چار۴۰۰سو برس تک واقعی اور صحیح مانا گیا ہے اور آج تک کوئی جرح یا حجت اس
کی نسبت پیش نہیں ہوئی تو کچھ شک نہیں کہ اب وہ ایک **ناطق فیصلہ** قرار پا گیا جس کی ترمیم تنسیخ
آپ کے اختیار میں نہیں۔ آپ لوگ ان بزرگوں کے جانشین ہیں جو اس جھگڑے کے اول مرتبہ
کے وقت مسلمان دعویداروں سے نہایت نرمی سے پیش آئے تھے اور ایک ذرہ بھی ہندوؤں

﴿۱۱۶﴾

کا لحاظ نہیں کیا تھا سو ہم لوگ آپ کے دلی انصاف سے وہی امید رکھتے ہیں جس کا نمونہ آپ صاحبوں کے معزز بزرگوں اور حلیم مزاج گوروؤں سے ہمارے بھائی دیکھ چکے ہیں اور آپ صاحبوں پر یہ پوشیدہ نہیں کہ یہ رائے ہماری کچھ جدید رائے نہیں جس صورت میں ان روشن ضمیر بزرگوں نے اس رائے کو نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جن کے سامنے یہ واقعات موجود تھے بلکہ مسلمانوں کے دعویٰ کو قبول کیا۔ تو آپ صاحبوں کو بہر حال ان کے نقش قدم پر چلنا چاہئے اور مجھ سے پہلے یہی رائے بڑے بڑے محقق انگریز بھی دے چکے ہیں اور وہ کتابیں برٹش انڈیا میں شائع بھی ہو چکی ہیں ہاں ہم نے تمام دلائل کو اس رسالہ میں جمع کر دیا ہے۔ غرض ہماری یہ رائے ہے جو نہایت نیک نیتی سے کامل تحقیقات کے بعد ہم نے لکھی ہے اور ہم امید رکھتے ہیں کہ آپ انکار کے وقت جلدی نہ کریں اور ان عالیشان بزرگوں کو یاد کریں جو آپ سے پہلے فیصلہ دے چکے ہیں اور نیز آپ ان حلیم بزرگوں کے بزرگ اخلاق یاد کریں جنہوں نے دعویدار مسلمانوں کو درشتی سے جواب نہ دیا اور مسلمانوں کی رائے کو رد نہ کیا اور یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ نعوذ باللہ انہوں نے منافقانہ کارروائی کی ہو اور مسلمانوں کو خوش کر دیا ہو کیونکہ وہ لوگ خداترس اور خدا سے ڈرنے والے اور خدا پر بھروسہ رکھنے والے تھے وہ مخلوق کی کیا پرواہ رکھتے تھے خاص کر ایسے موقعہ پر ہمیشہ کیلئے ایک داغ کی طرح ایک الزام باقی رہ سکتا تھا بلکہ درحقیقت وہ دلوں میں سمجھتے تھے کہ باوا صاحب کا ہندوؤں سے تو فقط یہ تعلق تھا کہ وہ اس قوم میں پیدا ہوئے اور مسلمانوں سے یہ تعلقات تھے کہ درحقیقت باوا صاحب اسلامی برکتوں کے وارث ہو گئے تھے اور ان کا اندر اس **وحدہ لاشریک** کی معرفت اور سچے کرتار کی محبت سے بھر گیا تھا جس کی طرف اسلام بلاتا ہے اور وہ اس نبی کے مصدق تھے جو اسلام کی ہدایت لے کر آیا تھا۔ اسی واقعی علم کی وجہ سے وہ مسلمانوں کو رد نہ کر سکے۔ غرض پہلے ہمارے بھائیوں نے تو ان بزرگوں کے اخلاق کا نمونہ دیکھا اور اب ہم آپ صاحبوں کے اخلاق کا عمدہ نمونہ دیکھنے کیلئے خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور اس بات کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ہم باوا صاحب کی خوبیوں اور بزرگیوں کو مسلمانوں میں شائع کرنا چاہتے ہیں اور یقیناً یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے

﴿۱۱۷﴾

کہ ہماری اس تحریر سے جو حق اور اصل حقیقت پر مشتمل ہے نیک طبع اور سعادت مند مسلمانوں میں صلح کاری اور مدارات کا مادہ آپ لوگوں کی نسبت ترقی کرے گا اور محبت اور اتفاق جس کے بغیر دنیوی زندگی کا کچھ بھی لطف نہیں روز بروز زیادت پذیر ہوگی اور ہمیں باوا صاحب کی بزرگیوں اور عزتوں میں کچھ کلام نہیں اور ایسے آدمی کو ہم درحقیقت خبیث اور ناپاک طبع سمجھتے ہیں جو ان کی شان میں کوئی نالائق لفظ منہ پر لاوے یا توہین کا مرتکب ہو۔

ہم اس بات کو بھی افسوس سے لکھنا چاہتے ہیں کہ جو اسلامی بادشاہوں کے وقت میں سکھ صاحبوں سے اسلامی حکومتوں نے کچھ نزاعیں کیں یا لڑائیاں ہوئیں تو یہ تمام باتیں درحقیقت دنیوی امور تھے اور نفسانیت کے تقاضا سے ان کی ترقی ہوئی تھی اور دنیا پرستی نے ایسی نزاعوں کو باہم بہت بڑھا دیا تھا مگر دنیا پرستوں پر افسوس کا مقام نہیں ہوتا بلکہ تاریخ بہت سی شہادتیں پیش کرتی ہے کہ ہریک مذہب کے لوگوں میں یہ نمونے موجود ہیں کہ راج اور بادشاہت کی حالت میں بھائی کو بھائی نے اور بیٹے نے باپ کو اور باپ نے بیٹے کو قتل کر دیا۔ ایسے لوگوں کو مذہب اور دیانت اور آخرت کی پرواہ نہیں ہوتی اور وہ لوگ دنیا میں بہت ہی تھوڑے گذرے ہیں جو حکومتوں اور طاقتوں کے وقت میں اپنے غریب شریکوں یا پڑوسیوں پر ظلم نہیں کرتے اور ظاہر ظاہر یا پوشیدہ عملی حکمتوں سے دوسری ریاستوں کو تباہ اور نیست و نابود کرنا نہیں چاہتے اور ان کے کمزور اور ذلیل کرنے کی فکر میں نہیں رہتے مگر ہریک فریق کے نیک دل اور شریف آدمی کو چاہیئے کہ خود غرض بادشاہوں اور راجوں کے قصوں کو درمیان میں لاکر خواہ نہ خواہ ان کے بیجا کینوں سے جو محض نفسانی اغراض پر مشتمل تھے۔ آپ حصہ نہ لے وہ ایک قوم تھی جو گذر گئی ان کے اعمال ان کیلئے اور ہمارے اعمال ہمارے لئے۔ ہمیں چاہیئے کہ اپنی کھیتی میں ان کے کانٹوں کو نہ بوئیں اور اپنے دلوں کو محض اس وجہ سے خراب نہ کریں کہ ہم سے پہلے بعض ہماری قوم میں سے ایسا کام کر چکے ہیں ہاں اگر ہم باوجود اپنی دلی صفائی اور سچائی کے اور باوجود اس کے کہ اپنے غیب دان خدا کے روبرو صادق اور قوموں کے ہمدرد ہوں اور کوئی بداندیشی اور کھوٹ ہمارے دل میں نہ ہو پھر بھی کھوٹوں اور بداندیشوں اور مفسدوں میں سے شمار کئے

﴿۱۱۸﴾

جائیں تو اس کا علاج ہمارے پاس کچھ نہیں ؎

توانم کہ ایں عہد و پیماں کنم   کہ جان در رہِ خلق قربان کنم
توانم کہ سر ہم درین رَہ دہم   ولے بدگمان راچہ درمان کنم

اور اب میں مناسب دیکھتا ہوں کہ باوا صاحب کی وفات پر جو مسلمانوں کا ہندوؤں سے جھگڑا ہوا تھا اس کو بھائی بالا صاحب کی جنم ساکھی سے نقل کروں تا معلوم ہو کہ باوا صاحب کے اسلام کے بارے میں پہلا مدعی میں ہی نہیں ہوں۔ سو وہ عبارت یہ ہے۔

سری ٹھاکر جی نانک جی کو آپ نے انگان میں ملائے لیا۔ تاں پھیر اوتھے پروار

ترجمہ۔ خدا تعالیٰ نے نانک جی کو اپنے وجود میں ملا لیا یعنی باوا صاحب فوت ہوگئے۔ تب وہاں مجلس

وچ کھائے پی گئے۔ سب ایکتر ہوئے کر لگے بیراگ کرنے جاں اتنے

میں ایک شور پڑ گیا   سب اکٹھے ہوکر غم کرنے لگے   اتنے میں

میں سری بابے کے مرید پٹھان سی وہ کہن ہم سری بابے جی کا دیدار کراں گے

باوا صاحب کے مرید جو پٹھان تھے   وہ کہنے لگے   کہ ہم باوا صاحب کا دیدار کریں گے

تاں ہندواں کہیا۔ بھائی اب تمہار وسا نہیں۔ تاں پٹھاناں کہیا ہمارا پیر ہے

تب ہندوؤں نے کہا کہ بھائی اب تمہارا وقت نہیں تب پٹھانوں نے کہا کہ وہ ہمارا پیر ہے

تے اسیں ضرور دیدار کراں گے۔ اور جو پیراں دا راہ ہے۔ سو ہم کراں گے

ہم اس کا ضرور دیدار کریں گے۔ اور جو پیروں کیلئے مسلمان رسوم ادا کرتے ہیں۔ ہم کریں گے☆

☆ نوٹ۔ ایسے لوگ جو مسلمان اور پھر باوا صاحب کے مرید تھے ان کا دفن اور جنازہ کیلئے اصرار کرنا اس بات کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ باوا صاحب نے جو ان کے مرشد تھے اسلام کے مخالف ان کو کوئی تعلیم نہیں دی تھی اور نہ اسلام کے حکموں اور عملوں سے ان کو برگشتہ کیا تھا ورنہ اگر باوا صاحب ہندو تھے یا اسلام کے مخالف تھے تو باوا صاحب کی تاثیر ان میں یہ چاہئے تھی کہ وہ کم سے کم اسلام کے حکموں سے لاپرواہ ہو جاتے اور ان کو فضول سمجھتے نہ یہ کہ باوا صاحب کے مرید اور ہمراز ہوکر ان کے دفن اور جنازہ کیلئے جھگڑتے کیونکہ جس شخص کا مرشد اور مرشد بھی ایسا کامل جیسا کہ باوا صاحب تھے ایک دین کو جھوٹا سمجھتا ہو تو غیر ممکن ہے کہ اس کے مرید جو اس کے پیرو ہیں اسی دین کے موافق اس کی تجہیز تکفین کرنا چاہیں جس دین سے وہ ان کو روکتا رہا۔ باوا صاحب ہندو مذہب میں پیدا ہوئے تھے اور ہندوؤں میں ایک زمانہ تک پرورش پائی تھی۔ پس ممکن تھا کہ ظاہری تعلقات کی وجہ سے ہندوؤں کو

﴿۱۱۹﴾

تاں ہندو مسلماناں دا جھگڑا ودھ گیا۔ ہندو کہن نہیں دیکھنے دیناں تاں مسلمان
تب ہندو مسلمانوں کا جھگڑا بڑھ گیا ہندو کہتے تھے کہ ہم باوا صاحب کو دیکھنے نہیں دیں گے اور مسلمان
کہن اساں دیدار کرناں ہے ۔ جاں بہت واد ہوا۔ پٹھان کہن گور منزل کراں گے
کہتے تھے کہ ہم نے دیدار کرنا ہے جب بہت فساد ہوا تب پٹھانوں نے کہا کہ ہم تجہیز تکفین اور جنازہ
تاں وچہ بھلے لوکاں کہیا اندر چل کے دیکھو تاں سہی جاں دیکھیا تاں
وغیرہ سب رسوم اسلام ادا کریں گے تب اچھے لوگوں نے درمیان ہو کر کہا کہ ذرا اندر چل کے تو دیکھو جب اندر جا کر دیکھا تو
چادر ہی ہے۔ بابے دی دِہ ہے نہیں دوہاں دا جھگڑا چک گیا۔ جتنے
معلوم ہوا کہ فقط چادر ہی پڑی ہے جسم نہیں ہے تب دونوں گروہ کا جھگڑا فیصلہ ہوگیا جس قدر
سکھ سیوک تھے سب رام رام کر اوٹھے لگے صفتاں کرن واہ باباجی توں دھن
سکھ مرید تھے سب اللہ اللہ کر اٹھے اور صفتیں کرتے تھے کہ واہ باوا صاحب آپ دھن
ہیں۔ سب کہن سری نانک جی پر تکھیا پرمیشر دی مورت سی۔ ان کی قدرت
ہیں سب کہتے تھے کہ نانک صاحب ظاہر ظاہر مظہر الٰہی تھے ان کی قدرت لکھی
لکھی نہیں سی جاندی تے اساں سیوا بھی نا کیتی۔تے مسلمان بھی
نہیں جاتی اور ہم نے کچھ خدمت نہ کی اور مسلمان بھی
بابے دا کھیل دیکھ کر لگے صفتاں کرن۔ دھن خدائے ہے تے دھن بابا نانک
باوا صاحب کا یہ کام دیکھ کر تعریف کرن لگے کہ کیا ہی وہ قادر خدا ہے اور کیا ہی اچھا باوا
جی ہے جسدی قدرت لکھی نہیں گئی۔ ہندو مسلمان سب تارے ہیں
نانک تھا جس کی قدرت لکھی نہیں گئی سب ہندو مسلمانوں کو اس نے تار دیا

بقیہ نوٹ۔ دھوکا لگا ہو اور باوا صاحب کے اندرونی حالات کا ان کو اصل پتہ نہ ہو مگر جو مسلمان اپنے مذہب کے متعصب مرید ہوئے تھے اگر وہ باوا صاحب کو ہندو سمجھتے تو ان کے ہرگز مرید نہ ہوتے اور اگر مرید ہوتے تو اسلام سے دست بردار ہو جاتے لیکن ان کا دفن اور جنازہ کیلئے جھگڑنا اس بات پر پختہ دلیل ہے کہ وہ باوا صاحب کو مسلمان ہی سمجھتے تھے اور خود بھی اسلام پر قائم اور مضبوط تھے اگر مرشد اسلام کو برا جانتا ہے تو مرید اسلام پر کیونکر قائم رہ سکتا ہے بلکہ یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خود باوا صاحب نے ان کو سمجھا رکھا تھا کہ تم نے ضرور جنازہ پڑھنا۔ منہ

﴿۱۲۰﴾

پھیر ہندواں اک چادر لیکے ببان میں رکھ کے چکھا میں جلائی تے مسلماناں
پھر ہندوؤں نے ایک چادر لے کر اور سیڑھی پر رکھ کر چکھا میں جلا دی اور مسلمانوں
ادھی چادر دفن کیتی۔ دوہاں آپو اپنے دھرم کرم کیتے۔ تے
نے نصف چادر لے کر دفن کر دی اور دونوں فریق نے اپنی اپنی رسم کے موافق تجہیز تکفین کی یعنی
بابا جی بیکنٹھ کو سن دھے گئے۔ تے سری بابے جی دے چلانے
اپنے مذہبی واجبات جنازہ وغیرہ بجالائے اور باوا صاحب معہ جسم کے بہشت میں داخل ہو گئے☆ اور ایک سکھ نے جس کا
کی کتھا بڈھے نے سری انگد جی تے بالے کی ہور سنگت کے حضور سنائی
نام بڈھا تھا باوا نانک صاحب کے فوت ہونے کی کتھا انگد صاحب اور بالا صاحب اور دوسرے مجمع کے حضور سنائی

دیکھو جنم ساکھی کلاں بھائی بالے والی صفحہ ۶۱۷

باوا نانک صاحب کے اسلام پر اسلام کے مخالفوں کی شہادتیں

برگ صاحب ترجمہ سیر المتأخرین جلد اول صفحہ ۱۱۰ کے ایک نوٹ میں لکھتے ہیں کہ بابا نانک نے اپنی ابتدائی عمر میں ایک اسلامی معلم سے تعلیم پائی اور ایک شخص **سید حسین** نام نے بابا نانک کی ایام

نوٹ☆ یہ تعلیم بالکل قرآن شریف کی تعلیم ہے کہ جسم کے ساتھ انسان بہشت میں داخل ہوگا لیکن وید کی تعلیم بالکل اس کے برخلاف ہے کیونکہ وید کی رو سے صرف روح کو مکتی ملتی ہے اور جسم مکتی خانہ میں داخل نہیں ہوتا اور اسی وجہ سے ہندو لوگ جسم کو جلا دیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک اس کا تعلق مرنے کے ساتھ بالکل ختم ہو جاتا ہے لیکن مسلمان اپنے مُردوں کو دفن کرتے ہیں۔ کیونکہ اسلامی تعلیم کے رو سے جسم کا روح سے تعلق باقی رہتا ہے **اور وہ ابدی تعلق** ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگا اسی تعلق کی وجہ سے بہشت میں بہشتیوں کا جسم لذت میں شریک ہو جائے گا اور دوزخ میں دوزخیوں کا جسم عذاب میں شریک ہوگا اور باوا صاحب نے جو مسلمانوں کی مقابر پر چلہ کشی کی یہ بھی صاف دلیل اس بات پر ہے کہ باوا صاحب اس تعلق کو مانتے اور قبول کرتے تھے۔ منہ

﴿۱۲۱﴾

طفولیت میں اسلام کی بڑی بڑی مصنفات ان کو پڑھائیں۔ ڈاکٹر ٹرمپ صاحب اپنے ترجمہ گرنتھ نمبر الف صفحہ ۴۲ میں لکھتے ہیں کہ بابا نانک صاحب کا جنم ساکھی میں ایک یہ شعر ہے کہ قیامت کے دن نیک کام والوں کی کوئی پُرسش نہیں ہوگی اے نانک نجات وہی پائیں گے جن کی پناہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ لیکن افسوس کہ ٹرمپ نے اپنے ترجمہ گرنتھ میں باوا نانک صاحب کی نسبت یہ بھی نکتہ چینی کی ہے کہ نانک کوئی محقق اور نکتہ رس آدمی نہیں تھا۔ اسلئے اس کا مشرب علمی اصول پر مبنی نہیں اسے باقاعدہ مدرسہ کی تعلیم نہیں ملی تھی اسلئے وہ اپنے خیالات نہایت غیر منتظم اور پریشان اسلوب سے ظاہر کرتا تھا اور ٹرمپ صاحب نے ایک طنز اور ٹھٹھے کے طور پر دیباچہ صفحہ ۶ میں لکھا ہے کہ جنم ساکھیوں میں نانک کا پانچواں سفر گورکھ ہتری کی طرف بیان کیا گیا ہے مگر اب تک جغرافیہ دانوں کو اس مقام کا کچھ پتہ نہیں ملا۔ ڈاکٹر نے اپنے تعصب سے گو باوا صاحب کو ہندو قرار دیا ہے مگر جس مقام پر اس نے باوا صاحب کے اس شعر کا ترجمہ کیا ہے کہ بغیر شفاعت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نجات نہیں پائے گا وہاں گھبرا کر اس کو کہنا پڑا کہ یہ آخری شعر ظنی اور نانک کے مشرب کے برخلاف ہے اگرچہ اس میں اس کا نام بھی ہے اسلئے کہ اس میں نانک نے صاف صاف اقرار کیا ہے کہ بغیر شفاعت اسلام کے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو نجات نہیں ملے گی لیکن واضح رہے کہ ڈاکٹر ٹرمپ صاحب کا یہ خیال کہ یہ شعر جس سے نانک کا اسلام سمجھا جاتا ہے نانک کے مشرب کے برخلاف ہے سراسر تعصب کے راہ سے ہے کیونکہ خود ٹرمپ صاحب نے اپنے ترجمہ میں بابا نانک صاحب کے وہ بہت سے اشعار لکھے ہیں جو باوا صاحب کے اس شعر کے موید ہیں۔ اور نہ ایک نہ دو بلکہ بیسیوں ایسے اشعار کا ترجمہ اپنی قلم سے کیا ہے پھر اس شعر پر تعجب کرنا اگر تعصب نہیں تو اور کیا ہے۔ ٹرمپ صاحب نے اپنے ترجمہ میں برابر اول سے آخر تک ان اشعار کو تصریح سے لکھا ہے کہ باوا نانک صاحب خدا تعالیٰ کو روحوں اور جسموں کا خالق جانتے تھے اور توبہ قبول ہونے اور حشر جسمانی کے قائل تھے نجات کو جاودانی سمجھتے تھے اور خدا تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک اسلامی تعلیم کے موافق

﴿۱۲۲﴾ سمجھتے تھے تو پھر یہ شعران کے مشرب کے مخالف کیوں ہوا افسوس کہ ٹرمپ صاحب نے اس بات سے بھی آنکھیں بند کر لیں کہ باوا صاحب گرنتھ میں خود اقرار کرتے ہیں کہ **بغیر کلمہ پڑھنے کے بخت بیدار نہیں مل سکتا اور بغیر درود پڑھنے کے آخرت کے برکات حاصل نہیں ہو سکتیں**۔ اور جنم ساکھی کلاں کے وہ اشعار بھی ٹرمپ کو یاد نہ رہے جس میں لکھا ہے کہ **وہ لوگ لعنتی ہیں جو نماز نہیں پڑھتے**۔ کیا یہ تمام اشعار ٹرمپ صاحب کی نظر سے نہیں گذرے تعجب کہ ڈاکٹر ٹرمپ صاحب خود اپنے ہاتھ کی تحریروں کے برخلاف رائے ظاہر کر رہے ہیں اور گو اُن کا بیان ہے کہ میں نے سات برس محنت کر کے گرنتھ کا ترجمہ لکھا ہے مگر ان کی رائے ایسی ہلکی اور خفیف اور سطحی ہے کہ اگر ایک گہری نگاہ کا آدمی سات دن بھی اس بارے میں کوشش کرے تو بے شک اس کی مخالفانہ رائے ان کے سات برس کی رائے پر غالب آجائے گی۔ ہمیں ٹرمپ صاحب کے بیان پر نہایت افسوس آیا ہے کہ وہ اقرار کے ساتھ پھر انکار کو جمع کرتے ہیں اور اس نتیجہ تک نہیں پہنچ سکے جس تک ایک صاف دل اور محقق آدمی پہنچ جاتا ہے بہر حال ہم نے ان کی وہ شہادت جس نے ان کو نہایت گھبراہٹ میں ڈال دیا ہے انہیں کی کتاب میں سے نقل کر کے اس جگہ لکھ دی ہے یعنی باوا صاحب کا یہ مقولہ کہ بغیر شفاعت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو نجات نہیں ملے گی ایسی باتوں کو یقینی طور پر قبول کرنے کیلئے یہ قرینہ کافی ہے کہ یہ تمام کتابیں سکھ صاحبوں کی قلم سے نکلی ہیں اور وہ کسی طرح اس بات پر راضی نہیں ہو سکتے تھے کہ باوا صاحب کے اسلام کی نسبت کوئی اشارہ بھی ان کی کتابوں میں پایا جائے پس جو کچھ برخلاف منشاء ان کی کتابوں میں اب تک موجود ہے یہ قوی دلیل اس بات پر ہے کہ یہ باتیں باوا صاحب کی نہایت یقینی تھیں اور بہت شہرت پا چکی تھیں اسلئے وہ لوگ باوجود سخت مخالفت کے پوشیدہ نہ کر سکے اور نہ اپنی کتابوں سے مٹا سکے اور بہر حال ان کو لکھنا پڑا مگر ان کا درجہ ثبوت کم کرنے کیلئے یہ دوسری تدبیر ان کو سوجھی کہ ان کے مخالف باتیں بھی لکھ دیں پس اس صورت میں وہ

مخالف باتیں ظنی اور مشتبہ ٹھہریں گی جو نفسانی اغراض کی تحریک سے لکھی گئیں نہ ایسی باتیں جن ﴿۱۲۳﴾ کے لکھنے کا کوئی بھی محرک موجود نہیں تھا اسی وجہ سے دانشمند انگریزوں نے باوا صاحب کے اسلام کا صاف اقرار کر دیا ہے اور ہماری طرح یہی رائے لکھی ہے کہ باوا نانک صاحب درحقیقت مسلمان تھے۔ چنانچہ ہم ذیل میں بطور نمونہ پادری ہیوز صاحب کی رائے باوا نانک صاحب کی نسبت لکھتے ہیں جن کی نظر ڈاکٹر ٹرمپ صاحب کے ترجمہ پر بھی گذر چکی ہے اور جنہوں نے اور بہت سی تحقیقات بھی علاوہ اس کے کی ہے ناظرین کو چاہئے کہ اس کو غور سے پڑھیں اور وہ یہ ہے۔

ہیوز ڈکشنری آف اسلام صفحہ ۵۸۳ و ۵۹۱

سکھوں کی ابتدائی روایات کو بغور پڑھنے سے پختہ طور پر ثابت ہوتا ہے کہ نانک نے درحقیقت ایسا مذہب بایں غرض ایجاد کیا کہ اسلام اور ہندو مذہب میں مصالحت ہو جائے۔ جنم ساکھیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اوائل عمر میں نانک (بایں کہ ہندو تھا) صوفیوں کی تاثیر سے سخت متاثر ہوا اور ان صوفیوں کی پاک صاف طرز زندگی نے جوان دنوں بکثرت شمالی ہند اور پنجاب میں منتشر تھے بڑا گہرا اثر اس پر کیا اس بات سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ جس ہندو پر اہل اسلام کی تاثیر ہو گی اس کے کوائف میں تصوف کے نشان پائے جائیں گے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ سکھوں کے گرووں کی تعلیمات میں ہم صاف صاف تصوف کی آمیزش پاتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ پہلے گورو فقراء کے لباس اور وضع میں زندگی بسر کرتے تھے اور اس طریق سے صاف ظاہر کرتے تھے کہ مسلمانوں کے فرقہ صوفیہ سے ہمارا تعلق ہے تصاویر میں انہیں ایسا دکھایا گیا ہے کہ چھوٹے چھوٹے گلدستے ان کے ہاتھوں میں ہیں (جیسے مسلمانوں کا طریق تھا) اور طریق ذکر کے ادا کرنے پر آمادہ ہیں۔ نانک کی نسبت جو روایات جنم ساکھی میں محفوظ ہیں۔ پوری شہادت دیتی ہیں کہ اسلام سے اس کا تعلق تھا۔ مذکور الصدر (نواب دولت خان قاضی اور نانک کی گفتگو) بیان سے صاف پایا جاتا ہے کہ نانک کے پہلے بلافصل خلفاء یقین رکھتے تھے کہ نانک اسلام سے

﴿۱۲۴﴾ بہت قریب ہو گیا تھا اور ہمیں خود اس وقت کی تحریروں کو دیکھ کر اس امر کی تصدیق ہوتی ہے اور اس میں کوئی بھی شبہ نہیں رہتا اور درحقیقت اور بہت سی شہادتیں اور خود نانک کا مذہب بھی اس شک کو باقی رہنے نہیں دیتا نانک کے حالات سے یہ بھی واضح ہو گا کہ مسلمان بھی اس کو تعظیم کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور نانک بھی ان سے ایسی صاف باطنی سے ملتا کہ کھلا کھلا مسجدوں میں ان کے ساتھ جاتا اور اس چال سے اپنے ہندو دوستوں اور ہمسایوں کو سخت اضطراب میں ڈالتا کہ وہ درحقیقت مسلمان ہے۔ جب نانک اور شیخ فرید نے سفر میں مرافقت اختیار کی تو لکھا ہے کہ یہ ایک گاؤں بسیار نام میں پہنچے☆ اور جہاں بیٹھتے تو ان کے اٹھ جانے کے بعد وہاں کے ہندو لوگ اس جگہ کو گائے کے گوبر سے لیپ کر پاک کرتے۔ اس کا باعث صاف یہ ہے کہ سخت پابند مذہب ہندو ان دونوں رفیقوں کی نشست گاہوں کو ناپاک خیال کرتے تھے اگر نانک مذہب کے لحاظ سے ہندو رہتا تو ایسی باتیں اس کی نسبت کبھی مذکور نہ ہوتیں۔ ان نتائج کی بڑی مؤیّد وہ روایت ہے جو نانک کے حج مکہ کے سفر کی نسبت ہے اگرچہ ڈاکٹر ٹرمپ کی سفر مکہ کے بارے میں یہ رائے ہے کہ یہ قصہ موضوعہ معلوم ہوتا ہے مگر بہرحال اس داستان کی ایجاد ہی صاف بتاتی ہے کہ نانک کے محرم راز دوست نانک کے مذہبی حالات پر نظر کر کے سفر حج کو کچھ بھی بعید از عقل نہیں سمجھتے تھے نانک کے مقالات میں اس سے **منقول** ہے کہ اس نے کہا۔ اگرچہ وہ مرد ہیں مگر حقیقت میں عورتیں ہیں جو محمد مصطفیٰ اور کتاب اللہ (قرآن) کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے'' نانک اسلام کے نبی محمدؐ کی شفاعت کا اعتراف کرتا ہے اور بھنگ شراب وغیرہ اشیاء کے استعمال سے منع کرتا ہے۔ دوزخ بہشت کا اقرار کرتا اور انسان کے حشر اور یوم الجزا کا قائل ہے سو لاریب **یہ اقوال جو نانک کی طرف منسوب ہیں صاف ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اسلام کا قائل اور معتقد ہے۔**

نوٹ۔ اس سے ثابت ہے کہ صلحاء اہل اسلام کی صحبت میں رہ کر کیسی کیسی پاک تاثیریں ہندوؤں کے دلوں میں ہوتی رہی ہیں جن سے تھوڑے ہی عرصہ میں چھ کروڑ ہندو مسلمان ہو گیا۔ منه

☆ نوٹ۔ بسیار کسی گاؤں کا نام نہیں مترجم کی غلطی ہے۔ اصل مطلب یہ ہے کہ وہ بہت سے دیہات میں پھرے اور ہندو سخت بغض سے پیش آئے کیونکہ بسیار بہت کو کہتے ہیں۔ منه

نوٹ۔ اور ہم نے انگریزی کی اصل عبارت ہیوز کی معہ ٹرمپ کی عبارت کے اخیر کتاب میں شامل کر دی ہے ناظرین جو انگریزی پڑھ سکتے ہیں اس کو ضرور پڑھیں۔ منه

﴿۱۲۵﴾

پنڈت دیانند کی باوا نانک صاحب کی نسبت رائے

ہم پہلے اس سے پنڈت دیانند کے ان تمام اعتراضات کا جواب دے چکے ہیں جو اس نے باوا صاحب کی نسبت اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں لکھے ہیں لیکن اس وقت ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس کی وہ تمام عبارت جو باوا صاحب کے متعلق ستیارتھ پرکاش میں ہے سکھ صاحبوں کے ملاحظہ کیلئے اس جگہ تحریر کر دیں تا معلوم ہو کہ پنڈت دیانند اور ان کے پیرو آریہ درحقیقت باوا صاحب کی عزت اور بزرگی کے ذاتی دشمن ہیں اور تا وہ اس بات پر غور کریں کہ ہم نے باوا صاحب کی نسبت جو کچھ لکھا ہے وہ ان کی کمال معرفت اور سچے گیان کے مناسب حال ہے لیکن دیانند نے اس بات پر بہت زور مارا ہے کہ تا خواہ نہ خواہ باوا صاحب کو نادان اور گیان اور ودیا سے محروم ٹھہراوے مگر یہ درحقیقت اس کی غلطی ہے جو اس کی دلی تاریکی کی وجہ سے اس پر غالب آ گئی ہے سچا گیان اور سچی معرفت انسان کو خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے سے ملتی ہے یہی وجہ ہے کہ دیانند کا کلام باوجود اس دعوے ویددانی کے نہایت بے برکت اور خشک اور سچی معرفت اور گیان سے ہزاروں کوس دور اور بات بات میں خود پسندی اور تکبر اور سطحی خیال کی بدبوؤں سے بھرا ہوا ہے لیکن باوا صاحب کا کلام ایسے شخص کا کلام معلوم ہوتا ہے جس کے دل پر درحقیقت خدا تعالیٰ کی محبت اور عشق نے غلبہ کیا ہوا ہے اور ہر یک شعر توحید کی خوشبو سے بھرا ہوا معلوم ہوتا ہے دیانند کی کلام پر نظر ڈال کر فی الفور دل گواہی دیتا ہے کہ یہ شخص ایک موٹے خیال کا آدمی اور صرف لفظ پرستی کے گڑھے میں گرفتار اور فقر اور جوگ کے سچے نور سے بے نصیب اور محروم ہے لیکن باوا صاحب کی کلام پر نگاہ کر کے یقین آ جاتا ہے کہ اس شخص کا دل الفاظ کے خشک بیابان کو طے کر کے نہایت گہرے دریائے محبت الٰہی میں غوطہ زن ہے پس باوا صاحب کی مثال دیانند کے ساتھ ایک ہرے بھرے باغ اور خشک لکڑی کی مثال ہے ہمارے یہ کلمات نہ کسی کی خوشامد کیلئے اور نہ کسی کو رنج دینے

﴿۱۲۶﴾ کے لئے ہیں بلکہ ایک واقعی امر ہے جس کو محض للہ بطور شہادت ہم نے ادا کر دیا ہے اور اب ہم ستیارتھ پرکاش کا وہ مقام لکھتے ہیں جس میں دیانند نے سراسر اپنی جہالت اور دلی عناد سے باوا صاحب کی نسبت بدگوئی کے مکروہ لفظ استعمال کئے ہیں اور وہ یہ ہے:-

ستیارتھ پرکاش صفحہ ۳۵۶ مطبوعہ اجمیر ۱۹۴۸[1]

नानक जी का आशय तो अच्छा था पर विद्या कुछ भी नहीं	نانک جی کا آشے تو اچھا تھا پر ودیّا کچھ بھی نہیں ترجمہ: نانک جی کا خیال تو اچھا تھا پر علم کچھ بھی نہیں تھا
थी हाँ भाषा उस देश की जो कि ग्रामों की है	تھی ہاں بھاشا اُس دیس کی جو گراموں کی ہے ہاں بولی اُس دیس کی جو کہ دیہاتی ہے
उसे जानते थे वेदादि शास्त्र और संस्कृत कुछ	اُسے جانتے تھے وید آدشاستر اور سنسکرت کچھ اُسے جانتے تھے وید وغیرہ شاستر اور سنسکرت کچھ
भी नहीं जानते थे जो जानते होते तो निर्भय	بھی نہیں جانتے تھے جو جانتے ہوتے تو نربھے بھی جانتے نہیں تھے جو جانتے ہوتے (نربھے)
शबद को निर्भों क्यों लिखते और इसका दृष्टान्त उन का	شبد کو نربھوکیوں لکھتے اور اس کا ورشٹانت اُن کا لفظ کو (نربھو) کیوں لکھتے اور اس کی نظیر اُن کا
बनाया संस्कृती स्तोत्र है चाहते थे कि मैं संस्कृत	بنایا سنسکرتی ستوتر ہے چاہتے تھے کہ میں سنسکرت بنایا ہوا سنسکرتی ستوتر ہے چاہتے تھے کہ میں سنسکرت
में भी पग अड़ाऊँ परन्तु बिना पढ़े संस्कृत	میں بھی پگ اڑاؤں پرنتو بناں پڑھے سنسکرت میں بھی ٹانگ اڑاؤں لیکن بغیر پڑھے سنسکرت
कैसे आ सकता है हां उन ग्रामिणों के सामने	کیسے آسکتا ہے ہاں اُن گرامینوں کے سامنے کیسے آسکتا ہے ہاں اُن دیہاتیوں کے سامنے
कि जिन्होंने संस्कृत कभी सुना भी नहीं था	کہ جنہوں نے سنسکرت کبھی سُنا بھی نہیں تھا کہ جنہوں نے سنسکرت کبھی سُنی بھی نہیں تھی
संस्कृती बना कर संस्कृत के भी पण्डित बन गये	سنسکرتی بنا کر سنسکرت کے بھی پنڈت بن گئے سنسکرتی بنا کر سنسکرت کے بھی پنڈت بن گئے
होंगे यह बात अपने मान प्रतिष्ठा और अपनी	ہونگے یہ بات اپنی مان پرتشٹھا اور اپنی ہونگے یہ بات اپنے فخر اور بڑائی اور اپنی

[1] ۱۹۴۸ بکرمی مطابق ۱۸۹۱ عیسوی۔

﴿۱۲۷﴾

प्रख्याति की इच्छा के बिना कभी न करते उन को अपनी	پرکھیاتی کی اچھیا کے بنا کبھی نہ کرتے ان کو اپنی شہرت کی خواہش کے بغیر کبھی نہ کرتے ان کو اپنی
प्रतिष्ठा की इच्छा अवश्य थी । नहीं तो जैसी	پرتشٹھا کی اچھیا اوش تھی۔ نہیں تو جیسی بڑائی کی خواہش از بس ضروری تھی نہیں تو جیسی
भाषा जानते थे कहते रहते और यह भी कह देते	بھاشا جانتے کہتے رہتے اوریہ بھی کہہ دیتے بولی جانتے تھے کہتے رہتے اور یہ بھی کہہ دیتے
कि मैं संस्कृत नहीं पढ़ा जब कुछ अभिमान	کہ میں سنسکرت نہیں پڑھا جب کچھ ابھے مان تھا کہ میں سنسکرت نہیں پڑھا ہوں جب کچھ ضرور تھا
था तो मान प्रतिष्ठा के लिये कुछ दंभ भी किया होगा	تو مان پرتشٹھا کے لئے کچھ دنب بھی کیا ہوگا تو بڑائی کے لئے کچھ دھوکہ بازی بھی کی ہوگی
इसी लिये उन के ग्रन्थ में जहाँ-तहाँ वेदों	اس لئے اُن کے گرنتھ میں جہاں تہاں ویدوں اس لئے اُن کے گرنتھ میں جہاں تہاں ویدوں
की निन्दा और स्तुति भी है क्योंकि जो ऐसा न करते	کی نندیا اور استتی بھی ہے کیونکہ جو ایسا نہ کرتے کی بُرائی اور تعریف بھی ہے کیونکہ جو ایسا نہ کرتے
तो उन से भी कोई वेद का अर्थ पूछता जब न आता	تو اُن سے بھی کوئی وید کا ارتھ پوچھتا جب نہ آتا تو اُن سے بھی کوئی وید کا مطلب پوچھتا جب نہ آتا
तब प्रतिष्ठा नष्ट होती इसलिये पहले ही अपने	تب پرتشٹھا نشٹ ہوتی اس لئے پہلے ہی اپنے تب بڑائی کا ناس ہوتا اس لئے پہلے ہی اپنے
शिष्यों के सामने कहीं कहीं वेदों के	ششیوں کے سامنے کہیں کہیں ویدوں کے شاگروں کے سامنے کہیں کہیں ویدوں کے
विरुद्ध बोलते थे और कहीं कहीं वेद के लिये अच्छा	وردھ بولتے تھے اور ہیں کہیں وید کے لئے اچھا خلاف بولتے تھے اور کہیں کہیں وید کے لئے اچھا
भी कहा है क्योंकि जो कहीं अच्छा न कहते तो लोग	بھی کہا ہے کیونکہ جو کہیں اچھا نہ کہتے تو لوگ بھی کہا ہے اگر کہیں اچھا نہ کہتے تو لوگ
उन को नास्तिक बनाते । जैसे है	ان کو ناستک بناتے جیسے ہے۔ ان کو ناستک بناتے جیسا کہ ہے۔

﴿۱۲۸﴾

<table>
<tr><td>वेद पढ़त ब्रह्मा मरे चारों वेद कहानी सन्त</td><td>وید پڑہت برہما مرے چاروں وید کہانی سادھ
وید پڑھ کے برہما مرا چاروں وید کہانیاں ہیں سادھ</td></tr>
<tr><td>की महिमा वेद न जाने नानक ब्रह्मज्ञानी</td><td>کی مہماں وید نہ جانے۔ نانک برہم گیانی
کی تعریف وید نہیں جانتے نانک سب کچھ جاننے والا</td></tr>
<tr><td>आप परमेश्वर</td><td>آپ پرمیشر (سکھ منی پوڑی۷،۸ چوک۸،۶)
آپ پرمیشر</td></tr>
<tr><td>क्या वेद पढ़ने वाले मर गये और नानक जी</td><td>کیا وید پڑھنے والے مر گئے اور نانک جی
کیا وید پڑھنے والے مر گئے اور نانک جی</td></tr>
<tr><td>आदि अपने आप को अमर समझते थे क्या वे नहीं मर गये</td><td>آدی اپنے کو امر سمجھتے تھے کیا وے نہیں مر گئے
وغیرہ اپنے آپ کو غیر فانی سمجھتے تھے کیا وہ نہیں مر گئے</td></tr>
<tr><td>वेद तो सब विद्याओं का भंडार है परन्तु</td><td>وید تو سب وِدّھیاؤں کا بھنڈار ہے پرنتو
وید تو سب علموں کا خزانہ ہے مگر</td></tr>
<tr><td>जो चारों वेदों को कहानी कहे उसकी सब बातें</td><td>جو چاروں ویدوں کو کہانی کہے اس کی سب باتیں
جو چاروں ویدوں کو کہانی کہے اس کی سب باتیں</td></tr>
<tr><td>कहानी हैं जो मुर्खों का नाम सन्त</td><td>کہانی ہیں۔ جو مورکھوں کا نام سنت
کہانی ہیں جن بیوقوفوں کا نام سنت</td></tr>
<tr><td>होता है वे बेचारे वेदों की महिमा कभी</td><td>ہوتا ہے وے بیچارے ویدوں کی مہما کبھی
ہوتا ہے وہ بے چارے ویدوں کی تعریف کبھی</td></tr>
<tr><td>नहीं जान सकते जो नानक जी वेदों का</td><td>نہیں جان سکتے جو نانک جی ویدوں کا
نہیں جان سکتے اگر نانک جی ویدوں کا</td></tr>
<tr><td>मान करते तो उन का सम्प्रदाय न चलता न वे</td><td>مان کرتے تو اُن کا سمپردائے نہ چلتا نہ وے
ہی فخر کرتے تو اُن کا داؤ نہ چلتا نہ وہ</td></tr>
<tr><td>गुरु बन सकते थे क्यों कि संस्कृत</td><td>گورو بن سکتے تھے کیونکہ سنسکرت
گورو بن سکتے تھے سنسکرت کا</td></tr>
<tr><td>विद्या तो पढ़े ही नहीं थे तो दूसरे को पढ़ा कर</td><td>ودھیا تو پڑھے ہی نہیں تھے تو دوسرے کو پڑھا کر
علم تو پڑھے ہی نہیں تھے دوسرے کو پڑھا کر</td></tr>
</table>

﴿۱۲۹﴾

शिष्य कैसे बना सकते थे यह सच है कि जिस	شش کیسے بنا سکتے تھے یہ سچ ہے کہ جس شاگرد کیسے بنا سکتے تھے یہ سچ ہے کہ جس
समय नानक जी पंजाब में हुए थे उस समय	سمے نانک جی پنجاب میں ہوئے تھے اس سمے زمانہ میں نانک جی پنجاب میں ہوئے تھے اس وقت
पंजाब संस्कृत की विद्या से सर्वथा रहित	پنجاب سنسکرت ودہیا سے سروتھا رہت پنجاب سنسکرت کے علم سے بالکل خالی تھی
मुसलमानों से पीड़ित था उस समय उन्होंने	مسلمانوں سے پیڑت تھا اُس سمے اُنہوں نے اور مسلمانوں سے دُکھی تھا اس وقت انہوں نے
कुछ लोगों को बचाया नानक जी के सामने	کچھ لوگوں کو بچایا نانک جی کے سامنے کچھ لوگوں کو بچایا[۱] نانک جی کے سامنے
उनका कुछ सम्प्रदाय वा बहुत से शिष्य नहीं हुए	اُن کا کچھ سمپردائے وابہت سے شش نہیں ہوئے کچھ اُن کا طریقہ یا بہت سے شاگرد نہیں ہوئے
थे क्योंकि अविद्वानों में यह चाल है	تھے کیونکہ اودھ وانوں میں یہ چال ہے تھے کیونکہ جاہلوں میں یہ دستور ہے
कि मरे पीछे उन को सिद्ध बना लेते हैं पश्चात	کہ مرے پیچھے اُن کو سدھ بنا لیتے ہیں پسچات کہ مرنے کے بعد اُن کو بزرگ بنا لیتے ہیں اس کے بعد
बहुत सा महातमय कर के ईश्वर के समान मान	بہت سا مہاتم کرکے ایشر کے سماں مان بہت سی تعریفیں کرکے پرمیشر کے برابر مان
लेते हैं । हाँ नानक जी बड़े धनाढ्य	لیتے ہیں ہاں نانک جی بڑے دھناڑی لیتے ہیں ہاں نانک جی بڑے مالدار
और रईस भी नहीं थे परन्तु उन के चेलों ने	اور رئیس بھی نہیں تھے پرنتو اُن کے چیلوں نے اور رئیس بھی نہیں تھے لیکن ان کے چیلوں نے
''नानक चन्द्रोदय'' और ''जन्म साखी'' आदि में	(نانک چندرودی) اور جنم ساکھی آدی میں نانک چندر ودی اور جنم ساکھی وغیرہ میں
बड़े सिद्ध और बड़े बड़े ऐश्वर्य वाले थे	بڑے سِدھ اور بڑے بڑے ایشرج والے تھے بڑے لائق اور بڑے بڑے سامانوں والے تھے

۱ مسلمان نہ ہونے دیا۔۱۲

﴿۱۳۰﴾

लिखा है नानक जी ब्रह्मा आदि से मिले बड़ी	لکّھا ہے نانک جی برہما آدی سے ملے بڑی لکھ دیا ہے نانک جی برہما وغیرہ سے ملے بڑی
बात चीत की सब ने उन का मान किया नानक जी	بات چیت کی سب نے ان کا مان کیا نانک جی بات چیت کی سب نے ان کا مانا نانک جی
के विवाह में बहुत से घोड़े रथ हाथी सोना	کے وواہ میں بہت سے گھوڑے رتھ ہاتھی سونا کے بیاہ میں بہت سے گھوڑے رتھ ہاتی سونا
चाँदी मोती पन्ना आदि रत्नों से जड़े हुए	چاندی موتی پنا آدی رتنوں سے جڑے ہوئے چاندی موتی پنا وغیرہ جوہروں سے جڑاؤ
और अमुल्य रत्नों का पारावार न था लिखा है भला वे	اور اَمُل رتنوں کا پار اوار نہ تھا لکھا ہے بھلا یہ اور بیش بہا جواہر کا انتہا نہ تھا لکھا ہے بھلا یہ
गपोड़े नहीं तो क्या है इस में उनके चेलों का	گپوڑے نہیں تو کیا ہے اس میں اُن کے چیلوں کا جھوٹی گپ نہیں تو کیا ہے اس میں اُن کے چیلوں کا
दोष है नानक जी का नहीं दूसरा जो उन के	دوش ہے نانک جی کا نہیں دوسرا جو اُن کے قصور ہے نانک جی کا نہیں دوسرا جو اُن کے
पीछे उन के लड़के से उदासी चले और रामदास	پیچھے اُن کے لڑکے سے اُدواسی چلے اور رامداس پیچھے اُن کے بیٹے سے اُدواسی سکھ چلے اور رامداس
आदि से निर्मले कितने ही गद्दी वालों ने	آدی سے نرملے کتنے ہی گدی والوں نے وغیرہ سے نرملے کتنے ہی گدی والوں نے
भाषा बनाकर ग्रंथ में रखी है अर्थात् इन का	بھاشا بنا کر گرنتھ میں رکھی ہے ارتھاتھ اُن کا بولی بنا کر گرنتھ میں ملا دی یعنی اُن کا
गुरु गोबिन्द सिंह जी दुशवां हुआ उन के पीछे उस ग्रंथ में किसी की	گورو گوبند سنگھ جی دشواں ہوا اُس کے پیچھے کسی کی گورو گوبند سنگھ جی دسواں ہوا اس کے پیچھے کسی کی
भाषा नहीं मिलाई गई किन्तु वहाँ	بھاشا اُس گرنتھ میں نہیں ملائی گئی کنتو وہاں بولی اس گرنتھ میں نہیں ملائی گئی لیکن وہاں
तक के जितने छोटे छोटे पुस्तक थे	تک کے جتنے چھوٹے چھوٹے پستک تھے تک کے یعنی گوبند سنگھ کی جتنی چھوٹی چھوٹی پوتھیاں تھیں

﴿۱۳۱﴾

उन सब को इकट्ठे करके जिल्द बंधवा दी इन	اُنؔ سب کو اکٹھے کرکے جلد بندھوا دی اُن ان سب کو اکٹھی کر کے جلد بندھوا دی اُن
लोगों ने भी नानक जी के पीछे बहुत सी	لوگوں نے بھی نانک جی کے پیچھے بہت سی لوگوں نے بھی نانک جی کے پیچھے بہت سی
भाषा बनाई कितने ही ने नाना प्रकार की	بھاشا بنائی کتنے ہی نے نانا پرکار کی بحثیں لکھیں بہتوں نے طرح طرح کے
पुराणों की मिथ्या कथा के तुल्य बना दिये परन्तु	پرانوں کی متھیا کتھا کے تل بنا دیئے پرنتو پرانوں کی جھوٹی کتھا کی مانندبنا دی لیکن
ब्रह्मज्ञानी आप परमेश्वर बन के उस पर कर्म उपासना	برہم گیانی آپ پرمیشر بن کے اس پر کرم اُپاسنا برہم گیانی آپ پرمیشر بن کے اس پر عمل عبادت
छोड़ कर इन के शिष्य झुकते आये इसने	چھوڑ کر اُن کے شش جھکتے آئے اس نے چھوڑ کر اُن کے سکھ جھکتے آئے اس بات نے
बहुत बिगाड़ कर दिया नहीं जो नानक जी ने कुछ	بہت بگاڑ کر دیا نہیں جونانک جی نے کچھ بہت بگاڑ دیا نہیں تو اگرنانک جی نے کچھ
विशेष भक्ति ईश्वर की लिखी थी उसे करते आते	بشیش بھگتی ایشر کی لکھی تھی اُسے کرتے آتے خاص کر بھگتی ایشر کی لکھی تھی وہ ہی کرتے آتے
तो अच्छा था अब उदासी कहते हैं हम बड़े	تو اچھا تھا اب اوداسی کہاتے ہیں ہم بڑے تو اچھا تھا اب اوداسی سکھ کہتے ہیں ہم بڑے
निर्मले कहते हैं हम बड़े अकालीत थे सूतरसाई	نرملے کہتے ہیں ہم بڑے اکالیت تھے ستری شاہی نرملے کہتے ہیں ہم بڑے اکالیت تھے یعنی حیات جاودانی میں سترے شاہی
कहते हैं सर्वोपरि हम हैं इन में गोबिन्द सिंह जी	کہتے ہیں کہ سرواؤ پر ہم ہیں ان میں گوبند سنگھ جی کہتے ہیں کہ سب پر ہم ہیں ان میں گوبند سنگھ جی
शूरवीर हुए जो मुसलमानों ने उन के पुरुषाओं	شربیر ہوئے جو مسلمانوں نے اُن کے پرشاون بڑے بہادر ہوئے جو مسلمانوں نے اُن کے بڑوں کو
को बहुत सा दु:ख दिया था उन से बैर लेना चाहते थे	کر بہت سا دُکھ دیا تھا ان سے بیر لینا چاہتے تھے بہت سا ستایا تھا ان سے بدلہ لینا چاہتے تھے

﴿۱۳۲﴾

परन्तु इन के पास कुछ सामग्री न थी और उधर	پرنتو ان کے پاس کچھ ساگری نہ تھی اور اُدھر لیکن اُن کے پاس کچھ توفیق نہ تھی اوراُدھر
मुसलमानों की बादशाही प्रज्वलित हो रही थी	مسلمانوں کی بادشاہی پر جولت ہو رہی تھی مسلمانوں کی بادشاہی چمک رہی تھی
इन्होंने एक पुरश्चरण करवाया प्रसिद्ध	انہوں نے ایک پرش چرج کروایا پر سدھ انہوں نے ایک پڑی جمائی
की मुझको देवी ने वर और खाड़ग दिया है कि	کی کہ مجھ کو دیوی نے ورکھنگ دیا ہے کہ مجھ کو دیوی نے حکم اور تلوار دی ہے کہ
तुम मुसलमानों से लड़ो तुम्हारा विजय होगा बहुत से लोग	تم مسلمانوں سے لڑو تمہارا بجے ہوگا بہت سے لوگ تم مسلمانوں سے لڑو تمہاری فتح ہوگی بہت سے لوگ
उन के साथी हो गये और उन्होंने जैसे बाम मार्गियों	اُنکے ساتھی ہو گئے اور انہوں نے جیسے بام مارگیوں اُن کے ساتھی ہو گئے اور انہوں نے جیسے بام مارگیوں
ने पंच मकार चक्रांकितों ने पंच संस्कार चलाये	نے پنچ مکار چکرانکتو نے پنچ سنسکار چلائے نے پانچ میم چکر انتیوں نے پانچ تمسین چلائے
थे वैसे पंच कारक अर्थात् इनके पंच ककार	تھے ویسے پنچ ککارار تھاتھ ان کے پنچ ککار تھے ویسے پانچ کاف چلائے یعنی ان کے پانچ کاف
युद्ध के उपयोगी थे एक केश अर्थात् जिस के	جُدھ کے اپیوگی تھے ایک کیش ارتھاتھ جسکے لڑائی کے لئے تھے ایک کیش سر کے بال جن کے
रखने से लड़ाई में लकड़ी और तलवार से कुछ बचाव	رکھنے سے لڑائی میں لکڑی اورتلوار سے کچھ بچاوٹ رکھنے سے لڑائی میں لکڑی اور تلوار سے کچھ بچاؤ
हो दूसरा कंगण जो शिर के ऊपर पगड़ी में अकाली	ہو دوسرا کنگن جو شر کے اُوپر پگڑی میں اکالی ہوتا ہے دوسرا کنگن جو سر کے اوپر پگڑی میں اکالی
लोग रखते हैं और हाथ में कड़ा जिस से हाथ	لوگ رکھتے ہیں اور ہاتھ میں کڑا جس سے ہاتھ سکھ رکھتے ہیں اور ہاتھ میں کڑا جس سے ہاتھ
और शिर बच सके तीसरा काछ अर्थात् जानू के	اور سر بچ سکے تیسرا کاچ ارتھاتھ جانوں کے اورسر بچ سکے تیسرا کچھ یعنی رانوں سے اوپر

«۱۳۳»

हिन्दी	لفظی	ترجمہ
ऊपर एक जांघिया कि जो दौड़ने और कूदने में अच्छा	اوپر ایک جانگیا کہ جو دوڑنے اور کودنے میں اچھا	اوپر جانگیا جو دوڑنے اور کودنے میں اچھا
होता है बहुत करके अखाड़ मल्ल और नट	ہوتا ہے بہت کر کے اکھاڑے کے مل اور نٹ	ہوتا ہے اکثر اکھاڑے کے پہلوان اور نٹ
भी इस को इसीलिये धारण करते हैं कि जिस से	بھی اس کو اسی لئے دھارن کرتے ہیں کہ جس سے	بھی اس کو اسی لئے پہنتے ہیں کہ جس سے
शरीर का मर्मस्थान बचा रहे और अटकाव न हो चौथा	شریر کا مرم استھان بچا رہے اور اٹکاو نہ ہو چوتھا	شرمگاہ بچی رہے اور حرج بھی نہ ہو چوتھا
कंगा कि जिस से केश सुधरते हैं पांचवां काचू	کنگھا کہ جس سے کیش سُدھرتے ہیں پانچواں کاچو	کنگھا کہ جس سے بال سدھارتے ہیں پانچواں چاقو
कि जिस से शत्रु से भेट भटक्का होने से लड़ाई	کہ جس سے شترو سے بھیٹ بھٹکا ہونے سے لڑائی	کہ جس سے دشمن سے لڑنے کے وقت لڑائی میں
में काम आवे इसीलिये यह रीति गोबिन्द सिंह जी ने	میں کام آوے اس لئے یہ ریتی گوبند سنگھ جی نے	کام آوے اسی لئے یہ رسم گوبند سنگھ نے
अपनी बुद्धिमत्ता से उस समय के लिये की थी सब	اپنی بُدھ متا سے اس سمے کے لئے کی تھی اب	اپنی عقل اورسمجھ سے اس وقت نکالی تھی ان
इस समय में उन का रखना कुछ उपयोगी नहीं है परन्तु अब	اس سمے میں اُن کا رکھنا کچھ اپیوگی نہیں ہے پرنتو اب	دنوں ان کا رکھنا کچھ ضروری نہیں لیکن جو
जो युद्ध के प्रयोजन के लिये बातें कर्त्तव्य थीं उन को धर्म	جو جُدھ کے پریوجن کے لئے باتیں کرتب تھیں اُن کو دھرم	باتیں لڑائی کی وجہ سے برتی گئی تھیں ان اُن کو دہرم
के साथ मान ली हैं मूर्ति पूजा तो नहीं करते	کے ساتھ مان لی ہیں۔ مورتی پوجا تو نہیں کرتے	کے ساتھ مان لی ہیں بت پرستی تو نہیں کرتے
किन्तु उस से विशेष ग्रंथ की पूजा करते हैं क्या	کنتو اُس سے بشیش گرنتھ کی پوجا کرتے ہیں کیا	مگر اس سے خاص کر گرنتھ کی پوجا کرتے ہیں کہ
यह मूर्ति पूजा नहीं है किसी जड़ पदार्थ के सामने	یہ مورتی پوجا نہیں ہے کسی جڑپدارتھ کے سامنے	یہ بت پرستی نہیں ہے کسی غیر متحرک چیز کے سامنے

﴿۱۳۴﴾

हिन्दी	اردو
शिर झुकाना वा उस की पूजा करनी सब मूर्ति पूजा है	سر جُھکانا و اُس کی پوجا کرنی سب مورتی پوجا ہے سر جھکانا یا اس کی عبادت کرنا سب بت پرستی ہے
जैसे मूर्ति वालों ने अपनी दुकान जमा कर जीविका ठाड़ी	جیسے مورتی والوں نے اپنی دوکان جما کر جیو کا ٹھاڑی جیسی بت پرستوں نے اپنی دوکان جما کر جیو کا مضبوط
की है वैसे इन लोगों ने भी कर ली है जैसे पुजारी	کی ہے ویسے ان لوگوں نے بھی کر لی ہے جیسے پوجاری اسباب زندگانی کر رکھی ہے ویسے ہی ان لوگوں نے بھی کر لی ہے
लोग मूर्ति का दर्शन कराते भेट चढवाते हैं वैसे	لوگ مورتی کا درشن کراتے بھیٹ چڑھواتے ہیں ویسے جیسے پوجاری لوگ بت کی زیارت کراتے نذریں چڑھواتے ہیں ویسے
नानक पंथी लोग ग्रन्थ की पूजा करते कराते भेट	نانک پنتھی لوگ گرنتھ کی پوجا کرتے کراتے بھیٹ نانک پنتھی لوگ گرنت کی پوجا کرتے کراتے نذریں
भी चढ़वाते हैं अर्थात् मूर्ति पूजा वाले जितना वेद का	بھی چڑہاتے ہیں ارتھاتھ مورتی پوجا والے جتنا وید کا چڑھاتے ہیں یعنی بت پرست جتنا وید کا ادب
मान्य करते हैं उतना ये लोग ग्रन्थ साहिब वाले नहीं करते हां	مان کرتے ہیں اتنا یہ لوگ گرنتھ والے نہیں کرتے کرتے ہیں اتنا گرنتھ صاحب والے نہیں کرتے ہیں
यह कहा जा सकता है कि इन्होंने वेदों को न सुना न देखा क्या	یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ویدوں کو نہ سُنا نہ دیکھا کیا یہ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے ویدوں کو نہ سُنا نہ دیکھا کیا
करें जो सुन्ने और देखने में आवें तो बुद्धिमान लोग जो कि	کریں جو سنے اور دیکھنے میں آویں تو بُدھ مان لوگ جو کہ کریں جو سُنے اور دیکھنے میں آویں تو سمجھدار لوگ جو کہ
हठी दुराग्रही नहीं हैं वे सब संप्रदाय वाले वेदमत में आ	ہٹی ڈرا گرہی نہیں ہیں وے سب سمپر دائے والے وید مت میں ضدی اور متعصب نہیں ہیں وے سب طریقہ والے وید مذہب
जाते हैं परन्तु इन सबने भोजन का बखेड़ा बहुत सा हटा दिया है	آجاتے ہیں پرنتو ان سب نے بھوجن کا بکھیڑا بہت سا ہٹا دیا ہے میں آجاتے ہیں لیکن ان سکھوں نے روٹیوں کا جھگڑا بہت سا ہٹا دیا ہے
जैसे इसको हटाया वैसे विषयासक्रि दुरभिमान को भी हटा कर वेद मत	جیسے اس کو ہٹایا ویسے وشیا سکتے ور بھی مان کو بھی ہٹا کر وید مت جیسے اس کو دور کیا تھا ویسے اور نفسانی خواہشوں کو بھی ہٹا کر وید مذہب
की उन्नति करें तो बहुत अच्छी बात है।	کی اونتی کریں تو بہت اچھی بات ہے۔ کی اطاعت کریں تو بہت اچھی بات ہے۔

﴿۱۳۵﴾

باوا نانک صاحب کی بعض کرامات کا ذکر

یہ بات اللہ جلّ شانہٗ کی عادت میں داخل ہے کہ جب ایک انسان اپنے دل سے اپنی جان سے اپنے تمام وجود سے اس کی طرف جھک جاتا ہے اور اپنی زندگی کا اصل مقصد اسی کو ٹھہراتا ہے اور غیر سے قطع تعلق کرتا اور اس کی محبت سے بھر جاتا ہے تو پھر وہ قادر و کریم و رحیم خدا ایک خاص طور سے اس سے تعلق پکڑتا ہے اور ایک ایسے نئے رنگ میں اس پر تجلی فرماتا ہے جس سے دنیا غافل ہوتی ہے سو جو کچھ اس کے کامل اخلاص اور کامل صدق اور کامل وفا کی پاداش میں عنایت الٰہی وقتاً فوقتاً اس کی عزت ظاہر کرتی ہے مثلاً مشکلات کے وقت میں اس کی دستگیری فرماتی ہے اور ناقدر شناسوں پر اس کا قدر و منزلت کھول دیتی ہے اور اس کے دوستوں پر فضل اور احسان کا پرتوہ ڈالتی ہے اور اس کے موذی دشمنوں کو قہر کے ساتھ پکڑتی ہے اور اس کو معارف اور دقائق سے حصہ بخشتی ہے اور اس کی قبولیت کو دنیا میں پھیلا دیتی ہے اور اس کے ہر یک قول اور فعل میں برکت رکھ دیتی ہے اور اس کے ہر یک بوجھ کی آپ متکفل ہو جاتی ہے اور عجیب طور پر اس کی تمام حاجتوں کو پورا کر دیتی ہے تو ان تمام صورتوں کا نام **کرامت** ہے اور جب انسان خدا کا ہو جاتا ہے تو خدا اس کا ہو جاتا ہے اور جب خدا اس کا ہو جاتا ہے تو بہتوں کو جو اس کے نیک بندے ہیں اس کی طرف رجوع دیتا ہے اور یہ تمام عنایات ربّانیہ اس بندہ کی کرامات میں داخل ہوتی ہیں سو چونکہ باوا نانک صاحب درحقیقت خدا تعالیٰ کے مخلص بندوں میں سے تھے اور اپنی زندگی میں ایک کھلی کھلی تبدیلی کر کے اللہ جلّ شانہٗ کی طرف جھک گئے تھے اسلئے عنایات ربانیہ نے وہ کرامات بھی ان میں ظاہر کیں جو خدا تعالیٰ کے مقبول بندوں میں ظاہر ہوا کرتی ہیں۔

چنانچہ نسخہ انڈیا آفس میں لکھا ہے کہ جب قاضی نے باوا نانک صاحب پر بدظنی کی کہ یہ کیوں ایسا کہتا ہے کہ نہ ہندو ہے نہ مسلمان ہے تو باوا نانک صاحب نے اپنی فوق الفطرت قوت سے قاضی کے

﴿۱۳۶﴾ خیالات کا اندازہ کرلیا اور قاضی کو انہوں نے کہا کہ سچا مسلمان اپنے آپ کو پاک اور بے لوث بناتا ہے اس میں راستبازی صبر اور صداقت قولی ہوتی ہے جو کچھ قائم ہے اس میں کسی کو مضرّت نہیں پہنچاتا اور جو کچھ مردہ ہے اس کو نہیں کھاتا (یعنی کسی کی غیبت نہیں کرتا) اے نانک ایسا ہی مسلمان سیدھا جنت میں جاتا ہے جب نانک نے یہ فقرے ابیات میں پڑھے تو اس وقت جتنے ہندو مسلمان بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ بابا نانک میں خدا بول رہا ہے۔ ازنسخہ انڈیا آفس صفحہ ۳۶ سے ۴۱ تک۔

اب جاننا چاہئے کہ باوانانک صاحب کی اس تقریر سے دو کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں (۱) اوّل یہ کہ جب قاضی نے ایک ایسی جگہ پر جہاں باوا صاحب موجود نہیں تھے یہ تذکرہ کیا کہ نانک یہ کیا کہتا ہے کہ نہ ہندو ہے نہ مسلمان ہے تو باوا صاحب نے اس ذکر کو جو غائبانہ ہوا تھا کشفی طور پر معلوم کرلیا اور قاضی کو اپنے ابیات میں یہ جتلا دیا کہ اسلام کی مذمت میرا مقصود نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس زمانہ کے اکثر مسلمان رسم اور عادت کے طور پر مسلمان ہیں اسلام کی حقیقت ان میں نہیں پائی جاتی سچا مسلمان راستباز اور پاک طبع ہوتا ہے اور نیز جتلا دیا کہ مردہ کھانا یعنی گلہ کرنا مسلمانوں کا کام نہیں چونکہ قاضی نے غائبانہ باوا صاحب کا گِلہ کیا تھا۔ اور قرآن میں ہے کہ گِلہ کرنا مردہ کھانے کے برابر ہے اسلئے باوا صاحب نے قاضی کو متنبہ کردیا کہ تو نے مسلمان کہلا کر میرا گلہ کیوں کیا۔ کیا تجھے خبر نہیں کہ اپنے بھائی کا گلہ کرنا مردہ کھانا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا[۱] یعنی ایک مسلمان کو چاہئے کہ دوسرے مسلمان کا گلہ نہ کرے کیا کوئی مسلمان اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاوے (۲) دوسری یہ کرامت تھی کہ اسلام کی ٹھیک حقیقت بتلا دی کیونکہ صبر اور استقامت کے ساتھ تمام راست بازی کی راہوں کو پورا کرنا اور پاک اور بے لوث زندگی اختیار کرنا یہی اسلام کی جڑھ اور اصل حقیقت ہے اور باقی تمام شریعت کے احکام اس اجمال کی تفصیل ہیں چنانچہ ہم عنقریب کسی قدر حقیقت اسلام کی بیان کریں گے۔

[۱] الحجرات:۱۳

﴾۱۳۷﴿

اور منجملہ باوا صاحب کی کرامات کے چولا صاحب بھی ایک بڑی کرامت ہے ہم نے خود اپنی جماعت کے ساتھ ڈیرہ نانک میں جا کر چولا صاحب کو دیکھا ہے ایسے لطیف اور خوبصورت حرفوں میں قرآن شریف کی آیتیں لکھی ہوئی ہیں کہ ایسے کپڑے پر اس خوبصورتی کے ساتھ لکھنا انسان کا کام معلوم نہیں ہوتا اور جابجا ایسے خوبصورت دائرے ہیں جو گویا نہایت عمدہ پرکار کے ساتھ کھینچے گئے ہیں اور جس عمدگی سے کسی جگہ موٹے حروف ہیں اور کسی جگہ باریک حرفوں میں قرآنی آیات لکھی گئی ہیں اور نہایت موزوں مقامات میں رکھی گئی ہیں ان پر نظر غور کر کے تعجب آتا ہے کہ کیونکر ایسے ایک معمولی کپڑے پر ایسی لطافت سے یہ تمام آیتیں لکھی گئیں ہیں۔ اور ایک جگہ کلمہ

لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ محمّد رسُول اللّٰہِ

نہایت موٹا اور جلی لکھا ہوا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ پڑھنے والوں کے دلوں کو اپنی لطافت اور حُسن سے اپنی طرف کھینچ رہا ہے غرض وہ تمام نقوش قدرتی ہی معلوم ہوتے ہیں اور پھر عجب تر یہ کہ باوجود صدہا حوادث کے جو ملک پنجاب پر وارد ہوتے رہے ان سب کے صدمہ سے چولہ صاحب اب تک محفوظ رہا سو بلاشبہ اول درجہ کی کرامت باوا صاحب کی وہی چولہ ہے جن لوگوں نے چولہ صاحب کو نہیں دیکھا یا غور کے ساتھ نظر نہیں کی وہ اس کی عظمت کو پہچان نہیں سکتے لیکن جو لوگ غور سے دیکھیں گے ان کو بے شک خدا تعالیٰ کی قدرت یاد آئے گی اور بلاشبہ اس وقت جنم ساکھی کلاں یعنی بھائی بالا والی کے جنم ساکھی کا وہ بیان ان کی نظر کے سامنے آجائے گا جس میں لکھا ہے کہ وہ قرآنی آیات قدرت کے ہاتھ سے چولہ صاحب پر لکھی گئی ہیں۔ ☆

اور بعض کرامات باوا نانک صاحب سے مجھ کو سردار سیوا سنگھ سپرنٹنڈنٹ مدرسہ خالصہ بہادر امرت سر نے بذریعہ اپنے خط ۲۸ ستمبر ۱۸۹۵ء اطلاع دی چنانچہ بعینہٖ ان کے خط کی عبارت ذیل میں لکھی جاتی ہے اور وہ یہ ہے۔

سلطان پور میں نواب دولت خاں لودھی اور قاضی کے ساتھ نانک صاحب

☆ نوٹ۔ چولہ صاحب میں بابا نانک صاحب کی ایک یہ صریح کرامت ہے کہ اس میں ایک یہ پیشگوئی پائی جاتی ہے کہ دین اسلام میں بیشمار لوگ داخل ہوں گے پھر اس کے بعد کتنے کروڑ آدمی ہندوستان میں ہندوؤں میں سے مسلمان ہوئے اورے کروڑ چین میں مسلمان ہوئے اور اب تک افریقہ میں بڑے زور سے اسلام پھیل رہا ہے اور کچھ تعجب نہیں کہ سکھ صاحبوں میں بھی اسلام پھیلے اور ہر طرف خدا تعالیٰ کا جلال ظاہر ہو۔ منہ

﴿۱۳۸﴾

کا نماز پڑھنا☆ ان دونوں کی حضوری نہ ہونے سے نیت سے علیحدہ ہونا نواب دولت خاں نے سبب پوچھا کہ آپ نے نماز کو کیوں توڑا۔ گورو نانک صاحب نے فرمایا کہ اس وقت آپ کابل میں گھوڑے خریدتے پھرتے تھے۔ قاضی کو بتلایا کہ ان کی گھوڑی بیاہی تھی صحن میں کھڑا تھا اندیشہ ہوا کہ کہیں اس میں بچھیرا نہ گر پڑے۔ دونوں صاحبوں نے قبول کیا کہ ٹھیک نماز کے وقت ہمارے خیال ٹھکانے نہ تھے۔

اور منجملہ انکی کرامات کے جو سیوا سنگھ صاحب نے اپنے خط میں لکھی ہیں ایک یہ ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ حسن ابدال کے متّصل ایک جگہ پنجہ صاحب ہے وہاں نانک صاحب کا **باباولی قندھاری** کے ساتھ یہ ماجرا گذرا کہ ولی قندھاری صاحب پہاڑ کے اوپر ایک چشمہ کے متصل رہتے تھے۔ اتفاق سے وہاں گورو نانک صاحب اور مردانہ جا نکلے۔ مردانہ نے گورو صاحب سے التماس کی کہ اگر حکم ہو تو میں پانی لے آؤں انہوں نے اجازت

☆ نوٹ بعض سکھ صاحبان اپنی ناواقفی کے سبب سے باوانانک صاحب کے اسلام سے انکار کرتے ہیں اور جب ان کے اسلام کا ذکر کیا جائے تو ناراض ہوتے ہیں مگر ان میں سے جو صاحب اپنے مذہب کے واقف اور عقلمند ہیں وہ خود ان کے اسلام کا اقرار کرتے ہیں دیکھو سردار سیوا سنگھ نے اپنے خط ۲۸ستمبر ۱۸۹۵ء میں کیونکہ صاف صاف اقرار کر دیا کہ باوانانک صاحب نے نواب دولت خان اور قاضی کے ساتھ نماز پڑھی اور ان کی عدم حضور نیّت کی وجہ سے پھر نماز سے علیحدہ ہو گئے ظاہر ہے کہ اگر باوا صاحب کی عادت نماز پڑھنا نہ ہوتا اور وہ اپنے تئیں غیر مسلمان سمجھتے تو مسلمانوں کے ساتھ نماز میں ہرگز شامل نہ ہوتے پس نمازیوں کے ساتھ ان کا نماز میں کھڑا ہو جانا ایک نہایت پختہ دلیل اس بات پر ہے کہ وہ نماز پڑھا کرتے تھے اور یہ بات ہماری طرف سے نہیں بلکہ سردار سیوا سنگھ صاحب کے خط کا بیان ہے جو خالصہ بہادر امرتسر مدرسہ کے سپرنٹنڈنٹ ہیں اور عرصہ قریب دس سال کا ہوا ہے کہ ایک صاحب بھائی نرائن سنگھ نام جن کو آدگرنتھ کنٹھ تھا امرتسر سے قادیان میں تشریف لائے اور بازار میں ہماری مسجد کے قریب انہوں نے وعظ کیا اور بہت سے مسلمان اور ہندو ان کی باتیں سننے کیلئے جمع ہوئے اور اس تقریر کی اثناء میں انہوں نے بیان فرمایا کہ باوانانک صاحب پانچ وقت نماز پڑھا کرتے تھے ہندو یہ بات سنکر سخت ناراض ہوئے اور قریب تھا کہ ان پر حملہ کریں مگر مسلمانوں نے ان کی حمایت کی اور انہوں نے فرمایا کہ یہ لوگ سب نادان ہیں ان کو خبر نہیں جو باتیں میں بیان کرتا ہوں ان کے بڑے بڑے ثبوت میرے پاس ہیں مگر ہندو بیٹھ نہ سکے اور برا کہتے چلے گئے۔ یہ واقعہ قریباً صدہا ہندوؤں اور مسلمانوں کو قادیان میں معلوم ہے۔ منه

دے دی جب مردانہ اوپر گیا تو باباولی قندھاری نے اس سے کہا کہ تمہارے ساتھ بھی تو صاحب کرامات ہیں☆ وہاں ہی پانی کیوں نہیں نکال لیتے۔ اس نے گروصاحب سے آ کر اسی طرح عرض کر دیا گوروصاحب نے برچھی گاڑ کر وہاں سے پانی نکال لیا۔ ولی صاحب کا پانی خشک ہو گیا انہوں نے طیش میں آ کر پہاڑ کوان پر گرانا چاہا بابا نانک صاحب نے ہاتھ سے تھام دیا۔ چنانچہ پانچ انگل کا نشان ابتک موجود ہے۔ ﴿۱۳۹﴾

ازانجملہ سیوا سنگھ صاحب کے خط میں ایک یہ کرامت لکھی ہے کہ باوا نانک صاحب نے ایک ریٹھہ کے درخت کو میٹھا کر دیا اور صاحب موصوف اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ اس درخت کی اصل جگہ مجھ کو معلوم نہیں کوئی تو دارجیلنگ کی طرف بتلاتا ہے کوئی اوڑیسہ کی طرف بتلاتا ہے بادی یا بیدی وہاں سے لاتے ہیں یہ پھل بہتوں نے کھائی ہیں اور میں نے بھی کھایا ہے۔ ایسا ہی اور بھی کرامات سردار سیوا سنگھ صاحب نے لکھے ہیں مگر افسوس کہ ہم بباعث بڑھ جانے رسالہ کے تمام کرامات کو نہیں لکھ سکتے ہمارے نزدیک بابا نانک صاحب کا چولہ صاحب اور ان کے اشعار جو حقائق اور معارف سے پر ہیں اعلیٰ درجہ کی کرامت ہے اور ایک نہایت عجیب پیشگوئی چولہ صاحب میں پائی جاتی ہے اور وہ ایک ایسی عظیم الشان کرامت ہے کہ اگر باوا صاحب کی طرف سے کوئی کرامت منقول نہ ہوتی تو وہی ایک کافی تھی اور وہ یہ ہے کہ چولہ صاحب پر بار بار قرآن کی اس آیت کو لکھا ہے کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ[1] یعنی کہہ خدا وہ عظیم الشان خدا ہے جو اس سے پاک ہے جو کسی عورت کے پیٹ سے نکلے اور جنا یا جائے اور ہر یک چیز اس کی طرف محتاج ہے اور وہ کسی کی طرف محتاج نہیں اور اس کا کوئی قرابتی اور ہم جنس نہیں نہ باپ نہ ماں نہ بھائی نہ بہن اور نہ کوئی

☆نوٹ: صاحب کرامات کا لفظ بھی باوا نانک صاحب کے اسلام پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اہل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر کسی ایسے شخص سے کوئی اعجوبہ امر صادر ہو جو مسلمان نہیں تو اس کے اس اعجوبہ کا نام کرامت نہیں رکھتے بلکہ اس کا نام استدراج رکھتے ہیں سو باباولی قندھاری نے جو باوا نانک صاحب کو صاحب کرامت قرار دیا جو اس سے صاف طور پر پایا گیا کہ انہوں نے کشفی طور پر معلوم کر لیا کہ باوا صاحب اہل اسلام ہیں ورنہ بابا قندھاری ان کا نام صاحب کرامت نہ رکھتا بلکہ ان کو صاحب استدراج کہتا اور بابا نانک صاحب نے بھی اس لفظ کو رد نہیں کیا اور مردانہ کا پانی کے لئے جانا صاف دلالت کرتا ہے کہ باوا صاحب بلا کراہت مردانہ کے ہاتھ سے کھا پی لیتے تھے ایسے ملکوں میں باوا صاحب کا دو دو برس رہنا جہاں ہندوؤں کا نام ونشان نہ تھا جیسا کہ ملک عرب کیا بغیر کھانے پینے کے ممکن تھا۔ منہ

[1] الاخلاص:۲تا۵

﴿۱۴۰﴾ ہم مرتبہ اور پھر یہ کمال کیا ہے کہ لَمْ یَلِدْ کا لفظ جس کے یہ معنی ہیں کہ خدا کسی کا بیٹا نہیں کسی کا جنا یا ہوا نہیں خدا کے ننانوے اسماء کے ساتھ ملایا ہے مثلاً کہا ہے وہ قُدُّوس ہے کسی کا بیٹا نہیں وہ قیوم ہے کسی کا جنا یا ہوا نہیں وہ قادر ہے کسی کے پیٹ سے نہیں نکلا غرض ان صفات کو بار بار ذکر فرمایا ہے جس سے انسان نہایت اطمینان سے یہ سمجھتا ہے کہ باوا صاحب نے عیسائی مذہب کے بارے میں پیشگوئی کی ہے گویا یہ جتلا دیا ہے کہ تین سو برس کے بعد عیسائی مذہب پنجاب میں پھیلے گا اور خبردار کر دیا ہے کہ وہ لوگ باطل پرست اور کاذب ہیں اور ناحق ایک عاجز انسان کو خدا بنا رہے ہیں ان کے فریب میں نہ آنا اور ان کے مذہب کو قبول نہ کرنا کہ وہ جھوٹے مکار ہیں۔ ہم جب اس پیشگوئی کو دیکھتے ہیں تو ایک نہایت عظمت اس کی ہمیں معلوم ہوتی ہے اور پھر کمال یہ ہے کہ قرآنی آیات کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ اس پُرآشوب زمانہ میں تم اسلام میں داخل ہو جاؤ کہ یہی دین الٰہی جس نے کوئی بناوٹی خدا پیش نہیں کیا۔ اسی طرح چولہ صاحب میں بار بار یہ بیان کیا گیا ہے کہ خدا وہ خدا ہے جس نے روحوں اور جسموں کو پیدا کیا ہے اور ایک وقت آنیوالا ہے جو مردے جی اٹھیں گے اور خدا انصاف کرے گا اور یہ اشارات باوا صاحب کے اشعار میں بھی پائے جاتے ہیں بعض اشعار میں وہ خدا کے خالق الارواح ہونے اور دارالجزاء پر اس قدر زور دیتے ہیں کہ گویا وہ ایک آنیوالے فرقہ کے وجود کی خبر دے رہے ہیں اور چولہ صاحب اور ان کے بعض اشعار سے جو ایک ذخیرہ کثیرہ ہے صریح یہ پیشگوئی محسوس ہوتی ہے کہ وہ دیانند اور اس کے بدرہ فرقہ کی خبر دے رہے ہیں یہ ایسی پیشگوئیاں ہیں جو ایک دانشمند نظر تامل کے بعد ضرور ان پر یقین کر لے گا اور ہم نے بہت سوچا کہ اس میں کیا بھید ہے کہ باوا نانک صاحب کے چولہ پر بار بار لا الٰہ الا اللّٰہ محمّد رسول الله لکھا گیا ہے اور بار بار یہ ذکر کیا گیا ہے کہ قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جس سے خدا تعالیٰ کی راہ ملتی ہے حالانکہ صرف ایک مرتبہ لکھنا کافی تھا آخر اس میں یہ بھید معلوم ہوا کہ باوا صاحب کے چولہ پر یہ بھی ایک قسم کی پیشگوئی اس تاریک زمانہ کے لئے ہے کیونکہ اس پُرفریب زمانہ نے بہت سی آنکھوں میں غبار ڈال دی ہے اور بہت سے باطل

﴿۱۴۱﴾

خدا پوجے جاتے ہیں پس گویا چولہ صاحب بزبان حال ہر یک مذہب کے انسان کو کہہ رہا ہے کہ اے غافل تو کہاں جاتا ہے اور کن خیالات میں لگا ہے اگر سچے مذہب کا طالب ہے تو ادھر آ اور اس خدا پر ایمان لا جس کی طرف **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** بلاتا ہے کہ وہی غیر فانی اور کامل خدا اور تمام عیبوں سے منزّہ اور تمام صفات کاملہ سے متصف ہے۔

باوانانک صاحب پر پادریوں کا حملہ

یہ عجیب بات ہے کہ اس زمانہ کے پادری جس قدر دوسرے مذاہب پر نکتہ چینی کرنے کے لئے اپنا وقت اور اپنا مال خرچ کر رہے ہیں اس کا کروڑواں حصہ بھی اپنے مذہب کی آزمائش اور تحقیق میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ جو شخص ایک عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے اور اس ازلی ابدی غیر متغیر خدا پر یہ مصیبت روا رکھتا ہے کہ وہ ایک عورت کے پیٹ میں نو مہینہ تک بچہ بن کر رہا اور خون حیض کھاتا رہا اور انسانوں کی طرح ایک گندی راہ سے پیدا ہوا اور پکڑا گیا اور صلیب پر کھینچا گیا۔ ایسے قابل شرم اعتقاد والوں کو چاہیئے تھا کہ **کفارہ کا ایک جھوٹا منصوبہ** پیش کرنے سے پہلے اس قابل رحم انسان کی خدائی ثابت کرتے اور پھر دوسرے لوگوں کو اس عجیب خدا کی طرف بلاتے مگر میں دیکھتا ہوں کہ ان لوگوں کو اپنے مذہب کا ذرہ بھی فکر نہیں۔ تھوڑے دن ہوئے ہیں کہ ایک پرچہ امریکن مشن پریس لودھیانہ میں سے پنجاب **ریلیجس** بک سوسائٹی کی کارروائیوں کے واسطے ایم وایلی مینجر کے اہتمام سے نکلا ہے جس کی سرخی یہ ہے۔ وہ گرو جو انسان کو خدا کا فرزند بنا دیتا ہے اس پرچہ میں سکھ صاحبوں پر حملہ کرنے کے لئے آدگرنتھ کا یہ شعر ابتدائی تقریر میں لکھا ہے۔

جے سو چاند ااو گوین سورج چڑھے ہزار   ایتے چانن ہندیاں گور بن کھور اندھار

یعنی اگر سو چاند نکلے اور ہزار سورج طلوع کرے تو اتنی روشنی ہونے پر بھی گورو یعنی مرشد اور ہادی کے بغیر سخت اندھیرا ہے پھر اس کے بعد لکھا ہے افسوس کہ ہمارے سکھ بھائی ناحق دس بادشاہیوں کو گورو مان بیٹھے ہیں اور اس ست گورو کو نہیں ڈھونڈتے جو منش کو دیوتا بنا سکتا ہے

﴿۱۴۲﴾ پھر آگے لکھتا ہے کہ وہ ست گورو یسوع مسیح ہے جس نے اپنی جان قربان کی اور گنہگاروں کے بدلے آپ لعنتی ہوا۔ اس کے ماننے سے لوگ گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں'' اور پھر سکھ صاحبوں کو مخاطب کر کے لکھتا ہے کہ جن لوگوں کو آپ اب تک گورو سمجھے بیٹھے ہیں اور ان سے روشنی پانے کی امید رکھتے ہیں وہ لوگ اس لائق نہیں ہیں کہ آپ کے تاریک دل کو روشن کریں ہاں اس گورو یسوع مسیح میں یہ خاصیت ہے کہ کیسا ہی دل تاریک اور ناپاک کیوں نہ ہو وہ اس کو روشن اور پاک کر سکتا ہے غرض یہ کہ تم یسوع کو خدا کر کے مان لو۔ پھر تم خاصے پاک اور پوتر ہو جاؤ گے اور سب گناہ جھڑ جائیں گے اور منش سے دیوتا بن جاؤ گے۔ مگر افسوس کہ یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ اگر انسانوں کو ہی خدا بنانا ہے تو کیا اس قسم کے خدا ہندوؤں میں کچھ کم ہیں۔ باوا نانک صاحب ہندوؤں کے مت سے کیوں بیزار ہوئے اسی لئے تو ہوئے کہ ان کا وید بھی فانی چیزوں کو خدا قرار دیتا ہے اور پانی اور آگ اور ہوا اور سورج اور چاند کو پرستش کے لائق سمجھتا ہے اور اس سچے خدا سے بیخبر ہے جو ان سب چیزوں کو پیدا کرنے والا ہے پھر جبکہ باوا صاحب اس سچے خدا پر ایمان لائے جس کی بے مثل اور کامل ذات پر زمین وآسمان گواہی دے رہا ہے اور نہ صرف ایمان لائے بلکہ اس کے انوار کی برکتیں بھی حاصل کر لیں تو پھر ان کے پیروؤں کی عقلمندی سے بہت بعید ہے کہ وہ اس تعلیم کے بعد جو ان کو دی گئی ہے پھر باطل خداؤں کی طرف رجوع کریں۔ ہندو لوگ ہزارہا برس ایسے خداؤں کی آزمائش کر چکے ہیں اور نہ سرسری طور پر بلکہ بہت تحقیق کے بعد ایسے خدا ان کو چھوڑنے پڑے اب پھر اس جھوٹی کیمیا کی تمنا ان کی دانشمندی سے بہت دور ہے۔ باوا نانک صاحب نے اس خدا کا دامن پکڑا تھا جو مرنے اور جنم لینے سے پاک ہے اور جو لوگوں کے گناہ بخشنے کے لئے آپ لعنتی بننے کا محتاج نہیں اور نہ کسی کی جان بچانے کے لئے اپنی جان دینے کی اس کو حاجت ہے مگر ہمیں سمجھ نہیں آتا کہ عیسائیوں کا یہ کیسا خدا ہے جس کو دوسروں کے چھوڑانے کے لئے بجز اپنے تئیں ہلاک کرنے کے اور کوئی تدبیر ہی نہیں سوجھتی۔ اگر درحقیقت زمین وآسمان کا مدبر اور مالک اور خالق یہی بیچارہ ہے تو پھر خدائی کا انتظام سخت خطرہ میں ہے۔ بے شک یہ خواہش تو نہایت

عمدہ ہے جو انسان گناہ سے پاک ہو مگر کیا گناہ سے پاک ہونے کا یہی طریق ہے کہ ہم کسی غیر آدمی کی خودکشی پر بھروسہ رکھ کر اپنے ذہن میں آپ ہی یہ فرض کرلیں کہ ہم گناہ سے پاک ہوگئے بالخصوص ایسا آدمی جو انجیل میں خود اقرار کرتا ہے جو میں نیک نہیں وہ کیونکر اپنے اقتدار سے دوسروں کو نیک بنا سکتا ہے اصل حقیقت نجات کی خداشناسی اور خداپرستی ہے۔ پس کیا ایسے لوگ جو اس غلط فہمی کے دوزخ میں پڑے ہوئے ہیں **جو مریم کا صاحبزادہ ہی خدا ہے** وہ کیسے حقیقی نجات کی امید رکھ سکتے ہیں انسان کی عملی اور اعتقادی غلطیاں ہی عذاب کی جڑھ ہیں وہی درحقیقت خدا تعالیٰ کے غضب سے آگ کی صورت پر متمثل ہوں گی اور جس طرح پتھر پر سخت ضرب لگانے سے آگ نکلتی ہے اسی طرح غضب الٰہی کی ضرب انہیں بداعتقادیوں اور بدعملیوں سے آگ کے شعلے نکالے گی اور وہی آگ بداعتقادوں اور بدکاروں کو کھا جائے گی جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ بجلی کی آگ کے ساتھ خود انسان کی اندرونی آگ شامل ہو جاتی ہے تب دونوں مل کر اس کو بھسم کر دیتی ہیں۔ اسی طرح غضب الٰہی کی آگ بداعتقادی اور بداعمالی کی آگ کے ساتھ ترکیب پا کر انسان کو جلا دے گی اسی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ [1] یعنی جہنم کیا چیز ہے۔ وہ خدا کے غضب کی آگ ہے جو دلوں پر پڑے گی یعنی وہ دل جو بداعمالی اور بداعتقادی کی آگ اپنے اندر رکھتے ہیں وہ غضب الٰہی کی آگ سے اپنے آگ کے شعلوں کو مشتعل کریں گے۔ تب یہ دونوں قسم کی آگ باہم مل کر ایسا ہی ان کو بھسم کرے گی جیسا کہ صاعقہ گرنے سے انسان بھسم ہو جاتا ہے پس نجات وہی پائے گا جو بداعتقادی اور بدعملی کی آگ سے دور رہے گا۔ سو جو لوگ ایسے طور کی زندگی بسر کرتے ہیں کہ نہ تو سچی خداشناسی کی وجہ سے ان کے اعتقاد درست ہیں اور نہ وہ بداعمالیوں سے باز رہتے ہیں بلکہ ایک جھوٹے کفارہ پر بھروسہ کر کے دلیری سے گناہ کرتے ہیں وہ کیونکر نجات پا سکتے ہیں یہ بے چارے ابتک سمجھے نہیں کہ درحقیقت ہر یک انسان کے اندر ہی دوزخ کا شعلہ اور اندر ہی نجات کا چشمہ ہے دوزخ کا شعلہ فرو ہونے سے **خود نجات کا چشمہ جوش مارتا ہے** اس عالم میں خدا تعالیٰ یہ سب باتیں محسوسات کے رنگ میں مشاہدہ کرا دے گا اگر عیسائیوں

﴿۱۴۳﴾

[1] الھمزۃ : ۷، ۸

﴿۱۴۴﴾ کو اس سچے فلسفہ کی خبر ہوتی تو مارے شرمندگی کے کسی کو منہ نہ دکھا سکتے ہزاروں فسق و فجور اور مکر اور فریب کے ساتھ یہ دعوے کرنا کہ ہم گناہ سے پاک ہو گئے ہیں عجیب قسم کی چالاکی ہے جس مذہب کا یہ اصول ہے کہ مسیح کی خودکشی نے تمام عبادتوں اور نیک کاموں اور نیک عملوں کو نکما اور ہیچ کر دیا ہے اور ان کی ضرورت کچھ بھی باقی نہیں رہی کیا ایسے عقیدے کے لوگوں کی نسبت کچھ امید کر سکتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی بندگی میں دل لگاویں اور سچے دل سے تمام بدکاریوں کو چھوڑ دیں۔ پھر جبکہ ایسے قابل شرم عقیدہ میں گرفتار ہو کر انواع اقسام کی غفلتوں اور فریبوں اور ناجائز کاموں میں گرفتار ہو رہے ہیں تو تعجب ہے کہ اپنے حال پر کچھ بھی نہیں روتے اور اپنی مصیبت پر ایک ذرہ ماتم نہیں کرتے بلکہ خود اندھے ہو کر دوسرں پر کمی بصارت کی تہمت لگاتے ہیں ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ جسقدر باوا نانک صاحب کے اشعار میں توحید الٰہی کے متعلق اور سچی وحدانیت کے بیان کرنے میں عمدہ عمدہ مضامین پائے جاتے ہیں اگر وہ موجودہ انجیلوں میں پائے جاتے تو ہمیں بڑی ہی خوشی ہوتی مگر ایسے جعلی کتابوں میں سچے حقائق اور معارف کیونکر پائے جائیں جو حقیقی خدادانی اور حقیقی خدا پرستی اور حقیقی نجات کے بھید سے بہت ہی دور جا پڑے ہیں۔ نادانوں کے منہ پر ہر وقت کفارہ اور مسیح کی خودکشی اور ایک فانی انسان کا خدا ہونا چڑھا ہوا ہے اور باقی تمام اعمال صالحہ سے فراغت کر رکھی ہے بیشک خدا کے بندوں اور اپنے بنی نوع کے لئے جان دینا اور انسان کی بھلائی کے لئے دکھ اٹھانا نہایت قابل تعریف امر ہے مگر یہ بات ہرگز قابل تعریف نہیں کہ ایک شخص بے اصل وہم پر بھروسہ کر کے کنوئیں میں کود پڑے کہ میرے مرنے سے لوگ نجات پا جائیں گے جان قربان کرنے کا یہ طریق تو بے شک صحیح ہے کہ خدا کے بندوں کی معقول طریقہ سے خدمت کریں اور ان کی بھلائی میں اپنے تمام انفاس خرچ کر دیں اور ان کے لئے ایسی کوشش کریں کہ گویا اس راہ میں جان دے دیں مگر یہ ہرگز صحیح نہیں ہے کہ اپنے سر پر پتھر مار لیں یا کنوئیں میں ڈوب مریں یا پھانسی لے لیں اور پھر تصور کریں کہ اس بے جا حرکت سے نوع انسان کو کچھ فائدہ پہنچے گا عیسائیوں کو سمجھنا چاہئے کہ باوا نانک صاحب حقیقی نجات کی راہوں کو خوب معلوم کر چکے تھے وہ سمجھتے تھے کہ وہ پاک ذات بجز اپنی

سعی اور کوشش کے نہیں ملتا اور وہ خوب جانتے تھے کہ خدا ہر یک جان سے اُسی جان کی قربانی چاہتا ہے نہ کسی غیر کی۔ زید کی خودکشی بکر کے کام نہیں آتی۔ بات یہی سچ ہے کہ خدا کو وہی پاتے ہیں جو آپ خدا کے ہو جاتے ہیں جو لوگ ہر ایک ناپاکی کے دروازے اپنے پر بند کرتے ہیں اُنہیں پر اُس پاک کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ ﴿۱۴۵﴾

اسلام کیا چیز ہے

جبکہ ہم اس ثبوت کے دینے سے فارغ ہو چکے کہ درحقیقت باوا نانک صاحب ان پاک طبع بزرگوں میں سے تھے جن کے دلوں پر اسلام کا نور چمکا تو اب اس سوال کا جواب باقی رہا کہ اسلام کیا چیز ہے سو واضح ہو کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو دنیا میں پیدا کر کے اس کی پیدائش کے مناسب حال اس میں ایک کمال رکھا ہے۔ جو اس کے وجود کی علت غائی ہے اور ہر یک چیز کی واقعی قدر و قیمت اسی صورت میں ہوتی ہے کہ جب وہ چیز اپنے کمال تک پہنچ جائے مثلاً بیلوں میں کلبہ رانی اور آب پاشی اور بار برداری کا ایک کمال ہے اور گھوڑوں میں انسانوں کی سواری کے نیچے ان کی منشا کے موافق کام دینا ایک کمال ہے اور اگرچہ ان کمالات تک پہنچنا ان جانوروں کی استعداد میں داخل ہے مگر تاہم کاشت کاروں اور چابک سواروں کی تعلیم سے یہ کمالات ان کے ظہور میں آتے ہیں کیونکہ وہ لوگ ریاضت اور تعلیم دینے سے ایسی طرز سے ان جبلی استعدادوں کو ان جانوروں میں پیدا کر دیتے ہیں جو اُن کے اپنی منشا کے موافق ہوں پس اس قاعدہ کے رُو سے ماننا پڑتا ہے کہ انسان بھی کسی کمال کے حاصل کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے کیونکہ جبکہ دنیا کی کسی چیز کا وجود عبث اور بے کار نہیں تو پھر انسان جیسا ایک نادر الخلقت جاندار جس میں بہت سی عمدہ اور بے مثل قوتیں پائی جاتی ہیں کیونکر اپنی خلقت کی رو سے محض بے فائدہ اور نکما ٹھہر سکتا ہے۔ لیکن یہ گمان نہیں ہوسکتا کہ

﴿۱۴۶﴾ انسان کا عمدہ کمال یہی ہے کہ وہ کھانے پینے اور ہر یک قسم کی عیاشی اور دولت اور حکومت کی لذات میں عمر بسر کرے کیونکہ اس قسم کی لذات میں دوسرے جانور بھی اس کے شریک ہیں بلکہ انسان کا کمال ان قوتوں کے کمال پر موقوف ہے جو اس میں اور اس کے غیر میں مابہ الامتیاز ہیں اور انسان کے دین کا کمال یہ ہے کہ اس کی ہر یک قوت میں دین کی چمک نظر آوے اور ہر یک فطرتی طاقت اس کی ایک دین کا چشمہ ہو جاوے اور وہ قوتیں یہ ہیں۔

عقل۔ عفت۔ شجاعت۔ عدل۔ رحم۔ صبر۔ استقامت۔ شکر۔ محبت۔ خوف۔ طمع۔ حزن۔ غم۔ ایثار۔ سخاوت۔ ہمت۔ حیا۔ سخط۔ غضب۔ اعراض۔ رضا۔ شفقت۔ تذلل۔ حمد۔ ذم۔ امانت۔ دیانت۔ صدق۔ عفو۔ انتقام۔ کرم۔ جود۔ مواسات ذکر۔ تصور۔ مروت۔ غیرت۔ شوق۔ ہمدردی۔ حلم۔ شدت۔ فہم۔ فراست۔ تدبیر۔ تقویٰ۔ فصاحت۔ بلاغت۔ عمل جوارح ذوق۔ اُنس۔ دعا۔ نطق۔ ارادہ۔ تواضع۔ رفق۔ مدارات۔ تحنن۔ وفا۔ حسن عہد۔ صلہ رحم۔ وقار۔ خشوع۔ خضوع۔ زہد۔ غبطہ۔ ایجاد۔ معاونت طلب تمدن۔ تسلیم۔ شہادت صدق۔ رضا بقضا۔ احسان۔ توکل۔ اعتماد۔ تحمل۔ ایفاء عہد۔ تبتل۔ اطاعت۔ موافقت۔ مخالطت۔ عشق۔ فنا نظری۔ تطہر۔ فکر۔ حفظ۔ ادراک۔ بغض۔ عداوت۔ حسرت۔ اخلاص۔ علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین۔ جہد۔ توبہ۔ ندامت۔ استغفار۔ بذلِ روح۔ ایمان۔ توحید۔ رویا۔ کشف۔ سمع۔ بصر۔ خطرات۔ یہ تمام قوتیں انسان میں بھی پائی جاتی ہیں اور کوئی دوسرا جاندار ان میں شریک نہیں۔ اور اگرچہ بظاہر ایک ایسا شخص جس کو تدبر اور تفکر کرنے کی عادت نہیں کہہ سکتا ہے کہ ان قوتوں میں کئی ایک ایسی قوتیں بھی ہیں جن میں بعض دوسرے جانور بھی شریک ہیں مثلاً محبت یا خوف یا عداوت مگر پوری پوری غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ شراکت صرف صورت میں ہے نہ کہ حقیقت میں۔ انسانی محبت اور خوف اور عداوت انسانی عقل اور معرفت اور تجربہ کا ایک نتیجہ ہے پھر جبکہ انسانی عقل اور معرفت اور تجربہ دوسرے حیوانات کو حاصل نہیں ہو سکتا تو پھر اس کا نتیجہ کیونکر حاصل ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ انسانی محبت اور خوف اور عداوت کا کوئی انتہا نہیں انسانی محبت رفتہ رفتہ عشق تک پہنچ جاتی

﴿۱۴۷﴾ ہے۔ یہاں تک کہ وہ محبت انسان کے دل میں اس قدر گھر کر جاتی ہے کہ اس کے دل کو چیر کر اندر چلی جاتی ہے اور کبھی اس کو دیوانہ سا بنا دیتی ہے اور نہ صرف محبوب تک ہی محدود رہتی ہے بلکہ انسان اپنے محبوب کے دوستوں سے بھی محبت کرتا ہے اور اس شہر سے بھی محبت کرتا ہے جس میں وہ رہتا ہے اور ان اوضاع اور اطوار سے بھی محبت کرتا ہے جو محبوب میں پائے جاتے ہیں اور اس ملک سے بھی محبت کرتا ہے جہاں محبوب رہتا ہے ایسا ہی انسانی عداوت بھی صرف ایک شخص تک محدود نہیں رہتی اور بعض اوقات پشتوں تک اس کا اثر باقی رہتا ہے ایسا ہی انسانی خوف بھی دور دراز نتیجہ سے پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ آخرت کا خوف بھی دامنگیر ہو جاتا ہے لہٰذا دوسرے حیوانات کی قوتیں انسانی قوتوں کے منبع اور سرچشمہ میں سے ہرگز نہیں ہیں۔ بلکہ وہ ایک طبیعی خواص ہیں جو بے اختیار ان سے ظہور میں آتے ہیں اور جو کچھ انسان کو دیا گیا ہے وہ انسان ہی کے ساتھ خاص ہے۔

اب جاننا چاہئے کہ جس قدر انسان کو قوتیں دی گئی ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ان کو خداتعالیٰ کی راہ میں اپنے اپنے محل پر خرچ کرنا اور ہر یک قوت کا خداتعالیٰ کی مرضی اور رضا کے راہ میں جنبش اور سکون کرنا بھی وہ حالت ہے جس کا قرآن شریف کی رو سے اسلام نام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اسلام کی یہ تعریف فرماتا ہے۔ بَلٰی ۚ مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ وَهُوَ مُحۡسِنٌ [1] یعنی انسان کا اپنی ذات کو اپنے تمام قویٰ کے ساتھ خداتعالیٰ کی راہ میں وقف کر دینا اور پھر اپنی معرفت کو احسان کی حد تک پہنچا دینا یعنی ایسا پردہ غفلت درمیان سے اٹھانا کہ گویا خداتعالیٰ کو دیکھ رہا ہے یہی اسلام ہے پس ایک شخص کو مسلمان اس وقت

نوٹ وَجۡهُ کے اصل معنی لغت کی رو سے مُنہ کے ہیں چونکہ انسان منہ سے شناخت کیا جاتا ہے۔ اور کروڑ ہا انسانوں میں مابہ الامتیاز منہ سے قائم ہوتا ہے اس لئے اس آیت میں منہ سے مراد استعارہ کے طور پر انسان کی ذات اور اس کی قوتیں ہیں جن کی رو سے وہ دوسرے جانوروں سے امتیاز رکھتا ہے گویا وہ قوتیں اس کی انسانیت کا مُنہ ہے۔

[1] البقرۃ : ۱۱۳

﴿۱۴۸﴾

کہہ سکتے ہیں کہ جب یہ تمام قوتیں اس کی خدا تعالیٰ کے راہ میں لگ جائیں اور اس کے زیر حکم واجب طور پر اپنے اپنے محل پر مستعمل ہوں اور کوئی قوت بھی اپنی خودروی سے نہ چلے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ نئی زندگی کامل تبدیلی سے ملتی ہے اور کامل تبدیلی ہرگز ممکن نہیں جب تک انسان کی تمام قوتیں جو اس کی انسانیت کا نچوڑ اور لب لباب ہیں اطاعت الٰہی کے نیچے نہ آ جائیں اور جب تمام قوتیں اطاعت الٰہی کے نیچے آ گئیں اور اپنے نیچرل خواص کے ساتھ خط استقامت پر چلنے لگیں۔ تو ایسے شخص کا نام مسلمان ہوگا لیکن ان تمام قوتوں کا اپنے اپنے مطالب میں پورے پورے طور پر کامیاب ہو جانا اور رضائے الٰہی کے نیچے گم ہو کر اعتدال مطلوب کو حاصل کرنا بجز تعلیم الٰہی اور تائید الٰہی غیر ممکن اور محال ہے اور ضرور تھا کہ کوئی کتاب دنیا میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسی نازل ہوتی کہ جو اسلام کا طریق خدا کے بندوں کو سکھاتی کیونکہ جس طرح ہم اپنے ماتحت جانوروں گھوڑوں گدھوں بیلوں وغیرہ کو تربیت کرتے ہیں تا ان کی مخفی استعدادیں ظاہر کریں اور اپنی مرضی کے موافق ان کو چلاویں۔ اسی طرح خدا تعالیٰ پاک فطرت انسانوں کی فطرتی قوتیں ظاہر کرنے کیلئے ان کی طرف توجہ فرماتا ہے اور کسی کامل الفطرت پر وحی نازل کر کے دوسروں کی اس کے ذریعہ سے اصلاح کرتا ہے تا وہ اس کی اطاعت میں محو ہو جائیں۔ یہی قدیم سے سنت اللہ ہے اور ہمیشہ خدا تعالیٰ ہر یک زمانہ کی استعداد کے موافق اسلام کا طریق اس زمانہ کو سکھلاتا رہا ہے۔

اور چونکہ پہلے نبی ایک خاص قوم اور خاص ملک کیلئے آیا کرتے تھے اس لئے ان کی تعلیم جو ابھی ابتدائی تھی مجمل اور ناقص رہتی تھی کیونکہ بوجہ کمی قوم اصلاح کی حاجت کم پڑتی تھی اور چونکہ انسانیت کے پودہ نے ابھی پورا نشوونما بھی نہیں کیا تھا اسلئے استعدادیں بھی کم درجہ پر تھیں اور اعلیٰ تعلیم کی برداشت نہیں کر سکتی تھیں پھر ایسا زمانہ آیا کہ استعدادیں تو بڑھ گئیں مگر زمین گناہ اور بدکاری اور مخلوق پرستی سے بھر گئی اور سچی توحید اور سچی راستبازی نہ ہندوستان میں باقی رہی اور نہ مجوسیوں میں اور نہ یہودیوں میں اور نہ عیسائیوں میں اور تمام قوتیں ضلالت اور نفسانی جذبات کے نیچے دب گئیں اس وقت خدا نے قرآن شریف کو اپنے پاک نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کر کے دنیا کو کامل اسلام

﴿۱۴۹﴾ سکھایا اور پہلے نبی ایک ایک قوم کیلئے آیا کرتے اور اسی قدر سکھلاتے تھے جو اسی قوم کی استعداد کے اندازہ کے موافق ہو اور جن تعلیموں کی وہ لوگ برداشت نہیں کر سکتے تھے وہ تعلیمیں اسلام کی ان کو نہیں بتلاتے تھے اسلئے ان لوگوں کا اسلام ناقص رہتا تھا یہی وجہ ہے کہ ان دینوں میں سے کسی دین کا نام اسلام نہیں رکھا گیا۔ مگر یہ دین جو ہمارے پاک نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت دنیا میں آیا اس میں تمام دنیا کی اصلاح منظور تھی اور تمام استعدادوں کے موافق تعلیم دینا مدنظر تھا اسلئے یہ دین تمام دنیا کے دینوں کی نسبت اکمل اور اتم ہوا اور اسی کا نام بالخصوصیت اســـلام رکھا گیا اور اسی دین کو خدا نے کامل کہا جیسا کہ قرآن شریف میں ہے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا[1] یعنی آج میں نے دین کو کامل کیا اور اپنی نعمت کو پورا کیا اور میں راضی ہوا جو تمہارا دین اسلام ہو۔ چونکہ پہلے دین کامل نہیں تھے اور ان قوانین کی طرح تھے جو مختص القوم یا مختص الزمان ہوتے ہیں اسلئے خدا نے ان دینوں کا نام اسلام نہ رکھا اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا کیونکہ وہ انبیاء تمام قوموں کیلئے نہیں آئے تھے بلکہ اپنی اپنی قوم کیلئے آتے تھے اور اسی خرابی کی طرف ان کی توجہ ہوتی تھی جو ان کی قوم میں پھیلی ہوئی ہوتی تھی اور انسانیت کی تمام شاخوں کی اصلاح کرنا ان کا کام نہیں تھا کیونکہ ان کے زیر علاج ایک خاص قوم تھی جو خاص آفتوں اور بیماریوں میں مبتلا تھی اور ان کی استعدادیں بھی ناقص تھیں اسی لئے وہ کتابیں ناقص رہیں کیونکہ تعلیم کی اغراض خاص خاص قوم تک محدود تھے مگر اسلام تمام دنیا اور تمام استعدادوں کیلئے آیا اور قرآن کو تمام دنیا کی کامل اصلاح مدنظر تھی جن میں عوام بھی تھے اور خواص بھی تھے اور حکماء اور فلاسفر بھی اس لئے انسانیت کے تمام قویٰ پر قرآن نے بحث کی اور یہ چاہا کہ انسان کی ساری قوّتیں خدا تعالیٰ کی راہ میں فدا ہوں اور یہ اسلئے ہوا کہ قرآن کا مدنظر انسان کی تمام استعدادیں تھیں اور ہر یک استعداد کی اصلاح منظور تھی اور اسی وجہ سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ٹھہرے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر وہ تمام کام پورا ہو گیا جو پہلے اس سے کسی نبی کے ہاتھ پر پورا نہیں ہوا تھا۔ چونکہ قرآن کو نوع انسان کی تمام استعدادوں سے کام پڑتا تھا اور وہ دنیا کی عام اصلاح کیلئے نازل

[1] المائدۃ : ۴

﴿۱۵۰﴾ کیا گیا تھا اسلئے تمام اصلاح اس میں رکھی گئی اور اسی لئے قرآنی تعلیم کا دین اسلام کہلایا اور اسلام کا لقب کسی دوسرے دین کو نہ مل سکا کیونکہ وہ تمام ادیان ناقص اور محدود تھے غرض جبکہ اسلام کی حقیقت یہ ہے تو کوئی عقلمند مسلمان کہلانے سے عار نہیں کر سکتا ہاں اسلام کا دعویٰ اسی قرآنی دین نے کیا ہے اور اسی نے اس عظیم الشان دعویٰ کے دلائل بھی پیش کئے ہیں اور یہ بات کہنا کہ میں مسلمان نہیں ہوں یہ اس قول کے مساوی ہے کہ میرا دین ناقص ہے۔

یہ بات بھی مجھے بیان کرنا ضروری ہے کہ وہ حقیقی خوش حالی جس کی طلب نے انسان کو مذہب کا طالب بنایا ہے بجز اسلام کے اور کسی جگہ مل نہیں سکتی جس وقت اس ضروری سوال پر ہم غور کرتے ہیں کہ کیونکر ہم نہایت خوشحالی سے اس پُرفتنہ دنیا سے سفر کر سکتے ہیں تو ہماری روح جو سچے اور کامل آرام کو چاہتی ہے معاً یہ جواب دیتی ہے کہ ہماری کامل اور لازوال خوش حالی کیلئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔

اول۔ یہ کہ اس فانی زندگی کے فانی تعلقات میں ہم ایسے اسیر اور مقید نہ ہوں کہ ان کا چھوڑنا ہمارے لئے عذاب الیم ہو۔

دوم۔ یہ کہ ہم درحقیقت خدا تعالیٰ کو ان تمام چیزوں پر مقدم رکھ لیں اور جس طرح ایک شخص بالارادہ سفر کر کے ایک شہر کو چھوڑتا اور دوسرے شہر میں آجاتا ہے اسی طرح ہم اپنے ارادہ سے دنیا کی زندگی کو چھوڑ دیں اور خدا کے لئے ہر یک دکھ کو قبول کریں اگر ہم ایسا کریں تو اپنے ہاتھ سے اپنے لئے بہشت کی بنیادی اینٹ رکھیں گے **اسلام کیا چیز ہے؟** یہی کہ ہم اس سفلی زندگی کو کھو دیں اور نابود کریں اور ایک اور نئی پاک زندگی میں داخل ہوں اور یہ ناممکن ہے جب تک کہ ہمارے تمام قویٰ خدا کی راہ میں قربان نہ ہو جائیں **اسلام پر قدم مارنے سے نئی زندگی ملتی ہے اور وہ انوار اور برکات حاصل ہوتے ہیں** کہ اگر میں بیان کروں تو مجھے شک ہے کہ اجنبی لوگوں میں سے کوئی ان پر اعتبار بھی کرے گا۔ **خدا ہے**۔ اور اس کی ذات پر ایمان لانا اور درحقیقت اسی کا

ہو جانا یہی راہ ہے جس کا نام اسلام ہے لیکن اس راہ پر وہی قدم مارتا ہے جس کے دل پر اس **زندہ خدا** کا خوف ایک قوی اثر ڈالتا ہے۔ اکثر لوگ بیہودہ طریقوں پر نجات کے خواہشمند رہتے ہیں لیکن اسلام وہی طریق نجات بتاتا ہے جو درحقیقت خدا تعالیٰ کی طرف سے ازل سے مقرر ہے اور وہ یہ ہے کہ سچے اعتقاد اور پاک عملوں اور اس کی رضا میں محو ہونے سے اس کے قرب کے مکان کو تلاش کیا جائے اور کوشش کی جائے کہ اس کا قرب اور اس کی رضا حاصل ہو کیونکہ تمام عذاب خدا تعالیٰ کی دوری اور غضب میں ہے پس جس وقت انسان سچی توبہ اور سچے طریق کے اختیار کرنے سے اور سچی تابعداری حاصل کرنے سے اور سچی توحید کے قبول کرنے سے خدا تعالیٰ سے نزدیک ہو جاتا ہے اور اس کو راضی کر لیتا ہے تو تب وہ عذاب اس سے دور کیا جاتا ہے لیکن یہ سوال کہ کیونکر انسان جھوٹے عقیدوں اور باطل خیالات میں مبتلا ہو جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ انسان اس وقت غلط خیالات اور بدعقائد میں پھنس جاتا ہے جبکہ خدا تعالیٰ کی سچی وحی کی پیروی نہیں کرتا بلکہ اپنے خود تراشیدہ خیالات یا اپنے جیسے کسی دوسرے انسان کے خیالات کا پیرو بن جاتا ہے یہ تو ظاہر ہے کہ انسان غلطی سے بچ نہیں سکتا اور اس کی فطرت پر سہو ونسیان غالب ہے پھر ایسی راہ میں جو نہایت باریک اور ساتھ اس کے نفسانی جذبات بھی لگے ہوئے ہیں کیونکر بچ سکتا ہے لہٰذا تمام سچے طالبوں اور حقیقی راست بازوں نے اس بات کی تصدیق پر اپنے سر جھکا دیئے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی رضامندی کی راہوں کو دریافت کرنے کیلئے اسی کی وحی اور الہام کی ضرورت ہے۔ حق کے طالب کیلئے سب سے پہلے ضروری یہی مسئلہ ہے کہ کسی طرح خدا تعالیٰ کی ہستی اور وجود پر یقین کامل پیدا ہو جائے لیکن جو ذات بالکل پوشیدہ اور غیب الغیب اور وراء الورا ہے انسان محض اپنی کوششوں اور اپنے ہی خود ساختہ گیان اور معرفت سے اس پر یقین کامل نہیں لا سکتا بلکہ یک طرفہ کوششوں کا آخری نتیجہ شک اور وہم اور ہستی باری کا انکار ہے۔ کیونکہ جو شخص دس۱۰ یا بیس۲۰ برس یا مثلاً پچاس برس تک خدا تعالیٰ کی طلب میں لگا رہے

﴿۱۵۱﴾

﴿۱۵۲﴾ اور زمین و آسمان کے عجائبِ قدرت دیکھ کر اس بات کی ضرورت کو تسلیم کرے کہ اس احسن ترتیب اور ابلغ ترکیب اور پُرحکمت اشیاء کا ضرور کوئی خالق ہوگا تو بالطبع اس کو اس بات کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی اس کو کوئی نشان ملے صرف خود ساختہ خیالات ہی پر مدار نہ رہے لیکن جب ایک زمانہ دراز تک اس خالق کی طلب میں رہ کر پھر بھی اس طرف سے کوئی آواز نہ آوے اور کوئی نشان پیدا نہ ہو تو وہ یقین جو اس نے محض اپنی عقل کی تراش خراش سے پیدا کیا تھا آخر وہ بھی ایک بوسیدہ عمارت کی طرح گر جائے گا اور اس کا پچھلا حال پہلے حال سے بدتر ہوگا کیونکہ یہ انسان میں ایک فطرتی خاصیت ہے کہ اگر اپنے وجود کے تمام زور اور تمام قوت سے ایک چیز کو ڈھونڈے اور طلب کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھے اور پھر بھی وہ چیز میسر نہ آوے تو اس چیز کے وجود کی نسبت اس کا اعتقاد قائم نہیں رہتا بالخصوص اگر کسی ایسے شخص کو ڈھونڈتا ہو جس کی نسبت اس کا یہ اعتقاد بھی ہو کہ وہ میری اس کوشش اور اضطراب سے واقف ہے اور میری اس بیقراری پر مطلع ہے تو پھر اگر اس کی طرف سے کوئی پیغام نہ پہنچے تو بلاشبہ انکار اور نومیدی کا موجب ہوگا۔

پس اس تحقیق کی رو سے یہ بات ثابت شدہ امر ہے کہ
خدا تعالیٰ پر سچا یقین بغیر ذریعہ وحی اور الہام کے ہرگز
حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور اب ہم ہر یک مذہب
کا معیار بیان کرتے ہیں اور تینوں مذہبوں

آریہ۔ عیسائی۔ اسلام

کو بالمقابل لکھ کر کھرے کھوٹے
کی تمیز ناظرین پر ہی
چھوڑتے ہیں۔

═══

☆

﴿۱۵۳﴾

فطرتی معیار سے مذاہب کا مقابلہ

اور گورنمنٹ انگریزی کے احسان کا کچھ تذکرہ

میرے خیال میں مذاہب کے پرکھنے اور جانچنے اور کھرے کھوٹے میں تمیز کرنے کیلئے اس سے بہتر کسی ملک کے باشندوں کو موقعہ ملنا ممکن نہیں جو ہمارے ملک پنجاب اور ہندوستان کو ملا ہے اس موقع کے حصول کیلئے پہلا فضل خدا تعالیٰ کا گورنمنٹ برطانیہ کا ہمارے اس ملک پر تسلط ہے۔ ہم نہایت ہی ناسپاس اور منکر نعمت ٹھہریں گے اگر ہم سچے دل سے اس **محسن گورنمنٹ** کا شکر نہ کریں جس کے بابرکت وجود سے ہمیں **دعوت اور تبلیغ** اسلام کا وہ موقع ملا جو ہم سے پہلے کسی بادشاہ کو بھی نہیں مل سکا کیونکہ اس علم دوست گورنمنٹ نے اظہار رائے میں وہ **آزادی** دی ہے جس کی نظیر اگر کسی اور موجودہ عملداری میں تلاش کرنا چاہیں تو لاحاصل ہے کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ہم **لنڈن** کے بازاروں میں **دین اسلام** کی تائید کیلئے وہ **وعظ** کر سکتے ہیں جس کا خاص مکہ معظّمہ میں میسر آنا ہمارے لئے غیر ممکن ہے اور اس گورنمنٹ نے نہ صرف اشاعت کتب اور **اشاعت** مذہب میں ہر یک قوم کو آزادی دی بلکہ خود بھی ہر یک فرقہ کو بذریعہ اشاعت علوم وفنون کے مدد دی اور تعلیم اور تربیت سے ایک دنیا کی **آنکھیں** کھول دیں۔ پس اگرچہ اس **محسن گورنمنٹ** کا یہ احسان بھی کچھ تھوڑا نہیں کہ وہ ہمارے مال اور آبرو اور خون کی جہاں تک طاقت ہے سچے دل سے **محافظت** کر رہی ہے اور ہمیں اس آزادی سے فائدہ پہنچا رہی ہے جس کیلئے ہم سے پہلے بہتیرے نوع انسان کے سچے ہمدرد ترستے گذر گئے لیکن یہ دوسرا احسان گورنمنٹ کا اس سے بھی بڑھ کر ہے کہ وہ جنگلی وحشیوں اور نام کے انسانوں کو انواع واقسام کی تعلیم کے ذریعہ سے اہل علم وعقل بنانا چاہتی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ اس گورنمنٹ کی متواتر کوششوں

﴿۱۵۴﴾ سے وہ لوگ جو قریب قریب مویشی اور چارپایوں کے تھے کچھ کچھ حصہ انسانیت اور فہم وفراست کا لے چکے ہیں اور اکثر دلوں اور دماغوں میں ایک ایسی روشنی پیدا ہوگئی ہے جو علوم کے حصول کے بعد پیدا ہوا کرتی ہے۔ معلومات کی وسعت نے گویا ایک دفعہ دنیا کو بدل دیا ہے لیکن جس طرح شیشے میں سے روشنی تو اندر گھر کے آ سکتی ہے مگر پانی نہیں آ سکتا اسی طرح علمی روشنی تو دلوں اور دماغوں میں آ گئی ہے مگر ہنوز وہ مصفا پانی اخلاص اور روبحق ہونے کا اندر نہیں آیا جس سے روح کا پودا نشو ونما پاتا اور اچھا پھل لاتا لیکن یہ گورنمنٹ کا قصور نہیں ہے بلکہ ابھی ایسے اسباب مفقود یا قلیل الوجود ہیں جو سچی روحانیت کو جوش میں لاویں۔ یہ عجیب بات ہے کہ علمی ترقی سے مکر اور فریب کی بھی کچھ ترقی معلوم ہوتی ہے اور اہل حق کو ناقابل برداشت وساوس کا سامنا ہے ایمانی سادگی بہت گھٹ گئی ہے اور فلسفیانہ خیالات نے جن کے ساتھ دینی معلومات ہم قدم نہیں ہیں ایک زہریلا اثر نوتعلیم یافتہ لوگوں پر ڈال رکھا ہے جو دہریت کی طرف کھینچ رہا ہے۔ اور واقعی نہایت مشکل ہے کہ اس اثر سے بغیر حمایت دینی تعلیم کے لوگ بچ سکیں پس وائے برحال اُس شخص کے جو ایسے مدرسوں اور کالجوں میں اس حالت میں چھوڑا گیا ہے جبکہ اس کو دینی معارف اور حقائق سے کچھ بھی خبر نہیں۔ ہاں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس عالی ہمت گورنمنٹ نے جو نوع انساں کی ہمدرد ہے۔ اس ملک کے دلوں کی زمین کو جو ایک بنجر پڑا ہوا تھا اپنے ہاتھ کی کوششوں سے جنگلی درختوں اور جھاڑیوں اور مختلف اقسام کے گھاس سے جو بہت اونچے اور فراہم ہو کر زمین کو ڈھک رہے تھے پاک کر دیا ہے اور اب قدرتی طور پر وہ وقت آ گیا ہے جو سچائی کا بیج اس زمین میں بویا جائے اور پھر آسمانی پانی سے آبپاشی ہو پس وہ لوگ بڑے ہی خوش نصیب ہیں جو اس مبارک گورنمنٹ کے ذریعہ سے آسمانی بارش کے قریب پہنچ گئے ہیں مسلمانوں کو چاہئے کہ اس گورنمنٹ کے وجود کو خدا تعالیٰ کا فضل سمجھیں اور اس کی سچی اطاعت کیلئے ایسی کوشش کریں کہ دوسروں کیلئے نمونہ ہو جائیں۔ کیا احسان کا عوض احسان نہیں۔ کیا نیکی کے بدلہ نیکی کرنا لازم نہیں سو چاہئے کہ ہر یک شخص سوچ لے۔

﴿۱۵۵﴾ اور اپنا نیک جوہر دکھلاوے اسلامی **شریعت** کسی کے حق اور احسان کو ضائع کرنا نہیں چاہتی پس نہ منافقانہ طور پر بلکہ دل کی سچائی سے اس محسن گورنمنٹ سے اطاعت کے ساتھ پیش آنا چاہئے۔ کیونکہ ہمارے دین کی روشنی پھیلانے کیلئے پہلی تقریب خدا تعالیٰ نے یہی قائم کی ہے۔

پھر دوسرا **ذریعہ** جو **مذاہب** کے **شناخت** کرنے کا ہمارے **ملک میں** پیدا ہوگیا چھاپے خانوں کی کثرت ہے کیونکہ ایسی کتابیں جو گویا زمین میں **دفن** تھیں ان چھاپہ خانوں کے ذریعہ سے گویا پھر **زندہ ہوگئیں** یہاں تک کہ ہندوؤں کا **وید بھی نئے اوراق** کا لباس پہن کر نکل آیا گویا نیا جنم لیا اور حمقاء اور عوام کی بنائی ہوئی کہانیوں کی پردہ دری ہوگئی۔

تیسرا ذریعہ راہوں کا کھلنا اور **ڈاک** کا احسن انتظام اور دور دور ملکوں سے کتابوں کا اس **ملک** میں آجانا اور اس **ملک** سے ان ملکوں میں جانا یہ سب وسائل **تحقیق حق** کے ہیں جو خدا کے فضل نے ہمارے **ملک** میں موجود کر دیئے جن سے ہم پوری آزادی کے ذریعہ سے فائدہ اٹھا رہے ہیں **یہ سب فوائد** اس محسن اور نیک نیت گورنمنٹ کے ذریعہ ہمیں ملے ہیں جس کیلئے بے اختیار ہمارے **دل** سے **دعا** نکلتی ہے لیکن اگر یہ سوال ہو کہ پھر ایسی مہذب اور دانا گورنمنٹ ایسے **مذہب** سے کیوں تعلق رکھتی ہے جس میں انسان کو خدا بنا کر **سچے خدا** کے بدیہی اور قدیم اور غیر متغیر جلال کی کسر شان کی جاتی ہے۔ تو افسوس کہ اس سوال کا جواب بجز اس کے کچھ نہیں کہ سلاطین اور ملوک کو جو ملک داری کا خیال واجبی حد سے بڑھ جاتا ہے لہٰذا تدبّر اور تفکر کی تمام قوتیں اسی میں خرچ ہو جاتی ہیں اور قومی حمایت کی مصلحت **آخرت** کے امور کی طرف سر اٹھانے نہیں دیتی اور اسی طرح ایک مسلسل اور غیر منقطع دنیوی مطالب کے نیچے دب کر خدا شناسی اور حق جوئی کی روح کم ہو جاتی ہے اور بایں ہمہ خدا تعالیٰ کے فضل سے نومیدی نہیں کہ وہ اس باہمت گورنمنٹ کو **صراط مستقیم** کی طرف توجہ دلاوے۔ ہماری دعا جیسا کہ اس گورنمنٹ کی دنیوی بھلائی کیلئے ہے ایسا ہی آخرت کیلئے بھی ہے پس کیا تعجب ہے کہ دعا کا اثر ہم دیکھ لیں

﴿۱۵۶﴾ اس زمانہ میں جبکہ حق اور باطل کے معلوم کرنے کیلئے بہت سے وسائل پیدا ہو گئے ہیں ہمارے ملک میں تین بڑے مذہب بالمقابل کھڑے ہو کر ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہیں ان مذاہب ثلٰثہ میں سے ہریک صاحب مذہب کو دعویٰ ہے کہ میرا ہی مذہب حق اور درست ہے اور تعجب کہ کسی کی زبان بھی اس بات کے انکار کی طرف مائل نہیں ہوتی کہ اس کا مذہب سچائی کے اصولوں پر مبنی نہیں۔ لیکن میں اس امر کو باور نہیں کر سکتا کہ جیسا کہ ہمارے مخالفوں کی زبانوں کا دعویٰ ہے ایسا ہی ایک سیکنڈ کیلئے ان کے دل بھی ان کی زبانوں سے اتفاق کر سکتے ہیں۔ سچے مذہب کی یہ ایک بڑی نشانی ہے کہ قبل اس کے جو ہم اس کی سچائی کے دلائل بیان کریں خود وہ اپنی ذات میں ہی ایسا روشن اور درخشاں ہوتا ہے کہ اگر دوسرے مذاہب اس کے مقابل پر رکھے جائیں تو وہ سب تاریکی میں پڑے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور اس دلیل کو اس وقت ایک دانشمند انسان صفائی سے سمجھ سکتا ہے جبکہ ہریک مذہب کو اس کے دلائل مخترعہ سے علیحدہ کر کے صرف اس کے اصل الاصول پر نظر کرے یعنی ان مذاہب کے طریق خدا شناسی کو فقط ایک دوسرے کے مقابل پر رکھ کر جانچے اور کسی مذہب کے عقیدہ خداشناسی پر بیرونی دلائل کا حاشیہ نہ چڑھاوے بلکہ مجرد عن الدلائل کر کے اور ایک مذہب کو دوسرے مذہب کے مقابل پر رکھ کر پرکھے اور سوچے کہ کس مذہب میں ذاتی سچائی کی چمک پائی جاتی ہے اور کس میں یہ خاصیت ہے کہ فقط اس کے طریق خداشناسی پر ہی نظر ڈالنا دلوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے مثلاً وہ تین مذہب جن کا میں ابھی ذکر کر چکا ہوں یہ ہیں آریہ[1]۔ عیسائی[2]۔ اسلام[3] اگر ہم ان تینوں کی اصل تصویر دکھلانا چاہیں تو بتفصیل ذیل ہے۔

آریہ مذہب کا ایک ایسا خدا ہے جس کی خدائی اپنی ذاتی قوت اور قدرت پر چلنا غیر ممکن ہے اور اس کی تمام امیدیں ایسے وجودوں پر لگی ہوئی ہیں جو اس کے ہاتھ سے پیدا نہیں ہوئے حقیقی خدا کی قدرتوں کا انتہا معلوم کرنا انسان کا کام نہیں مگر آریوں کے پرمیشر کی قدرت

انگلیوں پر گن سکتے ہیں۔ وہ ایک ایسا کم سرمایہ پرمیشر ہے کہ اس کی تمام قدرتوں کی حد معلوم ہو چکی ہے اور اگر اس کی قدرتوں کی بہت ہی تعریف کی جائے تو اس سے بڑھ کر کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اپنے جیسی قدیم چیزوں کو معماروں کی طرح جوڑنا جانتا ہے اور اگر یہ سوال ہو کہ اپنے گھر سے کونسی چیز ڈالتا ہے تو نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ **کچھ نہیں**۔ غرض اس کی طاقت کا انتہائی مرتبہ صرف اس حد تک ہے کہ وہ موجودہ روحوں اور اجسام صغار کو جو قدیم اور اس کے وجود کی طرح انادی اور واجب الوجود ہیں جن کی پیدائش پر اس کے وجود کا کچھ بھی اثر نہیں باہم پیوند کر دیتا ہے لیکن اس بات پر دلیل قائم ہونا مشکل ہے کہ کیوں ان قدیم چیزوں کو ایسے پرمیشر کی حاجت ہے جبکہ کل چیزیں خود بخود ہیں ان کے تمام قویٰ بھی خود بخود ہیں اور ان میں باہم ملنے کی استعداد بھی خود بخود ہے اور ان میں قوت جذب اور کشش بھی قدیم سے ہے اور ان کے تمام خواص جو ترکیب کے بعد بھی ظاہر ہوتے ہیں خود بخود ہیں تو پھر سمجھ نہیں آتا کہ کس دلیل سے اس ناقص اور ناطاقت پرمیشر کی ضرورت ثابت ہوتی ہے اور اس میں اور اس کے غیر میں مابہ الامتیاز بجز زیادہ ہوشیار اور ذہین ہونے کے اور کیا ہوسکتا ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ آریوں کا پرمیشر ان بے انتہا قدرتوں سے ناکام ہے جو الوہیت کے کمال کے متعلق ہیں اور یہ اس فرضی پرمیشر کی بدقسمتی ہے کہ اس کو وہ کمال تام میسر نہ ہو سکا جو الوہیت کا **پورا جلال** چمکنے کیلئے ضروری ہے اور دوسری بدنصیبی یہ ہے کہ بجز **چند ورق وید** کے قانون قدرت کی رو سے اس کے شناخت کرنے کی کوئی بھی راہ نہیں کیونکہ اگر یہی بات صحیح ہے کہ **ارواح** اور **ذرات اجسام** معہ اپنی تمام قوتوں اور کششوں اور خاصیتوں اور عقلوں اور ادراکوں اور شعوروں کے خود بخود ہیں تو پھر ایک عقل سلیم ان چیزوں کے جوڑنے کیلئے کسی دوسرے شخص کی ضرورت نہیں سمجھتی وجہ یہ کہ اس صورت میں اس سوال کا جواب دینا امکان سے خارج ہے کہ جو چیزیں اپنے وجود کی قدیم سے آپ ہی خدا ہیں اور اپنے اندر وہ تمام قوتیں بھی رکھتی ہیں جو ان کے باہم جوڑنے کیلئے ضروری ہیں تو پھر جس حالت میں ان کو اپنے وجود کیلئے پرمیشر کی حاجت نہیں ہوئی اور اپنی

﴿۱۵۷﴾

﴿۱۵۸﴾ قوّتوں اور خاصیتوں میں کسی بنانے والے کی محتاج نہیں ٹھہریں تو پھر کیا وجہ ہے کہ ان کو باہم تعلق کیلئے کسی دوسرے جوڑنے والے کی حاجت پڑ گئی حالانکہ روحوں کے ساتھ ان کے قویٰ کا جوڑنا اور ذرات اجسام کے ساتھ ان کی قوتوں کا جوڑنا یہ بھی ایک جوڑنے کی قسم ہے پس اس سے تو یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ان قدیم چیزوں کو جیسا کہ اپنے وجود کیلئے کسی خالق کی ضرورت نہیں اور اپنی قوتوں کیلئے کسی موجد کی حاجت نہیں ایسا ہی باہم جوڑ پیدا ہونے کے لئے کسی صانع کی حاجت نہیں اور یہ نہایت بیوقوفی ہوگی کہ جب اول خود اپنی ہی زبان سے ان چیزوں کی نسبت مان لیں کہ وہ اپنے وجود اور اپنی قوّتوں اور اپنے باہم جوڑ کیلئے دوسرے کے محتاج نہیں تو پھر اسی منہ سے یہ بھی کہیں کہ بعض چیزوں کے جوڑنے کیلئے ضرور کسی دوسرے کی حاجت ہے پس یہ تو ایک دعویٰ ہوگا جس کے ساتھ کوئی دلیل نہیں۔ غرض اس عقیدہ کی رو سے پرمیشر کا وجود ہی ثابت کرنا مشکل ہوگا سو اس انسان سے زیادہ کوئی بدقسمت نہیں جو ایسے پرمیشر پر بھروسہ رکھتا ہے جس کو اپنا وجود ثابت کرنے کیلئے بھی بباعث کمی قدرت کے کوئی عمدہ اسباب میسر نہیں آ سکے۔ یہ تو ہندوؤں کے پرمیشر میں خدائی کی طاقتیں ہیں اور اخلاقی طاقتوں کا یہ حال ہے کہ وہ انسانوں کی طاقتوں سے بھی کچھ گری ہوئی معلوم ہوتی ہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک نیک دل انسان بارہا ایسے قصورواروں کے قصور بخش دیتا ہے جو عجز اور نیاز کے ساتھ اس سے معافی چاہتے ہیں اور بارہا اپنے کرم نفس کی خاصیت سے ایسے لوگوں پر احسان کرتا ہے جن کا کچھ بھی حق نہیں ہوتا لیکن آریہ لوگ اپنے پرمیشر کی نسبت یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ان دونوں قسموں کے خلقوں سے بھی بے نصیب ہے اور ان کے نزدیک ہریک گناہ کروڑہا جونوں کا موجب ہے اور جب تک کوئی گنہگار بے انتہا جونوں میں پڑ کر پوری سزا نہ پالے تب تک کوئی صورت مخلصی نہیں اور ان کے عقیدہ کی رو سے یہ امید بالکل بے سود ہے کہ انسان کی توبہ اور پشیمانی اور استغفار اس کے دوسرے جنم میں پڑنے سے روک دے گی یا حق کی طرف رجوع کرنا گذشتہ ناحق کے اقوال و اعمال کی سزا سے اُسے

﴿۱۵۹﴾

بچالے گا۔ بلکہ بیشمار جونوں کا بھگتنا ضروری ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتا اور کرم اور جود کے طور پر کچھ بخشش کرنا تو پرمیشر کی عادت ہی نہیں۔ جو کچھ انسان یا حیوان کوئی عمدہ حالت رکھتا ہے یا کوئی نعمت پاتا ہے وہ کسی پہلی جون کا **پھل** ہے مگر افسوس کہ باوجودیکہ آریوں کو وید کے اصولوں پر بہت ہی ناز ہے مگر پھر بھی یہ وید کی **باطل تعلیم** ان کی انسانی کانشنس کو مغلوب نہیں کرسکی اور مجھے ان ملاقاتوں کی وجہ سے جو اکثر اس فرقہ کے بعض لوگوں سے ہوتی ہیں یہ بات بارہا تجربہ میں آچکی ہے کہ جس طرح نیوگ کے ذکر کے وقت ایک **ندامت** آریوں کو دامنگیر ہوجاتی ہے اسی طرح وہ نہایت ہی ندامت زدہ ہوتے ہیں جب کہ ان سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ پرمیشر کی قدرتی اور اخلاقی طاقتیں کیوں ایسی محدود ہوگئیں جن کی شامت سے اس کی خدائی بھی عندالعقل ثابت نہیں ہوسکتی اور جس کی وجہ سے بدنصیب آریہ **دائمی نجات** پانے سے محروم رہے۔ غرض ہندوؤں کے پرمیشر کی **حقیقت** اور ماہیت یہی ہے کہ وہ اخلاقی اور **الوہیت** کی طاقتوں میں نہایت کمزور اور قابل رحم ہے اور شاید یہی سبب ہے کہ ویدوں میں پرمیشر کی پرستش چھوڑ کر اگنی اور وایو اور چاند اور سورج اور پانی کی پرستش پر زور ڈالا گیا ہے اور ہر یک عطا اور بخشش کا سوال ان سے کیا گیا ہے کیونکہ جبکہ پرمیشر آریوں کو کسی منزل تک نہیں پہنچا سکتا بلکہ خود پوری قدرتوں سے محروم رہ کر نامرادی کی حالت میں زندگی بسر کرتا ہے تو پھر دوسرے کا اس پر بھروسہ کرنا صریح غلطی ہے۔ ہندوؤں کے پرمیشر کی **کامل تصویر** آنکھوں کے سامنے لانے کیلئے اسی قدر کافی ہے جو ہم لکھ چکے۔

اب دوسرا مذہب یعنی **عیسائی** باقی ہے جس کے حامی نہایت زور وشور سے اپنے خدا کو جس کا نام انہوں نے **یسوع مسیح** رکھا ہوا ہے بڑے مبالغہ سے **سچا خدا** سمجھتے ہیں اور عیسائیوں کے خدا کا حلیہ یہ ہے کہ وہ ایک اسرائیلی آدمی مریم بنت یعقوب کا بیٹا ہے جو ۳۲ برس کی عمر پاکر اس دارالفنا سے گذر گیا۔ جب ہم سوچتے ہیں کہ کیونکر وہ گرفتار ہونے کے وقت ساری رات دعا کر کے **پھر بھی** اپنے **مطلب** سے **نامراد** رہا اور ذلت کے ساتھ پکڑا گیا

﴿۱۶۰﴾ اور بقول عیسائیوں کے سولی پر کھینچا گیا اور **ایلی ایلی** کرتا مر گیا تو ہمیں یک دفعہ بدن پر لرزہ پڑتا ہے کہ کیا ایسے انسان کو جس کی **دعا** بھی جناب الٰہی میں قبول نہ ہو سکی اور نہایت ناکامی اور نامرادی سے **ماریں کھاتا کھاتا** مر گیا قادر خدا کہہ سکتے ہیں ذرا اس وقت کے نظارہ کو آنکھوں کے سامنے لاؤ جبکہ یسوع مسیح **حوالات** میں ہو کر پلاطوس کی عدالت سے ہیرودوس کی طرف بھیجا گیا۔ کیا یہ **خدائی کی شان** ہے کہ حوالات میں ہو کر **ہتھکڑی** ہاتھ میں **زنجیر** پیروں میں چند سپاہیوں کی **حراست** میں چالان ہو کر **جھڑکیاں** کھاتا ہوا **گلیل** کی طرف روانہ ہوا۔ اور اس حالت **پُر ملالت** میں ایک حوالات سے دوسری حوالات میں پہنچا۔ پلاطوس نے **کرامت** دیکھنے پر چھوڑنا چاہا اس وقت کوئی کرامت **دکھلا نہ سکا**۔ ناچار پھر حراست میں واپس کر کے یہودیوں کے **حوالہ** کیا گیا اور انہوں نے ایک دم میں اس کی جان کا قصہ تمام کر دیا۔

اب ناظرین خود سوچ لیں کہ کیا **اصلی** اور **حقیقی** خدا کی یہی علامتیں ہوا کرتی ہیں کیا کوئی پاک کانشنس اس بات کو قبول کر سکتا ہے کہ وہ جو زمین و آسمان کا **خالق** اور بے انتہا قدرتوں اور طاقتوں کا **مالک** ہے وہ اخیر پر ایسا بدنصیب اور کمزور اور ذلیل حالت میں ہو جائے کہ شریر انسان اس کو اپنے ہاتھوں میں مل ڈالیں۔ اگر کوئی ایسے خدا کو **پوجے** اور اس پر بھروسہ کرے **تو اسے اختیار** ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ اگر آریوں کے پرمیشر کے مقابل پر بھی عیسائیوں کے خدا کو کھڑا کر کے اس کی **طاقت** اور **قدرت** کو **وزن** کیا جائے تب بھی اس کے مقابل پر بھی یہ **ہیچ محض** ہے کیونکہ آریوں کا فرضی پرمیشر اگرچہ پیدا کرنے کی کچھ بھی طاقت نہیں رکھتا لیکن کہتے ہیں کہ پیدا شدہ چیزوں کو کسی قدر جوڑ سکتا ہے مگر عیسائیوں کے یسوع میں تو اتنی بھی طاقت ثابت نہ ہوئی جس وقت یہودیوں نے صلیب پر کھینچ کر کہا تھا کہ **اگر تو اب اپنے آپ کو بچائے تو ہم تیرے پر ایمان** لاویں گے تو وہ ان کے سامنے اپنے تئیں **بچا نہ سکا** ورنہ اپنے تئیں بچانا کیا کچھ بڑا کام تھا صرف **اپنے روح کو اپنے جسم** کے ساتھ **جوڑنا تھا** سو اس **کمزور** کو جوڑنے کی بھی طاقت نہ ہوئی پیچھے سے پردہ داروں

﴿۱۶۱﴾

نے باتیں بنالیں کہ وہ قبر میں زندہ ہوگیا تھا مگر افسوس کہ انہوں نے نہ سوچا کہ یہودیوں کا تو یہ سوال تھا کہ **ہمارے روبرو ہمیں زندہ ہو کر دکھلاوے** پھر جبکہ ان کے روبرو زندہ نہ ہوسکا اور نہ قبر میں زندہ ہوکران سے آ کر ملاقات کی تو یہودیوں کے نزدیک بلکہ ہر یک محقق کے نزدیک اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ حقیقت میں زندہ ہوگیا تھا اور جب تک ثبوت نہ ہوتب تک اگر فرض بھی کرلیں کہ قبر میں لاش گم ہوگئی تو اس سے **زندہ ہونا** ثابت نہیں ہوسکتا بلکہ عندالعقل یقینی طور پر یہی ثابت ہوگا کہ **در پردہ** کوئی **کرامات** دکھلانے والا **چورا** کر لے گیا ہوگا دنیا میں بہتیرے ایسے گذرے ہیں کہ جن کی قوم یا معتقدوں کا یہی اعتقاد تھا کہ ان کی نعش گم ہوکر وہ معہ جسم بہشت میں پہنچ گئی ہے تو کیا عیسائی قبول کرلیں گے کہ فی الحقیقت ایسا ہی ہوا ہوگا مثلاً دور نہ جاؤ **بابا نانک صاحب** کے واقعات پر ہی نظر ڈالو کہ ۷ الاکھ سکھ صاحبوں کا اسی پر اتفاق ہے کہ درحقیقت وہ مرنے کے بعد معہ اپنے جسم کے بہشت میں پہنچ گئے اور نہ صرف اتفاق بلکہ ان کی معتبر کتابوں میں جو اسی زمانہ میں تالیف ہوئیں یہی لکھا ہوا ہے۔ اب کیا عیسائی صاحبان قبول کرسکتے ہیں کہ حقیقت میں بابا نانک صاحب معہ جسم بہشت میں ہی چلے گئے ہیں افسوس کہ عیسائیوں کو دوسروں کیلئے تو فلسفہ یاد آ جاتا ہے مگر اپنے گھر کی **نامعقول** باتوں سے فلسفہ کو چھونے بھی نہیں دیتے۔ اگر عیسائی صاحبان کچھ انصاف سے کام لینا چاہیں تو جلد سمجھ سکتے ہیں کہ سکھ صاحبوں کے دلائل بابا نانک صاحب کی **نعش گم** ہونے اور معہ جسم بہشت میں جانے کے بارے میں عیسائیوں کے **مزخرفات** کی نسبت بہت ہی قوی اور قابل توجہ ہیں اور بلاشبہ **انجیل** کی وجوہ سے زبردست ہیں کیونکہ اول تو وہ واقعات اسی وقت بالا والی جنم ساکھی میں لکھے گئے مگر انجیلیں یسوع کے زمانہ سے بہت برس بعد لکھی گئیں پھر ایک اور ترجیح بابا نانک صاحب کے واقعہ کو یہ ہے کہ یسوع کی طرف جو یہ کرامت منسوب کی گئی ہے تو یہ درحقیقت اس ندامت کی پردہ پوشی کی غرض سے معلوم ہوتی ہے جو یہودیوں کے سامنے حواریوں کو اٹھانی پڑی کیونکہ جب یہودیوں نے یسوع کو صلیب پر کھینچ کر پھر اس سے یہ **معجزہ چاہا** کہ اگر وہ اب زندہ

﴿۱۶۲﴾ ہوکر صلیب پر سے اتر آئے تو ہم اس پر ایمان لائیں گے تو اس وقت یسوع صلیب پر سے اتر نہ سکا پس اس وجہ سے یسوع کے شاگردوں کو بہت ہی **ندامت** ہوئی اور وہ یہودیوں کے سامنے منہ دکھانے کے قابل نہ رہے لہٰذا ضرور تھا کہ وہ ندامت کے چھپانے کیلئے کوئی ایسا حیلہ کرتے جس سے سادہ لوحوں کی نظر میں اس طعن اور ٹھٹھے اور ہنسی سے بچ جاتے۔ سو اس بات کو عقل قبول کرتی ہے کہ انہوں نے فقط ندامت کا **کلنک** اپنے منہ پر سے اتارنے کی غرض سے ضرور یہ حیلہ بازی کی ہوگی کہ رات کے وقت جیسا کہ ان پر الزام لگا تھا یسوع کی **نعش** کو اس کی **قبر** میں سے نکال کر کسی دوسری قبر میں رکھ دیا ہوگا اور پھر حسب مثل مشہور کہ **خواجہ کا گواہ ڈڈو** کہہ دیا ہوگا کہ لو جیسا کہ تم درخواست کرتے تھے یسوع زندہ ہوگیا مگر وہ آسمان پر چلا گیا ہے لیکن یہ مشکلیں بابا نانک صاحب کے فوت ہونے پر سکھ صاحبوں کو پیش نہیں آئیں اور نہ کسی دشمن نے ان پر یہ الزام لگایا اور نہ ایسے فریبوں کیلئے ان کو کوئی ضرورت پیش آئی اور نہ جیسا کہ یہودیوں نے شور مچایا تھا کہ **نعش چرائی گئی** ہے کسی نے شور مچایا سو اگر عیسائی صاحبان بجائے **یسوع** کے بابا نانک صاحب کی نسبت یہ عقیدہ رکھتے تو کسی قدر معقول بھی تھا مگر یسوع کی نسبت تو ایسا خیال صریح **بناوٹ** اور جعلسازی کی **بدبو** سے **بھرا ہوا** ہے۔

اخیر عذر یسوع کے دکھ اٹھانے اور مصلوب ہونے کا یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ **خدا ہوکر** پھر اسلئے سولی پر کھینچا گیا کہ تا اس کی **موت** گناہگاروں کیلئے کفارہ ٹھہرے لیکن یہ بات بھی عیسائیوں کی ہی ایجاد ہے کہ **خدا بھی مرا کرتا** ہے گو مرنے کے بعد پھر اس کو زندہ کر کے عرش پر پہنچا دیا اور اس باطل وہم میں آج تک گرفتار ہیں کہ پھر وہ عدالت کرنے کیلئے دنیا میں آئے گا اور جو جسم مرنے کے بعد اس کو دوبارہ ملا وہی جسم خدائی کی حیثیت میں ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا۔ مگر عیسائیوں کا یہ مجسم خدا جس پر بقول ان کے ایک مرتبہ **موت بھی آ چکی** ہے اور خون گوشت ہڈی اور اوپر نیچے کے سب اعضاء رکھتا ہے یہ ہندوؤں کے ان **اوتاروں** سے مشابہ ہے جن کو آج کل آریہ لوگ بڑے جوش سے چھوڑتے جاتے ہیں صرف فرق یہ ہے کہ عیسائیوں کے خدا نے تو صرف ایک مرتبہ

مرؔیم بنت یعقوب کے پیٹ سے جنم لیا مگر ہندوؤں کے خدا بشن نے نو مرتبہ دنیا کے گناہ دور کرنے کیلئے تولد کا داغ اپنے لئے قبول کرلیا خصوصاً آٹھویں مرتبہ کا جنم لینے کا قصہ نہایت دلچسپ بیان کیا جاتا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ جب زمین دیئتوں کی طاقت سے مغلوب ہوگئی تو بشن نے آدھی رات کو کنواری لڑکی کے پیٹ سے پیدا ہوکر اوتار لیا اور جو پاپ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے ان سے لوگوں کو چھوڑایا۔ یہ قصہ اگرچہ عیسائیوں کے مذاق کے موافق ہے مگر اس بات میں ہندوؤں نے بہت عقلمندی کی کہ عیسائیوں کی طرح اپنے اوتاروں کو سولی نہیں دیا اور نہ ان کے لعنتی ہونے کے قائل ہوئے۔ قرآن شریف کے بعض اشارات سے نہایت صفائی کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو خدا بنانے کے موجد پہلے آریہ ورت کے برہمن ہی ہیں اور پھر یہی خیالات یونانیوں نے ہندوؤں سے لئے آخر اس مکروہ اعتقاد میں ان دونوں قوموں کے فضلہ خوار عیسائی بنے۔ اور ہندوؤں کو ایک اور بات دور کی سوجھی جو عیسائیوں کو نہیں سوجھی اور وہ یہ کہ ہندو لوگ خدائے ازلی ابدی کے قدیم قانون میں یہ بات داخل رکھتے ہیں کہ جب کبھی دنیا گناہ سے بھر گئی تو آخر ان کے پرمیشر کو یہی تدبیر خیال میں آئی کہ خود دنیا میں جنم لے کر لوگوں کو نجات دیوے اور ایسا واقعہ صرف ایک دفعہ نہیں ہوا بلکہ ہمیشہ ضرورت کے وقتوں میں ہوتا رہا لیکن گو عیسائیوں کا یہ تو عقیدہ ہے کہ خدا تعالیٰ قدیم ہے اور گذشتہ زمانہ کی طرف خواہ کیسے ہی اُوپر سے اوپر چڑھتے جائیں اس خدا کے وجود کا کہیں ابتداء نہیں اور قدیم سے وہ خالق اور رب العالمین بھی ہے لیکن وہ اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ وہ ہمیشہ سے اور غیر متناہی زمانوں سے اپنے پیارے بیٹوں کو لوگوں کیلئے سولی پر چڑھاتا رہا ہے بلکہ کہتے ہیں کہ یہ تدبیر ابھی اس کو کچھ تھوڑے عرصہ سے ہی سوجھی ہے اور ابھی بڈھے باپ کو یہ خیال آیا ہے کہ بیٹے کو سولی دلا کر دوسروں کو عذاب سے بچاوے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اس بات کے ماننے سے کہ خدا قدیم اور ابداً لآباد سے چلا آتا ہے یہ دوسری بات بھی ساتھ ہی ماننی پڑتی ہے کہ اس کی مخلوقات بھی بحیثیت قدامت نوعی ہمیشہ سے ہی چلی آئی ہے

﴿۱۶۳﴾

﴿۱۶۴﴾ اور صفات **قدیمہ کے تجلیات قدیمہ** کی وجہ سے کبھی ایک عالم مکمن عدم میں مختفی ہوتا چلا آیا ہے اور کبھی دوسرا عالم بجائے اس کے ظاہر ہوتا رہا ہے اور اس کا شمار کوئی بھی نہیں کر سکتا کہ کس قدر **عالموں** کو خدا نے اس دنیا سے اٹھا کر دوسرے عالم بجائے اس کے قائم کئے چنانچہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ فرما کر کہ ہم نے **آدم** سے پہلے **جان** کو پیدا کیا تھا اسی قدامت نوع عالم کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لیکن عیسائیوں نے باوجود بدیہی ثبوت اس بات کے کہ قدامت نوع عالم ضروری ہے پھر اب تک کوئی ایسی فہرست پیش نہیں کی جس سے **معلوم** ہو کہ ان غیر محدود عالموں میں جو ایک دوسرے سے بالکل بے تعلق تھے کتنی مرتبہ **خدا کا فرزند سولی پر کھینچا گیا** کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ بموجب اصول عیسائی مذہب کے کوئی شخص بجز خدا کے فرزند کے گناہ سے خالی نہیں پس اس صورت میں تو یہ سوال ضروری ہے کہ وہ مخلوق جو ہمارے اس آدم سے بھی پہلے گزر چکی ہے جن کا ان بنی آدم کے سلسلہ سے کچھ تعلق نہیں ان کے گناہ کی **معافی** کا کیا بندوبست ہوا تھا اور کیا یہی **بیٹا** ان کو نجات دینے کیلئے پہلے بھی کئی مرتبہ **پھانسی** مل چکا ہے یا وہ **کوئی دوسرا بیٹا** تھا جو پہلے زمانوں میں پہلی مخلوق کیلئے **سولی** پر چڑھتا رہا جہاں تک ہم خیال کرتے ہیں ہمیں تو یہ سمجھ آتا ہے کہ اگر صلیب کے بغیر گناہوں کی معافی نہیں تو عیسائیوں کے خدا کے بے انتہا اور **اَن گنت بیٹے** ہوں گے جو وقتاً فوقتاً ان معرکوں میں کام آئے ہوں گے اور ہر یک اپنے وقت پر پھانسی ملا ہوگا پس ایسے خدا سے کسی بہبودی کی **امید رکھنا لا حاصل** ہے جس کے خود اپنے ہی **نوجوان بچے** مرتے رہے۔ +

امرت سر کے مباحثہ میں بھی ہم نے یہ سوال کیا تھا کہ عیسائی یہ اقرار کرتے ہیں کہ ان کا خدا کسی کو گناہ میں ہلاک کرنا نہیں چاہتا پھر اس صورت میں ان پر یہ اعتراض ہے کہ اس خدا نے ان شیاطین کی پلید روحوں کی **نجات** کیلئے کیا بندوبست کیا جن پلید روحوں کا ذکر انجیل میں موجود ہے☆ کیا کوئی ایسا بیٹا بھی دنیا میں آیا۔ جس نے **شیاطین** کے گناہوں کے

☆نوٹ۔ اسلامی تعلیم سے ثابت ہے کہ شیاطین بھی ایمان لے آتے ہیں چنانچہ ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

+دیکھو صفحہ ۳۰۱

﴿۱۶۵﴾ لئے اپنی جان دی ہو یا شیاطین کو گناہ سے باز رکھا ہوا گر ایسا کوئی انتظام نہیں ہوا تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عیسائیوں کا خدا اس بات پر ہمیشہ راضی رہا ہے جو شیاطین کو جو عیسائیوں کے اقرار سے بنی آدم سے بھی زیادہ ہیں ہمیشہ کی جہنم میں جلاوے پھر جبکہ ایسے کسی بیٹے کا نشان نہیں دیا گیا تو اس صورت میں عیسائیوں کو اقرار کرنا پڑا کہ ان کے خدا نے شیاطین کو جہنم کیلئے ہی پیدا کیا ہے۔ غرض بیچارے عیسائی جب سے **ابن مریم** کو خدا بنا بیٹھے ہیں بڑی بڑی مصیبتوں میں پڑے ہوئے ہیں کوئی ایسا دن نہیں ہوگا کہ خود انہیں کی روح ان کے اس اعتقاد کو نفرت سے نہیں دیکھتی ہوگی۔ پھر ایک اور مصیبت ان کو یہ پیش آئی ہے کہ اس مصلوب کی علّت غائی عندالتحقیق کچھ ثابت نہیں ہوتی اور اس کے صلیب پر کھینچے جانے کا کوئی ثمرہ بپایہ ثبوت نہیں پہنچتا کیونکہ صورتیں صرف دو ہیں۔

(۱) **اول**۔ یہ کہ اس مرحوم بیٹے کی مصلوب ہونے کی علّت غائی یہ قرار دیں کہ تا اپنے ماننے والوں کو گناہ کرنے میں دلیر کرے اور اپنے کفارہ کے سہارے سے خوب زور شور سے فسق و فجور اور ہر یک قسم کی بدکاری پھیلاوے سو یہ صورت تو بداہت نا معقول اور شیطانی طریق ہے اور میرے خیال میں دنیا میں کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا کہ اس **فاسقانہ طریق** کو پسند کرے اور ایسے کسی مذہب کے بانی کو نیک قرار دے جس نے اس طرح پر عام آدمیوں کو گناہ کرنے کی ترغیب دی ہو بلکہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس طرح کا فتویٰ وہی لوگ دیتے ہیں جو درحقیقت ایمان اور نیک چلنی سے محروم رہ کر اپنے اغراض نفسانی کی وجہ سے دوسروں کو بھی بدکاریوں کے جہنم میں ڈالنا چاہتے تھے اور یہ لوگ درحقیقت ان نجومیوں کے مشابہ ہیں جو ایک

بقیہ نوٹ فرمایا کہ میرا شیطان مسلمان ہوگیا ہے غرض ہر ایک انسان کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے اور مطہر اور مقرّب انسان کا شیطان ایمان لے آتا ہے مگر افسوس کہ یسوع کا شیطان ایمان نہیں لا سکا بلکہ الٹا اس کو گمراہ کرنے کی فکر میں ہوا اور ایک پہاڑ پر لے گیا اور دنیا کی دولتیں دکھلائیں اور وعدہ کیا کہ سجدہ کرنے پر یہ تمام دولتیں دے دوں گا اور شیطان کا یہ مقولہ حقیقت میں ایک بڑی پیشگوئی تھی اور اس بات کی طرف اشارہ بھی تھا کہ جب عیسائی قوم اس کو سجدہ کرے گی تو دنیا کی تمام دولتیں ان کو دی جاویں گی سو ایسا ہی ظہور میں آیا جن کے پیشوا نے خدا کہلا کر پھر شیطان کی پیروی کی یعنی اس کے پیچھے ہولیا ان کا شیطان کو سجدہ کرنا کیا بعید تھا غرض عیسائیوں کی دولتیں درحقیقت اسی سجدہ کی وجہ سے ہیں جو انہوں نے شیطان کو کیا اور ظاہر ہے کہ شیطانی وعدہ کے موافق سجدہ کے بعد عیسائیوں کو دنیا کی دولتیں دی گئیں۔ منہ

﴿۱۶۶﴾ شارع عام میں بیٹھ کر راہ چلتے لوگوں کو پھسلاتے اور فریب دیتے ہیں اور ایک ایک پیسہ لیکر بیچارے حمقاء کو بڑے تسلی بخش الفاظ میں خوشخبری دیتے ہیں کہ عنقریب ان کی ایسی ایسی نیک قسمت کھلنے والی ہے اور ایک سچے محقق کی صورت بنا کر ان کے ہاتھ کے نقوش اور چہرہ کے خط وخال کو بہت توجہ سے دیکھتے بھالتے ہیں گویا وہ بعض نشانوں کا پتہ لگا رہے ہیں۔ اور پھر ایک نمائشی کتاب کے ورقوں کو جو صرف اسی فریب دہی کیلئے آگے دھری ہوتی ہے الٹ پلٹ کر یقین دلاتے ہیں کہ درحقیقت پوچھنے والے کا ایک بڑا ہی ستارہ قسمت چمکنے والا ہے غالباً کسی ملک کا بادشاہ ہو جائے گا ورنہ وزارت تو کہیں نہیں گئی اور یا یہ لوگ جو کسی کو باوجود اس کی دائمی ناپاکیوں کے خدا کا مورد فضل بنانا چاہتے ہیں ان کیمیا گروں کی مانند ہیں جو ایک سادہ لوح مگر دولتمند کو دیکھ کر طرح طرح کی لاف زنیوں سے شکار کرنا چاہتے ہیں اور ادھر ادھر کی باتیں کرتے کرتے پہلے آنیوالے کیمیا گروں کی مذمت کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ جھوٹے بدذات ناحق اچکّوں کے طور پر لوگوں کا مال فریب سے کھسکا کر لے جاتے ہیں اور پھر آخر بات کو کشاں کشاں اس حد تک پہنچاتے ہیں کہ صاحبو میں نے اپنے پچاس یا ساٹھ برس کی عمر میں جس کو کیمیا گری کا مدعی دیکھا جھوٹا ہی پایا۔ ہاں میرے گورو بیکنٹھ باشی سچے رسائنی تھے کروڑ ہا روپیہ کا دان کر گئے مجھے خوش نصیبی سے باراں برس تک ان کی خدمت کا شرف حاصل ہوا اور پھل پایا۔ پھل پانے کا نام سن کر ایک جاہل بول اٹھتا ہے کہ بابا جی تب تو آپ نے ضرور رسائن کا نسخہ گورو جی سے سیکھ لیا ہوگا۔ یہ بات سن کر بابا جی کچھ ناراض ہو کر تیوری چڑھا کر بولتے ہیں کہ میاں اس بات کا نام نہ لو ہزاروں لوگ جمع ہو جائیں گے ہم تو لوگوں سے چھپ کر بھاگتے پھرتے ہیں۔ غرض ان چند فقروں سے ہی جاہل دام میں آ جاتے ہیں پھر تو شکار دام افتادہ کو ذبح کرنے کیلئے کوئی بھی دقّت باقی نہیں رہتی خلوت میں راز کے طور پر سمجھاتے ہیں کہ درحقیقت تمہاری ہی خوش قسمتی ہمیں ہزاروں کوسوں سے کھینچ لائی ہے اور اس بات سے ہمیں خود بھی حیرانی ہے کہ کیونکر یہ سخت دل تمہارے لئے نرم ہو گیا اب جلدی کرو اور گھر سے یا مانگ کر دس ہزار کا طلائی زیور لے آؤ ایک ہی رات میں دہ چند ہو جائے گا مگر خبردار کسی کو

﴿۱۶۷﴾ میری اطلاع نہ دینا کسی اور بہانہ سے مانگ لینا قصہ کوتاہ یہ کہ آخر زیور لے کر اپنی راہ لیتے ہیں اور وہ دیوانے دہ۱۰ چند کی خواہش کرنے والے اپنی جان کو روتے رہ جاتے ہیں یہ اس طمع کی شامت ہوتی ہے جو قانون قدرت سے غفلت کر کے انتہا تک پہنچائی جاتی ہے مگر میں نے سنا ہے کہ ایسے ٹھگوں کو یہ ضرور ہی کہنا پڑتا ہے کہ جس قدر ہم سے پہلے آئے یا بعد میں آویں گے یقیناً سمجھو کہ وہ سب فریبی اور بٹ مار اور ناپاک اور جھوٹے اور اس نسخہ سے بیخبر ہیں۔ ایسا ہی عیسائیوں کی پٹڑی بھی جم نہیں سکتی جب تک کہ حضرت آدم سے لے کر اخیر تک تمام **مقدس نبیوں** کو پاپی اور بدکا نہ نہ بنالیں۔☆

(۲) دوسری صورت اس قابل رحم بیٹے کے مصلوب ہونے کی یہ ہے کہ اس کے سولی ملنے کی یہ علّت غائی قرار دی جائے کہ اس کی سولی پر ایمان لانے والے ہر یک قسم کے گناہ اور بدکاریوں سے بچ جائیں گے اور ان کے نفسانی جذبات ظہور میں نہ آنے پائیں گے مگر افسوس کہ جیسا کہ پہلی صورت خلاف تہذیب اور بدیہی البطلان ثابت ہوئی تھی ایسا ہی یہ صورت بھی کھلے کھلے طور پر باطل ہی ثابت ہوئی ہے کیونکہ اگر فرض کیا جائے کہ یسوع کا کفارہ ماننے میں ایک ایسی خاصیت ہے کہ اس پر سچا ایمان لانے والا فرشتہ سیرت بن جاتا ہے اور پھر بعد ازاں اس کے دل میں گناہ کا خیال ہی نہیں آتا تو تمام گذشتہ نبیوں کی نسبت کہنا پڑے گا کہ وہ یسوع کی سولی اور کفارہ پر سچا ایمان نہیں لائے تھے کیونکہ انہوں نے تو بقول عیسائیاں بدکاریوں میں حد ہی کر دی کسی نے ان میں سے بت پرستی کی اور کسی نے ناحق کا خون کیا اور کسی نے اپنی بیٹیوں سے بدکاری کی اور بالخصوص یسوع کے دادا صاحب **داؤد** نے تو سارے بُرے کام کئے ایک بیگناہ کو اپنی شہوت رانی کیلئے فریب سے قتل کرایا اور دلالہ عورتوں کو بھیج کر اس کی جورو کو منگوایا اور اس کو **شراب پلائی** اور اس سے **زنا** کیا اور بہت سا مال حرام کاری میں ضائع کیا اور تمام عمر ۱۰۰ تک بیوی رکھی۔ اور یہ حرکت بھی بقول عیسائیاں زنا میں داخل تھی اور عجیب تر یہ کہ **روح القدس** بھی ہر روز اس پر نازل ہوتا تھا اور زبور بڑی سرگرمی سے اتر رہی تھی مگر افسوس کہ نہ تو روح القدس نے اور

☆نوٹ: عیسائیوں کی عقل اور سمجھ پر افسوس ہے کہ انہوں نے اپنے یسوع کو خدا بنا کر اس کی ذات کو کچھ فائدہ نہیں پہنچایا بلکہ راستبازوں کے سامنے اس کو شرمندہ کیا بہتر تھا کہ اس کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے صدقہ دیتے اس کے لئے دعائیں کرتے تا اس کی عاقبت کے لئے بھلائی ہوئی ہوتی مشتِ خاک کو خدا بنانے میں کیا حاصل تھا۔ منہ

﴿۱۶۸﴾ نہ یسوع کے **کفارہ** پر ایمان لانے نے بدکاریوں سے اس کو روکا آخرانہی بدعملیوں میں جان دی اوراس سے عجیب تر یہ کہ یہ کفارہ یسوع کی **دادیوں اور نانیوں** کو بھی بدکاری سے نہ بچا سکا حالانکہ ان کی بدکاریوں سے یسوع کے گوہر فطرت پر **داغ** لگتا تھا۔اور یہ دادیاں نانیاں صرف ایک دو نہیں بلکہ تین ہیں۔ چنانچہ یسوع کی ایک **بزرگ نانی** جو ایک طور سے دادی بھی تھی **یعنی راحاب** کسبی یعنی کنجری تھی دیکھو یشوع ۲۔۱) اور دوسری نانی جو ایک طور سے دادی بھی تھی اس کا نام تمر ہے یہ خانگی بدکار عورتوں کی طرح حرامکار تھی دیکھو پیدائش ۳۸۔۱۶ سے ۳۰ اور ایک نانی یسوع صاحب کی جو ایک رشتہ سے دادی بھی تھی **بنت سبع** کے نام سے **موسوم** ہے یہ وہی پاکدامن تھی جس نے **داؤد** کے ساتھ زنا کیا تھا☆ دیکھو ۲ سموئیل ۱۱۔۲

اب ظاہر ہے کہ ان دادیوں اور نانیوں کو یسوع کے کفارہ کی ضرور اطلاع دی گئی ہوگی اوراس پر ایمان لائی ہوں گی کیونکہ یہ تو عیسائیوں کا اصول ہے کہ پہلے نبیوں اوران کی امت کو بھی یہی تعلیم کفارہ کی دی گئی تھی اوراسی پر ایمان لاکران کی نجات ہوئی پس اگر یسوع کے مصلوب ہونے کا یہ اثر سمجھا جائے کہ اس کی مصلوبیت پر ایمان لاکر گناہ سے انسان بچ جاتا ہے تو چاہیئے تھا کہ **یسوع کی دادیاں اور نانیاں زناکاریوں اور حرامکاریوں** سے بچائی جاتیں مگر جس حالت تمام پیغمبر باوجودیکہ بقول عیسائیاں یسوع کی خودکشی پر ایمان لاتے تھے۔ بدکاریوں سے نہ بچ سکے اور نہ یسوع کی دادیاں نانیاں بچ سکیں تو اس سے صاف طور پر ثابت ہوگیا کہ یہ **جھوٹا کفارہ** کسی کو نفسانی جذبات سے بچا نہیں سکتا اور خود مسیح کو بھی بچا نہ سکا۔

☆ ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری والدہ سے لیکر حوّا تک میری ماؤں نوٹ کے سلسلہ میں کوئی عورت بدکار اور زانیہ نہیں اور نہ مرد زانی اور بدکار ہے لیکن بقول عیسائیوں کے ان کے خدا صاحب کی پیدائش میں تین زناکار عورتوں کا خون ملا ہوا ہے حالانکہ توریت میں جو کچھ زانیہ عورتوں کی اولاد کی نسبت لکھا ہے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں۔منہ

﴿۱۶۹﴾ دیکھو وہ کیسے شیطان کے پیچھے پیچھے ☆ چلا گیا حالانکہ اس کو جانا مناسب نہ تھا اور غالباً یہی حرکت تھی جس کی وجہ سے وہ ایسا نادم ہوا کہ جب ایک شخص نے نیک کہا تو اس نے روکا کہ مجھے کیوں نیک کہتا ہے حقیقت میں ایسا شخص جو شیطان کے پیچھے پیچھے چلا گیا کیونکر جرأت کر سکتا ہے کہ اپنے تئیں نیک کہے یہ بات یقینی ہے کہ یسوع نے اپنے خیال سے اور بعض اور باتوں کی وجہ سے

☆ نوٹ آجکل کے یورپین فلاسفر باوجود عیسائی ہونے کے اس بات کو نہیں مانتے کہ درحقیقت یسوع کو شیطان پھسلا کر ایک پہاڑی پر لے گیا تھا کیونکہ وہ لوگ شیطان کے تجسم کے قائل نہیں بلکہ خود شیطان کے وجود سے ہی منکر ہیں لیکن درحقیقت علاوہ خیالات ان فلاسفروں کے ایک اعتراض تو ضرور ہوتا ہے کہ اگر یہ واقعہ شیطان کی رفاقت کا یہودیوں کے پہاڑوں اور گذرگاہوں میں ہوتا تو ضرور تھا کہ نہ صرف یسوع بلکہ کئی یہودی بھی اس شیطان کو دیکھتے اور کچھ شک نہیں کہ شیطان معمولی انسانوں کی طرح نہیں ہوگا بلکہ ایک عجیب وغریب صورت کا جاندار ہوگا جو دیکھنے والوں کو تعجب میں ڈالتا ہوگا۔ پس اگر درحقیقت شیطان یسوع کو بیداری میں دکھائی دیا تھا تو چاہیئے تھا کہ اس کو دیکھ کر ہزارہا یہودی وغیرہ اس جگہ جمع ہو جاتے اور ایک مجمع اکٹھا ہو جاتا لیکن ایسا وقوع میں نہیں آیا۔ اسلئے یورپین محقق اس کو کوئی خارجی واقع قبول نہیں کر سکتے بلکہ وہ ایسے ہی بیہودہ تخیلات کی وجہ سے جن میں سے خدائی کا دعویٰ بھی ہے انجیل کو دور سے سلام کرتے ہیں چنانچہ حال میں ایک یورپین عالم نے عیسائیوں کی انجیل مقدس کی نسبت یہ رائے ظاہر کی ہے کہ میری رائے میں کسی دانشمند آدمی کو اس بات کے یقین دلانے کو کہ انجیل انسان کی بناوٹ بلکہ وحشیانہ ایجاد ہے صرف اسی قدر ضرورت ہے کہ وہ انجیل کو پڑھے پھر صاحب بہادر یہ فرماتے ہیں کہ تم انجیل کو اس طرح پڑھو جیسے کہ تم کسی اور کتاب کو پڑھتے ہو اور اس کی نسبت ایسے خیالات کرو جیسے کہ اور کتابوں کی نسبت کرتے ہو اپنی آنکھوں سے تعظیم کی پٹی نکال دو اور اپنے دل سے خوف کے بھوت کو بھگا دو اور دماغ اوہام سے خالی کرو تب انجیل مقدس کو پڑھو تو تم کو تعجب ہوگا کہ تم نے ایک لحظہ کیلئے بھی کیونکر اس جہالت اور ظلم کے مصنف کو عقلمند اور نیک اور پاک خیال کیا تھا ایسا ہی اور بہت سے فلاسفر سائنس کے جاننے والے جو انجیل کو نہایت ہی کراہت سے دیکھتے ہیں وہ انہیں ناپاک تعلیموں کی وجہ سے متنفّر ہو گئے۔ جن کو ماننا ایک عقلمند کیلئے درحقیقت نہایت درجہ جائے عار ہے مثلاً یہ ایک جھوٹا قصہ کہ ایک باپ ہے جو سخت مغلوب الغضب اور سب کو ہلاک کرنا چاہتا ہے اور ایک بیٹا ہے جو نہایت رحیم ہے جس نے باپ کے مجنونانہ

* نوٹ۔ عیسائیوں میں جس قدر کوئی فلسفہ کے مینار پر پہنچتا ہے اسی قدر انجیل اور عیسائی مذہب سے بیزار ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ان دنوں میں ایک میم صاحبہ نے بھی عیسائی عقیدہ کے رد میں ایک رسالہ شائع کیا ہے مگر اسلامی فلاسفروں کا اس کے برعکس حال ہے بوعلی سینا جو رئیس فلاسفر اور بدمذہب اور ملحد کر کے مشہور ہے وہ اپنی کتاب اشارات کے اخیر میں لکھتا ہے کہ اگرچہ حشر جسمانی پر دلائل فلسفیہ قائم نہیں بلکہ اس کے عکس پر قائم ہوتے ہیں مگر چونکہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اسلئے ہم اس پر ایمان لائے ہیں۔ منہ

﴿۱۷۰﴾

بھی اپنے تئیں نیک کہلانے سے کنارہ کشی ظاہر کی مگر افسوس کہ اب عیسائیوں نے نہ صرف نیک قرار دے دیا بلکہ خدا بنا رکھا ہے غرض کفارہ مسیح کی ذات کو بھی کچھ فائدہ نہ پہنچا سکا اور تکبر اور خود بینی جو تمام بدیوں کی جڑ ہے وہ تو یسوع صاحب کے ہی حصہ میں آئی ہوئی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس نے آپ خدا بن کر سب نبیوں کو رہزن اور بٹمار اور ناپاک حالت کے آدمی قرار دیا ہے حالانکہ یہ اقرار بھی اس کی کلام سے نکلتا ہے

بقیہ حاشیہ

غضب کو اس طرح لوگوں سے ٹال دیا ہے کہ آپ سولی پر چڑھ گیا۔ اب بیچارے محقق یورپین ایسی بے ہودہ باتوں کو کیونکر مان لیں ایسا ہی عیسائیوں کی یہ سادہ لوحی کے خیال کہ خدا کو تین جسم پر منقسم کر دیا۔ ایک وہ جسم جو آدمی کی شکل میں ہمیشہ رہے گا جس کا نام ابن اللہ ہے دوسرے وہ جسم جو کبوتر کی طرح ہمیشہ رہیگا جس کا نام روح القدس ہے تیسرے وہ جسم جس کے دہنے ہاتھ بیٹا جا بیٹھا ہے۔ اب کوئی عقلمند ان اجسام ثلاثہ کو کیونکر قبول کرے لیکن شیطان کی ہمراہی کا الزام یوروپین فلاسفروں کے نزدیک کچھ کم ہنسی کا باعث نہیں بہت کوششوں کے بعد یہ تاویلیں پیش ہوتی ہیں کہ یہ حالات یسوع کے دماغی قویٰ کے اپنے ہی تخیلات تھے اور اس بات کو بھی مانتے ہیں کہ تندرستی اور صحت کی حالت میں ایسے مکروہ تخیلات پیدا نہیں ہو سکتے بہتوں کو اس بات کی ذاتی تحقیقات ہے کہ مرگی کی بیماری کے مبتلا اکثر شیاطین کو اسی طرح دیکھا کرتے ہیں وہ بعینہٖ ایسا ہی بیان کیا کرتے ہیں کہ ہمیں شیطان فلاں فلاں جگہ لے گیا اور یہ یہ عجائبات دکھلائے اور مجھے یاد ہے کہ شاید چوبیس برس کا عرصہ گذرا ہوگا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک جگہ شیطان سیاہ رنگ اور بدصورت کھڑا ہے اول اس نے میری طرف توجہ کی اور میں نے اس کو منہ پر طمانچہ مار کر کہا کہ دور ہو اے شیطان تیرا مجھ میں حصہ نہیں اور پھر وہ ایک دوسرے کی طرف گیا اور اس کو اپنے ساتھ کر لیا اور جس کو ساتھ کر لیا اس کو میں جانتا تھا اتنے میں آنکھ کھل گئی اسی دن یا اس کے بعد اس شخص کو مرگی پڑی جس کو میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ شیطان نے اس کو ساتھ کر لیا تھا اور صرع کی بیماری میں گرفتار ہو گیا اس سے مجھے یقین ہوا کہ شیطان کی ہمراہی کی تعبیر مرگی ہے پس یہ نہایت لطیف نکتہ اور بہت صاف اور عاقلانہ رائے ہے کہ یسوع دراصل مرگی کی بیماری میں مبتلا تھا اور اسی وجہ سے ایسی خوابیں بھی دیکھا کرتا تھا۔ اور یہودیوں کا یہ الزام کہ تو بعل زبول کی مدد سے ایسے کام کرتا ہے اس رائے کا موّید اور بہت تسکین بخش ہے۔ کیونکہ بعل زبول بھی شیطان کا نام ہے اور یہودیوں کی بات اس وجہ سے بھی درست اور قرین قیاس معلوم ہوتی ہے

﴿۱۷۱﴾

کہ وہ خود بھی نیک نہیں ہے مگر افسوس کہ تکبر کا سیلاب اس کی تمام حالت کو برباد کر گیا ہے کوئی بھلا آدمی گذشتہ بزرگوں کی مذمت نہیں کرتا لیکن اس نے پاک نبیوں کو رہزنوں اور بٹماروں کے نام سے موسوم کیا ہے اس کی زبان پر دوسروں کیلئے ہر وقت بے ایمان حرام کار کا لفظ چڑھا ہوا ہے کسی کی نسبت ادب کا لفظ استعمال نہیں کیا کیوں نہ ہو **خدا کا فرزند جو ہوا**۔ اور پھر جب دیکھتے ہیں کہ یسوع کے کفارہ نے حواریوں کے دلوں پر کیا اثر کیا کیا وہ اس پر ایمان لا کر گناہ سے باز آ گئے تو اس جگہ بھی سچی پاکیزگی کا خانہ خالی ہی معلوم ہوتا ہے یہ تو ظاہر ہے کہ وہ لوگ سولی ملنے کی خبر کو سن کر ایمان لا چکے تھے لیکن پھر بھی نتیجہ یہ ہوا کہ یسوع کی گرفتاری پر پطرس نے سامنے کھڑے ہو کر **اس پر لعنت** بھیجی باقی سب بھاگ گئے اور کسی کے دل میں اعتقاد کا نور باقی نہ رہا۔ پھر بعد اس کے گناہ سے رکنے کا اب تک یہ حال ہے کہ خاص یورپ کے محققین کے اقراروں سے یہ بات ثابت ہے کہ یورپ میں حرام کاری کا اس قدر زور ہے کہ خاص لنڈن میں ہر سال ہزاروں حرامی بچے پیدا ہوتے ہیں اور اس قدر گندے واقعات یورپ کے شائع ہوئے ہیں کہ کہنے اور سننے کے لائق نہیں **شراب خوری** کا اس قدر زور ہے کہ اگر ان دو کانوں

بقیہ حاشیہ۔ کہ جن لوگوں کو شیطان کا سخت آسیب ہو جاتا ہے اور شیطان ان سے محبت کرنے لگتا ہے تو گو ان کی اپنی مرگی وغیرہ اچھی نہیں ہوتی مگر دوسروں کو اچھا کر سکتے ہیں کیونکہ شیطان ان سے محبت کرتا ہے اور ان سے جدا ہونا نہیں چاہتا مگر نہایت محبت کی وجہ سے ان کی باتیں مان لیتا ہے اور دوسروں کو ان کی خاطر سے شیطانی مرضوں سے نجات دیتا ہے اور ایسے عامل ہمیشہ شراب اور پلید چیزیں استعمال کرتے رہتے ہیں اور اول درجہ کے شرابی اور کھاؤ پیو ہوتے ہیں چنانچہ تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ ایک شخص اسی طرح مرض بیہوشی میں گرفتار تھا اور کہتے ہیں کہ وہ دوسرے لوگوں کے جنات کو نکال دیا کرتا تھا غرض یسوع کا یہ واقعہ شیطان کے ہمراہ کا مرض صرع پر صاف دلیل ہے اور ہمارے پاس کئی وجوہ ہیں جن کے مفصل لکھنے کی ابھی ضرورت نہیں اور یقین ہے کہ محقق عیسائی جو پہلے ہی ہماری اس رائے سے اتفاق رکھتے ہیں انکار نہیں کریں گے اور جو نادان پادری انکار کریں تو ان کو اس بات کا ثبوت دینا چاہئے کہ یسوع کا شیطان کے ہمراہ جانا درحقیقت بیداری کا ایک واقعہ ہے۔☆ اور صرع وغیرہ کے لحوق کا نتیجہ نہیں مگر ثبوت میں معتبر گواہ پیش کرنے چاہئیں جو رویت کی گواہی دیتے ہوں اور معلوم ہوتا ہے کہ کبوتر کا اترنا اور یہ کہنا کہ تو میرا پیارا بیٹا ہے درحقیقت یہ بھی ایک مرگی کا ایک دورہ تھا جس کے ساتھ ایسے تخیلات پیدا ہوئے بات یہ ہے کہ کبوتر کا رنگ سفید ہوتا ہے اور بلغم کا رنگ بھی سفید ہوتا ہے اور مرگی کا مادہ بلغم ہی ہوتا ہے سو وہ بلغم کبوتر کی شکل پر نظر آ گئی اور یہ جو کہا کہ تو میرا بیٹا ہے اس میں بھید یہ ہے کہ درحقیقت مصروع مرگی کا بیٹا ہی ہوتا ہے اسی لئے مرگی کو فن طبابت میں ام الصبیان کہتے ہیں یعنی بچوں کی ماں۔ اور ایک مرتبہ یسوع کے چاروں حقیقی بھائیوں نے اس وقت کی گورنمنٹ میں درخواست بھی دی تھی کہ یہ شخص دیوانہ ہو گیا ہے اس کا کوئی بندوبست کیا جاوے یعنی عدالت کے جیل خانہ میں داخل کیا جاوے تا کہ وہاں کے دستور کے موافق اس کا علاج ہو تو یہ درخواست بھی صریح اس بات پر دلیل ہے کہ یسوع درحقیقت بوجہ بیماری مرگی کے دیوانہ ہو گیا تھا۔ منہ

☆ سوال یہ ہے کہ شیطان کو کس کس نے یسوع کے ساتھ دیکھا۔

﴿۱۷۲﴾ کو ایک خطِ مستقیم میں باہم رکھ دیا جاوے تو شاید ایک مسافر کی دو منزل طے کرنے تک بھی وہ دوکانیں ختم نہ ہوں۔ عبادات سے فراغت ہے اور دن رات سوا عیاشی اور دنیا پرستی کے کام نہیں پس اس تمام تحقیقات سے ثابت ہوا کہ یسوع کے مصلوب ہونے سے اس پر ایمان لانے والے گناہ سے رک نہیں سکے☆ بلکہ جیسا کہ بند ٹوٹنے سے ایک تیز دھار دریا کا پانی اردگرد کے دیہات کو تباہ کر جاتا ہے ایسا ہی کفارہ پر ایمان لانے والوں کا حال ہو رہا ہے اور میں جانتا ہوں کہ عیسائی لوگ اس پر زیادہ بحث نہیں کریں گے کیونکہ جس حالت میں ان نبیوں کو جن کے پاس خدا کا فرشتہ آتا تھا یسوع کا کفارہ بدکاریوں سے روک نہ سکا تو پھر کیونکر تاجروں اور پیشہ وروں اور خشک پادریوں کو ناپاک کاموں سے روک سکتا ہے غرض عیسائیوں کے خدا کی کیفیت یہ ہے جو ہم بیان کر چکے۔

تیسرا مذہب ان دو مذہبوں کے مقابل پر جن کا ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں **اسلام** ہے اس مذہب کی خدا شناسی نہایت صاف صاف اور انسانی فطرت کے مطابق ہے اگر تمام مذہبوں کی کتابیں نابود ہو کر ان کے سارے تعلیمی خیالات اور تصورات بھی محو ہو جائیں تب بھی وہ خدا جس کی طرف قرآن رہنمائی کرتا ہے **آئینۂ قانون قدرت** میں صاف صاف نظر آئے گا اور اس کی قدرت اور حکمت سے بھری ہوئی صورت ہر یک ذرہ میں چمکتی ہوئی دکھائی دے گی۔ غرض وہ خدا جس کا پتہ **قرآن شریف** بتلاتا ہے اپنی موجودات پر فقط قہری حکومت نہیں رکھتا بلکہ موافق آیۂ کریمہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى[۱] کے ہر یک ذرہ ذرہ اپنی طبیعت اور روحانیت سے اس کا حکم بردار ہے۔ اس کی طرف جھکنے کے لئے ہر یک طبیعت میں ایک کشش پائی جاتی ہے اس کشش سے ایک ذرہ بھی خالی نہیں اور یہ ایک بڑی دلیل اس بات پر ہے کہ وہ ہر یک چیز کا خالق ہے کیونکہ نور قلب اس بات کو مانتا ہے کہ وہ کشش جو اس کی طرف جھکنے کیلئے تمام چیزوں میں پائی جاتی ہے وہ بلاشبہ اسی کی طرف سے ہے جیسا کہ قرآن شریف نے اس آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ[۲] یعنی ہر یک چیز اس کی پاکی اور اس کے محامد بیان کر رہی ہے اگر خدا ان چیزوں کا خالق نہیں تھا تو ان چیزوں میں خدا کی طرف کشش کیوں پائی جاتی ہے

☆ نوٹ۔ یسوع کا مصلوب ہونا اگر اپنی مرضی سے ہوتا تو خودکشی اور حرام کی موت تھی اور خلاف مرضی کی حالت میں کفارہ نہیں ہو سکتا اور یسوع اس لئے اپنے تئیں نیک نہیں کہہ سکا کہ لوگ جانتے تھے کہ یہ شخص شرابی کبابی ہے اور یہ خراب چال چلن نہ خدائی کے بعد بلکہ ابتدا ہی سے ایسا معلوم ہوتا ہے چنانچہ خدائی کا دعویٰ شراب خوری کا ایک بد نتیجہ ہے۔ منہ

۱؎ الاعراف: ۱۷۳ ۲؎ بنی اسرائیل: ۴۵

﴿۱۷۳﴾ ایک غور کرنے والا انسان ضرور اس بات کو قبول کر لیگا کہ کسی مخفی تعلق کی وجہ سے یہ کشش ہے پس اگر وہ تعلق خدا کا خالق ہونا نہیں تو کوئی آریہ وغیرہ اس بات کا جواب دیں کہ اس تعلق کی وید وغیرہ میں کیا ماہیت لکھی ہے اور اس کا کیا نام ہے کیا یہی سچ ہے کہ خدا صرف زبردستی ہر یک چیز پر حکومت کر رہا ہے اور ان چیزوں میں کوئی طبعی قوّت اور شوق خدا تعالیٰ کی طرف جھکنے کا نہیں ہے معاذ اللہ ہرگز ایسا نہیں بلکہ ایسا خیال کرنا نہ صرف حماقت بلکہ پرلے درجہ کی خباثت بھی ہے مگر افسوس کہ آریوں کے وید نے خدا تعالیٰ کی خالقیت سے انکار کر کے اس روحانی تعلق کو قبول نہیں کیا جس پر طبعی اطاعت ہر یک چیز کی موقوف ہے اور چونکہ دقیق معرفت اور دقیق گیان سے وہ ہزاروں کوس دور تھے لہٰذا یہ سچا فلسفہ ان سے پوشیدہ رہا ہے کہ ضرور تمام اجسام اور ارواح کو ایک فطرتی تعلق اس ذات قدیم سے پڑا ہوا ہے اور خدا کی حکومت صرف بناوٹ اور زبردستی کی حکومت نہیں بلکہ ہر یک چیز اپنی روح سے اس کو سجدہ کر رہی ہے کیونکہ ذرہ ذرہ اس کے بے انتہا احسانوں میں مستغرق اور اس کے ہاتھ سے نکلا ہوا ہے مگر افسوس کہ تمام مخالف مذہب والوں نے خدا تعالیٰ کے وسیع دریائے قدرت اور رحمت اور تقدس کو اپنی تنگ دلی کی وجہ سے زبردستی روکنا چاہا ہے اور انہیں وجوہ سے ان کے **فرضی خداؤں** پر کمزوری اور ناپاکی اور بناوٹ اور بے جا غضب اور بے جا حکومت کے طرح طرح کے داغ لگ گئے ہیں لیکن اسلام نے خدا تعالیٰ کی صفات **کاملہ کی تیز رودھاروں** کو کہیں نہیں روکا وہ **آریوں** کی طرح اس عقیدہ کی تعلیم نہیں دیتا کہ زمین و آسمان کی روحیں اور **ذرات** اجسام اپنے اپنے وجود کے آپ ہی **خدا ہیں** اور جس کا پرمیشر نام ہے وہ کسی نامعلوم سبب سے محض ایک **راجہ** کے طور پر ان پر حکمران ہے اور نہ عیسائی مذہب کی طرح یہ سکھلاتا ہے کہ خدا نے انسان کی طرح ایک **عورت کے پیٹ** سے جنم لیا اور نہ صرف نو مہینہ تک **خون حیض** کھا کر ایک گنہگار جسم سے جو بنت **سبع** اور **تمر** اور **راحاب** جیسی حرامکار عورتوں کے خمیر سے اپنی فطرت میں ابنیّت کا حصہ رکھتا تھا خون اور ہڈی اور گوشت کو حاصل کیا بلکہ بچپن کے زمانہ میں جو جو بیماریوں کی صعوبتیں ہیں جیسے خسرہ چیچک دانتوں کی تکالیف وغیرہ تکلیفیں وہ سب

﴿۱۷۴﴾ اٹھائیں اور بہت سا حصہ عمر کا معمولی انسانوں کی طرح کھو کر آخر موت کے قریب پہنچ کر خدائی یاد آ گئی مگر چونکہ صرف دعویٰ ہی دعویٰ تھا اور خدائی طاقتیں ساتھ نہیں تھیں اس لئے دعویٰ کے ساتھ ہی پکڑا گیا بلکہ اسلام ان سب نقصانوں اور ناپاک حالتوں سے خدائے حقیقی ذوالجلال کو منزہ اور پاک سمجھتا ہے اور اس وحشیانہ غضب سے بھی اس کی ذات کو برتر قرار دیتا ہے کہ جب تک کسی کے گلے میں پھانسی کا رسہ نہ ڈالے تب تک اپنے بندوں کے بخشنے کیلئے کوئی سبیل اس کو یاد نہ آوے اور خدا تعالیٰ کے وجود اور صفات کے بارے میں قرآن کریم یہ سچی اور پاک اور کامل معرفت سکھاتا ہے کہ اس کی قدرت اور رحمت اور عظمت اور تقدس بے انتہا ہے اور یہ کہنا قرآنی تعلیم کے رو سے سخت مکروہ گناہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی قدرتیں اور عظمتیں اور رحمتیں ایک حد پر جا کر ٹھہر جاتی ہیں یا کسی موقعہ پر پہنچ کر اس کا ضعف اسے مانع آ جاتا ہے بلکہ اس کی تمام قدرتیں اس مستحکم قاعدہ پر چل رہی ہیں کہ باستثناء ان امور کے جو اس کے تقدس اور کمال اور صفات کاملہ کے مخالف ہیں یا اس کے مواعید غیر متبدلہ کے منافی ہیں باقی جو چاہتا ہے کر سکتا ہے مثلاً یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اپنی قدرت کاملہ سے اپنے تئیں ہلاک کر سکتا ہے کیونکہ یہ بات اس کی صفت قدیم **حیّ و قیّوم** ہونے کے مخالف ہے وجہ یہ کہ وہ پہلے ہی اپنے فعل اور قول میں ظاہر کر چکا ہے کہ وہ ازلی ابدی اور غیر فانی ہے اور موت اس پر جائز نہیں ایسا ہی یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ کسی عورت کے رحم میں داخل ہوتا اور خون حیض کھاتا اور قریباً نو ماہ پورے کر کے سیر ڈیڑھ سیر کے وزن پر عورتوں کی پیشاب گاہ سے روتا چلاتا پیدا ہو جاتا ہے اور پھر روٹی کھاتا اور پاخانہ جاتا اور پیشاب کرتا اور تمام دکھ اس فانی زندگی کے اٹھاتا ہے اور آخر چند ساعت جان کندنی کا عذاب اٹھا کر اس جہان فانی سے رخصت ہو جاتا ہے کیونکہ یہ تمام امور نقصان اور منقصت میں داخل ہیں اور اس کے جلال قدیم اور کمال تام کے برخلاف ہیں۔

پھر یہ بھی جاننا چاہئے کہ چونکہ اسلامی عقیدہ میں درحقیقت خدا تعالیٰ تمام مخلوقات کا پیدا کرنیوالا ہی ہے اور کیا ارواح اور کیا اجسام سب اسی کے پیدا کردہ ہیں اور اسی کی قدرت سے ظہور پذیر ہوئے ہیں

﴿۱۷۵﴾ لہٰذا قرآنی عقیدہ یہ بھی ہے کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ ہر ایک چیز کا خالق اور پیدا کنندہ ہے اسی طرح وہ ہر ایک چیز کا واقعی اور حقیقی طور پر قیوم بھی ہے یعنی ہر ایک چیز کا اسی کے وجود کے ساتھ بقا ہے اور اس کا وجود ہر یک چیز کے لئے بمنزلہ جان ہے اور اگر اس کا عدم فرض کر لیں تو ساتھ ہی ہر یک چیز کا عدم ہوگا۔ غرض ہر یک وجود کے بقا اور قیام کے لئے اس کی معیت لازم ہے لیکن آریوں اور عیسائیوں کا یہ اعتقاد نہیں ہے آریوں کا اس لئے کہ وہ خدا تعالیٰ کو ارواح اور اجسام کا خالق نہیں جانتے اور ہر یک چیز سے ایسا تعلق اس کا نہیں مانتے جس سے ثابت ہو کہ ہر یک چیز اسی کی قدرت اور ارادہ کا نتیجہ ہے اور اس کی مشیت کے لئے بطور سایہ کے ہے بلکہ ہر یک چیز کا وجود ایسے طور سے مستقل خیال کرتے ہیں جس سے سمجھا جاتا ہے کہ ان کے زعم میں تمام چیزیں اپنے وجود میں مستقل طور پر قدیم اور انادی ہیں پس جبکہ یہ تمام موجود چیزیں ان کے خیال میں خدا تعالیٰ کی قدرت سے نکل کر قدرت کے ساتھ قائم نہیں تو بلاشبہ یہ سب چیزیں ہندوؤں کے پرمیشر سے ایسی بے تعلق ہیں کہ اگر ان کے پرمیشر کا مرنا بھی فرض کر لیں تب بھی روحوں اور جسموں کا کچھ بھی حرج نہیں کیونکہ ان کا پرمیشر صرف معمار کی طرح ہے اور جس طرح اینٹ اور گارا معمار کی ذاتی قدرت کے ساتھ قائم نہیں تا ہر یک حال میں اس کے وجود کا تابع ہو۔ یہی حال ہندوؤں کے پرمیشر کی چیزوں کا ہے سو جیسا کہ معمار کے مرجانے سے ضروری نہیں ہوتا کہ جس قدر اس نے اپنی عمر میں عمارتیں بنائی ہوں وہ ساتھ ہی گر جائیں ایسا ہی یہ بھی ضرور نہیں کہ ہندوؤں کے پرمیشر کے مرجانے سے کچھ بھی صدمہ دوسری چیزوں کو پہنچے کیونکہ وہ انکا قیوم نہیں ☆ اگر قیوم ہوتا تو ضرور ان کا خالق بھی ہوتا۔ کیونکہ جو چیزیں پیدا ہونے میں خدا کی قوت کی محتاج نہیں وہ قائم رہنے میں بھی اس کی قوت کے سہارے کی حاجت نہیں رکھتیں اور عیسائیوں کے اعتقاد کی رو سے بھی ان کا مجسم خدا قیوم الاشیاء نہیں ہو سکتا کیونکہ قیوم ہونے کیلئے معیت ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ عیسائیوں کا خدا یسوع اب زمین پر نہیں کیونکہ اگر زمین پر ہوتا تو ضرور لوگوں کو نظر آتا جیسا کہ اس زمانہ میں نظر آتا تھا جبکہ پلاطوس کے عہد میں اس کے ملک میں موجود تھا پس جبکہ وہ زمین پر موجود نہیں تو زمین کے لوگوں کا

☆ جو چیز قدرت کے سہارے سے پیدا نہیں ہوئی وہ اپنے بقاء میں بھی قدرت کے سہارے کی محتاج نہیں۔

﴿۱۷۶﴾ قیوم کیونکر ہو۔ رہا آسمان سو وہ آسمانوں کا بھی قیوم نہیں کیونکہ اس کا جسم تو صرف چھ سات بالشت کے قریب ہوگا پھر وہ سارے آسمانوں پر کیونکر موجود ہو سکتا ہے تا ان کا قیوم ہو لیکن ہم لوگ جو خدا تعالیٰ کو رب العرش کہتے ہیں تو اس سے یہ مطلب نہیں کہ وہ جسمانی اور جسم ہے اور عرش کا محتاج ہے بلکہ عرش سے مراد وہ مقدس بلندی کی جگہ ہے جو اس جہان اور آنے والے جہان سے برابر نسبت رکھتی ہے اور خدا تعالیٰ کو عرش پر کہنا درحقیقت ان معنوں سے مترادف ہے کہ وہ مالک الکونین ہے اور جیسا کہ ایک شخص اونچی جگہ بیٹھ کر یا کسی نہایت اونچے محل پر چڑھ کر یمین و یسار نظر رکھتا ہے۔ ایسا ہی استعارہ کے طور پر خدا تعالیٰ بلند سے بلند تخت پر تسلیم کیا گیا ہے جس کی نظر سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں نہ اس عالم کی اور نہ اس دوسرے عالم کی ہاں اس مقام کو عام سمجھوں کے لئے اوپر کی طرف بیان کیا جاتا ہے کیونکہ جبکہ خدا تعالیٰ حقیقت میں سب سے اوپر ہے اور ہر یک چیز اس کے پیروں پر گری ہوئی ہے تو اوپر کی طرف سے اس کی ذات کو مناسبت ہے مگر اوپر کی طرف وہی ہے جس کے نیچے دونوں عالم واقع ہیں اور وہ ایک انتہائی نقطہ کی طرح ہے جس کے نیچے سے دو عظیم الشان عالم کی دو شاخیں نکلتی ہیں اور ہر یک شاخ ہزار ہا عالم پر مشتمل ہے جن کا علم بجز اس ذات کے کسی کو نہیں جو اس نقطہ انتہائی پر مستوی ہے جس کا نام عرش ہے اس لئے ظاہری طور پر وہ اعلیٰ سے اعلیٰ بلندی جو اوپر کی سمت میں اس انتہائی نقطہ میں متصور ہو۔ جو دونوں عالم کے اوپر ہے وہی عرش کے نام سے عند الشرع موسوم ہے اور یہ بلندی باعتبار جامعیت ذاتی باری کی ہے تا اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ وہ مبدء ہے ہر یک فیض کا اور مرجع ہے ہر یک چیز کا اور مسجود ہے ہر یک مخلوق کا اور سب سے اونچا ہے اپنی ذات میں اور صفات میں اور کمالات میں ورنہ قرآن فرماتا ہے کہ وہ ہر یک جگہ ہے جیسا کہ فرمایا اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ [۱] جدھر منہ پھیرو ادھر ہی خدا کا منہ ہے اور فرماتا ہے هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ [۲] یعنی جہاں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور فرماتا ہے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ [۳] یعنی ہم انسان سے اس کی رگ جان سے بھی زیادہ نزدیک ہیں یہ تینوں تعلیموں کا نمونہ ہے۔

والسّلام علی من اتبع الھُدیٰ

بقلم خاکسار ہیچمدان از مریدان حضرت مسیح موعود غلام محمد امرتسری عفی اللہ عنہ

تمّت

یکم دسمبر ۱۸۹۵ء بروز یکشنبہ

[۱] البقرة:۱۱۶ [۲] الحدید: ۵ [۳] قٓ: ۱۷

﴿الف﴾

حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۶۴

مرہم حواریّین جس کا دوسرا نام مرہم عیسیٰ بھی ہے

یہ مرہم نہایت مبارک مرہم ہے جو زخموں اور جراحتوں اور نیز زخموں کے نشان معدوم کرنے کے لئے نہایت نافع ہے۔ طبیبوں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ مرہم حواریوں نے حضرت عیسیٰ کے لئے تیار کی تھی یعنی جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہود **علیہم اللعنت** کے پنجہ میں گرفتار ہو گئے اور یہودیوں نے چاہا کہ حضرت مسیح کو صلیب پر کھینچ کر قتل کریں تو انہوں نے گرفتار کر کے صلیب پر کھینچنے کی کارروائی شروع کی مگر خدا تعالیٰ نے یہود کے بد ارادہ سے حضرت عیسیٰ کو بچا لیا۔ کچھ خفیف سے زخم بدن پر لگ گئے ☆ سو وہ اس عجیب و غریب مرہم کے چند روز استعمال کرنے سے بالکل دور ہو گئے یہاں تک کہ نشان بھی جو دوبارہ گرفتاری کیلئے کھلی کھلی علامتیں تھیں بالکل مٹ گئے۔ یہ بات انجیلوں سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ جب حضرت مسیح نے صلیب سے نجات پائی کہ جو درحقیقت دوبارہ زندگی کے حکم میں تھی تو وہ اپنے حواریوں کو ملے اور اپنے زندہ سلامت ہونے کی خبر دی۔ حواریوں نے تعجب سے دیکھا کہ صلیب پر سے کیونکر بچ گئے اور گمان کیا کہ شاید ہمارے سامنے ان کی روح متمثل ہو گئی ہے تو انہوں نے اپنے زخم دکھلائے جو صلیب پر باندھنے کے وقت پڑ گئے تھے تب حواریوں کو یقین آیا کہ خدا تعالیٰ نے یہودیوں کے ہاتھ سے ان کو نجات دی۔ حال کے عیسائیوں کی یہ نہایت سادہ لوحی ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ یسوع مسیح مر کر نئے سرے زندہ ہوا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ خدا جو محض قدرت سے اس کو زندہ کرتا۔ اس کے زخموں کو بھی اچھا کر دیتا۔ بالخصوص جبکہ کہا جاتا ہے کہ دوسرا جسم جلالی ہے جو آسمان پر اٹھایا گیا اور خدا کی داہنی طرف جا بیٹھا۔ تو کیا قبول کر سکتے ہیں کہ جلالی جسم پر بھی یہ زخموں کا کلنک باقی رہا اور مسیح

☆ حاشیہ۔ قرآن شریف میں جو وارد ہے وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ [1] یعنی عیسیٰ نہ مصلوب ہوا نہ مقتول ہوا۔ اس بیان سے یہ بات منافی نہیں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر زخمی ہو گئے۔ کیونکہ مصلوبیت سے مراد وہ امر ہے جو صلیب پر چڑھانے کی علت غائی ہے اور وہ قتل ہے اور کچھ شک نہیں کہ خدا تعالیٰ نے دشمنوں کے اس اصل مقصود سے ان کو محفوظ رکھا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا ہے وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ [2] یعنی خدا تجھ کو لوگوں سے بچائے گا حالانکہ لوگوں نے طرح طرح کے دکھ دیئے وطن سے نکالا۔ دانت شہید کیا انگلی کو زخمی کیا اور کئی زخم تلوار کے پیشانی پر لگائے۔ سو درحقیقت اس پیشگوئی میں بھی اعتراض کا محل نہیں کیونکہ کفار کے حملوں کی علت غائی اور اصل مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زخمی کرنا یا دانت کا شہید کرنا نہ تھا بلکہ قتل کرنا مقصود بالذات تھا سو کفار کے اصل ارادے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے محفوظ رکھا اسی طرح جن لوگوں نے حضرت مسیح کو سولی پر چڑھایا تھا۔ ان کی اس کارروائی کی علت غائی حضرت مسیح کا زخمی ہونا نہ تھا بلکہ ان کا اصل ارادہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی کے ذریعہ سے قتل کر دینا تھا سو خدا نے ان کو اس بد ارادہ سے محفوظ رکھا اور کچھ شک نہیں کہ وہ مصلوب نہیں ہوئے پس قول **ماصلبوہ** ان پر صادق آیا۔ منہ

[1] النساء: ۱۵۸ [2] المائدۃ: ۶۸

﴿ب﴾ نے خدا اپنے اس قصہ کی مثال یونس کے قصہ سے دی اور ظاہر ہے کہ یونس مچھلی کے پیٹ میں مرا نہیں تھا پس اگر مسیح مر گیا تھا تو یہ مثال صحیح نہیں ہو سکتی بلکہ ایسی مثال دینے والا ایک سادہ لوح آدمی ٹھہرتا ہے جس کو یہ بھی خبر نہیں کہ مشبّہ اور مشبّہ بہٖ میں مشابہت تامہ ضروری ہے۔

غرض اس مرہم کی تعریف میں اس قدر لکھنا کافی ہے کہ مسیح تو بیماروں کو اچھا کرتا تھا مگر اس مرہم نے مسیح کو اچھا کیا انجیلوں سے یہ پتہ بھی بخوبی ملتا ہے کہ انہیں زخموں کی وجہ سے حضرت مسیح پلاطوس کی بستی میں چالیس[۴] دن تک برابر ٹھہرے اور پوشیدہ طور پر یہی مرہم ان کے زخموں پر لگتی رہی آخر اللہ تعالیٰ نے اسی سے ان کو شفا بخشی اس مدت میں زیرک طبع حواریوں نے یہی مصلحت دیکھی کہ جاہل یہودیوں کو تلاشی اور جستجو سے باز رکھنے کے لئے اور نیز ان کا پُر کینہ جوش فرو کرنے کی غرض سے پلاطوس کی بستیوں میں یہ مشہور کر دیں کہ یسوع مسیح آسمان پر معہ جسم اٹھایا گیا اور فی الواقعہ انہوں نے یہ بڑی دانائی کی کہ یہودیوں کے خیالات کو اور طرف لگا دیا اور اس طرف پہلے سے یہ انتظام ہو چکا تھا اور بات پختہ ہو چکی تھی کہ فلاں تاریخ پلاطوس کی عملداری سے یسوع مسیح باہر نکل جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حواری ان کو کچھ دور تک سڑک پر چھوڑ آئے اور حدیث صحیح سے جو طبرانی میں ہے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس واقعہ کے بعد ستاسی[۸۷] برس زندہ رہے اور ان برسوں میں انہوں نے بہت سے ملکوں کی سیاحت کی اسی لئے ان کا نام مسیح ہوا۔ اور کچھ تعجب نہیں کہ وہ اس سیاحت کے زمانہ میں تبت میں بھی آئے ہوں جیسا کہ آجکل بعض انگریزوں کی تحریروں سے سمجھا جاتا ہے ڈاکٹر برنیئر اور بعض دوسرے یوروپین عالموں کی یہ رائے ہے کہ کچھ تعجب نہیں کہ کشمیر کے مسلمان باشندہ دراصل یہود ہوں پس یہ رائے بھی کچھ بعید نہیں کہ حضرت مسیح انہیں لوگوں کی طرف آئے ہوں اور پھر تبت کی طرف رخ کر لیا ہو اور کیا تعجب کہ حضرت مسیح کی قبر کشمیر☆ یا اس کے نواح میں ہو۔ یہودیوں کے ملکوں سے ان کا نکلنا اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ نبوت ان کے خاندان سے خارج ہو گئی۔ جو لوگ اپنی قوت عقلیہ سے کام لینا نہیں چاہتے ان کا منہ بند کرنا مشکل ہے مگر مرہم حواریّین نے اس بات کا صفائی سے فیصلہ کر دیا کہ

☆ حاشیہ در حاشیہ۔ ڈاکٹر برنیر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ’’کشمیر میں یہودیت کی بہت سی علامتیں پائی جاتی ہیں چنانچہ پیر پنجال سے گذر کر جب میں اس ملک میں داخل ہوا تو دیہات کے باشندوں کی صورتیں یہود کی سی دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی ان کی صورتیں اور ان کے طور طریق اور وہ ناقابل بیان خصوصیتیں جن سے ایک سیاح مختلف اقوام کے لوگوں کی خود بخود شناخت اور تمیز کر سکتا ہے۔ سب یہودیوں

﴿ج﴾ حضرت مسیح کے جسم عنصری کا آسمان پر جانا سب جھوٹے قصے اور بیہودہ کہانیاں ہیں اور بلاشبہ اب تمام شکوک وشبہات کے زخم اس مرہم سے مندمل ہو گئے ہیں۔ عیسائیوں اور نیم عیسائیوں کو معلوم ہو کہ یہ مرہم معہ اس کے وجہ تسمیہ کے طب کی ہزار ہا کتابوں میں موجود ہے اور اس مرہم کا ذکر کرنے والے نہ صرف مسلمان طبیب ہیں بلکہ مسلمان۔ مجوسی۔ عیسائی سب اس میں شامل ہیں۔ اگر چاہیں تو ہم ہزار کتاب سے زیادہ اس کا حوالہ دے سکتے ہیں اور کئی کتابیں حضرت مسیح کے زمانہ کے قریب قریب کی ہیں اور سب اس پر اتفاق رکھتی ہیں کہ یہ مرہم حواریوں نے حضرت مسیح کے لئے یعنی ان کے زخموں کے لئے تیار کی تھی دراصل یہ نسخہ عیسائیوں کی پرانی قرابادینوں میں تھا جو یونانی میں تالیف ہوئی تھیں پھر ہارون اور مامون کے وقت میں وہ کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں اور یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کا ایک عظیم الشان نشان ہے کہ یہ کتابیں باوجود امتداد زمانہ کے تلف نہیں ہو سکیں یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ کے فضل نے ہمیں ان پر مطلع کیا۔ اب ایسے یقینی واقعہ سے انکار کرنا خدا تعالیٰ سے لڑائی ہے۔ ہمیں امید نہیں کہ کوئی عقلمند عیسائیوں اور مسلمانوں میں سے اس سے انکار کرے کیونکہ اعلیٰ درجہ کے تواتر کا انکار کرنا حماقت بلکہ دیوانہ پن ہے۔

اور وہ کتابیں جن میں یہ مرہم مذکور ہے درحقیقت ہزار ہا ہیں جن میں سے ڈاکٹر حنین کی بھی ایک کتاب ہے جو ایک پورانا عیسائی طبیب ہے ایسا ہی اور بہت سے عیسائیوں اور مجوسیوں کی کتابیں ہیں جو ان پورانی یونانی اور رومی کتابوں سے ترجمہ ہوئی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد کے قریب ہی تالیف ہوئی تھیں اور یہ خوب یاد رکھنا چاہئے کہ اسلامی طبیبوں نے یہ نسخہ عیسائی کتابوں سے ہی نقل کیا ہے مگر چونکہ ہر ایک کو وہ سب کتابیں میسّر نہیں ہو سکتیں لہٰذا ہم چند ایسی کتابوں کا حوالہ ذیل میں لکھتے ہیں جو

بقیہ حاشیہ در حاشیہ۔ کی پورانی قوم کیسی معلوم ہوتی تھیں میری بات کو آپ محض خیالی ہی تصور نہ فرمائیے گا ان دیہاتوں کے یہودی نما ہونے کی نسبت ہمارے پادری صاحبان اور اور بہت سے فرنگستانیوں نے بھی میرے کشمیر جانے سے بہت عرصہ پہلے ایسا ہی لکھا ہے۔ دوسری علامت یہ ہے کہ اس شہر کے باشندے باوجودیکہ تمام مسلمان ہیں مگر پھر بھی ان میں سے اکثر کا نام موسیٰ ہے۔ تیسرے یہاں یہ عام روایت ہے کہ حضرت سلیمان اس ملک میں آئے تھے۔ چوتھے یہاں کے لوگوں کا یہ بھی گمان ہے کہ حضرت موسیٰ نے شہر کشمیر ہی میں وفات پائی تھی اور ان کا مزار شہر سے قریب تین میل کے ہے۔ پانچویں عموماً یہاں سب لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ایک اونچے پہاڑ پر جو ایک مختصر اور نہایت پورانا مکان نظر آتا ہے اس کو حضرت سلیمان نے تعمیر کرایا تھا اور اسی سبب سے اس کو آج تک تخت سلیمان کہتے ہیں۔ سو میں اس بات سے انکار کرنا نہیں چاہتا کہ یہودی لوگ کشمیر میں

﴿د﴾

اس ملک میں یا مصر میں چھپ کر شائع ہوگئی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

بوعلی سینا کا قانون مطبوعہ مصر صفحہ ۴۰۵ + علامہ شارح قانون قلمی + قرشی شارح قانون قلمی + شفاء الاسقام جلد دوم قلمی ورق ۶۴٬ ۶۵

کامل الصناعہ مطبوعہ مصر تصنیف علی ابن العباس المجوسی صفحہ ۶۰۲ — تذکرہ داؤد انطاکی مطبوعہ مصر صفحہ ۳۰۳٬ ۳۳۳ باب حرف المیم۔

اکسیر اعظم جلد رابع صفحہ ۳۰۳ + میزان الطب صفحہ ۱۵۲ + قرابادین قادری باب میم امراض جلد صفحہ ۵۰۸ + ذخیرہ خوارزم شاہ

ریاض الفوائد + منہاج البیان + قرابادین کبیر جلد ۲ صفحہ ۵۷۵ + قرابادین بقائی جلد دوم صفحہ ۴۹۷

لوامع شبریہ تصنیف سید حسین شبر کاظمی + قرابادین حنین بن اسحاق عیسائی + قرابادین رومی

اور اگر بڑی بڑی کتابیں کسی کو میسر نہ آویں تو قرابادین قادری تو ہر جگہ اور ہر شہر میں مل سکتی ہے اور اکثر دیہات کے نیم حکیم بھی اس کو اپنے پاس رکھا کرتے ہیں سو اگر ذرہ تکلیف اٹھا کر اس کے صفحہ ۵۰۸ باب بستم امراض جلد میں نظر ڈالیں تو یہ عبارت اس میں لکھی ہوئی پائیں گے ''مرہم حواریین کہ مسمّی ست بمرہم سلیخا☆ و مرہم رسل و آنرا مرہم عیسٰی نیز نامند و اجزائے ایں نسخہ دوازدہ عدد است کہ حواریین جہتہ عیسٰی علیہ السلام ترکیب کردہ برائے تحلیل اورام دخنازیر و طواعین وتنقیہ جراحات از گوشت فاسد و اوساخ و جہت رو مانیدن گوشت تازہ سودمند''۔ اور اس جگہ نسخہ کے اجزاء لکھنے کی حاجت نہیں کیونکہ ہر ایک شخص قرابادین وغیرہ کتابوں میں دیکھ سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ شبہ پیش ہو کہ ممکن ہے کہ حضرت عیسٰی کو نبوت سے پہلے کہیں سے چوٹیں لگی ہوں یا گر گئے ہوں یا کسی نے مارا ہو اور حواریوں نے ان کے زخموں کے اورام اور قروح

بقیہ حاشیہ در حاشیہ۔ آ کر بسے ہوں پہلے رفتہ رفتہ تنزل کرتے کرتے بت پرست بن گئے ہوں گے اور پھر آخر اور بت پرستوں کی طرح مذہب اسلام کی طرف مائل ہوگئے ہوں گے'' یہ رائے ڈاکٹر برنیر کی ہے جو انہوں نے اپنی کتاب سیر و سیاحت میں لکھی ہے۔ مگر اسی بحث میں انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''غالباً اسی قوم کے لوگ پیکن میں موجود ہیں جو مذہب موسوی کے پابند ہیں اور ان کے پاس توریت اور دوسری کتابیں بھی ہیں۔ مگر حضرت عیسٰی کی وفات یعنی مصلوب ہونے کا حال ان لوگوں کو بالکل معلوم نہیں'' ڈاکٹر صاحب کا یہ فقرہ یاد رکھنے کے لائق ہے کیونکہ آج تک بعض نادان عیسائیوں کا یہ گمان ہے کہ حضرت عیسٰی کے مصلوب ہونے پر یہود اور نصاریٰ کا اتفاق ہے اور اب ڈاکٹر صاحب کے قول سے معلوم ہوا کہ چین کے یہودی اس قول سے اتفاق نہیں رکھتے اور ان کا یہ مذہب نہیں ہے کہ حضرت عیسٰی سولی پر مر گئے اور ڈاکٹر صاحب نے جو کشمیریوں کے یہودی الاصل ہونے پر دلائل لکھے ہیں یہی دلائل ایک غور کرنے والی

☆ نوٹ۔ قرابادین قادری میں سلیخا کا لفظ ہے مگر شیخ بوعلی سینا کے قانون میں بجائے سلیخا کے شلیخا لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبرانی یا یونانی لفظ ہے جس کے معنی بارہ[۱۲] کے ہیں۔ منہ

کی تکالیف کیلئے یہ نسخہ تیار کیا ہو تو اسکا جواب یہ ہے کہ نبوت سے پہلے حواریوں سے انکا کچھ تعلق نہ تھا بلکہ حواریوں کو حواری کا لقب اسی وقت سے ملا کہ جب وہ لوگ حضرت عیسیٰ کی نبوت کے بعد ان پر ایمان لائے اور انکا ساتھ اختیار کیا اور پہلے تو انکا نام مچھیے یا ماہی گیر تھا سو اس سے صاف تر اور کیا قرینہ ہوگا کہ یہ مرہم اس نام کی طرف منسوب ہے جو حواریوں کو حضرت مسیح کی نبوت کے بعد ملا اور پھر ﴿۵﴾

بقیہ حاشیہ در حاشیہ۔ نگاہ میں ہمارے متذکرہ بالا بیان پر شواہد بینہ ہیں یہ واقعہ مذکورہ جو حضرت موسیٰ کشمیر میں آئے تھے چنانچہ ان کی قبر بھی شہر سے قریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے صاف دلالت کرتا ہے کہ موسیٰ سے مراد عیسیٰ ہی ہے کیونکہ یہ بات قریب قیاس ہے کہ جب کشمیر کے یہودیوں میں اس قدر تغیر واقع ہوئے کہ وہ بت پرست ہو گئے اور پھر مدت کے بعد مسلمان ہو گئے تو کم علمی اور لاپروائی کی وجہ سے عیسیٰ کی جگہ موسیٰ انہیں یاد رہ گیا ورنہ حضرت موسیٰ تو موافق تصریح توریت کے حورب کی سرزمین میں اس سفر میں فوت ہو گئے تھے جو مصر سے کنعان کی طرف بنی اسرائیل نے کیا تھا اور حورب کی ایک وادی میں بیت فغفور کے مقابل دفن کئے گئے دیکھو استثناء ۳۴ باب درس ۵۔ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان کا لفظ بھی رفتہ رفتہ بجائے عیسیٰ کے لفظ کے مستعمل ہو گیا۔ ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ نے پہاڑ پر عبادت کے لئے کوئی مکان بنایا ہو کیونکہ یہ شاذونادر ہے کہ کوئی بات بغیر کسی اصل صحیح کے محض بے بنیاد افترا کے طور پر مشہور ہو جائے۔ ہاں یہ غلطی قریب قیاس ہے کہ بجائے عیسیٰ کے عوام کو جو پچھلی قومیں تھیں سلیمان یاد رہ گیا ہو اور اس قدر غلطی تعجب کی جگہ نہیں۔ چونکہ یہ تین نبی ایک ہی خاندان میں سے ہیں اس لئے یہ غلطیاں کسی اتفاقی مسامحت سے ظہور میں آ گئیں تبت سے کوئی نسخہ انجیل یا بعض عیسوی وصایا کا دستیاب ہونا جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کوئی عجیب بات نہیں ہے کیونکہ جب قرائن قویہ قائم ہیں کہ بعض نبی بنی اسرائیل کے کشمیر میں ضرور آئے گو ان کے تعین نام میں غلطی ہوئی اور ان کی قبر اور مقام بھی اب تک موجود ہے تو کیوں یہ یقین نہ کیا جائے کہ وہ نبی درحقیقت عیسیٰ ہی تھا جو اول کشمیر میں آیا اور پھر تبت کا بھی سیر کیا اور کچھ بعید نہیں کہ اس ملک کے لوگوں کے لئے کچھ وصیتیں بھی لکھی ہوں اور آخر کشمیر میں واپس آ کر فوت ہو گئے ہوں۔ چونکہ سرد ملک کا آدمی سرد ملک کو ہی پسند کرتا ہے اس لئے فراست صحیحہ قبول کرتی ہے کہ حضرت عیسیٰ کنعان کے ملک کو چھوڑ کر ضرور کشمیر میں پہنچے ہوں گے۔ میرے خیال میں کسی کو اس میں کلام نہ ہوگا کہ خطہ کشمیر کو خطہ شام سے بہت مشابہت ہے پھر جبکہ ملکی مشابہت کے علاوہ

﴿و﴾

ایکؔ اور قرینہ یہ ہے کہ اس مرہم کو مرہم رسل بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ حواری حضرت عیسیٰ کے رسول تھے۔ اور اگر یہ گمان ہو کہ ممکن ہے کہ یہ چوٹیں حضرت مسیح کو نبوت کے بعد کسی اور حادثہ سے لگ گئی ہوں اور صلیب پر مر گئے ہوں جیسا کہ نصاریٰ کا زعم ہے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ۔ قوم بنی اسرائیل بھی اس جگہ موجود تھی تو حضرت مسیح اس ملک کے چھوڑنے کے بعد ضرور کشمیر میں آئے ہوں گے مگر جاہلوں نے دور دراز زمانہ کے واقعہ کو یاد نہ رکھا اور بجائے عیسیٰ کے موسیٰ یا سلیمان یاد رہ گیا۔ اخویم حضرت مولوی حکیم نور الدین صاحب فرماتے ہیں کہ میں قریباً چودہ۱۴ برس تک جموں اور کشمیر کی ریاست میں نوکر رہا ہوں اور اکثر کشمیر میں ہر ایک عجیب مکان وغیرہ کے دیکھنے کا موقعہ ملتا تھا لہٰذا اس مدت دراز کے تجربہ کے رو سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ ڈاکٹر برنیر صاحب نے اس بات کے بیان کرنے میں کہ اہل کشمیر یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ کشمیر میں موسیٰ کی قبر ہے غلطی کی ہے جو لوگ کچھ مدت کشمیر میں رہے ہیں وہ اس بات سے بے خبر نہیں ہوں گے کہ کشمیر میں موسیٰ نبی کے نام سے کوئی قبر مشہور نہیں ڈاکٹر صاحب کو بوجہ اجنبیت زبان کے ٹھیک ٹھیک نام کے لکھنے میں غلطی ہو گئی ہے یا ممکن ہے کہ سہو کاتب سے یہ غلطی ظہور میں آئی ہو اصل بات یہ ہے کہ کشمیر میں ایک مشہور و معروف قبر ہے جس کو **یوز آسف نبی** کی قبر کہتے ہیں اس نام پر ایک سرسری نظر کر کے ہر ایک شخص کا ذہن ضرور اس طرف منتقل ہو گا کہ یہ قبر کسی اسرائیلی نبی کی ہے کیونکہ یہ لفظ عبرانی زبان سے مشابہ ہیں مگر ایک عمیق نظر کے بعد نہایت تسلی بخش طریق کے ساتھ کھل جائے گا کہ دراصل یہ لفظ **یسوع آسف** ہے یعنی یسوع غمگین۔ اسف اندوہ اور غم کو کہتے ہیں چونکہ حضرت مسیح نہایت غمگین ہو کر اپنے وطن سے نکلے تھے اس لئے اپنے نام کے ساتھ آسف ملا لیا مگر بعض کا بیان ہے کہ دراصل یہ لفظ **یسوع صاحب** ہے پھر اجنبی زبان میں بکثرت مستعمل ہو کر یوز آسف بن گیا۔ لیکن میرے نزدیک یسوع آسف اسم بامسمّٰی ہے اور ایسے نام جو واقعات پر دلالت کریں اکثر عبرانی نبیوں اور دوسرے اسرائیلی راستبازوں میں پائی جاتی ہیں چنانچہ یوسف جو حضرت یعقوب کا بیٹا تھا اس کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے کہ اس کی جدائی پر اندوہ اور غم کیا گیا جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے اس بات کی طرف اشارہ فرما کر کہا ہے یَآاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ[1] پس اس سے صاف نکلتا ہے کہ یوسف پر اسف یعنی اندوہ

[1] یوسف : ۸۵

﴿ز﴾

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو ثابت ہو چکا ہے کہ یہ چوٹیں نبوت کے بعد لگی ہیں اور ظاہر ہے کہ اس ملک میں نبوت کا زمانہ صرف تین برس بلکہ اس سے بھی کم ہے پس اگر اس مختصر زمانہ میں بجز صلیب کی چوٹوں کے کسی اور حادثہ سے بھی یسوع کو چوٹیں لگی تھیں اور ان چوٹوں کے لئے یہ مرہم طیار ہوئی تھی تو اس دعویٰ کا بار ثبوت عیسائیوں کی گردن پر ہے جو حضرت عیسیٰ کو جسم سمیت آسمان پر چڑھا رہے ہیں یہ مرہم حواریّین متواترات میں سے ہے اور متواترات علوم حسیہ بدیہہ کی طرح ہوتے ہیں جن سے انکار کرنا حماقت ہے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ۔ کیا گیا اس لئے اس کا نام یوسف ہوا ایسا ہی مریم کا نام بھی ایک واقعہ پر دلالت کرتا ہے اور وہ یہ کہ جب مریم کا لڑکا عیسیٰ پیدا ہوا تو وہ اپنے اہل وعیال سے دور تھی اور مریم وطن سے دور ہونے کو کہتے ہیں اسی کی طرف اللہ جلّ شانہٗ اشارہ فرما کر کہتا ہے وَاذۡكُرۡ فِی الۡكِتٰبِ مَرۡيَمَ ۘ اِذِ انۡتَبَذَتۡ مِنۡ اَهۡلِهَا مَكَانًا شَرۡقِيًّا[1] یعنی مریم کو کتاب میں یاد کر جبکہ وہ اپنے اہل سے ایک شرقی مکان میں دور پڑی ہوئی تھی سو خدا نے مریم کے لفظ کی وجہ تسمیہ یہ قرار دی کہ مریم حضرت عیسیٰ کے پیدا ہونے کے وقت اپنے لوگوں سے دور و مہجور تھی یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اس کا لڑکا عیسیٰ قوم سے قطع کیا جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضرت مسیح اپنے ملک سے نکل گئے اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کشمیر میں جا کر وفات پائی اور اب تک کشمیر میں ان کی قبر موجود ہے یُزَارُ وَ یُتَبَرَّکُ بِہٖ ہاں ہم نے کسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت مسیح کی بلاد شام میں قبر ہے مگر اب صحیح تحقیق ہمیں اس بات کے لکھنے کیلئے مجبور کرتی ہے کہ واقعی قبر وہی ہے جو کشمیر میں ہے اور ملک شام کی قبر زندہ درگور کا نمونہ تھا جس سے وہ نکل آئے اور جب تک وہ کشمیر میں زندہ رہے ایک اونچے پہاڑ کی چوٹی پر مقام کیا گویا آسمان پر چڑھ گئے۔ حضرت مولوی نوردین صاحب فرماتے ہیں کہ یسوع صاحب کی قبر جو یوز آسف کی قبر کر کے مشہور ہے وہ جامع مسجد سے آتے ہوئے بائیں طرف واقع ہوتی ہے جب ہم جامع مسجد سے اس مکان میں جائیں جہاں شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ کے تبرکات ہیں تو یہ قبر تھوڑی شمال کی جانب عین کوچہ میں ملے گی اس کوچہ کا نام خانیار ہے اور یہ اصل قدیم شہر سے قریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے جیسا کہ ڈاکٹر برنیر نے لکھا ہے پس اس بات کو بھی خیانت پیشہ عیسائیوں کی طرح ہنسی میں نہیں اڑانا چاہئے کہ حال میں ایک انجیل تبت سے دفن کی ہوئی نکلی ہے جیسا کہ وہ شائع بھی ہو چکی ہے بلکہ حضرت مسیح کے کشمیر میں آنے کا یہ ایک دوسرا قرینہ ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اس انجیل کا لکھنے والا بھی بعض واقعات کے لکھنے میں غلطی کرتا ہو جیسا کہ پہلی چار انجیلیں بھی غلطیوں سے بھری ہوئی ہیں۔ مگر ہمیں اس نادر اور عجیب ثبوت سے بکلی مُنہ نہیں پھیرنا چاہئے جو بہت سی غلطیوں کو صاف کر کے دنیا کو صحیح سوانح کا چہرہ دکھلاتا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔ منہ

[1] مریم : ۱۷

﴿ح﴾ اگر یہ سوال پیش ہو کہ ممکن ہے کہ چوٹوں کے اچھا ہونے کے بعد حضرت عیسیٰ آسمان پر چڑھائے گئے ہوں تو اس کا جواب یہی ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کو آسمان پر چڑھانا ان کا منظور ہوتا تو زمین پر ان کیلئے مرہم طیار نہ ہوتی آسمان پر لیجانے والا فرشتہ انکے زخم بھی اچھے کر دیتا اور انجیل میں دیکھنے والوں کی شہادت رویت صرف اس قدر ہے کہ ان کو سڑک پر جاتے دیکھا اور تحقیقات سے ان کی قبر کشمیر میں ثابت ہوتی ہے اور اگر کوئی خوش فہم مولوی یہ کہے کہ قرآن میں ان کی رفع کا ذکر ہے تو اسکے جواب میں یہ التماس ہے کہ قرآن میں رفع الی اللہ کا ذکر ہے نہ رفع الی السّماء کا پھر جبکہ اللہ جلّ شانہٗ نے یہ فرمایا ہے کہ یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ [1] تو اس سے قطعی طور پر سمجھا جاتا ہے کہ رفع موت کے بعد ہے کیونکہ آیت کے یہ معنی ہیں کہ میں تجھے وفات دوں گا اور اپنی طرف اٹھالوں گا سو اس میں کیا کلام ہے کہ خدا کے نیک بندے وفات کے بعد خدا کی طرف اٹھائے جاتے ہیں۔ سو وفات کے بعد نیک بندوں کا رفع ہونا سنت اللہ میں داخل ہے مگر وفات کے بعد جسم کا اٹھایا جانا سنت اللہ میں داخل نہیں اور یہ کہنا کہ توفی کے معنی اس جگہ سونا ہے سراسر الحاد ہے کیونکہ صحیح بخاری میں ابن عباس سے روایت ہے کہ متوفیک ممیتک اور اس کی تائید میں صاحب بخاری اسی محل میں ایک حدیث بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لایا ہے پس جو معنی توفی کے ابن عباس اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقام متنازعہ فیہ میں ثابت ہو چکے اسکے برخلاف کوئی اور معنی کرنا یہی ملحدانہ طریق ہے مسلمان کیلئے اس سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت نہیں کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام متنازعہ فیہ میں یہی معنی کئے پس بڑی بے ایمانی ہے جو نبی کریم کے معنوں کو ترک کر دیا جائے اور جبکہ اس جگہ توفی کے معنی قطعی طور پر وفات دینا ہی ہوا تو پھر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وفات آئندہ کے زمانہ میں ہوگی کیونکہ آیت فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ [2] صاف صاف بتلا رہی ہے کہ وفات ہو چکی وجہ یہ کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ جناب الٰہی میں عرض کرتے ہیں کہ عیسائی میری وفات کے بعد بگڑے ہیں پھر اگر فرض کر لیں کہ اب تک حضرت عیسیٰ فوت نہیں ہوئے تو ساتھ ہی ماننا پڑے گا کہ ابتک عیسائی بھی نہیں بگڑے حالانکہ ان کم بختوں نے عاجز انسان کو خدا بنا دیا اور نہ صرف شرک کی نجاست کھائی بلکہ سؤر کھانا شراب پینا زنا کرنا سب انہی لوگوں کے حصہ میں آ گیا کیا کوئی دنیا میں بدی ہے جو ان میں پائی نہیں جاتی کیا کوئی ایسا بدکاری کا کام ہے جس میں یہ لوگ نمبر اول پر نہیں۔ پس صاف ظاہر ہے کچھ یہ لوگ بگڑ گئے اور شرک اور ناپاکیوں کا جذام ان کو کھا گیا۔ اور اسلام کی عداوت نے ان کو تحت الثریٰ میں پہنچا دیا اور نہ صرف آپ ہی ہلاک ہوئے بلکہ انکی ناپاک زندگی نے ہزاروں کو ہلاک کیا یورپ میں کتوں اور کتیوں کی طرح زناکاری ہو رہی ہے شراب کی کثرت شہوتوں کو ایک خطرناک جوش دے رہی ہے اور حرامی بچے لاکھوں تک پہنچ گئے ہیں یہ کس بات کا نتیجہ ہے اسی مخلوق پرستی اور کفارہ کے پُرفریب مسئلہ کا۔ **منہ**

[1] اٰل عمران:۵۶ [2] المآئدۃ: ۱۱۸

حاشیہ در حاشیہ متعلقہ حاشیہ صفحہ ۱۶۴

ہمارے متعصب مولوی ابتک یہی سمجھے بیٹھے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام معہ جسم عنصری آسمان پر چڑھ گئے ہیں اور دوسرے نبیوں کی تو فقط روحیں آسمان پر ہیں مگر حضرت عیسیٰ جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر موجود ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ صلیب پر چڑھائے بھی نہیں گئے بلکہ کوئی اور شخص صلیب پر چڑھایا گیا لیکن ان بیہودہ خیالات کے رد میں علاوہ ان ثبوتوں کے جو ہم ازالہ اوہام اور حمامتہ البشریٰ وغیرہ کتابوں میں دے چکے ہیں ایک اور قوی ثبوت یہ ہے کہ صحیح بخاری صفحہ ۳۳۹ میں یہ حدیث موجود ہے **لعنة الله علی الیهود والنصاری اتخذوا قبور انبیاء هم مساجد**۔ یعنی یہود اور نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد بنالیا یعنی ان کو سجدہ گاہ مقرر کر دیا اور ان کی پرستش شروع کی۔ اب ظاہر ہے کہ نصاریٰ بنی اسرائیل کے دوسرے نبیوں کی قبروں کی ہرگز پرستش نہیں کرتے بلکہ تمام انبیاء کو گنہگار اور مرتکب صغائر و کبائر خیال کرتے ہیں۔ ہاں بلاد شام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کی پرستش ہوتی ہے اور مقررہ تاریخوں پر ہزارہا عیسائی سال بسال اس قبر پر جمع ہوتے ہیں سو اس حدیث سے ثابت ہوا کہ درحقیقت وہ قبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہی قبر ہے جس میں مجروح ہونے کی حالت میں وہ رکھے گئے تھے اور اگر اس قبر کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر سے کچھ تعلق نہیں تو پھر نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا **قول** صادق نہیں ٹھہرے گا اور یہ ہرگز ممکن نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی مصنوعی قبر کو قبر نبی قرار دیں جو محض جعلسازی کے طور پر بنائی گئی ہو۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی شان سے بعید ہے کہ جھوٹ کو واقعات صحیحہ کے محل پر استعمال کریں پس اگر حدیث میں نصاریٰ کی قبر پرستی کے ذکر میں اس قبر کی طرف اشارہ نہیں تو اب واجب ہے کہ شیخ **بطالوی** اور دوسرے مخالف مولوی کسی اور ایسے نبی کی قبر کا ہمیں نشان دیں جس کی عیسائی پرستش کرتے ہوں یا کبھی کسی زمانہ میں کی ہے۔ نبوت کا قول باطل نہیں ہوسکتا چاہئے کہ اس کو سرسری طور پر نہ ٹال دیں اور ردی چیز کی طرح نہ پھینک دیں کہ یہ سخت بے ایمانی ہے بلکہ دو باتوں سے ایک بات اختیار کریں۔ (۱) یا تو اس قبر کا ہمیں پتا دیویں جو کسی اور نبی کی کوئی قبر ہے اور اس کی عیسائی پرستش کرتے ہیں۔ (۲) اور یا اس بات کو قبول کریں کہ بلاد شام میں جو حضرت عیسیٰ کی قبر ہے جس کی نسبت سلطنت انگریزی کی طرف سے پچھلے دنوں میں خریداری کی بھی تجویز ہوئی تھی جس پر ہر سال بہت سا ہجوم عیسائیوں کا ہوتا ہے اور سجدے کئے جاتے ہیں وہ درحقیقت

وہی قبر ہے جس میں حضرت مسیح مجروح ہونے کی حالت میں داخل کئے گئے تھے پس اگر یہ وہی قبر ہے تو خود سوچ لیں کہ اسکے مقابل پر وہ عقیدہ کہ حضرت مسیح صلیب پر نہیں چڑھائے گئے بلکہ چھت کی راہ سے آسمان پر پہنچائے گئے۔ کس قدر لغو اور خلاف واقعہ عقیدہ ٹھہرے گا۔ لیکن یہ واقعہ جو حدیث کی رو سے ثابت ہوتا ہے یعنی یہ کہ ضرور حضرت عیسیٰ قبر میں داخل کئے گئے یہ اس قصہ کو جو مرہم حواریین کی نسبت ہم لکھ چکے ہیں نہایت قوت دیتا ہے کیونکہ اس سے اس بات کیلئے قرائن قویہ پیدا ہوتے ہیں کہ ضرور حضرت مسیح کو یہودیوں کے ہاتھ سے ایک جسمانی صدمہ پہنچا تھا مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ صلیب پر مر گئے تھے کیونکہ توریت سے ثابت ہے کہ جو مصلوب ہو وہ لعنتی ہے اور مصلوب وہی ہوتا ہے جو صلیب پر مر جاوے وجہ یہ کہ صلیب کی علت غائی قتل کرنا ہے سو ہرگز ممکن نہیں کہ وہ صلیب پر مرے ہوں کیونکہ ایک نبی مقرب اللہ لعنتی نہیں ہوسکتا اور خود حضرت عیسیٰ نے آپ بھی فرما دیا کہ میں قبر میں ایسا ہی داخل ہوں گا جیسا کہ یونس مچھلی کے پیٹ میں داخل ہوا تھا یہ ان کے کلام کا ماحصل ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ قبر میں زندہ داخل ہوئے اور زندہ ہی نکلے جیسا کہ یونس مچھلی کے پیٹ میں زندہ داخل ہوا اور زندہ ہی نکلا کیونکہ نبی کی مثال غیر مطابق نہیں ہوسکتی سو وہ بلاشبہ قبر میں زندہ ہی داخل کئے گئے اور یہ مکر اللہ تھا تا یہود ان کو مردہ سمجھ لیں اور اس طرح وہ ان کے ہاتھ سے نجات پاویں۔ یہ واقعہ **غار ثور** کے واقعہ سے بھی بالکل مشابہ ہے اور وہ غار بھی قبر کی طرح ہے جو اب تک موجود ہے اور غار میں توقف کرنا بھی **تین** دن ہی لکھا ہے جیسا کہ مسیح کے قبر میں رہنے کی مدت **تین** دن ہی بیان کی گئی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے **واقعہ ثور** کی یہ **مشابہت** جو مسیح کی قبر سے ہے اس کا اشارہ بھی حدیثوں میں پایا جاتا ہے اسی طرح ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے یونس نبی سے مشابہت سے ایک اشارہ کیا ہے۔ پس گویا یہ **تین** نبی یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح اور یونس علیہ السلام قبر میں زندہ ہی داخل ہوئے اور زندہ ہی اس میں رہے اور زندہ ہی نکلے ☆ اور خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ یہی بات صحیح ہے جو لوگ مرہم حواریین کے مضمون پر غور کریں گے وہ بالضرور اس نکتہ تک پہنچ جائیں گے کہ ضرور حضرت مسیح مجروح ہونے کی حالت میں قبر میں زندہ داخل کئے گئے تھے پلاطوس کی بیوی کی خواب بھی اسی کے موید ہے کیونکہ فرشتہ نے اسکی بیوی کو یہی بتلایا تھا کہ عیسیٰ اگر صلیب پر مر گیا تو اس پر اور اسکے خاوند پر تباہی آئے گی۔ مگر کوئی تباہی نہیں آئی۔ جس کا یہ نتیجہ ضروری ہے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا۔ منہ

☆ **نوٹ**۔ یوسف علیہ السلام کا کنوئیں میں سے زندہ نکلنا بھی اسی سے مشابہ ہے۔ منہ

mankind, in facts the word here ascribed to Nanak contain a full confession of Islam.

TRANSLATIONBY Dr. ERNEST TRUMP
JANAM SAKHI OF BABA NANAK.

INTRODUCTION PAGE 41, **XLI AND XLII**.

His Worship (the prophet) has said in his decision and the book:

Dogs who watch well at night-time are better than not praying men.

The watches, who do not wake and, remain asleep after the cal (to prayer),

In their bone is uncleanness; though men, they are like women,

Who do not obey Sunnat and divine commandment nor the order of book:

They are burnt in hell, like roasted meat put on a spit.

Great misery befall them, who are drinking Bhang and Wine,

Ã pig is interdicted from liquor and beer, nor is it Bhang drinking.

Who walk according to the advice of their lust they will suffer great pain;

At the day of the resurrection there will be a clamour of noise.

At that day of the mountains will fly about as when cotton is corded,

O Kazi, none other will sit (there), God himself will stand.

According to justice all will be decided, the tablet is handed over at the gate.

Just inquiries are made there; by whome sins were committed,

They are bound thrown into hell, with a layer (of earth) on their neck and with a black face.

The doors of good works will be unconcerned at that day.

Those will be rescued. O, Nanak whose shelter his worship (the prophet) is.

Companion of Nanak, and if all other tradition had failed this alone would have been enough to establish the eclectic character of early Sikhism. The first greeting of these famous men is significant enough. Sheikh Farid exclamed " Allah, Allah O, Darwesh, " to which Nanak replied "Allah is object of my efforts O Farid! come, Sheikh Farid ! Allah Allah (only) is ever my object.

An intimacy at once sprang up between these two remarkable men, and Sheikh Farid accompanied Nanak in all his wanderings for the next twelve years.

As soon as Nanak and his friend Sheik Farid began to travel in company, it is related that they reached a place called Bisiar where the people applied cow-dung to every spot on which they had stood, as soon as they departed, the obvious meaning of this is, that orthodox Hindu considered every spot polluted which Nanak and his companion had visited. This could never had been related of Nanak had he remained a Hindu by religion. In this next journey Nanak is said to have visited Patan, and there he met with Sheikh Ibrahim who saluted him as a Muslim, and had a conversation with him on the unity of God.

In precise cinfirmity with this deduction is the tradition of Nanak`s pilgrimage to Makka. The particulars of his visit to that holy place are fully given in all accounts of Nanak`s life, and although, as Dr. Trumpp reasonably concludes the whole story is a fabrication yet the mere invention of the tale is enough to prove that those who intimately knew Nanak considered his relationship to Muhammadanism sufficiently close to warrant the belief in such a pilgrimage in the course of his teachings in Mukkah Nanak is made to say: "Though men they are like woman who do not obey the Sunnat, and divine commandment, nor the order of the book (the Quran) (I.C.M.E No 1728 for 212) He also admitted the intercession of Muhammad, denounced the drinking of bhang, wine &c., acknowleged the existence of hell, the punishment of the wicked and the ressurrection of

﴿۴﴾

which extracts have been given, and the numerous confirmatory evidences contained in the religion itself.

It will, also, be noticed that Muhammadans are affected by the logic and piety of Nanak and to them he shows himself so partial that he openly accompanies them to the Mosque, and thereby causes his Hindu neighbours and friends to believe that he is actually converted to the faith of Islam.

After this, Nanak undertook a missionary tour: and it is noticeable that the first person he went to and converted was Sheik Sajan who showed himself to be a pious Muhammadan. Nanak then peoceeded to Panipat and was met by a certain Sheikh Tatihar who accosted with the Muhammadan greeting. "peace be on thee, O Darwesh!" to which Nanak immediately replied "and upon you be peace" O` servant of the Pir.

Here we find Nanak both receiving and giving the Muhammadan salutation and also the acknowledgment that he was recognised as a Darwesh.

The disciple then called his master, the Pir Sheikh Sharaf who repeated the salutation of peace, and after a long conversation acknowledged the Divine Mission of Nanak kissed his hands and feet and left him (fol. 52).

After the departure of this Pir, the Guru Nanak wandered on to Dehli where he was introduced to Sultan Ibrahim, Lodhi who also called him a Darwesh.

The most significant associate which Nanak found was undoubtedly, Sheikh Farid. He was a famous Muhammadan Pir, and strict Sufi who attracted much attention by his piety and formed a school of devoties of his own. Sheikh Farid must have gained considerable notoriety in his day; for his special disciples are still to be found in the Panjab who go by the name of Sheikh Farid`s Fakirs. This strict Muhammadan became confidentiol friend and

﴿۳﴾

﴿۱﴾

EXTRACTS FROM REVD, HOGHE`S

DICTIONARY OF ISLAM,
PAGES 583--591

The *Janam sakhis* or biographical sketches of Nanak and his associates contain a profusion of curious traditions, which throw considerable light on the origin and development of the Sikh religion. From these old books, we learn that in early life Nanak, although a Hindu by birth, came under Sufi influence, and was strangely attracted by the saintly demeanour of the Fakirs who were thickly scattered over Northern India and swarmed in the Panjab.

It is, therefore, only reasonable to suppose that any Hindu affected by Muhammadanism would show some traces of Sufi influence. As a fact we find that the doctrines preached by the Sikh Gurus were distinctly sufiastic, and indeed, the early Gurus openly assumed the manners and dress of faqirs, thus plainly announcing their connection with the Sufiastic side of Muhammadanism. In pictures they are represented with small rosaries in their hands, quite in Muhammadan fashion, as though ready to perform *zikr*.

The traditions of Nanak preserved in the *Janam Sakhi* are full of evidence of his alliance with Muhammadanism.

(In answer to a Qazi) Nanak replied. To be called a Mussalman is difficult, when one (becomes it) then he may be called Mussalman.

From the foregoing it is perfectly clear that the immediate successors of Nanak beleived that he went very close to Muhammadanism; and we can scarcely doubt the

accuracy of their view of the matter, when we consider the almost contemporaneous character of the record, from

ٹائیٹل بار اوّل

اسلامی اصول کی فلاسفی

یا

اسلام اور اسکی حقیقت

یعنی تقریر حضرت حجۃ اللہ میرزا غلام احمد صاحب

مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام جسکو

جلسہ مذاہب اعظم منعقدہ لاہور میں مولانا مولوی عبد الکریم صاحب نے

پڑھ کر سنایا + اور اس میں حکیم الامۃ حضرت مولانا نورالدین صاحب

کی تقریریں اور حضرت میر ناصر نواب صاحب کی نظم بھی شامل کیگئی ہیں

جو انھوں نے جلسہ مذکور میں سنائیں

مطبع ضیاء الاسلام قادیان دار الامان میں مولوی حکیم

فضل الدین صاحب کے اہتمام سے چھپکر شائع ہوئی

۱۵ جولائی سنہ ۱۹۰۵ء　　قیمت ۴/　　تعداد ۲۰۰۰

﴿۲﴾

اسلام

مضمون عالیجناب حضرت مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان جس کو مولانا مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے بمقام لاہور جلسہ اعظم مذاہب دھرم مہوتسو میں ۲۷ر دسمبر ۱۸۹۶ء کو کھڑے ہو کر سنایا۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

دعویٰ اور دلیل الہامی کتاب سے ہونا ضروری ہے

آج اس جلسہ مبارک میں جس کی غرض یہ ہے کہ ہر ایک صاحب جو بلائے گئے ہیں سوالات مشتہرہ کی پابندی سے اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان فرماویں۔ میں اسلام کی خوبیاں بیان کروں گا۔ اور اس سے پہلے کہ میں اپنے مطلب کو شروع کروں اس قدر ظاہر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ میں نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ جو کچھ بیان کروں' خدائے تعالیٰ کے پاک کلام قرآن شریف سے بیان کروں کیونکہ میرے نزدیک یہ بہت ضروری ہے کہ ہر ایک شخص جو کسی کتاب کا پابند ہو۔ اور اس کتاب کو ربانی کتاب سمجھتا ہو وہ ہر ایک بات میں اسی کتاب کے حوالہ سے جواب دے اور اپنی وکالت کے اختیارات کو ایسا وسیع نہ کرے کہ گویا وہ ایک نئی کتاب بنا رہا ہے۔ سو چونکہ آج ہمیں قرآن شریف کی خوبیوں کو ثابت کرنا ہے اور اس کے کمالات کو دکھلانا ہے اسلئے مناسب ہے کہ ہم کسی بات میں اس کے اپنے بیان سے باہر نہ جائیں اور اسی کے اشارہ یا تصریح کے موافق اور اسی کی آیات کے حوالہ سے ہر ایک مقصد کو تحریر کریں۔ تا ناظرین کو موازنہ اور مقابلہ کرنے کیلئے آسانی ہو۔ اور چونکہ ہر ﴿۳﴾ ایک صاحب جو پابند کتاب ہیں اپنی اپنی الہامی کتاب کے بیان کے پابند رہیں گے اور اسی کتاب کے اقوال پیش کریں گے اسلئے ہم نے اس جگہ احادیث کے بیان کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ تمام صحیح

حدیثیں قرآن شریف سے ہی لی گئی ہیں اور وہ کامل کتاب ہے جس پر تمام کتابوں کا خاتمہ ہے۔ غرض آج قرآن کی شان ظاہر ہونے کا دن ہے اور ہم خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ اس کام میں ہمارا مددگار رہو۔ آمین

سوال اول کا جواب

معزز ناظرین کو خیال رہے کہ اس مضمون کے ابتدائی صفحوں میں بعض تمہیدی عبارتیں ہیں جو بظاہر غیر متعلق معلوم دیتی ہیں مگر اصل جوابات کے سمجھنے کے لئے پہلے ان کا سمجھنا نہایت ضروری ہے اس لئے صفائی بیان کے لئے قبل از شروع مطلب ان عبارتوں کو لکھا گیا کہ تا اصل مطلب سمجھنے میں دقت نہ ہو۔

اقسام حالات ثلاثہ انسانی

اب واضح ہو۔ کہ پہلا سوال انسان کی طبعی اور اخلاقی اور روحانی حالتوں کے بارے میں ہے۔ سو جاننا چاہئے کہ خدائے تعالیٰ کے پاک کلام قرآن شریف نے ان تین حالتوں کی اس طرح پر تقسیم کی ہے کہ ان تینوں کے علیحدہ علیحدہ تین مبداء ٹھہرائے ہیں یا یوں کہو کہ تین سرچشمے قرار دیئے ہیں جن میں سے جدا جدا یہ حالتیں نکلتی ہیں۔

(۱) نفس امّارہ

پہلا سرچشمہ جو تمام طبعی حالتوں کا مورَد اور مصدَر ہے اس کا نام قرآن شریف نے نفس امّارہ رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ [۱]

یعنی نفس امّارہ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ انسان کو بدی کی طرف جو اس کے کمال کے مخالف اور اس

[۱] یوسف : ۵۴

کی اخلاقی حالتوں کے برعکس ہے جھکاتا ہے اور ناپسندیدہ اور بدراہوں پر چلانا چاہتا ہے۔ غرض بے اعتدالیوں اور بدیوں کی طرف جانا انسان کی ایک حالت ہے جو اخلاقی حالت سے پہلے اس پر طبعاً غالب ہوتی ہے۔ اور یہ حالت اس وقت تک طبعی حالت کہلاتی ہے جب تک کہ انسان عقل اور معرفت کے زیر سایہ نہیں چلتا۔ بلکہ چارپایوں کی طرح کھانے پینے، سونے جاگنے یا غصہ اور جوش دکھلانے وغیرہ امور میں طبعی جذبات کا پیرو رہتا ہے۔ اور جب انسان عقل اور معرفت کے مشورہ سے طبعی حالتوں میں تصرّف کرتا اور اعتدال مطلوب کی رعایت رکھتا ہے۔ اس وقت ان تینوں حالتوں کا نام طبعی حالتیں نہیں رہتا بلکہ اس وقت یہ حالتیں اخلاقی حالتیں کہلاتی ہیں۔ جیسا کہ آگے بھی کچھ ذکر اس کا آئے گا۔ ﴿۴﴾

(۲) نفس لوّامہ

اور اخلاقی حالتوں کے دوسرے سرچشمہ کا نام قرآن شریف میں نفس لوّامہ ہے جیسا کہ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ [۱]

یعنی میں اس نفس کی قسم کھاتا ہوں جو بدی کے کام اور ہر ایک بے اعتدالی پر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے۔ یہ نفس لوّامہ انسانی حالتوں کا دوسرا سرچشمہ ہے۔ جس سے اخلاقی حالتیں پیدا ہوتی ہیں اور اس مرتبہ پر انسان دوسرے حیوانات کی مشابہت سے نجات پاتا ہے۔ اور اس جگہ نفس لوّامہ کی قسم کھانا اس کو عزت دینے کے لئے ہے گویا وہ نفس امّارہ سے نفس لوّامہ بن کر بوجہ اس ترقی کے جناب الٰہی میں عزت پانے کے لائق ہوگیا۔ اور اس کا نام لوّامہ اس لئے رکھا کہ وہ انسان کو بدی پر ملامت کرتا ہے اور اس بات پر راضی نہیں ہوتا کہ انسان اپنے طبعی لوازم میں شُتر بے مہار کی طرح چلے اور چارپایوں کی زندگی بسر کرے بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اس سے اچھی حالتیں اور اچھے اخلاق صادر ہوں اور انسانی زندگی کے تمام لوازم میں کوئی بے اعتدالی ظہور میں نہ آوے اور طبعی جذبات

[۱] القیٰمۃ : ۳

اور طبعی خواہشیں عقل کے مشورہ سے ظہور پذیر ہوں۔ پس چونکہ وہ بری حرکت پر ملامت کرتا ہے۔ اس لئے اس کا نام نفس لوّامہ ہے یعنی بہت ملامت کرنے والا۔ اور نفس لوّامہ اگرچہ طبعی جذبات پسند نہیں کرتا بلکہ اپنے تئیں ملامت کرتا رہتا ہے لیکن نیکیوں کے بجالانے پر پورے طور سے قادر بھی نہیں ہوسکتا اور کبھی نہ کبھی طبعی جذبات اس پر غلبہ کر جاتے ہیں۔ تب گر جاتا ہے اور ٹھوکر کھاتا ہے۔ گویا وہ ایک کمزور بچہ کی طرح ہوتا ہے۔ جو گرنا نہیں چاہتا ہے۔ مگر کمزوری کی وجہ سے گرتا ہے۔ پھر اپنی کمزوری پر نادم ہوتا ہے۔ غرض یہ نفس کی وہ اخلاقی حالت ہے۔ جب نفس اخلاقِ فاضلہ کو اپنے اندر جمع کرتا ہے اور سرکشی سے بیزار ہوتا ہے مگر پورے طور پر غالب نہیں آ سکتا۔

(۳) نفس مطمئنہ

پھر ایک تیسرا سرچشمہ ہے جس کو روحانی حالتوں کا مبداء کہنا چاہیئے۔ اس سرچشمہ کا نام قرآن شریف نے نفس مطمئنہ رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔

يَاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً
فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ [1]

یعنی اے نفس آرام یافتہ جو خدا سے آرام پا گیا اپنے خدا کی طرف واپس چلا آ۔ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ پس میرے بندوں میں مل جا اور میرے بہشت کے اندر آ جا۔ یہ وہ مرتبہ ہے جس میں نفس تمام کمزوریوں سے نجات پا کر روحانی قوتوں سے بھر جاتا ہے اور خدائے تعالیٰ سے ایسا پیوند کر لیتا ہے کہ بغیر اس کے جی بھی نہیں سکتا۔ اور جس طرح پانی اوپر سے نیچے کی طرف بہتا اور بسبب اپنی کثرت اور نیز روکوں کے دور ہونے سے بڑے زور سے چلتا ہے اسی طرح وہ خدا کی طرف بہتا چلا جاتا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے وہ نفس جو خدا سے آرام پا گیا اس کی طرف واپس چلا آ۔ پس وہ اسی زندگی میں نہ موت کے بعد ایک عظیم الشان تبدیلی پیدا کرتا ہے اور اسی دنیا میں نہ دوسری جگہ ایک بہشت اس کو ملتا ہے اور جیسا کہ اس آیت میں لکھا ہے کہ اپنے رب کی طرف یعنی پرورش کرنے

﴿۵﴾

[1] الفجر: ۲۸ تا ۳۱

والے کی طرف واپس آ۔ ایسا ہی اس وقت یہ خدا سے پرورش پاتا ہے۔ اور خدا کی محبت اس کی غذا ہوتی ہے۔ اور اسی زندگی بخش چشمہ سے پانی پیتا ہے۔ اسلئے موت سے نجات پاتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا [1]

یعنی جس نے ارضی جذبات سے اپنے نفس کو پاک کیا۔ وہ بچ گیا اور نہیں ہلاک ہوگا مگر جس نے ارضی جذبات میں جو طبعی جذبات ہیں اپنے تئیں چھپا دیا وہ زندگی سے ناامید ہوگیا۔

غرض یہ تین حالتیں ہیں جن کو دوسرے لفظوں میں طبعی اور اخلاقی اور روحانی حالتیں کہہ سکتے ہیں اور چونکہ طبعی تقاضے افراط کے وقت بہت خطرناک ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات اخلاق اور روحانیت کا ستیاناس کر دیتے ہیں اسلئے خدا تعالیٰ کی پاک کتاب میں انکو نفس امّارہ کی حالتوں سے موسوم کیا گیا۔ اگر یہ سوال ہو کہ انسان کی طبعی حالتوں پر قرآن شریف کا کیا اثر ہے اور وہ ان کی نسبت کیا ہدایت دیتا ہے اور عملی طور پر کس حد تک انکو رکھنا چاہتا ہے تو واضح ہو کہ قرآن شریف کے رو سے انسان کی طبعی حالتوں کو اسکی اخلاقی اور روحانی حالتوں سے نہایت ہی شدید تعلقات واقع ہیں۔ یہاں تک کہ انسان کے کھانے پینے کے طریقے بھی انسان کی اخلاقی اور روحانی حالتوں پر اثر کرتے ہیں۔ اور اگر ان طبعی حالتوں سے شریعت کی ہدایت کے موافق کام لیا جائے تو جیسا کہ نمک کی کان میں پڑ کر ہر ایک چیز نمک ہی ہو جاتی ہے۔ ایسا ہی یہ تمام حالتیں اخلاقی ہی ہو جاتی ہیں اور روحانیت پر نہایت گہرا اثر کرتی ہیں۔ اسی واسطے قرآن شریف نے تمام عبادات اور اندرونی پاکیزگی کے اغراض اور خشوع اور خضوع کے مقاصد میں جسمانی طہارتوں اور جسمانی آداب اور جسمانی تعدیل کو بہت ملحوظ رکھا ہے۔ اور غور کرنے کے وقت یہی فلاسفی نہایت صحیح معلوم ہوتی ہے کہ جسمانی اوضاع کا روح پر بہت قوی اثر ہے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے طبعی افعال گو بظاہر جسمانی ہیں مگر ہماری روحانی حالتوں پر ضرور انکا اثر ہے مثلاً جب ہماری آنکھیں رونا شروع کریں اور گو تکلّف سے ہی روویں مگر فی الفور ان آنسوؤں کا ایک

[1] الشمس: ۱۰،۱۱

شعلہ اٹھ کر دل پر جا پڑتا ہے۔ تب دل بھی آنکھوں کی پیروی کر کے غمگین ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی جب ہم تکلّف سے ہنسنا شروع کریں تو دل میں بھی ایک انبساط پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ جسمانی سجدہ بھی روح میں خشوع اور عاجزی کی حالت پیدا کرتا ہے۔ اس کے مقابل پر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جب ہم گردن کو اونچی کھینچ کر اور چھاتی کو ابھار کر چلیں تو یہ وضع رفتار ہم میں ایک قسم کا تکبّر اور خود بینی پیدا کرتی ہے۔ تو ان نمونوں سے پورے انکشاف کے ساتھ کھل جاتا ہے کہ بے شک جسمانی اوضاع کا روحانی حالتوں پر اثر ہے۔ ﴿۶﴾

ایسا ہی تجربہ ہم پر ظاہر کرتا ہے کہ طرح طرح کی غذاؤں کا بھی دماغی اور دلی قوتوں پر ضرور اثر ہے۔ مثلاً ذرا غور سے دیکھنا چاہئے کہ جو لوگ کبھی گوشت نہیں کھاتے رفتہ رفتہ ان کی شجاعت کی قوت کم ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ نہایت بزدل[1] ہو جاتے ہیں اور ایک خداداد اور قابل تعریف قوت کو کھو بیٹھتے ہیں۔ اس کی شہادت خدا کے قانون قدرت سے اس طرح پر بھی ملتی ہے کہ چارپایوں میں سے جس قدر گھاس خور جانور ہیں کوئی بھی ان میں سے وہ شجاعت نہیں رکھتا جو ایک گوشت خور جانور رکھتا ہے۔ پرندوں میں بھی یہی بات مشاہدہ ہوتی ہے۔ پس اس میں کیا شک ہے کہ اخلاق پر غذاؤں کا اثر ہے۔ ہاں جو لوگ دن رات گوشت خوری پر زور دیتے ہیں اور نباتی غذاؤں سے بہت ہی کم حصہ رکھتے ہیں وہ بھی حلم اور انکسار کے خُلق میں کم ہو جاتے ہیں اور میانہ روش کو اختیار کرنے والے دونوں خُلق کے وارث ہوتے ہیں۔ اسی حکمت کے لحاظ سے خدائے تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا [2]

یعنی گوشت بھی کھاؤ اور دوسری چیزیں بھی کھاؤ مگر کسی چیز کی حد سے زیادہ کثرت نہ کرو تا اس کا اخلاقی حالت پر بداثر نہ پڑے اور تا یہ کثرت مضر صحت بھی نہ ہو اور جیسا کہ جسمانی افعال اور اعمال کا روح پر اثر پڑتا ہے ایسا ہی کبھی روح کا اثر بھی جسم پر جا پڑتا ہے۔ جس شخص کو کوئی غم پہنچے

[1] مطابق مسودہ [2] الاعراف:۳۲

آخر وہ چشم پُر آب ہو جاتا ہے اور جس کو خوشی ہو آخر وہ تبسم کرتا ہے۔ جس قدر ہمارا کھانا، پینا، سونا، جاگنا، حرکت کرنا، آرام کرنا، غسل کرنا وغیرہ افعال طبعیہ ہیں۔ یہ تمام افعال ضروری ہماری روحانی حالت پر اثر کرتے ہیں۔ ہماری جسمانی بناوٹ کا ہماری انسانیت سے بڑا تعلق ہے۔ دماغ کے ایک مقام پر چوٹ لگنے سے یکلخت حافظہ جاتا رہتا ہے اور دوسرے مقام پر چوٹ لگنے سے ہوش وحواس رخصت ہوتے ہیں۔ وباء کی ایک زہریلی ہوا کس قدر جلدی سے جسم میں اثر کر کے پھر دل میں اثر کرتی ہے۔ اور دیکھتے دیکھتے وہ اندرونی سلسلہ جس کے ساتھ تمام نظام اخلاق کا ہے درہم برہم ہونے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ انسان دیوانہ سا ہو کر چند منٹ میں گذر جاتا ہے۔ غرض جسمانی صدمات بھی عجیب نظارہ دکھاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ روح اور جسم کا ایک ایسا تعلق ہے کہ اس راز کو کھولنا انسان کا کام نہیں۔ اس سے زیادہ عجب یہ بات[1] ہے کہ غور سے معلوم ہوتا ہے کہ روح کی ماں جسم ہی ہے۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ میں روح کبھی اوپر سے نہیں گرتی بلکہ وہ ایک نور ہے جو نطفہ میں ہی پوشیدہ طور پر مخفی ہوتا ہے اور جسم کی نشوونما کے ساتھ چمکتا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا پاک کلام ہمیں سمجھاتا ہے کہ روح اس قالب میں سے ہی ظہور پذیر ہو جاتی ہے جو نطفہ سے رحم میں تیار ہوتا ہے۔ جیسا کہ وہ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ [2]

یعنی پھر ہم اس جسم کو جو رحم میں تیار ہوا تھا ایک اور پیدائش کے رنگ میں لاتے ہیں۔ اور ایک اور خلقت اس کی ظاہر کرتے ہیں جو روح کے نام سے موسوم ہے اور خدا بہت برکتوں والا ہے اور ایسا خالق ہے جو کوئی اس کے برابر نہیں۔

اور یہ جو فرمایا کہ ہم اسی جسم میں سے ایک اور پیدائش ظاہر کرتے ہیں۔ یہ ایک گہرا راز ہے جو روح کی حقیقت دکھلا رہا ہے اور ان نہایت مستحکم تعلقات کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو روح اور جسم کے درمیان واقع ہیں۔ اور یہ اشارہ ہمیں اس بات کی بھی تعلیم دیتا ہے کہ انسان کے جسمانی اعمال اور

﴿۷﴾

[1] بمطابق مسودہ [2] المؤمنون: ۱۵

اقوال اور تمام طبعی افعال جب خدا تعالیٰ کیلئے اور اس کی راہ میں ظاہر ہونے شروع ہوں۔ تو ان سے بھی یہی الٰہی فلاسفی متعلق ہے یعنی ان مخلصانہ اعمال میں بھی ابتدا ہی سے ایک روح مخفی ہوتی ہے جیسا کہ نطفہ میں مخفی تھی اور جیسے جیسے ان اعمال کا قالب تیار ہوتا جاتا ہے وہ روح چمکتی جاتی ہے۔ اور جب وہ قالب پورا تیار ہو چکتا ہے تو یک دفعہ وہ اپنی کامل تجلّی کے ساتھ چمک اٹھتی ہے اور اپنی روحی حیثیت سے اپنے وجود کو دکھا دیتی ہے اور زندگی کی صریح حرکت شروع ہو جاتی ہے جبھی کہ اعمال کا پورا قالب تیار ہو جاتا ہے۔ معاً بجلی کی طرح ایک چیز اندر سے اپنی کھلی کھلی چمک دکھلانا شروع کر دیتی ہے۔ یہ وہی زمانہ ہوتا ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں مثالی طور سے فرماتا ہے۔

فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ وَ نَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَہٗ سٰجِدِیۡنَ [1]

یعنی جب میں نے اس کا قالب بنا لیا اور تجلیات کے تمام مظاہر درست کر لئے اور اپنی روح اس میں پھونک دی تو تم سب لوگ اس کیلئے زمین پر سجدہ کرتے ہوئے گر جاؤ۔ سو اس آیت میں یہی اشارہ ہے کہ جب اعمال کا پورا قالب تیار ہو جاتا ہے تو اس قالب میں وہ روح چمک اٹھتی ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ اپنی ذات کی طرف منسوب کرتا ہے۔ کیونکہ دنیوی زندگی کے فنا کے بعد وہ قالب تیار ہوتا ہے اس لئے الٰہی روشنی جو پہلے دھیمی تھی یکدفعہ بھڑک اٹھتی ہے۔ اور واجب ہوتا ہے کہ خدا کی ایسی شان کو دیکھ کر ہر ایک سجدہ کرے اور اس کی طرف کھینچا جائے۔ سو ہر ایک اس نور کو دیکھ کر سجدہ کرتا ہے۔ اور طبعاً اس طرف آتا ہے بجز ابلیس کے جو تاریکی سے دوستی رکھتا ہے۔

﴿۸﴾

☆ اس جگہ ایک اور نکتہ بیان کرنا فائدہ سے خالی نہیں اور وہ یہ ہے کہ رحم میں جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ چار ماہ دس دن کے بعد حرکت کرتا ہے اور یہ زمانہ قریباً اس زمانہ سے آدھا

[1] الحجر: ۳۰ ☆ اس نشان سے لے کر صفحہ ۳۲۲ د کے ☆ نشان تک کی عبارت اصل مسودہ میں موجود ہے جبکہ رپورٹ اور ایڈیشن اول میں لکھنے سے رہ گئی ہے۔ موجودہ ایڈیشن میں اسے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ کی اجازت سے شامل کیا جا رہا ہے۔ (ناشر)

زمانہ ہے جس زمانہ تک بچہ رحم کے خلوت خانہ میں رہتا ہے۔ سو جیسا کہ جنین یعنی کہ رحم کے اندر کا بچہ چوتھے مہینے اپنی زندگی کا کرشمہ دکھاتا ہے اور نباتی صورت سے حیوانی صورت میں آجاتا ہے یہی قانون قدرت روحانی پیدائش میں پایا جاتا ہے یعنی جیسا کہ جنین رحم کے خلوت خانہ میں اپنی اندرونی بود و باش کا قریباً آدھا زمانہ بسر کر کے پھر آثار حیات ظاہر کرتا ہے اور زندگی کا پورا جلوہ دکھلاتا ہے یہی صورت روحانی زندگی کے لئے مقدر ہے۔ انسان کی عمدہ زندگی جو اختلالِ حواس کی کدورتوں اور کثافتوں سے پاک ہے جو باعتبار اکثر اغلب افراد کے اسی۸۰ برس تک ہوتی ہے اور اسی۸۰ کا نصف چالیس ہے جو چار کے لفظ سے بہت مشابہ ہے یعنی اس چار مہینے سے جس کا شمار ختم ہونے پر رحم کے بچہ کو زندگی کی روح ملتی ہے۔ سو تجربہ صحیحہ دلالت کرتا ہے کہ جب انسان اپنی عمدہ زندگی کا نصف حصہ یعنی چالیس برس جو رحم کے چار مہینے سے مشابہ ہے طے کر لیتا ہے یا اس کے سر پر پہنچ جاتا ہے تب اگر اس کے خمیر میں سچائی کی روح ہوتی ہے تو وہ روح اس خاص وقت پر آکر اپنے نمایاں آثار دکھاتی ہے اور حرکت کرنا شروع کر دیتی ہے۔

یہ بات کسی پر پوشیدہ نہیں ہوگی کہ چالیس۴۰ برس سے پہلے اکثر انسان پر ظلمت کا زمانہ غالب رہتا ہے کیونکہ سات آٹھ برس تو طفولیت میں ہی بسر ہوتے ہیں پھر پچیس چھبیس برس تک علمی تحصیلوں میں مشغول رہتا ہے یا لہو و لعب میں ضائع کرتا ہے اور پھر اس زمانہ کے بعد بباعث شادی ہونے اور بیوی بچہ ہو جانے کے یا یوں ہی طبعاً دنیا کی خواہشیں اس پر غلبہ کرتی ہیں اور دنیاوی مالوں اور عزتوں کے لئے طرح طرح کی خواہشیں اور امنگیں پیدا ہوتی ہیں اور لذتوں کے پورا کرنے کے لئے خیال افراط تک پہنچ جاتا ہے اور اگر خدا تعالیٰ کی طرف رجوع بھی کرے تو دنیا کی آرزوئیں کسی قدر

ساتھ ہوتی ہیں۔ اگر دعا بھی کرے تو غالباً دنیا کے لئے بہت کرتا ہے اور اگر رووے بھی تو غالباً کچھ دنیا کے اغراض اس میں ملے ہوتے ہیں۔ معاد کے دن پر بہت کمزور ایمان ہوتا ہے اور اگر ہو بھی تو مرنے میں ابھی لمبا عرصہ معلوم ہوتا ہے اور جس طرح کسی نہر کا بند ٹوٹ کر ارد گرد کی زمین کو تباہ کرتا چلا جاتا ہے اسی طرح نفسانی جذبات کا سیلاب نہایت خطرہ میں زندگی کو ڈال دیتا ہے۔ اس حالت میں وہ معاد کے باریک امور کا کب قائل ہو سکتا ہے بلکہ دینیات پر ہنستا اور ٹھٹھا کرتا ہے اور اپنی خشک منطق اور بیہودہ فلسفہ کو دکھلاتا ہے۔ ہاں اگر نیک فطرت ہو تو خدا کو بھی مانتا ہے مگر دل کے صدق اور وفا سے نہیں مانتا بلکہ صرف اپنی کامیابیوں کی شرط سے۔ اگر دنیا کی مرادیں مل گئیں تو خدا کا ورنہ شیطان کا۔

غرض اس جوانی کی عمر میں بہت نازک حال ہوتا ہے اور اگر خدا کی عنایت دستگیری نہ کرے تو جہنم کے گڑھے میں گر جاتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہی عمر تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ اسی عمر میں انسان اکثر بدنی بیماریاں اور قابل شرم روگ خرید لیتا ہے۔ اسی کچی عمر کی غلطیوں سے کبھی سچے اور غیر متغیر خدا سے منہ پھیر لیتا ہے۔ غرض یہ وہ زمانہ ہے جس میں خدا کا خوف کم اور شہوت طالب اور نفس غالب ہوتا ہے اور کسی ناصح کی نہیں سنتا۔ اسی زمانہ کی خطاؤں کا خمیازہ ساری عمر بھگتنا پڑتا ہے۔ پھر جب چالیس برس تک پہنچتا ہے تو جوانی کے پرو بال کچھ کچھ گرنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اب خود ہی ان بہت سی خطاؤں پر نادم ہوتا ہے جن پر نصیحت کرنے والے سر پیٹ کر رہ گئے تھے۔ اور خود بخود نفس کے جوش کم ہوتے چلے جاتے ہیں کیونکہ جسمانی حالت کی رو سے انحطاط

عمر کا زمانہ بھی شروع ہو جاتا ہے وہ خون شرانگیز اب کہاں پیدا ہوتا ہے جو پہلے پیدا ہوتا تھا وہ اعضاء کی طاقت اور جوانی کی مستانہ نشاط کہاں باقی رہتی ہے جو پہلے تھی۔ اب تو تنزل اور گھاٹے کا زمانہ آتا جاتا ہے اور اس پر متواتر ان بزرگوں کی موتیں دیکھنی پڑتی ہیں جو اپنی عمر سے بہت زیادہ تھے بلکہ بعض وقت قضا وقدر سے چھوٹوں کی موتیں بھی کمروں کو توڑتی ہیں اور غالباً اس زمانہ میں والدین بھی قبروں میں جا لیٹتے ہیں اور دنیا کی ناپائیداری کے بہت سے نمونے ظاہر ہو جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ اس کے سامنے ایک آئینہ رکھ دیتا ہے کہ دیکھ دنیا کی یہ کہانی ہے۔ اور جس کے لئے تو مرتا ہے اس کا انجام یہ ہے۔ تب اپنی گذشتہ غلطیوں کو حسرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ایک بھاری انقلاب اس پر آتا ہے اور ایک نئی دنیا شروع ہوتی ہے بشرطیکہ خمیر میں سعادت رکھتا ہو اور ان میں سے ہو جو بلائے گئے ہیں۔ اسی بارے میں اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ[1]۔

یعنی ہم نے انسان کو یہ وصیت کی ہے کہ تو اپنے والدین سے نیکی کر۔ دیکھ تیری ماں نے تیرے لئے کیا تکلیفیں اٹھائیں۔ وہ تیرے پیٹ سے ایک مدت دراز تک دکھ میں رہی اور دکھوں اور تکلیفوں سے تجھے جنا۔ تیرے دودھ پلانے اور حمل میں رہنے سے تیس مہینے تک اس نے مصیبتیں اٹھائیں۔ پھر فرماتا ہے کہ جب نیک انسان چالیس برس

[1] الاحقاف : ۱۶

کا ہو جاتا ہے اور پختہ عقل کو پہنچتا ہے تب اسے خدا کی وصیتیں یاد آتی ہیں اور کہتا ہے کہ اے میرے رب! اب مجھے توفیق دے کہ تیری ان نعمتوں کا شکر کروں جو مجھ پر اور میرے والدین پر ہیں۔ اے میرے رب! اب مجھ سے تو وہ کام کرا جس سے تو راضی ہو جاوے اور میری اولاد کو میرے لئے صلاحیت بخش یعنی اگر میں نے والدین کے حق میں تقصیر کی تو ایسا نہ ہو کہ وہ بھی کریں۔ اور اگر میرے پر کوئی آوارگی کا زمانہ رہا تو ایسا نہ ہو کہ ان پر آوے۔ اے میرے خدا! اب میں توبہ کرتا ہوں اور میں تیرے فرمانبرداروں میں سے ہوگیا ہوں۔ سو خدا تعالیٰ نے اس آیت میں ظاہر فرما دیا کہ چالیسواں سال نیک بندوں پر مبارک آتا ہے اور جس میں سچائی کی روح ہے وہ روح ضرور چالیسویں سال میں حرکت کرتی ہے۔ خدا کے اکثر بزرگ نبی بھی اسی چالیسویں سال پر ظہور فرما ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم چالیسویں برس میں ہی خلق اللہ کی اصلاح کے لئے ظہور فرما ہوئے۔☆

روح کا مخلوق ہونا

پھر میں پہلی بات کی طرف رجوع کر کے بیان کرتا ہوں کہ یہ بات نہایت درست اور صحیح ہے کہ روح ایک لطیف نور ہے جو اس جسم کے اندر ہی سے پیدا ہو جاتا ہے جو رحم میں پرورش پاتا ہے۔ پیدا ہونے سے مراد یہ ہے کہ اول مخفی اور غیر محسوس ہوتا ہے پھر نمایاں ہو جاتا ہے اور ابتدا سے اس

کا خمیر نطفہ میں موجود ہوتا ہے۔ بے شک وہ آسمانی خدا کے ارادہ سے اور اس کے اذن اور اس کی مشیت سے ایک مجہول الکنہ علاقہ کے ساتھ نطفہ سے تعلق رکھتا ہے اور نطفہ کا وہ ایک روشن اور نورانی جوہر ہے۔ نہیں کہہ سکتے کہ وہ نطفہ کی ایسی جز ہے جیسا کہ جسم جسم کی جز ہوتا ہے۔ مگر یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ باہر سے آتا ہے یا زمین پر گر کر نطفہ کے مادہ سے آمیزش پاتا ہے بلکہ وہ ایسا نطفہ میں مخفی ہوتا ہے جیسا کہ آگ پتھر کے اندر ہوتی ہے۔ خدا کی کتاب کا یہ منشا نہیں ہے کہ روح الگ طور پر آسمان سے نازل ہوتی ہے یا فضا سے زمین پر گرتی ہے اور پھر کسی اتفاق سے نطفہ کے ساتھ مل کر رحم کے اندر چلی جاتی ہے۔ بلکہ یہ خیال کسی طرح صحیح نہیں ٹھہر سکتا۔ اگر ہم ایسا خیال کریں تو قانون قدرت ہمیں باطل پر ٹھہراتا ہے۔ ہم روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ گندے اور باسی کھانوں میں اور گندے زخموں میں ہزارہا کیڑے پڑ جاتے ہیں۔ میلے کپڑوں میں صدہا جوئیں پڑ جاتی ہیں۔ انسان کے پیٹ کے اندر بھی کدو دانے وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اب کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ باہر سے آتے ہیں یا آسمان سے اترتے کسی کو دکھائی دیتے ہیں۔ سو صحیح بات یہ ہے کہ روح جسم میں سے ہی نکلتی ہے اور اسی دلیل سے اس کا مخلوق ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

روح کی دوسری پیدائش

اب اس وقت ہمارا مطلب اس بیان سے یہ ہے کہ جس قادر مطلق نے روح کو قدرت کاملہ کے ساتھ جسم میں سے ہی نکالا ہے اس کا یہی ارادہ معلوم ہوتا ہے کہ روح کی دوسری پیدائش کو بھی جسم کے ذریعہ سے ہی ظہور میں لاوے۔ روح کی حرکتیں ہمارے جسم کی حرکتوں پر موقوف ہیں۔ جس طرف ہم جسم کو کھینچتے ہیں روح بھی بالضرور پیچھے پیچھے کھنچی چلی آتی ہے اس لئے انسان کی طبعی حالتوں کی طرف متوجہ ہونا خدا تعالیٰ کی سچی کتاب کا کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے انسان کی طبعی حالتوں کی اصلاح کیلئے بہت توجہ فرمائی ہے۔ اور انسان کا ہنسنا، رونا، کھانا، پینا، پہننا، سونا، بولنا، چپ ہونا، بیوی کرنا، مجرد رہنا، چلنا، ٹھہرنا اور ظاہری پاکیزگی غسل وغیرہ کی شرائط بجالانا اور بیماری کی حالت اور صحت کی حالت میں خاص خاص امور کا پابند ہونا

﴿۹﴾

ان سب باتوں پر ہدایتیں لکھی ہیں اور انسان کی جسمانی حالتوں کو روحانی حالتوں پر بہت ہی مؤثر قرار دیا ہے۔ اگر ان ہدایتوں کو تفصیل سے لکھا جائے تو میں خیال نہیں کر سکتا کہ اس مضمون کے سنانے کیلئے کوئی وقت کافی مل سکے۔

انسان کی تدریجی ترقی

میں جب خدا کے پاک کلام پر غور کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ کیونکر اس نے اپنی تعلیموں میں انسان کو اس کی طبعی حالتوں کی اصلاح کے قواعد عطا فرما کر پھر آہستہ آہستہ اوپر کی طرف کھینچا ہے اور اعلیٰ درجہ کی روحانی حالت تک پہنچانا چاہا ہے تو مجھے یہ پُرمعرفت قاعدہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اول خدا نے یہ چاہا ہے کہ انسان کو نشست برخاست اور کھانے پینے اور بات چیت اور تمام اقسام معاشرت کے طریق سکھلا کر اس کو وحشیانہ طریقوں سے نجات دیوے اور حیوانات کی مشابہت سے تمیز کلی بخش کر ایک ادنیٰ درجہ کی اخلاقی حالت جس کو ادب اور شائستگی کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں سکھلاوے۔ پھر انسان کی نیچرل عادات کو جن کو دوسرے لفظوں میں اخلاق رذیلہ کہہ سکتے ہیں اعتدال پر لاوے تا وہ اعتدال پا کر اخلاق فاضلہ کے رنگ میں آجائیں۔ مگر یہ دونوں طریقے دراصل ایک ہی ہیں کیونکہ طبعی حالتوں کی اصلاح کے متعلق ہیں صرف ادنیٰ اور اعلیٰ درجہ کے فرق نے ان کو دو قسم بنا دیا ہے۔ اور اس حکیم مطلق نے اخلاق کے نظام کو ایسے طور سے پیش کیا ہے کہ جس سے انسان ادنیٰ خلق سے اعلیٰ خلق تک ترقی کر سکے۔

اسلام کی حقیقت

اور پھر **تیسرا مرحلہ** ترقیات کا یہ رکھا ہے کہ انسان اپنے خالق حقیقی کی محبت اور رضا میں محو ہو جائے اور سب وجود اس کا خدا کیلئے ہو جائے۔ یہ وہ مرتبہ ہے جس کو یاد دلانے کیلئے مسلمانوں کے دین کا نام اسلام رکھا گیا ہے۔ کیونکہ اسلام اس بات کو کہتے ہیں کہ بکلی خدا کیلئے ہو جانا اور اپنا کچھ باقی نہ رکھنا۔ جیسا کہ اللہ جل جلالہ فرماتا ہے۔

بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ [1] قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ

[1] البقرۃ : ۱۱۳

لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ [1]
وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ [2]
قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۗ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [3]

﴿۱۰﴾

ترجمہ۔ یعنی نجات یافتہ وہ شخص ہے جو اپنے وجود کو خدا کیلئے اور خدا کی راہ میں قربانی کی طرح رکھ دے اور نہ صرف نیت سے بلکہ نیک کاموں سے اپنے صدق کو دکھلاوے۔ جو شخص ایسا کرے اس کا بدلہ خدا کے نزدیک مقرر ہو چکا اور ایسے لوگوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ کہہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا اس خدا کیلئے ہے جس کی ربوبیت تمام چیزوں پر محیط ہے کوئی چیز اور کوئی شخص اس کا شریک نہیں اور مخلوق کو کسی قسم کی شراکت اس کے ساتھ نہیں۔ مجھے یہی حکم ہے کہ میں ایسا کروں اور اسلام کے مفہوم پر قائم ہونے والا یعنی خدا کی راہ میں اپنے وجود کی قربانی دینے والا سب سے اول میں ہوں۔ یہ میری راہ ہے سو آؤ میری راہ اختیار کرو اور اس کے مخالف کوئی راہ اختیار نہ کرو کہ خدا سے دور جا پڑو گے۔ ان کو کہہ دے کہ اگر خدا سے پیار کرتے ہو تو آؤ میرے پیچھے ہو لو۔ اور میری راہ پر چلو تا خدا بھی تم سے پیار کرے اور تمہارے گناہ بخشے اور وہ تو بخشندہ اور غفور رحیم ہے۔

طبعی حالتوں اور اخلاق میں ما بہ الامتیاز

اب ہم انسان کے ان تین مرحلوں کا جدا جدا بیان کریں گے۔ لیکن اول یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ طبعی حالتیں جن کا سرچشمہ اور مبداء نفس امّارہ ہے خدا تعالیٰ کے پاک کلام کے اشارات کے موافق اخلاقی حالتوں سے کوئی الگ چیز نہیں ہے۔ کیونکہ خدا کے پاک کلام نے تمام نیچرل قویٰ اور جسمانی خواہشوں اور تقاضوں کو طبعی حالات کی مد میں رکھا ہے اور وہی طبعی حالتیں ہیں جو بالارادہ تربیت اور تعدیل اور موقع بینی اور محل پر استعمال کرنے کے بعد اخلاق کا

[1] الانعام: ۱۶۳، ۱۶۴ [2] الانعام: ۱۵۴ [3] اٰل عمران: ۳۲

رنگ پکڑ لیتی ہیں۔ ایسا ہی اخلاقی حالتیں روحانی حالتوں سے کوئی الگ باتیں نہیں ہیں بلکہ وہی اخلاقی حالتیں ہیں جو پورے فنا فی اللہ اور تزکیہ نفس اور پورے انقطاع الی اللہ اور پوری محبت اور پوری محویت اور پوری سکینت اور اطمینان اور پوری موافقت باللہ سے روحانیت کا رنگ پکڑ لیتی ہیں۔ طبعی حالتیں جب تک اخلاقی رنگ میں نہ آئیں کسی طرح انسان کو قابل تعریف نہیں بناتیں۔ کیونکہ وہ دوسرے حیوانات بلکہ جمادات میں بھی پائی جاتی ہیں۔ ایسا ہی مجرد اخلاق کا حاصل کرنا بھی انسان کو روحانی زندگی نہیں بخشتا۔ بلکہ ایک شخص خدا تعالیٰ کے وجود سے بھی منکر رہ کر اچھے اخلاق دکھلا سکتا ہے۔ دل کا غریب ہونا یا دل کا حلیم ہونا یا صلح کار ہونا یا ترک شر کرنا اور شریر کے مقابلہ پر نہ آنا یہ تمام طبعی حالتیں ہیں اور ایسی باتیں ہیں جو ایک نا اہل کو بھی حاصل ہو سکتی ہیں جو اصل سرچشمہ نجات سے بے نصیب اور نا آشنا محض ہے اور بہت سے چارپائے غریب بھی ہوتے ہیں اور پلنے اور خو پذیر ہونے سے صلح کاری بھی دکھلاتے ہیں۔ سوٹے پر سونٹا مارنے سے کوئی مقابلہ نہیں کرتے مگر پھر بھی ان کو انسان نہیں کہہ سکتے۔ چہ جائیکہ ان خصلتوں سے وہ اعلیٰ درجہ کے انسان بن سکیں۔ ایسا ہی بد سے بدعقیدہ والا بلکہ بعض بدکاریوں کا مرتکب ان باتوں کا پابند ہو سکتا ہے۔ ﴿۱۱﴾

جیو ہتیا کا ردّ

ممکن ہے کہ انسان رحم میں اس حد تک پہنچ جائے کہ اگر اس کے اپنے ہی زخم میں کیڑے پڑیں ان کو بھی قتل کرنا روا نہ رکھے اور جانداروں کی پاسداری اس قدر کرے کہ جوئیں جو سر میں پڑتی ہیں۔ یا وہ کیڑے جو پیٹ اور انتڑیوں میں اور دماغ میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان کو بھی آزار دینا نہ چاہے بلکہ میں قبول کر سکتا ہوں کہ کسی کا رحم اس حد تک پہنچے کہ وہ شہد کھانا ترک کر دے کیونکہ وہ بہت سی جانوں کے تلف ہونے اور غریب مکھیوں کو ان کے استھان سے پراگندہ کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور میں مانتا ہوں کہ کوئی مشک سے بھی پرہیز کرے کیونکہ وہ غریب ہرن کا خون ہے اور اس غریب کو قتل کرنے اور بچوں سے جدا کرنے کے بعد میسر آ سکتا ہے۔ ایسا ہی مجھے اس سے بھی انکار نہیں کہ کوئی موتیوں کے استعمال کو بھی چھوڑ دے اور ابریشم کو پہننا بھی ترک کرے۔ کیونکہ یہ دونوں غریب کیڑوں کے ہلاک کرنے سے ملتے ہیں بلکہ میں یہاں

تک مانتا ہوں کہ کوئی شخص دکھ کے وقت جونکوں کے لگانے سے بھی پرہیز کرے اور آپ دکھ اٹھالے اور غریب جونک کی موت کا خواہاں نہ ہو۔ بالآخر اگر کوئی مانے یا نہ مانے مگر میں مانتا ہوں کہ کوئی شخص اس قدر رحم کو کمال کے نقطہ تک پہنچادے کہ پانی پینا چھوڑ دے اور اس طرح پانی کے کیڑوں کے بچانے کیلئے اپنے تئیں ہلاک کرے۔ میں یہ سب کچھ قبول کرتا ہوں لیکن میں ہرگز قبول نہیں کرسکتا کہ یہ تمام طبعی حالتیں اخلاق کہلاسکتی ہیں یا صرف انہیں سے وہ اندرونی گند دھوئے جاسکتے ہیں جن کا وجود خدا کے ملنے کی روک ہے۔ میں کبھی باور نہیں کروں گا کہ اس طرح کا غریب اور بے آزار بننا جس میں بعض چارپایوں اور پرندوں کا کچھ نمبر زیادہ ہے۔ اعلیٰ انسانیت کے حصول کا موجب ہوسکتا ہے بلکہ میرے نزدیک یہ قانون قدرت سے لڑائی ہے۔ اور رضا کے بھاری خُلق کے برخلاف اور اس نعمت کو رد کرنا ہے جو قدرت نے ہم کو عطا کی ہے بلکہ وہ روحانیت ہر ایک خُلق کو محل اور موقعہ پر استعمال کرنے کے بعد اور پھر خدا کی راہوں میں وفاداری کے ساتھ قدم مارنے سے اور اسی کا ہو جانے سے ملتی ہے۔ جو اس کا ہو جاتا ہے اس کی یہی نشانی ہے کہ وہ اس کے بغیر جی ہی نہیں سکتا۔ عارف ایک مچھلی ہے جو خدا کے ہاتھ سے ذبح کی گئی اور اس کا پانی خدا کی محبت ہے۔

اصلاح کے تین طریق

﴿۱۲﴾ اب میں پہلے کلام کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ میں ابھی ذکر کرچکا ہوں کہ انسانی حالتوں کے سرچشمے تین ہیں یعنی نفس امّارہ۔ نفس لوّامہ۔ نفس مطمئنہ اور طریق اصلاح کے بھی تین ہیں۔

اوّل یہ کہ بے تمیز وحشیوں کو اس ادنیٰ خُلق پر قائم کیا جائے کہ وہ کھانے پینے اور شادی وغیرہ تمدنی امور میں انسانیت کے طریقے پر چلیں۔ نہ ننگے پھریں اور نہ کتوں کی طرح مردار خور ہوں اور نہ کوئی اور بے تمیزی ظاہر کریں۔ یہ طبعی حالتوں کی اصلاحوں میں سے

ادنیٰ درجہ کی اصلاح ہے۔ یہ اس قسم کی اصلاح ہے کہ اگر مثلاً پورٹ بلیر کے جنگلی آدمیوں میں سے کسی آدمی کو انسانیت کے لوازم سکھلانا ہو تو پہلے ادنیٰ ادنیٰ اخلاق انسانیت اور طریق ادب کی ان کو تعلیم دی جائے گی۔

دوسرا طریق اصلاح کا یہ ہے کہ جب کوئی ظاہری آداب انسانیت کے حاصل کر لیوے تو اس کو بڑے بڑے اخلاق انسانیت کے سکھلائے جائیں اور انسانی قویٰ میں جو کچھ بھرا پڑا ہے۔ ان سب کو محل اور موقعہ پر استعمال کرنے کی تعلیم دی جائے۔

تیسرا طریق اصلاح کا یہ ہے کہ جو لوگ اخلاق فاضلہ سے متّصف ہو گئے ہیں ایسے خشک زاہدوں کو شربت محبت اور وصل کا مزا چکھایا جائے۔ یہ تین اصلاحیں ہیں جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہیں۔

اصلاح کی کامل ضرورت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت

اور ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت میں مبعوث ہوئے تھے۔ جبکہ دنیا ہر ایک پہلو سے خراب اور تباہ ہو چکی تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ پ۲۱ [1]

یعنی جنگل بھی بگڑ گئے اور دریا بھی بگڑ گئے۔ یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جو اہل کتاب کہلاتے ہیں وہ بھی بگڑ گئے اور جو دوسرے لوگ ہیں جن کو الہام کا پانی نہیں ملا وہ بھی بگڑ گئے ہیں۔ پس قرآن شریف کا کام دراصل مُردوں کو زندہ کرنا تھا۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا [2]

یعنی یہ بات جان لو کہ اب اللہ تعالیٰ نئے سرے سے زمین کو بعد اس کے مرنے کے زندہ کرنے لگا ہے۔ اس زمانہ میں عرب کا حال نہایت درجہ کی وحشیانہ حالت تک پہنچا ہوا تھا اور کوئی نظام انسانیت کا ان میں باقی نہیں رہا تھا اور تمام معاصی ان کی نظر میں فخر کی جگہ تھے۔ ایک ایک شخص صدہا بیویاں کر لیتا تھا۔ حرام کا کھانا ان کے نزدیک ایک شکار تھا۔ ماؤں کے ساتھ نکاح کرنا حلال سمجھتے تھے۔ اسی

[1] الروم:۴۲ [2] الحدید:۱۸

واسطے اللہ تعالیٰ کو کہنا پڑا۔ کہ

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ ؁

یعنی آج مائیں تمہاری تم پر حرام ہوگئیں۔ ایسا ہی وہ مردار کھاتے تھے۔ آدم خور بھی تھے۔ دنیا کا کوئی بھی گناہ نہیں جو نہیں کرتے تھے۔ اکثر معاد سے منکر تھے۔ بہت سے ان میں سے خدا کے وجود کے بھی قائل نہ تھے۔ لڑکیوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کرتے تھے۔ یتیموں کو ہلاک کر کے ان کا مال کھاتے تھے۔ بظاہر تو انسان تھے مگر عقلیں مسلوب تھیں۔ نہ حیا تھی نہ شرم تھی نہ غیرت تھی۔ شراب کو پانی کی طرح پیتے تھے۔ جسؔ کا زنا کاری میں اول نمبر ہوتا تھا۔ وہی قوم کا رئیس کہلاتا تھا۔ بے علمی اس قدر تھی کہ اردگرد کی تمام قوموں نے ان کا نام اُمّی رکھ دیا تھا۔ ایسے وقت میں اور ایسی قوموں کی اصلاح کیلئے ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہر مکہ میں ظہور فرما ہوئے۔ «۱۳» پس وہ تین قسم کی اصلاحیں جن کا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں۔ ان کا درحقیقت یہی زمانہ تھا۔ پس اسی وجہ سے قرآن شریف دنیا کی تمام ہدایتوں کی نسبت اَکمل اور اَتم ہونے کا دعویٰ کرتا ہے کیونکہ دنیا کی اور کتابوں کو ان تین قسم کی اصلاحوں کا موقعہ نہیں ملا اور قرآن شریف کو ملا۔ اور قرآن شریف کا یہ مقصد تھا کہ حیوانوں سے انسان بناوے اور انسان سے با اخلاق انسان بناوے اور با اخلاق انسان سے باخدا انسان بناوے۔ اسی واسطے ان تین امور پر قرآن شریف مشتمل ہے۔

قرآنی تعلیم کا اصل منشاء اصلاحات ثلاثہ ہیں

اور قبل اس کے جو ہم اصلاحات ثلاثہ کا مفصل بیان کریں یہ ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ قرآن شریف میں کوئی ایسی تعلیم نہیں جو زبردستی ماننی پڑے بلکہ تمام قرآن کا مقصد صرف اصلاحات ثلاثہ ہیں اور اس کی تمام تعلیموں کا لب لباب یہی تین اصلاحیں ہیں۔ اور باقی تمام احکام ان اصلاحوں کیلئے بطور وسائل کے ہیں اور جس طرح بعض وقت ڈاکٹر کو بھی صحت کے پیدا کرنے کے لئے کبھی

؁ النساء : ۲۴

چیرنے کبھی مرہم لگانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ایسا ہی قرآنی تعلیم نے بھی انسانی ہمدردی کیلئے ان لوازم کو اپنے محل پر استعمال کیا ہے اور اس کے تمام معارف یعنی گیان کی باتیں اور وصایا اور وسائل کا اصل مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو ان کی طبعی حالتوں سے جو وحشیانہ رنگ اپنے اندر رکھتی ہیں اخلاقی حالتوں تک پہنچائے۔اور پھر اخلاقی حالتوں سے روحانیت کے ناپیدا کنار دریا تک پہنچائے۔

طبعی حالتیں تعدیل سے اخلاق بن جاتی ہیں

اور پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ طبعی حالات اخلاقی حالات سے کچھ الگ چیز نہیں بلکہ وہی حالات ہیں جو تعدیل اور موقعہ اور محل پر استعمال کرنے سے اور عقل کی تجویز اور مشورہ سے کام میں لانے سے اخلاقی حالات کا رنگ پکڑ لیتے ہیں اور قبل اس کے کہ وہ عقل اور معرفت کی اصلاح اور مشورہ سے صادر ہوں گو وہ کیسے ہی اخلاق سے مشابہ ہوں درحقیقت اخلاق نہیں ہوتے۔ بلکہ طبیعت کی ایک بے اختیار رفتار ہوتی ہے۔جیسا کہ اگر ایک کتے یا ایک بکری سے اپنے مالک کے ساتھ محبت اور انکسار ظاہر ہو تو اس کتے کو خلیق نہیں کہیں گے اور نہ اس بکری کا نام مہذب الاخلاق رکھیں گے۔اسی طرح ہم ایک بھیڑیئے یا شیر کو ان کی درندگی کی وجہ سے بدخلق نہیں کہیں گے بلکہ جیسا کہ ذکر کیا گیا، اخلاقی حالت محل اور سوچ اور وقت شناسی کے بعد ﴿۱۴﴾ شروع ہوتی ہے اور ایک ایسا انسان جو عقل اور تدبّر سے کام نہیں لیتا وہ ان شیر خوار بچوں کی طرح ہے جن کے دل اور دماغ پر ہنوز قوت عقلیہ کا سایہ نہیں پڑا۔ یا ان دیوانوں کی طرح جو جوہر عقل اور دانش کو کھو بیٹھتے ہیں۔ظاہر ہے کہ جو شخص بچہ شیر خوار اور دیوانہ ہو وہ ایسی حرکات بعض اوقات ظاہر کرتا ہے کہ جو اخلاق کے ساتھ مشابہ ہوتی ہیں مگر کوئی عقلمند ان کا نام اخلاق نہیں رکھ سکتا کیونکہ وہ حرکتیں تمیز اور موقع بینی کے چشمے سے نہیں نکلتیں بلکہ وہ طبعی طور پر تحریکوں کے پیش آنے کے وقت صادر ہوتی جاتی ہیں۔جیسا کہ انسان کا بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کی چھاتیوں کی طرف رخ کرتا ہے اور ایک مرغ کا بچہ پیدا ہوتے ہی دانہ چگنے کیلئے دوڑتا ہے۔ جوک کا بچہ جوک کی عادتیں اپنے اندر رکھتا ہے اور سانپ کا بچہ سانپ کی عادتیں ظاہر کرتا ہے۔ اور شیر کا بچہ شیر کی عادتیں دکھلاتا ہے۔ بالخصوص انسان کے بچہ

کوغور سے دیکھنا چاہئے کہ وہ کیسے پیدا ہوتے ہی انسانی عادتیں دکھلانا شروع کر دیتا ہے اور پھر جب برس ڈیڑھ برس کا ہوا۔ تو وہ عادات طبعیہ بہت نمایاں ہو جاتی ہیں۔ مثلاً پہلے جس طور سے روتا تھا اب رونا بہ نسبت پہلے کے کسی قدر بلند ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی ہنسنا قہقہہ کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ اور آنکھوں میں بھی عمداً دیکھنے کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور اس عمر میں یہ ایک اور امر طبعی پیدا ہو جاتا ہے کہ اپنی رضامندی یا نارضامندی حرکات سے ظاہر کرتا ہے اور کسی کو مارتا اور کسی کو کچھ دینا چاہتا ہے۔ مگر یہ تمام حرکات دراصل طبعی ہوتی ہیں۔ پس ایسے بچہ کی مانند ایک وحشی آدمی بھی جس کو انسانی تمیز سے بہت ہی کم حصہ ملا ہے۔ وہ بھی اپنے ہر ایک قول اور فعل اور حرکت اور سکون میں طبعی حرکات ہی دکھلاتا ہے اور اپنی طبیعت کے جذبات کا تابع رہتا ہے۔ کوئی بات اس کے اندرونی قویٰ کے تدبر اور تفکر سے نہیں نکلتی بلکہ جو کچھ طبعی طور پر اس کے اندر پیدا ہوا ہے۔ وہ خارجی تحریکوں کے مناسب حال نکلتا چلا جاتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس کے طبعی جذبات جو اس کے اندر سے کسی تحریک سے باہر آتے ہیں وہ سب کے سب برے نہ ہوں بلکہ بعض ان کے نیک اخلاق سے مشابہ ہوں۔ لیکن عاقلانہ تدبر اور موشگافی کو ان میں دخل نہیں ہوتا اور اگر کسی قدر ہو بھی تو وہ بوجہ غلبہ جذبات طبعی کے قابل اعتبار نہیں ہوتا بلکہ جس طرف کثرت ہے اسی طرف کو معتبر سمجھا جائے گا۔

حقیقی اخلاق

﴿۱۵﴾

غرض ایسے شخص کی طرف حقیقی اخلاق منسوب نہیں کر سکتے جس پر جذبات طبعیہ حیوانوں اور بچوں اور دیوانوں کی طرح غالب ہیں اور جو اپنی زندگی کو قریب قریب وحشیوں کے بسر کرتا ہے بلکہ حقیقی طور پر نیک یا بد اخلاق کا زمانہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے کہ جب انسان کی عقل خداداد پختہ ہو کر اس کے ذریعہ سے نیکی اور بدی یا دو بدیوں یا دو نیکیوں کے درجہ میں فرق کر سکے۔ پھر اچھے راہ کے ترک کرنے سے اپنے دل میں ایک حسرت پاوے اور برے کام کے ارتکاب سے اپنے تئیں نادم[1] اور پشیمان دیکھے۔ یہ انسان کی زندگی کا دوسرا زمانہ ہے۔ جس کو خدا کے پاک کلام قرآن شریف میں نفس لوّامہ کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ مگر یاد رہے کہ ایک وحشی کو نفس

[1] مطابق مسودہ

لوّامہ کی حالت تک پہنچانے کیلئے صرف سرسری نصائح کافی نہیں ہوتیں بلکہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کو خداشناسی کا اس قدر حصہ ملے جس سے وہ اپنی پیدائش بیہودہ اور عبث[۱] خیال نہ کرے تا معرفت الٰہی سے سچے اخلاق اس میں پیدا ہوں۔ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے ساتھ ساتھ سچے خدا کی معرفت کیلئے توجہ دلائی ہے اور یقین دلایا ہے کہ ہر ایک عمل اور خُلق ایک نتیجہ رکھتا ہے جو اس زندگی میں روحانی راحت یا روحانی عذاب کا موجب ہوتا ہے اور دوسری زندگی میں کھلے کھلے طور پر اپنا اثر دکھائے گا۔ غرض نفس لوّامہ کے درجہ پر انسان کو عقل اور معرفت اور پاک کانشنس سے اس قدر حصہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ برے کام پر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے اور نیک کام کا خواہشمند اور حریص رہتا ہے۔ یہ وہی درجہ ہے کہ جس میں انسان اخلاق فاضلہ حاصل کرتا ہے۔

خَلق اور خُلق

اس جگہ بہتر ہوگا کہ میں خُلق کے لفظ کی بھی کسی قدر تعریف کر دوں۔ سو جاننا چاہئے کہ خَلق خا کی فتح سے ظاہری پیدائش کا نام ہے اور خُلق خا کے ضمہ سے باطنی پیدائش کا نام ہے۔ اور چونکہ باطنی پیدائش اخلاق سے ہی کمال کو پہنچتی ہے نہ صرف طبعی جذبات سے۔ اس لئے اخلاق پر ہی یہ لفظ بولا گیا ہے طبعی جذبات پر نہیں بولا گیا۔ اور پھر یہ بات بھی بیان کر دینے کے لائق ہے کہ جیسا کہ عوام الناس خیال کرتے ہیں کہ خُلق صرف حلیمی اور نرمی اور انکسار ہی کا نام ہے یہ ان کی غلطی ہے بلکہ جو کچھ بمقابلہ ظاہری اعضاء کے باطن میں انسانی کمالات کی کیفیتیں رکھی گئی ہیں ان سب کیفیتوں کا نام خُلق ہے۔ مثلاً انسان آنکھ سے روتا ہے اور اس کے مقابل پر دل میں ایک قوت رقّت ہے وہ جب بذریعہ عقل خداداد کے اپنے محل پر مستعمل ہو تو وہ ایک خُلق ہے۔ ایسا ہی انسان ہاتھوں سے دشمن کا مقابلہ کرتا ہے اور اس حرکت کے مقابل پر دل میں ایک قوت ہے جس کو شجاعت کہتے ہیں۔ جب انسان محل پر اور موقع کے لحاظ سے اس قوت کو استعمال میں لاتا ہے تو اس کا نام بھی خُلق ہے۔ اور ایسا ہی انسان کبھی ہاتھوں کے ذریعہ سے مظلوموں کو ظالموں سے بچانا چاہتا ہے یا ناداروں اور بھوکوں کو کچھ دینا چاہتا ہے یا کسی اور طرح سے بنی نوع

﴿۱۶﴾

[۱] مطابق مسودہ ورپورٹ

کی خدمت کرنا چاہتا ہے اور اس حرکت کے مقابل پر دل میں ایک قوت ہے جس کو رحم بولتے ہیں اور کبھی انسان اپنے ہاتھوں کے ذریعہ سے ظالم کو سزا دیتا ہے اور اس حرکت کے مقابل پر ایک قوت ہے جس کو انتقام کہتے ہیں اور کبھی انسان حملہ کے مقابل پر حملہ کرنا نہیں چاہتا اور ظالم کے ظلم سے درگزر کرتا ہے اور اس حرکت کے مقابل پر دل[1] میں ایک قوت ہے جس کو عفو اور صبر کہتے ہیں اور کبھی انسان بنی نوع کو فائدہ پہنچانے کیلئے اپنے ہاتھوں سے کام لیتا ہے یا پیروں سے یا دل اور دماغ سے اور ان کی بہبودی کیلئے اپنا سرمایہ خرچ کرتا ہے تو اس حرکت کے مقابل پر دل میں ایک قوت ہے جس کو سخاوت کہتے ہیں۔ پس جب انسان ان تمام قوتوں کو موقع اور محل کے لحاظ سے استعمال کرتا ہے تو اس وقت ان کا نام خُلق رکھا جاتا ہے۔ اللہ جلشانہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۲۹/۳ [2]

یعنی تو ایک بزرگ خُلق پر قائم ہے۔ سو اسی تشریح کے مطابق اس کے معنے ہیں یعنی یہ کہ تمام قسمیں اخلاق کی سخاوت، شجاعت، عدل، رحم، احسان، صدق، حوصلہ وغیرہ تجھ میں جمع ہیں۔ غرض جس قدر انسان کے دل میں قوتیں پائی جاتی ہیں جیسا کہ ادب، حیا، دیانت، مروت، غیرت، استقامت، عفت، زہادت، اعتدال، مؤاسات یعنی ہمدردی۔ ایسا ہی شجاعت، سخاوت، عفو، صبر، احسان، صدق، وفا وغیرہ جب یہ تمام طبعی حالتیں عقل اور تدبّر کے مشورہ سے اپنے اپنے محل اور موقع پر ظاہر کی جائیں گی تو سب کا نام اخلاق ہوگا۔ اور یہ تمام اخلاق درحقیقت انسان کی طبعی حالتیں اور طبعی جذبات ہیں اور صرف اس وقت اخلاق کے نام سے موسوم ہوتے ہیں کہ جب محل اور موقعہ کے لحاظ سے بالارادہ ان کو استعمال کیا جائے۔ چونکہ انسان کے طبعی خواص میں سے ایک یہ بھی خاصہ ہے کہ وہ ترقی پذیر جاندار ہے اس لئے وہ سچے مذہب کی پیروی اور نیک صحبتوں اور نیک تعلیموں سے ایسے طبعی جذبات کو اخلاق کے رنگ میں لے

[1] ایڈیشن اول اور روحانی خزائن میں Under Line عبارت لکھنے سے رہ گئی ہے جبکہ قلمی نسخہ اور رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب میں یہ عبارت موجود ہے (ناشر)

[2] القلم : ۵

آتا ہے۔اور یہ امر کسی اور جاندار کیلئے نصیب نہیں۔

اصلاح اول یعنی طبعی حالتیں

﴿۱۷﴾ اب ہم منجملہ قرآن شریف کی اصلاحات ثلاثہ کے پہلی اصلاح کو جو ادنیٰ درجہ کی طبعی حالتوں کے متعلق ہے ذکر کرتے ہیں اور یہ اصلاح اخلاق کے شعبوں میں سے وہ شعبہ ہے جو ادب کے نام سے موسوم ہے۔یعنی وہ ادب جس کی پابندی وحشیوں کو ان کی طبعی حالتوں کھانے پینے اور شادی کرنے وغیرہ تمدنی امور میں مرکز اعتدال پر لاتی ہے اور اُس زندگی سے نجات بخشتی ہے۔ جو وحشیانہ اور چوپایوں یا درندوں کی طرح ہو۔جیسا کہ ان تمام آداب کے بارے میں اللہ جلشانہ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ [۱] لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا [۲] وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ [۳] اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ...... وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ [۴] وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ [۵] وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ [۶] لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا

۱ النساء:۲۴ ۲ النساء :۲۰ ۳ النساء: ۲۳ ۴ المائدة:۶ ۵ النساء :۳۰ ۶ الانعام:۱۵۲

وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَھْلِھَا [۱] فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْھَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْھَا حَتّٰی یُؤْذَنَ لَکُمْ ۚ وَاِنْ قِیْلَ لَکُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا ھُوَ اَزْکٰی لَکُمْ [۲] وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِھَا [۳] وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْھَآ اَوْ رُدُّوْھَا [۴] اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ [۵] حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ وَالْمُنْخَنِقَۃُ وَالْمَوْقُوْذَۃُ وَالْمُتَرَدِّیَۃُ وَالنَّطِیْحَۃُ وَمَآ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ [۶] یَسْـَٔلُوْنَکَ مَاذَآ اُحِلَّ لَھُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ [۷] اِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰہُ لَکُمْ وَاِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا [۸] کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا [۹] وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا [۱۰] وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ [۱۱] وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِکَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِکَ [۱۲] تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی [۱۳] وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّھَّرُوْا [۱۴] وَفِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ [۱۵] وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ؕ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا [۱۶] ☆ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِھِنَّ نِحْلَۃً [۱۷]

ترجمہ۔ یعنی تم پر تمہاری مائیں حرام کی گئیں اور ایسا ہی تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور تمہاری بھتیجیاں اور تمہاری بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری رضاعی بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری

﴿۱۸﴾

[۱] النور:۲۸ [۲] النور:۲۹ [۳] البقرۃ: ۱۹۰ [۴] النساء :۸۷ [۵] المائدۃ:۹۱ [۶] المائدۃ :۴ [۷] المائدۃ :۵ [۸] المجادلۃ:۱۲ [۹] الاعراف:۳۲ [۱۰] الاحزاب:۷۱ [۱۱] المدثر:۵،۶ [۱۲] لقمان: ۲۰ [۱۳] البقرۃ: ۱۹۸ [۱۴] المائدۃ:۷ [۱۵] الذّاریات:۲۰ [۱۶] النساء : ۴ [۱۷] النساء: ۵

☆ آیت کا خط کشیدہ حصہ ایڈیشن اوّل۔ اصل مسودہ اور رپورٹ میں موجود ہے۔ روحانی خزائن میں نہیں (ناشر)

بیویوں کے پہلے خاوند سے لڑکیاں جن سے تم ہم صحبت ہو چکے ہو اور اگر تم اُن سے ہم صحبت نہیں ہوئے تو کوئی گناہ نہیں اور تمہارے حقیقی بیٹوں کی عورتیں اور ایسے ہی دو بہنیں ایک وقت میں۔ یہ سب کام جو پہلے ہوتے تھے آج تم پر حرام کئے گئے۔ یہ بھی تمہارے لئے جائز نہ ہوگا کہ جبراً عورتوں کے وارث بن جاؤ۔ یہ بھی جائز نہیں کہ تم ان عورتوں کو نکاح میں لاؤ جو تمہارے باپوں کی بیویاں تھیں جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا۔ پاکدامن عورتیں تم میں سے یا پہلے اہل کتاب میں سے تمہارے لئے حلال ہیں کہ ان سے شادی کرو۔ لیکن جب مہر قرار پا کر نکاح ہو جائے بدکاری جائز نہیں اور نہ چھپا ہوا یارانہ۔ عرب کے جاہلوں میں جس شخص کے اولاد نہ ہوتی تھی بعض میں یہ رسم تھی کہ ان کی بیوی اولاد کیلئے دوسرے سے آشنائی کرتی قرآن شریف نے اس صورت کو حرام کر دیا۔ مسافحت اسی بدرسم کا نام ہے۔

پھر فرمایا کہ تم خود کشی نہ کرو۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ اور دوسرے گھروں میں وحشیوں کی طرح خود بخود بے اجازت نہ چلے جاؤ۔ اجازت لینا شرط ہے اور جب تم دوسروں کے گھروں میں جاؤ تو داخل ہوتے ہی السلام علیکم کہو اور اگر ان گھروں میں کوئی نہ ہو تو جب تک کوئی مالک خانہ تمہیں اجازت نہ دے ان گھروں میں مت جاؤ اور اگر مالک خانہ یہ کہے کہ واپس چلے جاؤ تو تم واپس چلے جاؤ۔ اور گھروں میں دیواروں پر سے کود کر نہ جایا کرو بلکہ گھروں میں ان گھروں کے دروازہ میں سے جاؤ اور اگر تمہیں کوئی سلام کہے تو اس سے بہتر اور نیک تر اس کو سلام کہو اور شراب اور قمار بازی اور بت پرستی اور شگون لینا یہ سب پلید اور شیطانی کام ہیں ان سے بچو۔ مردار مت کھاؤ۔ خنزیر کا گوشت مت کھاؤ۔ بتوں کے چڑھاوے مت کھاؤ۔ لاٹھی سے مارا ہوا مت کھاؤ۔ گر کے مرا ہوا مت کھاؤ۔[1] سینگ لگنے سے مرا ہوا مت کھاؤ۔ درندہ کا پھاڑا ہوا مت کھاؤ۔ بت پر چڑھایا ہوا مت کھاؤ کیونکہ یہ سب مردار کا حکم رکھتے ہیں اور اگر یہ لوگ پوچھیں کہ پھر کھائیں کیا؟ تو جواب یہ دے کہ دنیا کی تمام پاک چیزیں کھاؤ۔ صرف مردار اور مردار کے مشابہ اور پلید چیزیں مت کھاؤ۔

اگر مجلسوں میں تمہیں کہا جائے کہ کشادہ ہو کر بیٹھو یعنی دوسروں کو جگہ دو تو جلد جگہ کشادہ کر دو تا دوسرے بیٹھیں۔ اور اگر کہا جائے کہ تم اٹھ جاؤ تو پھر بغیر چون و چرا کے اٹھ جاؤ۔ گوشت دال

[1] یہ فقرہ ایڈیشن اول میں نہیں لیکن اصل مسودہ۔ رپورٹ اور روحانی خزائن میں موجود ہے (ناشر)

وغیرہ سب چیزیں جو پاک ہوں بیشک کھاؤ۔ مگر ایک طرف کی کثرت مت کرو اور اسراف اور زیادہ خوری سے اپنے تئیں بچاؤ۔ لغو باتیں مت کیا کرو۔ محل اور موقعہ کی بات کیا کرو۔ اپنے کپڑے صاف رکھو۔ بدن کو اور گھر کو اور کوچہ کو اور ہر ایک جگہ کو جہاں تمہاری نشست ہو پلیدی اور میل کچیل اور کثافت سے بچاؤ یعنی غسل کرتے رہو اور گھروں کو صاف رکھنے کی عادت پکڑو۔ نہ بہت اونچا بولا کرو نہ بہت نیچا۔ درمیان کو نگاہ رکھو یعنی باستثناء وقت ضرورت کے۔ چلنے میں بھی نہ بہت تیز چلو اور نہ بہت آہستہ درمیان کو نگاہ رکھو۔ جب سفر کرو تو ہر ایک طور پر سفر کا انتظام کرلیا کرو اور کافی زادراہ لے لیا کرو تا گداگری سے بچو۔ جنابت کی حالت میں غسل کرلیا کرو۔ جب روٹی کھاؤ تو سائل کو بھی دو اور کتے کو بھی ڈال دیا کرو اور دوسرے پرند وغیرہ کو بھی۔ اگر موقع ہو یتیم لڑکیاں جن کی تم پرورش کرو ان سے نکاح کرنا مضائقہ نہیں لیکن اگر تم دیکھو کہ چونکہ وہ لاوارث ہیں شاید تمہارا نفس ان پر زیادتی کرے تو ماں باپ اور اقارب والی عورتیں کرو جو تمہاری مؤدب رہیں اور ان کا تمہیں خوف رہے۔ ایک دو تین چار تک کر سکتے ہو بشرطیکہ اعتدال کرو اور اگر اعتدال نہ ہو تو پھر ایک ہی پر کفایت کرو گو ضرورت پیش آوے۔ چار کی جو حد لگا دی گئی ہے وہ اس مصلحت سے ہے کہ تا تم پرانی عادت کے تقاضے سے افراط نہ کرو یعنی صدہا تک نوبت نہ پہنچاؤ یا یہ کہ حرامکاری کی طرف جھک نہ جاؤ اور اپنی عورتوں کو مہر دو۔ ﴿۱۹﴾

غرض یہ قرآن شریف کی پہلی اصلاح ہے جس میں انسان کی طبعی حالتوں کو وحشیانہ طریقوں سے کھینچ کر انسانیت کے لوازم اور تہذیب کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اس تعلیم میں ابھی اعلیٰ اخلاق کا کچھ ذکر نہیں۔ صرف انسانیت کے آداب ہیں اور ہم لکھ چکے ہیں کہ اس تعلیم کی یہ ضرورت پیش آئی تھی کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس قوم کی اصلاح کیلئے آئے تھے وہ وحشیانہ حالت میں سب قوموں سے بڑھی ہوئی تھی۔ کسی پہلو میں انسانیت کا طریق ان میں قائم نہیں رہا تھا۔ پس ضرور تھا کہ سب سے پہلے انسانیت کے ظاہری ادب ان کو سکھائے جاتے۔

حرمت خنزیر

ایک نکتہ اس جگہ یاد رکھنے کے قابل ہے اور وہ نکتہ یہ ہے کہ خنزیر جو حرام کیا گیا ہے۔ خدانے ابتدا سے اس کے نام میں ہی حرمت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ خنزیر کا لفظ خنز اور ار سے مرکب ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ میں اس کو بہت فاسد اور خراب دیکھتا ہوں۔ خنز کے معنے بہت فاسد اور ار کے معنے دیکھتا ہوں۔ پس اس جانور کا نام جو ابتداء سے خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کو ملا ہے وہی اس کی پلیدی پر دلالت کرتا ہے اور عجیب اتفاق یہ ہے کہ ہندی میں اس جانور کو سور کہتے ہیں۔ یہ لفظ بھی سوء اور ار سے مرکب ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ میں اس کو بہت برا دیکھتا ہوں اور اس سے تعجب نہیں کرنا چاہئے کہ سوء کا لفظ عربی کیونکر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہم نے اپنی کتاب منن الرحمٰن میں ثابت کیا ہے کہ تمام زبانوں کی ماں عربی زبان ہے اور عربی کے لفظ ہر ایک زبان میں نہ ایک دو بلکہ ہزاروں ملے ہوئے ہیں۔ سوسوء عربی لفظ ہے۔ اسی لئے ہندی میں سوء کا ترجمہ **بد** ہے۔ پس اس جانور کو بد بھی کہتے ہیں۔ اس میں کچھ بھی شک معلوم نہیں ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ تمام دنیا کی زبان عربی تھی۔ اس ملک میں یہ نام اس جانور کا عربی میں مشہور تھا جو خنزیر کے نام کے ہم معنی ہے پھر اب تک یادگار باقی رہ گیا۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ شاستری میں اس کے قریب قریب یہی لفظ متغیر ہو کر اور کچھ بن گیا ہو۔ مگر صحیح لفظ یہی ہے کیونکہ اپنی وجہ تسمیہ ساتھ رکھتا ہے۔ جس پر لفظ خنزیر گواہ ناطق ہے اور یہ معنے جو اس لفظ کے ہیں۔ یعنی بہت فاسد۔ اس کی تشریح کی حاجت نہیں۔ اس بات کا کس کو علم نہیں کہ یہ جانور اول درجہ کا نجاست خور اور نیز بے غیرت اور دیوث ہے۔ اب اس کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ قانون قدرت یہی چاہتا ہے کہ ایسے پلید اور بد جانور کے گوشت کا اثر بھی بدن اور روح پر بھی پلید ہی ہو کیونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ غذاؤں کا بھی انسان کی روح پر ضرور اثر ہے۔ پس اس میں کیا شک ہے کہ ایسے بد کا اثر بھی بد ہی پڑے گا۔ جیسا کہ یونانی طبیبوں نے اسلام سے پہلے ہی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس جانور کا گوشت بالخاصیت حیا کی قوت کو کم کرتا ہے اور دیوثی کو بڑھاتا ہے اور مردار کا کھانا بھی اسی لئے اس شریعت میں منع ہے کہ مردار

﴿۲۰﴾

بھی کھانے والے کو اپنے رنگ میں لاتا ہے اور نیز ظاہری صحت کیلئے بھی مضر ہے۔ اور جن جانوروں کا خون اندر ہی رہتا ہے جیسے گلا گھونٹا ہوا یا لاٹھی سے مارا ہوا۔ یہ تمام جانور درحقیقت مردار کے حکم میں ہی ہیں۔ کیا مردہ کا خون اندر رہنے سے اپنی حالت پر رہ سکتا ہے؟ نہیں بلکہ وہ بوجہ مرطوب ہونے کے بہت جلد گندہ ہوگا اور اپنی عفونت سے تمام گوشت کو خراب کرے گا اور نیز خون کے کیڑے جو حال کی تحقیقات سے بھی ثابت ہوئے ہیں۔ مرکر ایک زہرناک عفونت بدن میں پھیلا دیں گے۔

انسان کی اخلاقی حالتیں

دوسرا حصہ قرآنی اصلاح کا یہ ہے کہ طبعی حالتوں کو شرائط مناسبہ کے ساتھ مشروط کر کے اخلاق فاضلہ تک پہنچایا جائے۔ سو واضح ہو کہ یہ حصہ بہت بڑا ہے۔ اگر ہم اس حصہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کریں یعنی تمام وہ اخلاق اس جگہ لکھنا چاہیں جو قرآن شریف نے بیان کئے تو یہ مضمون اس قدر لمبا ہو جائے گا کہ وقت اس کے دسویں حصہ تک کو بھی کفایت نہیں کرے گا۔ اس لئے چند اخلاق فاضلہ نمونے کے طور پر بیان کئے جاتے ہیں۔

اب جاننا چاہیئے کہ اخلاق دو قسم کے ہیں۔ اول وہ اخلاق جن کے ذریعہ سے انسان ترکِ شر پر قادر ہوتا ہے۔ دوسرے وہ اخلاق جن کے ذریعہ سے انسان ایصالِ خیر پر قادر ہوتا ہے اور ترکِ شر کے مفہوم میں وہ اخلاق داخل ہیں۔ جن کے ذریعہ سے انسان کوشش کرتا ہے کہ تا اپنی زبان یا اپنے ہاتھ یا اپنی آنکھ یا اپنے کسی اور عضو سے دوسرے کے مال یا عزت یا جان کو نقصان نہ پہنچاوے یا نقصان رسانی اور کسر شان کا ارادہ نہ کرے اور ایصالِ خیر کے مفہوم میں تمام وہ اخلاق داخل ہیں جن کے ذریعہ سے انسان کوشش کرتا ہے کہ اپنی زبان یا اپنے ہاتھ یا اپنے مال یا اپنے علم یا کسی اور ذریعہ سے دوسرے کے مال یا عزت کو فائدہ پہنچا سکے۔ یا اس کے جلال یا عزت ظاہر کرنے کا ارداہ کر سکے۔ یا اگر کسی نے اس پر کوئی ظلم کیا تھا تو جس سزا کا وہ ظالم مستحق تھا اس سے درگذر کر سکے اور اس طرح اس کو دکھ اور عذابِ بدنی اور تاوانِ مالی سے

﴿۲۱﴾

محفوظ رہنے کا فائدہ پہنچا سکے یا اس کو ایسی سزا دے سکے جو حقیقت میں اس کیلئے سراسر رحمت ہے۔

اخلاق متعلق ترکِ شر

اب واضح ہو کہ وہ اخلاق جو ترک شر کیلئے صانع حقیقی نے مقرر فرمائے ہیں وہ زبان عربی میں جو تمام انسانی خیالات اور اوضاع اور اخلاق کے اظہار کیلئے ایک ایک مفرد لفظ اپنے اندر رکھتی ہے۔ چار ناموں سے موسوم ہیں۔ چنانچہ

پہلا خُلق احصان کے نام سے موسوم ہے اور اس لفظ سے مراد خاص وہ پاک دامنی ہے جو مرد اور عورت کی قوت تناسل سے علاقہ رکھتی ہے اور محصن یا محصنہ اس مرد یا اس عورت کو کہا جائے گا کہ جو حرام کاری یا اس کے مقدمات سے مجتنب رہ کر اس ناپاک بدکاری سے اپنے تئیں روکیں جس کا نتیجہ دونوں کیلئے اس عالم میں ذلت اور لعنت اور دوسرے جہان میں عذاب آخرت اور متعلقین کیلئے علاوہ بے آبروئی نقصان شدید ہے۔ مثلاً جو شخص کسی کی بیوی سے ناجائز حرکت کا مرتکب ہو یا مثلاً زنا تو نہیں مگر اس کے مقدمات مرد اور عورت دونوں سے ظہور میں آویں تو کچھ شک نہیں کہ اس غیرت مند مظلوم کی ایسی بیوی کو جو زنا کرانے پر راضی ہوگئی تھی یا زنا بھی واقع ہو چکا تھا۔ طلاق دینی پڑے گی اور بچوں پر بھی اگر اس عورت کے پیٹ سے ہوں گے بڑا تفرقہ پڑے گا اور مالک خانہ یہ تمام نقصان اس بدذات کی وجہ سے اٹھائے گا۔

اس جگہ یاد رہے کہ یہ خُلق جس کا نام احصان یا عفت ہے یعنی پاکدامنی۔ یہ اسی حالت میں خُلق کہلائے گا جبکہ ایسا شخص جو بدنظری یا بدکاری کی استعداد اپنے اندر رکھتا ہے یعنی قدرت نے وہ قویٰ اس کو دے رکھے ہیں جن کے ذریعہ سے اس جرم کا ارتکاب ہوسکتا ہے۔ اس فعل شنیع سے اپنے تئیں بچائے اور اگر بباعث بچہ ہونے یا نامرد ہونے یا خوجہ ہونے یا پیرفرتوت ہونے کے یہ قوت اس میں موجود نہ ہو تو اس صورت میں ہم اس کو اس خُلق سے جس کا نام احصان یا عفت ہے موصوف نہیں کر سکتے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عفت اور احصان کی اس میں ایک طبعی حالت ہے۔ مگر ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ طبعی حالتیں خلق کے نام سے موسوم نہیں ہوسکتیں۔ بلکہ اس وقت ﴿۲۲﴾

خلق کی مد میں داخل کی جائیں گی جبکہ عقل کے زیر سایہ ہوکر اپنے محل پر صادر ہوں یا صادر ہونے کی قابلیت پیدا کرلیں۔ لہذا جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں کہ بچے اور نامرد اور ایسے لوگ جو کسی تدبیر سے اپنے تئیں نامرد کرلیں اس خلق کا مصداق نہیں ٹھہر سکتے گو بظاہر عفت اور احصان کے رنگ میں اپنی زندگی بسر کریں بلکہ تمام صورتوں میں ان کی عفت اور احصان کا نام طبعی حالت ہوگا نہ اور کچھ۔ اور چونکہ یہ ناپاک حرکت اور اس کے مقدمات جیسے مرد سے صادر ہو سکتے ہیں۔ ویسے ہی عورت سے بھی صادر ہو سکتے ہیں لہذا خدا کی پاک کتاب میں دونوں مرد اور عورت کیلئے یہ تعلیم فرمائی گئی ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ [۱] وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ...... وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [۲] وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا [۳] وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا [۴] وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ .... فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا [۵]

یعنی ایمانداروں کو جو مرد ہیں کہہ دے کہ آنکھوں کو نامحرم عورتوں کے دیکھنے سے بچائے رکھیں اور ایسی عورتوں کو کھلے طور سے نہ دیکھیں جو شہوت کا محل ہوسکتی ہوں اور ایسے موقعہ پر خوابیدہ نگاہ کی عادت پکڑیں اور اپنے ستر کی جگہ کو جس طرح ممکن ہو بچاویں۔ ایسا ہی کانوں کو نامحرموں سے بچاویں یعنی بیگانہ عورتوں کے گانے بجانے اور خوش الحانی کی آوازیں نہ سنیں۔ ان کے حسن کے قصے نہ سنیں۔ یہ طریق پاک نظر اور پاک دل رہنے کیلئے عمدہ طریق ہے۔ ایسا ہی ایماندار عورتوں کو کہہ دے کہ وہ بھی اپنی آنکھوں کو نامحرم مردوں کے دیکھنے سے بچائیں اور اپنے کانوں کو بھی نامحرموں

[۱] النور:۳۱ [۲] النور: ۳۲ [۳] بنی اسرائیل: ۳۳ [۴] النور: ۳۴ [۵] الحدید: ۲۸

سے بچائیں یعنی ان کی پُرشہوت آوازیں نہ سنیں اور اپنے ستر کی جگہ کو پردہ میں رکھیں۔ اور اپنی زینت کے اعضاء کو کسی غیر محرم پر نہ کھولیں اور اپنی اوڑھنی کو اس طرح سر پر لیں کہ گریبان سے ہو کر سر پر آ جائے یعنی گریبان اور دونوں کان اور سر اور کنپٹیاں سب چادر کے پردہ میں رہیں اور اپنے پیروں کو زمین پر ناچنے والوں کی طرح نہ ماریں۔ یہ وہ تدبیر ہے کہ جس کی پابندی ٹھوکر سے بچا سکتی ہے۔

اور دوسرا طریق بچنے کیلئے یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور اس سے دعا کریں تا ٹھوکر سے بچاوے اور لغزشوں سے نجات دے۔ زنا کے قریب مت جاؤ یعنی ایسی تقریبوں سے دور رہو جن سے یہ خیال بھی دل میں پیدا ہو سکتا ہو اور ان راہوں کو اختیار نہ کرو جن سے اس گناہ کے وقوع کا اندیشہ ہو۔ جو زنا کرتا ہے وہ بدی کو انتہا تک پہنچا دیتا ہے۔ زنا کی راہ بہت بری راہ ہے یعنی منزل مقصود سے روکتی ہے اور تمہاری آخری منزل کیلئے سخت خطرناک ہے۔ اور جس کو نکاح میسر نہ آوے چاہئے کہ وہ اپنی عفت کو دوسرے طریقوں سے بچاوے۔ مثلاً روزہ رکھے یا کم کھاوے یا اپنی طاقتوں سے تن آزار کام لے اور اور لوگوں نے یہ بھی طریق نکالے ہیں کہ وہ ہمیشہ عمداً نکاح سے دست بردار رہیں یا خوجے بنیں اور کسی طریق سے رہبانیت اختیار کریں۔ مگر ہم نے انسان پر یہ حکم فرض نہیں کئے اس لئے وہ ان بدعتوں کو پورے طور پر نبھا نہ سکے۔ خدا کا یہ فرمانا کہ ہمارا یہ حکم نہیں کہ لوگ خوجے بنیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اگر خدا کا حکم ہوتا تو سب لوگ اس حکم پر عمل کرنے کے مجاز بنتے تو اس صورت میں بنی آدم کی قطع نسل ہو کر کبھی کا دنیا کا خاتمہ ہو جاتا۔ اور نیز اگر اس طرح پر عفت حاصل کرنی ہو کہ عضو مردمی کو کاٹ دیں تو یہ درپردہ اس صانع پر اعتراض ہے جس نے وہ عضو بنایا اور نیز جبکہ ثواب کا تمام مدار اس بات پر ہے کہ ایک قوت موجود ہو اور پھر انسان خدا تعالیٰ کا خوف کر کے اس قوت کے خراب جذبات کا مقابلہ کرتا رہے۔ اور اس کے منافع سے فائدہ اٹھا کر دو طور کا ثواب حاصل کرے۔ پس ظاہر ہے کہ ایسے عضو کے ضائع کر دینے میں دونوں ثوابوں سے محروم رہا۔ ثواب تو جذبہ مخالفانہ کے وجود اور پھر اس کے مقابلہ سے ملتا ہے۔ مگر جس میں بچہ کی طرح وہ قوت ہی نہیں رہی اس کو کیا ثواب ملے گا۔ کیا بچہ کو اپنی عفت کا ثواب

﴿۲۳﴾

مل سکتا ہے؟

پاکدامن رہنے کیلئے پانچ علاج

ان آیات میں خدا تعالیٰ نے خلق احصان یعنی عفت کے حاصل کرنے کیلئے صرف اعلیٰ تعلیم ہی نہیں فرمائی بلکہ انسان کو پاک دامن رہنے کیلئے پانچ علاج بھی بتلا دیئے ہیں۔ یعنی یہ کہ (۱) اپنی آنکھوں کو نامحرم پر نظر ڈالنے سے بچانا (۲) کانوں کو نامحرموں کی آواز سننے سے بچانا۔ (۳) نامحرموں کے قصے نہ سننا (۴) اور دوسری تمام تقریبوں سے جن میں اس بدفعل کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اپنے تئیں بچانا (۵) اگر نکاح نہ ہو تو روزہ رکھنا وغیرہ۔

اس جگہ ہم بڑے دعویٰ کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ اعلیٰ تعلیم ان سب تدبیروں کے ساتھ جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہیں صرف اسلام سے ہی خاص ہے اور اس جگہ ایک نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے اور وہ یہ ہے کہ چونکہ انسان کی وہ طبعی حالت جو شہوات کا منبع ہے جس سے انسان بغیر کسی کامل تغیر کے الگ نہیں ہو سکتا یہی ہے کہ اس کے جذباتِ شہوت محل اور موقع پا کر جوش مارنے سے رہ نہیں سکتے یا یوں کہو کہ سخت خطرہ میں پڑ جاتے ہیں۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے ہمیں یہ تعلیم نہیں دی کہ ہم نامحرم عورتوں کو بلاتکلّف دیکھ تو لیا کریں اور ان کی تمام زینتوں پر نظر ڈال لیں۔ اور ان کے تمام انداز ناچنا وغیرہ مشاہدہ کر لیں لیکن پاک نظر سے دیکھیں اور نہ یہ تعلیم ہمیں دی ہے کہ ہم ان بیگانہ جوان عورتوں کا گانا بجانا سن لیں اور ان کے حسن کے قصے بھی سنا کریں لیکن پاک خیال سے سنیں بلکہ ہمیں تاکید ہے کہ ہم نامحرم عورتوں کو اور ان کی زینت کی جگہ کو ہرگز نہ دیکھیں۔ نہ پاک نظر سے اور نہ ناپاک نظر سے۔ اور ان کی خوش الحانی کی آوازیں اور ان کے حسن کے قصے نہ سنیں۔ نہ پاک خیال سے اور نہ ناپاک خیال سے۔ بلکہ ہمیں چاہئے کہ ان کے سننے اور دیکھنے سے نفرت رکھیں جیسا کہ مردار سے تا ٹھوکر نہ کھاویں۔ کیونکہ ضرور ہے کہ بے قیدی کی نظروں سے کسی وقت ٹھوکریں پیش آویں۔ سو چونکہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہماری آنکھیں اور دل اور ہمارے خطرات سب پاک رہیں اس لئے اس نے یہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم فرمائی۔ اس میں کیا شک ہے کہ بے قیدی ٹھوکر کا موجب ہو جاتی ہے۔ اگر ہم ایک

﴿۲۴﴾

بھوکے کتے کے آگے نرم نرم روٹیاں رکھ دیں اور پھر امید رکھیں کہ اس کتے کے دل میں خیال تک ان روٹیوں کا نہ آوے تو ہم اپنے اس خیال میں غلطی پر ہیں۔ سو خدا تعالیٰ نے چاہا کہ نفسانی قویٰ کو پوشیدہ کارروائیوں کا موقع بھی نہ ملے اور ایسی کوئی بھی تقریب پیش نہ آوے جس سے بدخطرات جنبش کر سکیں۔

اسلامی پردہ کی یہی فلاسفی اور یہی ہدایت شرعی ہے۔ خدا کی کتاب میں پردہ سے یہ مراد نہیں کہ فقط عورتوں کو قیدیوں کی طرح حراست میں رکھا جائے۔ یہ ان نادانوں کا خیال ہے جن کو اسلامی طریقوں کی خبر نہیں۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ عورت مرد دونوں کو آزاد نظر اندازی اور اپنی **زینتوں** کے دکھانے سے روکا جائے کیونکہ اس میں دونوں مرد اور عورت کی بھلائی ہے۔ بالآخر یاد رہے کہ خوابیدہ نگاہ سے غیر محل پر نظر ڈالنے سے اپنے تئیں بچا لینا اور دوسری جائز النظر چیزوں کو دیکھنا اس طریق کو عربی میں **غضِّ بصر** کہتے ہیں اور ہر ایک پرہیزگار جو اپنے دل کو پاک رکھنا چاہتا ہے اس کو نہیں چاہئے کہ حیوانوں کی طرح جس طرف چاہے بے محابا نظر اٹھا کر دیکھ لیا کرے بلکہ اس کیلئے اس تمدنی زندگی میں **غضِّ بصر** کی عادت ڈالنا ضروری ہے اور یہ وہ مبارک عادت ہے جس سے اس کی یہ طبعی حالت ایک بھاری خلق کے رنگ میں آ جائے گی اور اس کی تمدنی ضرورت میں بھی فرق نہیں پڑے گا۔ یہی وہ خلق ہے۔ جس کو احصان اور عفت کہتے ہیں۔

دوسری قسم ترک شر کے اقسام میں سے وہ خلق ہے جس کو امانت و دیانت کہتے ہیں۔ یعنی دوسرے کے مال پر شرارت اور بدنیتی سے قبضہ کر کے اس کو ایذا پہنچانے پر راضی نہ ہونا۔ سو واضح ہو کہ دیانت اور امانت انسان کی طبعی حالتوں میں سے ایک حالت ہے۔ اسی واسطے ایک بچہ شیر خوار بھی جو بوجہ اپنی کم سنی اپنی طبعی سادگی پر ہوتا ہے اور نیز بباعث صغر سنی ابھی بری عادتوں کا عادی نہیں ہوتا' اس قدر غیر کی چیز سے نفرت رکھتا ہے کہ غیر عورت کا دودھ بھی مشکل سے پیتا ہے۔ اگر بے ہوشی کے زمانہ میں کوئی اور دایہ مقرر نہ ہو تو ہوش کے زمانہ میں اس کو دوسرے کا دودھ پلانا نہایت مشکل ہو جاتا ہے اور اپنی جان پر بہت تکلیف اٹھاتا ہے اور ممکن ہے کہ اس تکلیف سے

﴿۲۵﴾

مرنے کے قریب ہو جائے۔ مگر دوسری عورت کے دودھ سے طبعاً بیزار ہوتا ہے۔ اس قدر نفرت کا کیا بھید ہے؟ بس یہی کہ وہ والدہ کو چھوڑ کر غیر کی چیز کی طرف رجوع کرنے سے طبعاً متنفر ہے۔ اب ہم جب ایک گہری نظر سے بچہ کی اس عادت کو دیکھتے اور اس پر غور کرتے ہیں اور فکر کرتے کرتے اس کی اس عادت کی تہ تک چلے جاتے ہیں تو ہم پر صاف کھل جاتا ہے کہ یہ عادت جو غیر کی چیز سے اس قدر نفرت کرتا کہ اپنے اوپر مصیبت ڈال لیتا ہے۔ یہی جڑھ دیانت اور امانت کی ہے اور دیانت کے خلق میں کوئی شخص راستباز نہیں ٹھہر سکتا جب تک بچہ کی طرح غیر کے مال کے بارے میں بھی سچی نفرت اور کراہت اس کے دل میں پیدا نہ ہو جائے لیکن بچہ اس عادت کو اپنے محل پر استعمال نہیں کرتا اور اپنی بیوقوفی کے سبب سے بہت کچھ تکلیفیں اٹھا لیتا ہے۔ لہٰذا اس کی یہ عادت صرف ایک حالت طبعی ہے جس کو وہ بے اختیار ظاہر کرتا ہے اس لئے وہ حرکت اس کے خلق میں داخل نہیں ہو سکتی گو انسانی سرشت میں اصل جڑھ خلق دیانت اور امانت کی وہی ہے جیسا کہ بچہ اس غیر معقول حرکت سے متدیّن اور امین نہیں کہلا سکتا۔ ایسا ہی وہ شخص بھی اس خلق سے متّصف نہیں ہو سکتا جو اس طبعی حالت کو محل پر استعمال نہیں کرتا۔ امین اور دیانت دار بننا بہت نازک امر ہے۔ جب تک انسان اس کے تمام پہلو بجا نہ لاوے۔ امین اور دیانت دار نہیں ہو سکتا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے نمونہ کے طور پر آیات مفصلہ ذیل میں امانت کا طریق سمجھایا ہے اور وہ طریق امانت یہ ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّ ارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ

حَسِيْبًا[۱] وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا[۲]

﴿۲۶﴾

ترجمہ۔ یعنی اگر کوئی ایسا تم میں مالدار ہو جو صحیح العقل نہ ہو مثلاً یتیم یا نابالغ ہو اور اندیشہ ہو کہ وہ اپنی حماقت سے اپنے مال کو ضائع کر دے گا تو تم (بطور کورٹ آف وارڈس[۳] کے) وہ تمام مال اس کا متکفل کے طور پر اپنے قبضہ میں لے لو اور وہ تمام مال جس پر سلسلہ تجارت اور معیشت کا چلتا ہے ان بیوقوفوں کے حوالہ مت کرو اور اس مال میں سے بقدر ضرورت ان کے کھانے اور پہننے کے لئے دے دیا کرو اور ان کو اچھی باتیں قول معروف کی کہتے رہو۔ یعنی ایسی باتیں جن سے ان کی عقل اور تمیز بڑھے اور ایک طور سے ان کے مناسب حال ان کی تربیت ہو جائے اور جاہل اور ناتجربہ کار نہ رہیں۔ اگر وہ تاجر کے بیٹے ہیں تو تجارت کے طریقے ان کو سکھلاؤ اور اگر کوئی اور پیشہ رکھتے ہوں تو اس پیشہ کے مناسب حال ان کو پختہ کر دو۔ غرض ساتھ ساتھ ان کو تعلیم دیتے جاؤ اور اپنی تعلیم کا وقتاً فوقتاً امتحان بھی کرتے جاؤ کہ جو کچھ تم نے سکھلایا انہوں نے سمجھا بھی ہے یا نہیں۔ پھر جب نکاح کے لائق ہو جائیں یعنی عمر قریباً اٹھارہ برس تک پہنچ جائے اور تم دیکھو کہ ان میں اپنے مال کے انتظام کی عقل پیدا ہوگئی ہے تو ان کا مال ان کے حوالہ کرو اور فضول خرچی کے طور پر ان کا مال خرچ نہ کرو اور نہ اس خوف سے جلدی کر کے کہ اگر یہ بڑے ہو جائیں گے تو اپنا مال لے لیں گے ان کے مال کا نقصان کرو۔ جو شخص دولتمند ہو اس کو نہیں چاہئے کہ ان کے مال میں سے کچھ حق الخدمت لیوے۔ لیکن ایک محتاج بطور معروف لے سکتا ہے۔

عرب میں مالی محافظوں کے لئے یہ طریق معروف تھا کہ اگر یتیموں کے کارپرداز ان کے مال میں سے لینا چاہتے تو حتی الوسع یہ قاعدہ جاری رکھتے کہ جو کچھ یتیم کے مال کو تجارت سے فائدہ ہوتا اس میں سے آپ بھی لیتے۔ راس المال کو تباہ نہ کرتے۔ سو اسی عادت کی طرف اشارہ ہے کہ تم

[۱] النساء: ۶،۷ [۲] النساء: ۱۰،۱۱ [۳] (Court of wards)

بھی ایسا کرواور پھر فرمایا کہ جب تم یتیموں کو مال واپس کرنے لگوتو گواہوں کے روبروان کوان کا مال دواور جوشخص فوت ہونے لگےاور بچے اس کے ضعیف اور صغیر السِنّ ہوں تو اس کو نہیں چاہئے کہ کوئی ایسی وصیت کرے کہ جس میں بچوں کی حق تلفی ہو۔ جولوگ ایسے طور سے یتیم کا مال کھاتے ہیں جس سے یتیم پر ظلم ہو جائے تو وہ مال نہیں بلکہ آگ کھاتے ہیں اور آخر جلانے والی آگ میں ڈالے جائیں گے۔

اب دیکھو خدا تعالیٰ نے دیانت اور امانت کے کس قدر پہلو بتلائے۔ سوحقیقی دیانت اور امانت وہی ہے جو ان تمام پہلوؤں کے لحاظ سے ہو اور اگر پوری عقلمندی کو دخل دے کر امانتداری میں تمام پہلوؤں کا لحاظ نہ ہو تو ایسی دیانت اور امانت کئی طور سے چھپی ہوئی خیانتیں اپنے ہمراہ رکھے گی۔ اور پھر دوسری جگہ فرمایا۔

﴿۲۷﴾

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ [۱] اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا [۲] اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ [۳] وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ [۴] وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ [۵] وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ [۶] وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ [۷]

یعنی آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناجائز طور پر مت کھایا کرو اور نہ اپنے مال کو رشوت کے طور پر حکام تک پہنچایا کرو۔ تا اس طرح پر حکام کی اعانت سے دوسرے کے مالوں کو دبا لو۔ امانتوں کو انکے حقداروں کو واپس دے دیا کرو۔ خدا خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ جب تم ماپو تو پورا ماپو۔ جب تم وزن کرو تو پوری اور بے خلل ترازو سے وزن کرو اور کسی طور سے لوگوں کو ان کے مال کا نقصان نہ پہنچاؤ اور فساد کی نیت سے زمین پر مت پھرا کرو یعنی اس نیت سے کہ چوری کریں یا ڈاکہ ماریں یا کسی کی جیب کتریں یا کسی اور ناجائز طریق سے بیگانہ مال پر قبضہ کریں اور پھر فرمایا کہ تم

[۱] البقرة:۱۸۹ [۲] النساء : ۵۹ [۳] الانفال: ۵۹ [۴] بنی اسرائیل : ۳۶ [۵] الاعراف: ۸۶ [۶] البقرة : ۶۱
[۷] النساء : ۳

اچھی چیزوں کے عوض میں خبیث اور ردّی چیزیں نہ دیا کرو یعنی جس طرح دوسروں کا مال دبا لینا ناجائز ہے اسی طرح خراب چیزیں بیچنا یا اچھی کے عوض بری دینا بھی ناجائز ہے۔

ان تمام آیات میں خدا تعالیٰ نے تمام طریقے بددیانتی کے بیان فرما دیئے۔ اور ایسا کلام کلّی کے طور پر فرمایا جس میں کسی بددیانتی کا ذکر باہر نہ رہ جائے۔ صرف یہ نہیں کہا کہ تو چوری نہ کر تا ایک نادان یہ نہ سمجھ لے کہ چوری تو میرے لئے حرام ہے مگر دوسرے ناجائز طریقے سب حلال ہیں۔ اس کلمہ جامع کے ساتھ تمام ناجائز طریقوں کو حرام ٹھہرانا یہی حکمت بیانی ہے۔ غرض اگر کوئی اس بصیرت سے دیانت اور امانت کا خُلق اپنے اندر نہیں رکھتا اور ایسے تمام پہلوؤں کی رعایت نہیں کرتا وہ اگر دیانت و امانت کو بعض امور میں دکھلائے بھی تو یہ حرکت اس کی خُلق دیانت میں داخل نہیں سمجھی جائے گی بلکہ ایک طبعی حالت ہوگی جو عقلی تمیز اور بصیرت سے خالی ہے۔

تیسری قسم ترک شر کی اخلاق میں سے وہ قسم ہے کہ جس کو عربی میں ھُدنہ اور ھَون کہتے ہیں یعنی دوسرے کو ظلم کی راہ سے بدنی آزار نہ پہنچانا اور بے شر انسان ہونا اور صلح کاری کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔ پس بلاشبہ صلحکاری اعلیٰ درجہ کا ایک خلق ہے اور انسانیت کے لئے ازبس ضروری۔ اور اس خلق کے مناسب حال طبعی قوت جو بچہ میں ہوتی ہے جس کی تعدیل سے یہ خُلق بنتا ہے الفت یعنی خوگرفتگی ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ انسان صرف طبعی حالت میں یعنی اس حالت میں کہ جب انسان عقل سے بے بہرہ ہو صلح کے مضمون کو سمجھ نہیں سکتا اور نہ جنگ جوئی کے مضمون کو سمجھ سکتا ہے۔ پس اس وقت جو ایک عادت موافقت کی اس میں پائی جاتی ہے وہی صلحکاری کی عادت کی ایک جڑھ ہے لیکن چونکہ وہ عقل اور تدبّر اور خاص ارادہ سے اختیار نہیں کی جاتی اس لئے خلق میں داخل نہیں بلکہ خلق میں تب داخل ہوگی کہ جب انسان بالارادہ اپنے تئیں بے شر بنا کر صلح کاری کے خلق کو اپنے محل پر استعمال کرے اور بے محل استعمال کرنے سے مجتنب رہے۔ اس میں اللہ جلّ شانہٗ یہ تعلیم

﴿۴۸﴾

فرماتا ہے۔

وَاَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَیۡنِکُمۡ [۱] وَالصُّلۡحُ خَیۡرٌ [۲] وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا [۳] وَعِبَادُ الرَّحۡمٰنِ الَّذِیۡنَ یَمۡشُوۡنَ عَلَی الۡاَرۡضِ هَوۡنًا [۴] وَاِذَا مَرُّوۡا بِاللَّغۡوِ مَرُّوۡا کِرَامًا [۵] اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَکَ وَبَیۡنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ [۶]

یعنی آپس میں صلح کاری اختیار کرو۔ صلح میں خیر ہے۔ جب وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ۔ خدا کے نیک بندے صلح کاری کے ساتھ زمین پر چلتے ہیں اور اگر کوئی لغو بات کسی سے سنیں۔ جو جنگ کا مقدمہ اور لڑائی کی ایک تمہید ہو تو بزرگانہ طور پر طرح دے کر چلے جاتے ہیں اور ادنیٰ ادنیٰ بات پر لڑنا شروع نہیں کر دیتے۔ یعنی جب تک کوئی زیادہ تکلیف نہ پہنچے اس وقت تک ہنگامہ پردازی کو اچھا نہیں سمجھتے اور صلح کاری کے محل شناسی کا یہی اصول ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ باتوں کو خیال میں نہ لاویں اور معاف فرماویں اور لغو کا لفظ جو اس آیت میں آیا ہے سو واضح ہو کہ عربی زبان میں **لغو** اس حرکت کو کہتے ہیں کہ مثلاً ایک شخص شرارت سے ایسی بکواس کرے یا بہ نیت ایذا ایسا فعل اس سے صادر ہو کہ دراصل اس سے کچھ ایسا حرج اور نقصان نہیں پہنچتا۔ سو صلح کاری کی یہ علامت ہے کہ ایسی بیہودہ ایذا سے چشم پوشی فرماویں اور بزرگانہ سیرت عمل میں لاویں لیکن اگر ایذا صرف لغو کی مد میں داخل نہ ہو بلکہ اس سے واقعی طور پر جان یا مال یا عزت کو ضرر پہنچے تو صلح کاری کے خلق کو اس سے کچھ تعلق نہیں۔ بلکہ اگر ایسے گناہ کو بخشا جائے تو اس خلق کا نام عفو ہے۔ جس کا انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد بیان ہوگا اور پھر فرمایا کہ جو شخص شرارت سے کچھ یاوہ گوئی کرے تو تم نیک طریق سے صلح کاری کا اس کو جواب دو۔ تب اس خصلت سے دشمن بھی دوست ہو جائے گا۔ غرض صلح کاری کے طریق سے چشم پوشی کا محل صرف اس درجہ کی بدی ہے جس سے کوئی واقعی نقصان نہ پہنچا ہو۔ صرف دشمن کی بیہودہ گوئی ہو۔

[۱] الانفال: ۲ [۲] النساء: ۱۲۹ [۳] الانفال: ۶۲ [۴] الفرقان: ۶۴ [۵] الفرقان: ۷۳ [۶] حٰمٓ السجدۃ: ۳۵

چوتھی قسم ترک شر کی اخلاق میں سے رفق اور قول حسن ہے اور یہ خلق جس حالت طبعی سے پیدا ہوتا ہے اس کا نام طلاقت یعنی کشادہ روئی ہے۔ بچہ جب تک کلام کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ بجائے رفق اور قول حسن کے طلاقت دکھلاتا ہے۔ یہی دلیل اس بات پر ہے کہ رفق کی جڑھ جہاں سے یہ شاخ پیدا ہوتی ہے طلاقت ہے۔ طلاقت ایک قوت ہے اور رِفق ایک خلق ہے جو اس قوت کو محل پر استعمال کرنے سے پیدا ہو جاتا ہے۔ اس میں خدا تعالیٰ کی تعلیم یہ ہے۔

﴿۲۹﴾

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا [1] لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ [2] اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا .... وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ [3] وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا [4]

ترجمہ۔ یعنی لوگوں کو وہ باتیں کہو جو واقعی طور پر نیک ہوں۔ ایک قوم دوسری قوم سے ٹھٹھا نہ کرے ہوسکتا ہے کہ جن سے ٹھٹھا کیا گیا ہے وہی اچھے ہوں۔ بعض عورتیں بعض عورتوں سے ٹھٹھا نہ کریں ہوسکتا ہے کہ جن سے ٹھٹھا کیا گیا ہے وہی اچھی ہوں اور عیب مت لگاؤ۔ اپنے لوگوں کے برے برے نام مت رکھو۔ بدگمانی کی باتیں مت کرو اور نہ عیبوں کو کرید کرید کر پوچھو۔ ایک دوسرے کا گلہ مت کرو۔ کسی کی نسبت وہ بہتان یا الزام مت لگاؤ جس کا تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں اور یاد رکھو کہ ہر یک عضو سے مواخذہ ہوگا اور کان، آنکھ، دل ہر ایک سے پوچھا جائے گا۔

[1] البقرة: ۸۴ [2] الحجرات: ۱۲ [3] الحجرات: ۱۳ [4] بنی اسرائیل: ۳۷

ایصالِ خیر کے اقسام

اب ترکِ شر کے اقسام ختم ہو چکے۔ اور اب ہم ایصالِ خیر کے اقسام بیان کرتے ہیں۔
دوسری قسم ان اخلاق کی جو ایصال خیر سے تعلق رکھتے ہیں۔

پہلا خلق ان میں سے **عفو** ہے۔ یعنی کسی کے گناہ کو بخش دینا۔ اس میں ایصال خیر یہ ہے کہ جو گناہ کرتا ہے وہ ایک ضرر پہنچاتا ہے اور اس لائق ہوتا ہے کہ اس کو بھی ضرر پہنچایا جائے۔ سزا دلائی جائے۔ قید کرایا جائے۔ جرمانہ کرایا جائے یا آپ ہی اس پر ہاتھ اٹھایا جائے۔ پس اس کو بخش دینا اگر بخش دینا' مناسب ہو تو اس کے حق میں ایصال خیر ہے۔ اس میں قرآن شریف کی تعلیم یہ ہے۔

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ [1] جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ [2]

یعنی نیک آدمی وہ ہیں جو غصہ کھانے کے محل پر اپنا غصہ کھا جاتے ہیں اور بخشنے کے محل پر گناہ کو بخشتے ہیں۔ بدی کی جزا اسی قدر بدی ہے جو کی گئی ہو۔ لیکن جو شخص گناہ کو بخش دے اور ایسے موقعہ پر بخشے کہ اس سے کوئی اصلاح ہوتی ہو۔ کوئی شر پیدا نہ ہوتا ہو۔ یعنی عین عفو کے محل پر ہو۔ نہ غیر محل پر تو اس کا وہ بدلہ پائے گا۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ قرآنی تعلیم یہ نہیں کہ خواہ نخواہ اور ہر جگہ شر کا مقابلہ نہ کیا جائے اور شریروں اور ظالموں کو سزا نہ دی جائے۔ بلکہ یہ تعلیم ہے کہ دیکھنا چاہئے کہ وہ محل اور موقعہ گناہ بخشنے کا ہے یا سزا دینے کا ہے۔ پس مجرم کے حق میں اور نیز عامہ خلائق کے حق میں جو کچھ فی الواقعہ بہتر ہو وہی صورت اختیار کی جائے۔ بعض وقت ایک مجرم گناہ بخشنے سے توبہ کرتا ہے۔☆ اور بعض وقت ایک مجرم گناہ بخشنے سے اور بھی دلیر ہو جاتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ **اندھوں کی طرح صرف گناہ بخشنے کی عادت مت ڈالو۔** بلکہ غور سے دیکھ لیا کرو۔ کہ حقیقی نیکی کس بات میں ہے

﴿۳۰﴾

[1] اٰل عمران: ۱۳۵ [2] الشوریٰ: ۴۱ ☆ ایڈیشن اول میں خط کشیدہ فقرہ لکھنے سے رہ گیا ہے جبکہ اصل مسودہ اور رپورٹ میں یہ فقرہ موجود ہے (ناشر)

آیا بخشنے میں یا سزا دینے میں۔ پس جو امر محل اور موقع کے مناسب ہو وہی کرو۔ افراد انسانی کے دیکھنے سے صاف ظاہر ہے کہ جیسے بعض لوگ کینہ کشی پر بہت حریص ہوتے ہیں یہاں تک کہ دادوں پردادوں کے کینوں کو یاد رکھتے ہیں۔ ایسا ہی بعض لوگ عفو اور درگذر کی عادت کو انتہا تک پہنچا دیتے ہیں اور بسا اوقات اس عادت کے افراط سے دیوثی تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور ایسے قابل شرم حلم اور عفو اور درگذر ان سے صادر ہوتے ہیں جو سراسر حمیت اور غیرت اور عفت کے برخلاف ہوتے ہیں بلکہ نیک چلنی پر داغ لگاتے ہیں اور ایسے عفو اور درگذر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سب لوگ توبہ توبہ کر اٹھتے ہیں۔ انہیں خرابیوں کے لحاظ سے قرآن شریف میں ہر ایک خلق کے لئے محل اور موقع کی شرط لگا دی ہے اور ایسے خلق کو منظور نہیں رکھا جو بے محل صادر ہو۔

یاد رہے کہ مجرد عفو کو خلق نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ ایک طبعی قوت ہے جو بچوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ بچہ کو جس کے ہاتھ سے چوٹ لگ جائے خواہ شرارت سے ہی لگے تھوڑی دیر کے بعد وہ اس قصہ کو بھلا دیتا ہے اور پھر اس کے پاس محبت سے جاتا ہے اور اگر ایسے شخص نے اس کے قتل کا بھی ارادہ کیا ہو تب بھی صرف میٹھی بات پر خوش ہو جاتا ہے۔ پس ایسا عفو کسی طرح خلق میں داخل نہیں ہوگا۔ خلق میں اسی صورت میں داخل ہوگا جب ہم اس کو محل اور موقع پر استعمال کریں گے ورنہ صرف ایک طبعی قوت ہوگی۔ دنیا میں بہت تھوڑے ایسے لوگ ہیں جو طبعی قوت اور خلق میں فرق کر سکتے ہیں۔ ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ حقیقی خلق اور طبعی حالتوں میں یہ فرق ہے کہ خلق ہمیشہ محل اور موقع کی پابندی اپنے ساتھ رکھتا ہے اور طبعی قوت بے محل بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ یوں تو چارپایوں میں گائے بھی بے شر ہے اور بکری بھی دل کی غریب ہے مگر ہم ان کو اسی سبب سے ان خلقوں سے متصف نہیں کہہ سکتے کہ ان کو محل اور موقع کی عقل نہیں دی گئی۔ خدا کی حکمت اور خدا کی سچی اور کامل کتاب نے ہر ایک خلق کے ساتھ محل اور موقعہ کی شرط لگا دی ہے۔

دوسرا خلق اخلاق ایصال خیر میں سے عدل ہے اور تیسرا احسان اور چوتھا ایتاء ذی القربیٰ۔ جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے۔

﴿۳۱﴾

اِنَّ اللّٰهَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ وَاِیۡتَآیِٔ ذِی الۡقُرۡبٰی وَیَنۡهٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡكَرِ وَالۡبَغۡیِ [1]

یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ نیکی کے مقابل پر نیکی کرو۔ اور اگر عدل سے بڑھ کر احسان کا موقعہ اور محل ہو تو وہاں احسان کرو اور اگر احسان سے بڑھ کر قریبیوں کی طرح طبعی جوش سے نیکی کرنے کا محل ہو تو وہاں طبعی ہمدردی سے نیکی کرو۔ اور اس سے خدا تعالیٰ منع فرماتا ہے کہ تم حدود اعتدال سے آگے گزر جاؤ یا احسان کے بارے میں منکرانہ حالت تم سے صادر ہو جس سے عقل انکار کرے یعنی یہ کہ تم بے محل احسان کرو یا برمحل احسان کرنے سے دریغ کرو۔ یا یہ کہ تم محل پر ایتاء ذی القربیٰ کے خلق میں کچھ کمی اختیار کرو یا حد سے زیادہ رحم کی بارش کرو۔ اس آیت کریمہ میں ایصال خیر کے تین درجوں کا بیان ہے۔

اوّل یہ درجہ کہ نیکی کے مقابل پر نیکی کی جائے۔ یہ تو کم درجہ ہے اور ادنیٰ درجہ کا بھلا مانس آدمی بھی یہ خلق حاصل کر سکتا ہے کہ اپنے نیکی کرنے والوں کے ساتھ نیکی کرتا رہے۔

دوسرا درجہ اس سے مشکل ہے اور وہ یہ کہ ابتداءً آپ ہی نیکی کرنا اور بغیر کسی کے حق کے احسان کے طور پر اس کو فائدہ پہنچانا اور یہ خلق اوسط درجہ کا ہے۔ اکثر لوگ غریبوں پر احسان کرتے ہیں اور احسان میں یہ ایک مخفی عیب ہے کہ احسان کرنے والا خیال کرتا ہے کہ میں نے احسان کیا ہے اور کم سے کم وہ اپنے احسان کے عوض میں شکریہ یا دعا چاہتا ہے اور اگر کوئی ممنون منت اس کا مخالف ہو جائے تو اس کا نام احسان فراموش رکھتا ہے۔ بعض وقت اپنے احسان کی وجہ سے اس پر فوق الطاقت بوجھ ڈال دیتا ہے اور اپنا احسان اس کو یاد دلاتا ہے جیسا کہ احسان کرنے والوں کو خدا تعالیٰ متنبہ کرنے کے لئے فرماتا ہے۔

لَا تُبۡطِلُوۡا صَدَقٰتِكُمۡ بِالۡمَنِّ وَالۡاَذٰی [2]

[1] النحل: ۹۱ [2] البقرۃ: ۲۶۵

یعنی اے احسان کرنے والو! اپنے صدقات کو جن کی صدق پر بنا چاہیئے۔ احسان یاد دلانے اور دکھ دینے کے ساتھ برباد مت کرو۔ یعنی صدقہ کا لفظ صدق سے مشتق ہے۔ پس اگر دل میں صدق اور اخلاص نہ رہے تو وہ صدقہ صدقہ نہیں رہتا۔ بلکہ ایک ریاکاری کی حرکت ہو جاتی ہے۔ غرض احسان کرنے والے میں یہ ایک خامی ہوتی ہے کہ کبھی غصہ میں آ کر اپنا احسان بھی یاد دلا دیتا ہے اسی وجہ سے خداتعالیٰ نے احسان کرنے والوں کو ڈرایا۔

تیسرا درجہ ایصال خیر کا خداتعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ بالکل احسان کا خیال نہ ہو اور نہ شکر گذاری پر نظر ہو بلکہ ایک ایسی ہمدردی کے جوش سے نیکی صادر ہو جیسا کہ ایک نہایت قریبی مثلاً والدہ محض ہمدردی کے جوش سے اپنے بیٹے سے نیکی کرتی ہے۔ یہ وہ آخری درجہ ایصال خیر کا ہے جس سے آگے ترقی کرنا ممکن نہیں۔ لیکن خداتعالیٰ نے ان تمام ایصال خیر کی قسموں کو محل اور موقعہ سے وابستہ کر دیا ہے اور آیت موصوفہ میں صاف فرما دیا ہے کہ اگر یہ نیکیاں اپنے اپنے محل پر ﴿۳۲﴾ مستعمل نہیں ہوں گی تو پھر یہ بدیاں ہو جائیں گی۔ بجائے عدل فحشاء بن جائے گا۔ یعنی حد سے اتنا تجاوز کرنا کہ ناپاک صورت ہو جائے۔ اور ایسا ہی بجائے احسان کے منکر کی صورت نکل آئے گی یعنی وہ صورت جس سے عقل اور کانشنس انکار کرتا ہے اور بجائے **ایتاء ذی القربیٰ** کے **بغی** بن جائے گا۔ یعنی وہ بے محل ہمدردی کا جوش ایک بری صورت پیدا کرے گا۔ اصل میں **بغی** اس بارش کو کہتے ہیں جو حد سے زیادہ برس جائے اور کھیتوں کو تباہ کر دے اور حق واجب میں کمی رکھنے کو **بغی** کہتے ہیں۔ اور یا حق واجب سے افزونی کرنا بھی **بغی**۔ ہے غرض ان تینوں میں سے جو محل پر صادر نہیں ہوگا وہی خراب سیرت ہو جائے گی۔ اسی لئے ان تینوں کے ساتھ موقع اور محل کی شرط لگا دی ہے۔ اس جگہ یاد رہے کہ مجرد عدل یا احسان یا ہمدردئ ذی القربیٰ کو خلق نہیں کہہ سکتے بلکہ انسان میں یہ سب طبعی حالتیں اور طبعی قوتیں ہیں کہ جو بچوں میں بھی وجود عقل سے پہلے پائی جاتی ہیں۔ مگر خلق کے لئے عقل شرط ہے اور نیز یہ شرط ہے کہ ہر ایک طبعی قوت محل اور موقعہ پر استعمال ہو۔

اور پھر احسان کے بارے میں اور بھی ضروری ہدایتیں قرآن شریف میں ہیں اور سب

الف لام کے ساتھ جو خاص کرنے کے لئے آتا ہے استعمال فرما کر موقع اور محل کی رعایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ .... وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ [1] لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى لا كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ [2] وَ اَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ [3] اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا [4] وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا [5] وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ لا وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ [6] اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا [7] وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ [8] وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ [9] اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ [10] وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً [11] اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ [12] لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ [13] وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى

[1] البقرة: ۲۶۸ [2] البقرة: ۲۶۵ [3] البقرة: ۱۹۶ [4] الدھر: ۶، ۷ [5] الدھر: ۹، ۱۰ [6] البقرة: ۱۷۸ [7] الفرقان: ۶۸ [8] الرعد: ۲۲ [9] الذّٰریٰت: ۲۰ [10] اٰل عمران: ۱۳۵ [11] الرعد: ۲۳ [12] التوبة: ۶۰ [13] اٰل عمران: ۹۳

﴿۳۳﴾ حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا[1] وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۔ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ[2]

ترجمہ یہ ہے کہ اے ایمان والو! تم ان مالوں میں سے لوگوں کو بطریق سخاوت یا احسان یا صدقہ وغیرہ دو جو تمہاری پاک کمائی ہے۔ یعنی جس میں چوری یا رشوت یا خیانت یا غبن کا مال یا ظلم کے روپیہ کی آمیزش نہیں۔ اور یہ قصد تمہارے دل سے دور رہے کہ ناپاک مال لوگوں کو دو اور دوسری یہ بات ہے کہ اپنی خیرات اور مروت کو احسان رکھنے اور دکھ دینے کے ساتھ باطل مت کرو یعنی اپنے ممنون منت کو کبھی یہ نہ جتلاؤ کہ ہم نے تجھے یہ دیا تھا اور نہ اس کو دکھ دو کیونکہ اس طرح تمہارا احسان باطل ہوگا اور نہ ایسا طریق پکڑو کہ تم اپنے مالوں کو ریاکاری کے ساتھ خرچ کرو۔ خدا کی مخلوق سے احسان کرو کہ خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ جو لوگ حقیقی نیکی کرنے والے ہیں ان کو وہ جام پلائے جائیں گے جن کی ملونی کافور کی ہوگی یعنی دنیا کی سوزشیں اور حسرتیں اور ناپاک خواہشیں ان کے دل سے دور کر دی جائیں گی۔ کافور کَفَرَ سے مشتق ہے اور کـفـر لغت عرب میں دبانے اور ڈھانکنے کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ان کے جذبات ناجائز دبائے جائیں گے اور وہ پاک باطن ہو جائیں گے اور معرفت کی خنکی ان کو پہنچے گی۔

پھر فرماتا ہے کہ وہ لوگ قیامت کو اس چشمہ کا پانی پئیں گے جس کو وہ آج اپنے ہاتھ سے چیر رہے ہیں۔ اس جگہ بہشت کی فلاسفی کا ایک گہرا راز بتلایا ہے جس کو سمجھنا ہو سمجھ لے۔

[1] بنی اسرائیل : ۲۷ [2] النساء : ۳۷، ۳۸

اور پھر فرمایا ہے کہ حقیقی نیکی کرنے والوں کی یہ خصلت ہے کہ وہ محض خدا کی محبت کے لئے وہ کھانے جو آپ پسند کرتے ہیں مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تم پر کوئی احسان نہیں کرتے بلکہ یہ کام صرف اس بات کے لئے کرتے ہیں کہ خدا ہم سے راضی ہو اور اس کے منہ کے لئے یہ خدمت ہے۔ ہم تم سے نہ تو کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ یہ چاہتے ہیں کہ تم ہمارا شکر کرتے پھرو۔ یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ایصال خیر کی تیسری قسم جو محض ہمدردی کے جوش سے ہے وہ طریق بجالاتے ہیں۔ سچے نیکوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ خدا کی رضا جوئی کے لئے اپنے قریبیوں کو اپنے مال سے مدد کرتے ہیں اور نیز اس مال میں سے یتیموں کے **تعہّد** اور ان کی پرورش اور تعلیم وغیرہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں اور مسکینوں کو فقر و فاقہ سے بچاتے ہیں اور مسافروں اور سوالیوں کی خدمت کرتے ہیں اور ان مالوں کو غلاموں کے آزاد کرانے کے لئے اور قرض داروں کو سبکدوش کرنے کے لئے بھی دیتے ہیں اور اپنے خرچوں میں نہ تو اسراف کرتے ہیں نہ تنگ دلی کی عادت رکھتے ہیں اور میانہ روش چلتے ہیں۔ پیوند کرنے کی جگہ پیوند کرتے ہیں اور خدا سے ڈرتے ہیں اور ان کے مالوں میں سوالیوں اور بے زبانوں کا حق بھی ہے۔ بے زبانوں سے مراد کتے، بلیاں، چڑیاں، بیل، گدھے، بکریاں اور دوسری چیزیں ہیں۔ وہ تکلیفوں اور کم آمدنی کی حالت میں اور قحط کے دنوں میں سخاوت سے دل تنگ نہیں ہو جاتے بلکہ تنگی کی حالت میں بھی اپنے مقدور کے موافق سخاوت کرتے رہتے ہیں۔ وہ کبھی پوشیدہ خیرات کرتے ہیں اور کبھی ظاہر۔ پوشیدہ اس لئے کہ تا ریاکاری سے بچیں اور ظاہر اس لئے کہ تا دوسروں کو ترغیب دیں۔ خیرات اور صدقات وغیرہ پر جو مال دیا جائے اس میں یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ پہلے جس قدر محتاج ہیں ان کو دیا جائے۔ ہاں جو خیرات کے مال کا تعہد کریں یا اس کے لئے انتظام و اہتمام کریں ان کو خیرات کے مال سے کچھ مال مل سکتا ہے اور نیز کسی کو بدی سے بچانے کے لئے بھی اس مال میں سے دے سکتے ہیں۔

﴿۴۴﴾

ایسا ہی وہ مال غلاموں کے آزاد کرنے کے لئے اور محتاج اور قرض داروں اور آفت زدہ لوگوں کی مدد کے لئے بھی اور دوسری راہوں میں جو محض خدا کے لئے ہوں وہ مال خرچ ہوگا۔تم حقیقی نیکی کو ہرگز نہیں پا سکتے جب تک کہ بنی نوع کی ہمدردی میں وہ مال خرچ نہ کرو جو تمہارا پیارا مال ہے۔ غریبوں کا حق ادا کرو۔مسکینوں کو دو۔مسافروں کی خدمت کرو۔اور فضولیوں سے اپنے تئیں بچاؤ یعنی بیاہوں شادیوں میں اور طرح طرح کی عیاشی کی جگہوں میں اور لڑکا پیدا ہونے کی رسوم میں جو اسراف سے مال خرچ کیا جاتا ہے اس سے اپنے تئیں بچاؤ۔تم ماں باپ سے نیکی کرو۔اور قریبیوں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور ہمسایہ سے جو تمہارا قریبی ہے اور ہمسایہ سے جو بیگانہ ہے اور مسافر سے اور نوکر اور غلام اور گھوڑے اور بکری اور بیل اور گائے سے اور حیوانات سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں کیونکہ خدا کو جو تمہارا خدا ہے یہی عادتیں پسند ہیں۔وہ لاپرواہوں اور خود غرضوں سے محبت نہیں کرتا اور ایسے لوگوں کو نہیں چاہتا جو بخیل ہیں اور لوگوں کو بخل کی تعلیم دیتے ہیں اور اپنے مال کو چھپاتے ہیں یعنی محتاجوں کو کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کچھ نہیں۔

حقیقی شجاعت

اور منجملہ انسان کی طبعی حالتوں کے وہ حالت ہے جو شجاعت سے مشابہ ہوتی ہے۔جیسا کہ شیرخوار بچہ بھی اسی قوت کی وجہ سے کبھی آگ میں ہاتھ ڈالنے لگتا ہے۔کیونکہ انسان کا بچہ بباعث فطرتی جوہر غلبہ انسانیت کے ڈرانے والے نمونوں سے پہلے کسی چیز سے بھی نہیں ڈرتا۔ اس حالت میں انسان نہایت بے باکی سے شیروں اور دوسرے جنگلی درندوں کا بھی مقابلہ کرتا ہے اور تن تنہا مقابلہ کے لئے کئی آدمیوں سے لڑنے کے لئے نکلتا ہے۔اور لوگ جانتے ہیں کہ بڑا بہادر ہے لیکن یہ صرف ایک طبعی حالت ہے کہ جس طرح اور درندوں میں پیدا ہوتی ہے بلکہ کتوں میں بھی پائی جاتی ہے ایسا ہی انسانوں میں پائی جاتی ہے[1] اور حقیقی شجاعت جو محل اور موقع کے ساتھ خاص ہے اور جو اخلاق فاضلہ میں سے ایک خُلق ہے وہ ان محل اور موقع کے امور کا نام ہے جن کا ذکر خدا تعالیٰ کے پاک کلام میں اس طرح پر آیا ہے:

[1] ’’جس طرح‘‘ یہ الفاظ اصل مسودہ اور رپورٹ میں اور خط کشیدہ فقرہ صرف اصل مسودہ میں ہے۔ناشر

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۱؎ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ ۲؎ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۳؎ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ ۴؎

یعنی بہادر وہ ہیں کہ جب لڑائی کا موقعہ آ پڑے یا ان پر کوئی مصیبت آ پڑے تو بھاگتے نہیں۔ ان کا صبر لڑائی اور سختیوں کے وقت میں خدا کی رضامندی کے لئے ہوتا ہے اور اس کے چہرہ کے طالب ہوتے ہیں نہ کہ بہادری دکھلانے کے۔ ان کو ڈرایا جاتا ہے کہ لوگ تمہیں سزا دینے کے لئے اتفاق کر گئے ہیں۔ سو تم لوگوں سے ڈرو۔ پس ڈرانے سے اور بھی ان کا ایمان بڑھتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ خدا ہمیں کافی ہے یعنی ان کی شجاعت کتوں اور درندوں کی طرح نہیں ہوتی جو صرف طبعی جوش پر مبنی ہو جس کا ایک ہی پہلو پر مَیل ہو بلکہ ان کی شجاعت دو پہلو رکھتی ہے کبھی تو وہ اپنی ذاتی شجاعت سے اپنے نفس کے جذبات کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس پر غالب آتے ہیں اور کبھی جب دیکھتے ہیں کہ دشمن کا مقابلہ قرین مصلحت ہے تو نہ صرف جوش نفس سے بلکہ سچائی کی مدد کے لئے دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں مگر نہ اپنے نفس کا بھروسہ کر کے بلکہ خدا پر بھروسہ کر کے بہادری دکھاتے ہیں اور ان کی شجاعت میں ریاء کاری اور خود بینی نہیں ہوتی اور نہ نفس کی پیروی بلکہ ہر ایک پہلو سے خدا کی رضا مقدم ہوتی ہے۔ ﴿۳۵﴾

ان آیات میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ حقیقی شجاعت کی جڑھ صبر اور ثابت قدمی ہے اور ہر ایک جذبہ نفسانی یا بلا جو دشمنوں کی طرح حملہ کرے اس کے مقابلہ پر ثابت قدم رہنا اور بزدل ہو کر بھاگ نہ جانا یہی شجاعت ہے۔ سو انسان اور درندہ کی شجاعت میں بڑا فرق ہے۔ درندہ ایک ہی پہلو پر جوش اور غضب سے کام لیتا ہے اور انسان جو حقیقی شجاعت رکھتا ہے وہ مقابلہ

۱؎ البقرۃ: ۱۷۸ ۲؎ الرعد: ۲۳ ۳؎ ال عمران: ۱۷۴ ۴؎ الانفال: ۴۸

اور ترک مقابلہ میں جو کچھ قرین مصلحت ہو وہ اختیار کر لیتا ہے۔

سچائی

اور منجملہ انسان کی طبعی حالتوں کے جو اس کی فطرت کا خاصہ ہے۔ سچائی ہے۔ انسان جب تک کوئی غرض نفسانی اس کی محرک نہ ہو جھوٹ بولنا نہیں چاہتا اور جھوٹ کے اختیار کرنے میں ایک طرح کی نفرت اور قبض اپنے دل میں پاتا ہے۔ اسی وجہ سے جس شخص کا صریح جھوٹ ثابت ہو جائے اس سے ناخوش ہوتا ہے اور اس کو تحقیر کی نظر سے دیکھتا ہے۔ لیکن صرف یہی طبعی حالت اخلاق میں داخل نہیں ہو سکتی بلکہ بچے اور دیوانے بھی اس کے پابند رہ سکتے ہیں۔ سو اصل حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان ان نفسانی اغراض سے علیحدہ نہ ہو جو راست گوئی سے روک دیتے ہیں تب تک حقیقی طور پر راست گو نہیں ٹھہر سکتا۔ کیونکہ اگر انسان صرف ایسی باتوں میں سچ بولے جن میں اس کا چنداں حرج نہیں اور اپنی عزت یا مال یا جان کے نقصان کے وقت جھوٹ بول جائے اور سچ بولنے سے خاموش رہے تو اس کو دیوانوں اور بچوں پر کیا فوقیت ہے۔ کیا پاگل اور نابالغ لڑکے بھی ایسا سچ نہیں بولتے؟ دنیا میں ایسا کوئی بھی نہیں ہوگا کہ جو بغیر کسی تحریک کے خواہ نخواہ جھوٹ بولے۔ پس ایسا سچ جو کسی نقصان کے وقت چھوڑا جائے حقیقی اخلاق میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔ سچ کے بولنے کا بڑا بھاری محل اور موقع وہی ہے جس میں اپنی جان یا مال یا آبرو کا اندیشہ ہو۔ اس میں خدا کی یہ تعلیم ہے۔

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ [۱] وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا [۲] وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ [۳] وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى [۴] كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ [۵] وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ

[۱] الحج: ۳۱ [۲] البقرۃ: ۲۸۳ [۳] البقرۃ: ۲۸۴ [۴] الانعام: ۱۵۳ [۵] النساء: ۱۳۶

عَلٰۤى اَلَّا تَعۡدِلُوۡا [1] وَالصّٰدِقِيۡنَ وَ الصّٰدِقٰتِ [2] وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ [3] لَا يَشۡهَدُوۡنَ الزُّوۡرَ [4]

﴿۳۶﴾

ترجمہ۔ بتوں کی پرستش اور جھوٹ بولنے سے پرہیز کرو یعنی جھوٹ بھی ایک بت ہے جس پر بھروسہ کرنے والا خدا کا بھروسہ چھوڑ دیتا ہے۔ سو جھوٹ بولنے سے خدا بھی ہاتھ سے جاتا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ جب تم سچی گواہی کے لئے بلائے جاؤ تو جانے سے انکار مت کرو۔ اور سچی گواہی کو مت چھپاؤ اور جو چھپائے گا اُس کا دل گنہگار ہے۔ اور جب تم بولو تو وہی بات منہ پر لاؤ جو سراسر سچ اور عدالت کی بات ہے۔ اگرچہ تم اپنے کسی قریبی پر گواہی دو۔ حق اور انصاف پر قائم ہو جاؤ۔ اور چاہئے کہ ہر ایک گواہی تمہاری خدا کے لئے ہو۔ جھوٹ مت بولو اگرچہ سچ بولنے سے تمہاری جانوں کو نقصان پہنچے یا اس سے تمہارے ماں باپ کو ضرر پہنچے یا اور قریبیوں کو جیسے بیٹے وغیرہ کو۔ اور چاہئے کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں سچی گواہی سے نہ روکے۔ سچے مرد اور سچی عورتیں بڑے بڑے اجر پائیں گے۔ ان کی عادت ہے کہ اوروں کو بھی سچ کی نصیحت دیتے ہیں۔ اور جھوٹوں کی مجلسوں میں نہیں بیٹھتے۔

صبر

منجملہ انسان کے طبعی امور کے ایک صبر ہے جو اس کو ان مصیبتوں اور بیماریوں اور دکھوں پر کرنا پڑتا ہے جو اس پر ہمیشہ پڑتے رہتے ہیں اور انسان بہت سے سیاپے اور جزع فزع کے بعد صبر اختیار کرتا ہے۔ لیکن جاننا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی پاک کتاب کے رُو سے وہ صبر اخلاق میں داخل نہیں ہے بلکہ وہ ایک حالت ہے جو تھک جانے کے بعد ضرورتاً ظاہر ہو جاتی ہے یعنی انسان کی طبعی حالتوں میں سے یہ بھی ایک حالت ہے کہ وہ مصیبت کے ظاہر ہونے کے وقت پہلے روتا چیختا سر پیٹتا ہے۔ آخر بہت سا بخار نکال کر جوش تھم جاتا ہے اور انتہا تک پہنچ کر پیچھے ہٹنا پڑتا ہے۔ پس یہ دونوں حرکتیں طبعی حالتیں ہیں ان کو خلق سے کچھ تعلق نہیں۔ بلکہ اس کے

[1] المائدۃ: ۹ [2] الاحزاب: ۳۶ [3] العصر: ۴ [4] الفرقان: ۷۳

متعلق خلق یہ ہے کہ جب کوئی چیز اپنے ہاتھ سے جاتی رہے تو اس چیز کو خدا تعالیٰ کی امانت سمجھ کر کوئی شکایت منہ پر نہ لاوے۔ اور یہ کہے کہ خدا کا تھا خدا نے لے لیا اور ہم اُس کی رضا کے ساتھ راضی ہیں۔ اس خلق کے متعلق خدا تعالیٰ کا پاک کلام قرآن شریف ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۔ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۔ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۔[1]

یعنی اے مومنو! ہم تمہیں اس طرح پر آزماتے رہیں گے کہ کبھی کوئی خوفناک حالت تم پر طاری ہوگی اور کبھی فقر و فاقہ تمہارے شامل حال ہوگا اور کبھی تمہارا مالی نقصان ہوگا اور کبھی جانوں پر آفت آئے گی اور کبھی اپنی محنتوں میں ناکام رہو گے اور حسب المراد نتیجے کوششوں کے نہیں نکلیں گے اور کبھی تمہاری پیاری اولاد مرے گی۔ پس ان لوگوں کو خوشخبری ہو کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کی چیزیں اور اس کی امانتیں اور اس کے مملوک ہیں۔ پس حق یہی ہے کہ جس کی امانت ہے اس کی طرف رجوع کرے۔ یہی لوگ ہیں جن پر خدا کی رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہیں جو خدا کی راہ کو پا گئے۔

غرض اس خلق کا نام صبر اور رضا بر رضائے الٰہی ہے۔ اور ایک طور سے اس خلق کا نام عدل بھی ہے کیونکہ جبکہ خدا تعالیٰ انسان کی تمام زندگی میں اس کی مرضی کے موافق کام کرتا ہے اور نیز ہزار ہا باتیں اس کی مرضی کے موافق ظہور میں لاتا ہے اور انسان کی خواہش کے مطابق اس قدر نعمتیں اس کو دے رکھی ہیں کہ انسان شمار نہیں کر سکتا تو پھر یہ شرط انصاف نہیں کہ اگر وہ کبھی اپنی مرضی بھی منوانا چاہے۔ تو انسان منحرف ہو۔ اور اس کی رضا کے ساتھ راضی نہ ہو۔ اور چون و چرا کرے یا بے دین اور بے راہ ہو جائے۔ ﴿۳۷﴾

[1] البقرة : ۱۵۶ تا ۱۵۸

ہمدردیٔ خلق

اور منجملہ انسان کے طبعی امور کے جو اس کی طبیعت کے لازم حال ہیں۔ ہمدردی خلق کا ایک جوش ہے۔ قومی حمایت کا جوش بالطبع ہر ایک مذہب کے لوگوں میں پایا جاتا ہے اور اکثر لوگ طبعی جوش سے اپنی قوم کی ہمدردی کے لئے دوسروں پر ظلم کر دیتے ہیں۔ گویا انہیں انسان نہیں سمجھتے۔ سو اس حالت کو خلق نہیں کہہ سکتے۔ یہ فقط ایک طبعی جوش ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ حالت طبعی کوّوں وغیرہ پرندوں میں بھی پائی جاتی ہے کہ ایک کوّے کے مرنے پر ہزارہا کوّے جمع ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ عادت انسانی اخلاق میں اُس وقت داخل ہوگی جب کہ یہ ہمدردی انصاف اور عدل کی رعایت سے محل اور موقع پر ہو۔ اُس وقت یہ ایک عظیم الشان خلق ہوگا جس کا نام عربی میں **مواسات** اور فارسی میں **ہمدردی** ہے۔ اسی کی طرف اللہ جلّ شانہٗ قرآن شریف میں اشارہ فرماتا ہے۔

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ [1] وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ [2] وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا [3] وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا [4]

یعنی اپنی قوم کی ہمدردی اور اعانت فقط نیکی کے کاموں میں کرنی چاہئے اور ظلم اور زیادتی کے کاموں میں ان کی اعانت ہرگز نہیں کرنی چاہئے۔ اور قوم کی ہمدردی میں سرگرم رہو۔ تھکو مت اور خیانت کرنے والوں کی طرف سے مت جھگڑو جو خیانت کرنے سے باز نہیں آتے۔ خدا تعالیٰ خیانت پیشہ لوگوں کو دوست نہیں رکھتا۔

ایک برتر ہستی کی تلاش

منجملہ انسان کی طبعی حالتوں کے جو اس کی فطرت کو لازم پڑی ہوئی ہیں ایک برتر

[1] المائدۃ : ۳ [2] النساء: ۱۰۵ [3] النساء : ۱۰۶ [4] النساء : ۱۰۸

ہستی کی تلاش ہے جس کے لئے اندر ہی اندر انسان کے دل میں ایک کشش موجود ہے۔ اور اس تلاش کا اثر اسی وقت سے محسوس[1] ہونے لگتا ہے جبکہ بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے کیونکہ بچہ پیدا ہوتے ہی پہلے روحانی خاصیت اپنی جو دکھاتا ہے وہ یہی ہے کہ ماں کی طرف جھکا جاتا ہے اور طبعاً اپنی ماں کی محبت رکھتا ہے۔ اور پھر جیسے جیسے حواس اس کے کھلتے جاتے ہیں اور شگوفہ فطرت اس کا کھلتا جاتا ہے یہ کشش محبت جو اس کے اندر چھپی ہوئی تھی اپنا رنگ روپ نمایاں طور پر دکھاتی چلی جاتی ہے۔ پھر تو یہ ہوتا ہے کہ بجز اپنی ماں کی گود کے کسی جگہ آرام نہیں پاتا۔ اور پورا آرام اس کا اسی کے کنار عاطفت میں ہوتا ہے اور اگر ماں سے علیحدہ کر دیا جائے اور دور ڈال دیا جاوے تو تمام عیش اس کا تلخ ہو جاتا ہے اور اگرچہ اس کے آگے نعمتوں کا ایک ڈھیر ڈال دیا جاوے تب بھی وہ اپنی سچی خوشحالی ماں کی گود میں ہی دیکھتا ہے اور اس کے بغیر کسی طرح آرام نہیں پاتا۔ سو وہ کشش محبت جو اس کو اپنی ماں کی طرف پیدا ہوتی ہے۔ وہ کیا چیز ہے؟

درحقیقت یہ وہی کشش ہے جو معبود حقیقی کے لئے بچہ کی فطرت میں رکھی گئی ہے بلکہ ہر ایک جگہ جو انسان تعلق محبت پیدا کرتا ہے درحقیقت وہی کشش کام کر رہی ہے اور ہر ایک جگہ جو یہ عاشقانہ جوش دکھلاتا ہے درحقیقت اسی محبت کا وہ ایک عکس ہے گویا دوسری چیزوں کو اُٹھا اُٹھا کر ایک گم شدہ چیز کی تلاش کر رہا ہے جس کا اب نام بھول گیا ہے۔ سو انسان کا مال یا اولاد یا بیوی سے محبت کرنا یا کسی خوش آواز کے گیت کی طرف اس کی روح کا کھینچے جانا درحقیقت اُسی گمشدہ محبوب کی تلاش ہے اور چونکہ انسان اس دقیق در دقیق ہستی کو جو آگ کی طرح ہر ایک میں مخفی اور سب پر پوشیدہ ہے اپنی جسمانی آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا اور نہ اپنی ناتمام عقل سے اس کو پا سکتا ہے۔ اس لئے اس کی معرفت کے بارے میں انسان کو بڑی بڑی غلطیاں لگی ہیں۔ اور سہو کاریوں سے اس کا حق دوسرے کو دیا گیا ہے۔ خدا نے قرآن شریف میں یہ خوب مثال دی ہے کہ دنیا ایک ایسے شیش محل کی طرح ہے جس کی زمین کا فرش نہایت مصفّٰی شیشوں سے کیا گیا

﴿۳۸﴾

[1] پہلے ایڈیشن میں یہ لفظ موجود نہیں لیکن اصل مسودہ اور رپورٹ جلسہ میں موجود ہے (ناشر)

ہے اور پھر ان شیشوں کے نیچے پانی چھوڑا گیا جو نہایت تیزی سے چل رہا ہے۔ اب ہر ایک نظر جو شیشوں پر پڑتی ہے وہ اپنی غلطی سے ان شیشوں کو بھی پانی سمجھ لیتی ہے اور پھر انسان ان شیشوں پر چلنے سے ایسا ڈرتا ہے جیسا کہ پانی سے ڈرنا چاہئے۔ حالانکہ وہ درحقیقت شیشے ہیں مگر صاف شفاف۔ سو یہ بڑے بڑے اجرام جو نظر آتے ہیں جیسے آفتاب و ماہتاب وغیرہ۔ یہ وہی صاف شیشے ہیں جن کی غلطی سے پرستش کی گئی اور ان کے نیچے ایک اعلیٰ طاقت کام کر رہی ہے جو اُن شیشوں کے پردہ میں پانی کی طرح بڑی تیزی سے چل رہی ہے اور مخلوق پرستوں کی نظر کی یہ غلطی ہے کہ انہیں شیشوں کی طرف اس کام کو منسوب کر رہے ہیں جو ان کے نیچے کی طاقت دکھلا رہی ہے۔ یہی تفسیر اس آیت کریمہ کی ہے۔

اِنَّهٗ صَرۡحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنۡ قَوَارِيۡرَ [1]

غرض چونکہ خدا تعالیٰ کی ذات باوجود نہایت روشن ہونے کے پھر بھی نہایت مخفی ہوتی ہے۔ اس لئے اس کی شناخت کے لئے صرف یہ نظام جسمانی جو ہماری نظروں کے سامنے ہے کافی نہ تھا اور یہی وجہ ہے کہ ایسے نظام پر مدار رکھنے والے باوجودیکہ اس ترتیب ابلغ اور محکم کو جو صدہا عجائبات پر مشتمل ہے نہایت غور کی نظر سے دیکھتے رہے بلکہ ہیئت اور طبعی اور فلسفہ میں وہ مہارتیں پیدا کیں کہ گویا زمین و آسمان کے اندر دھنس گئے مگر پھر بھی شکوک و شبہات کی تاریکی سے نجات نہ پا سکے اور اکثر ان کے طرح طرح کی خطاؤں میں مبتلا ہو گئے اور بیہودہ اوہام میں پڑ کر کہیں کے کہیں چلے گئے اور اگر ان کو اس صانع کے وجود کی طرف کچھ خیال بھی آیا تو بس اسی قدر کہ اس اعلیٰ اور عمدہ نظام کو دیکھ کر یہ ان کے دل میں پڑا کہ اس عظیم الشان سلسلہ کا جو پُرحکمت نظام اپنے ساتھ رکھتا ہے کوئی پیدا کرنے والا ضرور چاہئے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ خیال ناتمام اور یہ معرفت ناقص ہے۔ کیونکہ یہ کہنا کہ اس سلسلہ کے لئے ایک خدا کی ضرورت ہے اس دوسرے کلام سے ہرگز مساوی نہیں کہ وہ خدا درحقیقت ہے بھی۔ غرض یہ ان کی صرف قیاسی معرفت تھی جو دل کو اطمینان اور سکینت نہیں بخش سکتی اور نہ شکوک

[1] النمل : ۴۵

کو بکلی دل پر سے اٹھا سکتی ہے اور نہ یہ ایسا پیالہ ہے جس سے وہ پیاس معرفتِ تامّہ کی بجھ سکے جو انسان کی فطرت کو لگائی گئی ہے بلکہ ایسی معرفت ناقصہ نہایت پُرخطر ہوتی ہے۔ کیونکہ بہت شور ڈالنے کے بعد پھر آخر ہیچ اور نتیجہ ندارد ہے۔ ﴿۳۹﴾

غرض جب تک خود خدائے تعالیٰ اپنے موجود ہونے کو اپنے کلام سے ظاہر نہ کرے جیسا کہ اس نے اپنے کام سے ظاہر کیا تب تک صرف کام کا ملاحظہ تسلّی بخش نہیں ہے۔ مثلاً اگر ہم ایک ایسی کوٹھڑی کو دیکھیں جس میں یہ بات عجیب ہو کہ اندر سے کنڈیاں لگائی گئی ہیں تو اس فعل سے ہم ضرور اول یہ خیال کریں گے کہ کوئی انسان اندر ہے جس نے اندر سے زنجیر کو لگایا ہے کیونکہ باہر سے اندر کی زنجیروں کو لگانا غیر ممکن ہے۔ لیکن جب ایک مدت تک بلکہ برسوں تک باوجود بار بار آواز دینے کے اس انسان کی طرف سے کوئی آواز نہ آوے تو آخر یہ رائے ہماری کہ کوئی اندر ہے بدل جائے گی۔ اور یہ خیال کریں گے کہ اندر کوئی نہیں بلکہ کسی حکمت عملی سے اندر کی کنڈیاں لگائی گئی ہیں۔ یہی حال ان فلاسفروں کا ہے جنہوں نے صرف فعل کے مشاہدہ پر اپنی معرفت کو ختم کر دیا ہے۔ یہ بڑی غلطی ہے جو خدا کو ایک مردہ کی طرح سمجھا جائے جس کو قبر سے نکالنا صرف انسان کا کام ہے۔ اگر خدا ایسا ہے جو صرف انسانی کوشش نے اس کا پتہ لگایا ہے تو ایسے خدا کی نسبت ہماری سب امیدیں عبث ہیں۔ بلکہ خدا تو وہی ہے جو ہمیشہ سے اور قدیم سے آپ **انا الموجود** کہہ کر لوگوں کو اپنی طرف بلاتا رہا ہے۔ یہ بڑی گستاخی ہوگی کہ ہم ایسا خیال کریں کہ اس کی معرفت میں انسان کا احسان اس پر ہے اور اگر فلاسفر نہ ہوتے تو گویا وہ گم کا گم ہی رہتا اور یہ کہنا کہ خدا کیونکر بول سکتا ہے کیا اُس کی زبان ہے؟ یہ بھی ایک بڑی بے باکی ہے۔ کیا اس نے جسمانی ہاتھوں کے بغیر تمام آسمانی اجرام اور زمین کو نہیں بنایا۔ کیا وہ جسمانی آنکھوں کے بغیر تمام دنیا کو نہیں دیکھتا۔ کیا وہ جسمانی کانوں کے بغیر ہماری آوازیں نہیں سنتا۔ پس کیا یہ ضروری نہ تھا کہ اسی طرح وہ کلام بھی کرے۔ یہ بات بھی ہرگز صحیح نہیں ہے کہ خدا کا کلام کرنا آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گیا ہے۔ ہم اس کے کلام اور مخاطبات پر کسی زمانہ تک مہر نہیں لگاتے۔ بیشک وہ اب بھی ڈھونڈنے والوں کو الہامی

چشمہ سے مالا مال کرنے کو تیار ہے جیسا کہ پہلے تھا اور اب بھی اس کے فیضان کے ایسے دروازے کھلے ہیں جیسے کہ پہلے تھے۔ ہاں ضرورتوں کے ختم ہونے پر شریعتیں اور حدود ختم ہو گئے اور تمام رسالتیں اور نبوتیں اپنے آخری نقطہ پر آ کر جو ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود تھا۔ کمال کو پہنچ گئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عرب سے ظاہر ہونے میں حکمت

اس آخری نور کا عرب سے ظاہر ہونا بھی خالی حکمت سے نہ تھا۔ عرب وہ بنی اسماعیل کی قوم تھی جو اسرائیل سے منقطع ہو کر حکمت الٰہی سے بیابانِ فاران میں ڈال دی گئی تھی اور فاران کے معنی ہیں دو فرار کرنے والے یعنی بھاگنے والے۔ پس جن کو خود حضرت ابراہیمؑ نے بنی اسرائیل سے علیحدہ کر دیا تھا اُن کا توریت کی شریعت میں کچھ حصہ نہیں رہا تھا۔ جیسا کہ لکھا ہے کہ وہ اسحاقؑ کے ساتھ حصہ نہیں پائیں گے۔ پس تعلق والوں نے انہیں چھوڑ دیا اور کسی دوسرے سے ان کا تعلق اور رشتہ نہ تھا۔ اور دوسرے تمام ملکوں میں کچھ کچھ رسوم عبادات اور احکام کی پائی جاتی تھیں جن سے پتہ لگتا ہے کہ کسی وقت ان کو نبیوں کی تعلیم پہنچی تھی۔ مگر صرف عرب کا ملک ہی ایک ایسا ملک تھا جو ان تعلیموں سے محض ناواقف تھا اور تمام جہان سے پیچھے رہا ہوا تھا۔ اس لئے آخر میں اُس کی نوبت آئی اور اس کی نبوت عام ٹھہری تا تمام ملکوں کو دوبارہ برکات کا حصہ دیوے اور جو غلطی پڑ گئی تھی اس کو نکال دے۔ پس ایسی کامل کتاب کے بعد کس کتاب کا انتظار کریں جس نے سارا کام انسانی اصلاح کا اپنے ہاتھ میں لے لیا اور پہلی کتابوں کی طرح صرف ایک قوم سے واسطہ نہیں رکھا۔ بلکہ تمام قوموں کی اصلاح چاہی اور انسانی تربیت کے تمام مراتب بیان فرمائے۔ وحشیوں کو انسانیت کے آداب سکھائے۔ پھر انسانی صورت بنانے کے بعد اخلاق فاضلہ کا سبق دیا۔

﴿۴۰﴾

قرآن کریم کا دنیا پر احسان

یہ قرآن نے ہی دنیا پر احسان کیا کہ طبعی حالتوں اور اخلاق فاضلہ میں فرق کر کے دکھلایا۔

اور جب طبعی حالتوں سے نکال کر اخلاق فاضلہ کے محل عالی تک پہنچایا تو فقط اسی پر کفایت نہ کی بلکہ اور مرحلہ جو باقی تھا یعنی روحانی حالتوں کا مقام۔ اس تک پہنچنے کے لئے پاک معرفت کے دروازے کھول دیئے اور نہ صرف کھول دیئے بلکہ لاکھوں انسانوں کو اس تک پہنچا بھی دیا۔ اور اس طرح پر تینوں قسم کی تعلیم جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کمال خوبی سے بیان فرمائی۔ پس چونکہ وہ تمام تعلیموں کا جن پر دینی تربیت کی ضرورتوں کا مدار ہے کامل طور پر جامع ہے۔ اس لئے یہ دعویٰ اس نے کیا کہ میں نے دائرہ دینی تعلیم کو کمال تک پہنچایا۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا [1]

یعنی آج میں نے دین تمہارا کامل کیا۔ اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا اور میں تمہارا دین اسلام ٹھہرا کر خوش ہوا۔ یعنی دین کا انتہائی مرتبہ وہ امر ہے جو اسلام کے مفہوم میں پایا جاتا ہے یعنی یہ کہ محض خدا کے لئے ہو جانا اور اپنی نجات اپنے وجود کی قربانی سے چاہنا نہ اور طریق سے اور اس نیت اور اس ارادہ کو عملی طور پر دکھلا دینا۔ یہ وہ نکتہ ہے جس پر تمام کمالات ختم ہوتے ہیں۔ پس جس خدا کو حکیموں نے شناخت نہ کیا قرآن نے **اُس سچے خدا کا پتہ بتایا**۔ قرآن نے خدا کی معرفت عطا کرنے کے لئے دو طریق رکھے ہیں۔ اول وہ طریق جس کی رو سے انسانی عقل عقلی دلائل پیدا کرنے میں بہت قوی اور روشن ہو جاتی ہے اور غلطی کرنے سے بچ جاتی ہے[2] اور دوسرا روحانی طریق جس کو ہم تیسرے سوال کے جواب میں عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے۔

دلائل ہستی باری تعالیٰ

اب دیکھو کہ عقلی طور پر قرآن شریف نے خدا کی ہستی پر کیا کیا عمدہ اور بے مثل دلائل دیئے ہیں۔ جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے۔

[1] المائدۃ: ۴ [2] خط کشیدہ فقرہ اصل مسودہ اور رپورٹ کے مطابق ہے جبکہ ایڈیشن اول میں ’’اور انسان غلطی کرنے سے بچ جاتا ہے‘‘ کے الفاظ ہیں۔

رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى [1]

یعنی خدا وہ خدا ہے کہ جس نے ہر ایک شے کے مناسب حال اس کو پیدائش بخشی۔ پھر اس شے کو اپنے کمالات مطلوبہ حاصل کرنے کے لئے راہ دکھلا دی۔ اب اگر اس آیت کے مفہوم پر نظر رکھ کر انسان سے لے کر تمام بحری اور برّی جانوروں اور پرندوں کی بناوٹ تک دیکھا جائے تو خدا کی قدرت یاد آتی ہے کہ ہر ایک چیز کی بناوٹ اس کے مناسب حال معلوم ہوتی ہے۔ پڑھنے والے خود سوچ لیں کیونکہ یہ مضمون بہت وسیع ہے۔

دوسری دلیل خداتعالیٰ کی ہستی پر قرآن شریف نے خداتعالیٰ کا علت العلل ہونا قرار دیا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔

وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى [2]

یعنی تمام سلسلہ علل و معلولات کا تیرے رب پر ختم ہو جاتا ہے۔ تفصیل اس دلیل کی یہ ہے کہ نظر تعمّق سے معلوم ہوگا کہ یہ تمام موجودات علل و معلول کے سلسلہ سے مربوط ہے۔ اسی وجہ سے دنیا میں طرح طرح کے علوم پیدا ہو گئے ہیں کیونکہ کوئی حصہ مخلوقات کا نظام سے باہر نہیں۔ بعض بعض کے لئے بطور اصول اور بعض بطور فروع کے ہیں اور یہ تو ظاہر ہے کہ علّت یا تو خود اپنی ذات سے قائم ہوگی یا اس کا وجود کسی دوسری علّت کے وجود پر منحصر ہوگا۔ اور پھر یہ دوسری علّت کسی اور علت پر، وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور یہ تو جائز نہیں کہ اس محدود دنیا میں علل و معلول کا سلسلہ کہیں جا کر ختم نہ ہو اور غیر متناہی ہو۔ تو بالضرورت ماننا پڑا کہ یہ سلسلہ ضرور کسی اخیر علت پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ پس جس پر اس تمام سلسلہ کا انتہاء ہے وہی **خدا** ہے۔ آنکھ کھول کر دیکھو کہ آیت وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى اپنے مختصر لفظوں میں کس طرح اس دلیل مذکورہ بالا کو بیان فرما رہی ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ انتہاء تمام سلسلہ کی تیرے رب تک ہے۔ ﴿۴۱﴾

پھر ایک اور دلیل اپنی ہستی پر یہ دی جیسا کہ فرماتا ہے۔

[1] طٰهٰ: ۵۱ [2] النجم: ۴۳

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ [۱]

یعنی آفتاب چاند کو پکڑ نہیں سکتا اور نہ رات جو مظہر ماہتاب ہے دن پر جو مظہر آفتاب ہے کچھ تسلط کر سکتی ہے۔ یعنی کوئی ان میں سے اپنی حدود مقررہ سے باہر نہیں جاتا۔ اگر ان کا کوئی مدبّر درپردہ نہ ہوتو یہ تمام سلسلہ درہم برہم ہو جائے۔ یہ دلیل ہیئت پر غور کرنے والوں کے لئے نہایت فائدہ بخش ہے کیونکہ اجرام فلکی کے اتنے بڑے عظیم الشان اور بے شمار گولے ہیں جن کے تھوڑے سے بگاڑ سے تمام دنیا تباہ ہو سکتی ہے۔ یہ کیسی قدرت حق ہے کہ وہ آپس میں نہ ٹکراتے ہیں نہ بال بھر رفتار بدلتے اور نہ اتنی مدت تک کام دینے سے کچھ گھسے اور نہ ان کی کلوں پُرزوں میں کچھ فرق آیا۔ اگر سر پر کوئی محافظ نہیں تو کیونکر اتنا بڑا کارخانہ بے شمار برسوں سے خود بخود چل رہا ہے۔ انہیں حکمتوں کی طرف اشارہ کر کے خداتعالیٰ دوسرے مقام میں فرماتا ہے۔

اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [۲]

یعنی کیا خدا کے وجود میں شک ہو سکتا ہے جس نے ایسے آسمان اور ایسی زمین بنائی۔ پھر ایک اور لطیف دلیل اپنی ہستی پر فرماتا ہے اور وہ یہ ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۚ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ [۳]

یعنی ہر ایک چیز معرضِ زوال میں ہے اور جو باقی رہنے والا ہے وہ خدا ہے جو جلال والا اور بزرگی والا ہے۔ اب دیکھو کہ اگر ہم فرض کر لیں کہ ایسا ہو کہ زمین ذرہ ذرہ ہو جائے اور اجرام فلکی بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور ان پر معدوم کرنے والی ایک ایسی ہوا چلے جو تمام نشان ان چیزوں کے مٹا دے۔ مگر پھر بھی عقل اس بات کو مانتی اور قبول کرتی ہے۔ بلکہ صحیح کانشنس اس کو ضروری سمجھتا ہے کہ اس تمام نیستی کے بعد بھی ایک چیز باقی رہ جائے جس پر

[۱] یٰسٓ :۴۱ [۲] ابراھیم : ۱۱ [۳] الرحمٰن: ۲۷، ۲۸

فنا طاری نہ ہو اور تبدل اور تغیر کو قبول نہ کرے اور اپنی پہلی حالت پر باقی رہے۔ پس وہ وہی خدا ہے جو تمام فانی صورتوں کو ظہور میں لایا اور خود فنا کی دست برد سے محفوظ رہا۔

پھر ایک اور دلیل اپنی ہستی پر قرآن شریف میں پیش کرتا ہے۔

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوْا بَلٰى [1]

یعنی میں نے روحوں کو کہا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ قصہ کے رنگ میں روحوں کی اس خاصیت کو بیان فرماتا ہے جو ان کی فطرت میں اُس نے رکھی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی روح فطرت کی رو سے خدا تعالیٰ کا انکار نہیں کر سکتی۔ صرف منکروں کو اپنے خیال میں دلیل نہ ملنے کی وجہ سے انکار ہے مگر باوجود اس انکار کے وہ اس بات کو مانتے ہیں کہ ہر ایک حادث کے واسطے ضرور ایک محدث ہے۔ دنیا میں ایسا کوئی نادان نہیں کہ اگر مثلاً بدن میں کوئی بیماری ظاہر ہو تو وہ اس بات پر اصرار کرے کہ در پردہ اس بیماری کے ظہور کی کوئی علّت نہیں۔ اگر یہ سلسلہ دنیا کا علل اور معلول سے مربوط نہ ہوتا تو قبل از وقت یہ بتا دینا کہ فلاں تاریخ طوفان آئے گا یا آندھی آئے گی یا خسوف ہوگا یا کسوف ہوگا یا فلاں وقت بیمار مر جائے گا یا فلاں وقت تک ایک بیماری کے ساتھ فلاں بیماری لاحق ہو جائے گی۔ یہ تمام باتیں غیر ممکن ہو جاتیں۔ پس ایسا محقق اگرچہ خدا کے وجود کا اقرار نہیں کرتا مگر ایک طور سے تو اس نے اقرار کر ہی دیا کہ وہ بھی ہماری طرح معلولات کے لئے علل کی تلاش میں ہے۔ یہ بھی ایک قسم کا اقرار ہے اگرچہ کامل اقرار نہیں۔ ماسوا اس کے اگر کسی ترکیب سے ایک منکر وجود باری کو ایسے طور سے بے ہوش کیا جائے کہ وہ اس سفلی زندگی کے خیالات سے بالکل الگ ہو کر اور تمام ارادوں سے معطل رہ کر اعلیٰ ہستی کے قبضہ میں ہو جائے تو وہ اس صورت میں خدا کے وجود کا اقرار کرے گا۔ انکار نہیں کرے گا۔ جیسا کہ اس پر بڑے بڑے مُجرّبین کا تجربہ شاہد ہے۔ سو ایسی حالت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے اور مطلب آیت یہ ہے کہ انکار وجود باری صرف سفلی زندگی تک ہے ورنہ اصل فطرت میں اقرار بھرا ہوا ہے۔

﴿۴۲﴾

[1] الاعراف: ۱۷۳

صفات باری تعالیٰ

یہ دلائل وجود باری پر ہیں جو ہم نے بطور نمونہ کے لکھ دیئے۔ بعد اسکے یہ بھی جاننا چاہیئے کہ جس خدا کی طرف ہمیں قرآن شریف نے بلایا ہے اسکی اس نے یہ صفات لکھی ہیں۔ هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ [۱] مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ [۲] اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ [۳] هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ [۴] عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ [۵] رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ [۶] اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ [۷] اَلْحَىُّ الْقَيُّوْمُ [۸] قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ. اَللّٰهُ الصَّمَدُ. لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ. وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ [۹]

یعنی وہ خدا جو واحد لاشریک ہے جس کے سوا کوئی بھی پرستش اور فرمانبرداری کے لائق نہیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ اگر وہ لاشریک نہ ہو تو شاید اس کی طاقت پر دشمن کی طاقت غالب آ جائے۔ اس صورت میں خدائی معرض خطرہ میں رہے گی۔ اور یہ جو فرمایا کہ اس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں اس سے یہ مطلب ہے کہ وہ ایسا کامل خدا ہے جس کی صفات اور خوبیاں اور کمالات ایسے اعلیٰ اور بلند ہیں کہ اگر موجودات میں سے بوجہ صفات کاملہ کے ایک خدا انتخاب کرنا چاہیں یا دل میں عمدہ سے عمدہ اور اعلیٰ سے اعلیٰ خدا کی صفات فرض کریں تو سب سے اعلیٰ جس سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ نہیں ہوسکتا۔ وہی خدا ہے جس کی پرستش میں ادنیٰ کو شریک کرنا ظلم ہے۔ پھر فرمایا کہ عالم الغیب ہے یعنی اپنی ذات کو آپ ہی جانتا ہے

[۱] الحشر: ۲۳ [۲] الفاتحة:۴ [۳] الحشر: ۲۴ [۴] الحشر: ۲۵ [۵] البقرة: ۲۱ [۶] الفاتحة : ۲تا۴
[۷] البقرة : ۱۸۷ [۸] البقرة : ۲۵۶ [۹] الاخلاص: ۲تا۵

اس کی ذات پر کوئی احاطہ نہیں کرسکتا۔ ہم آفتاب اور ماہتاب اور ہر ایک مخلوق کا سراپا دیکھ سکتے ہیں مگر خدا کا سراپا دیکھنے سے قاصر ہیں۔ پھر فرمایا کہ وہ **عالم الشهادة** ہے یعنی کوئی چیز اس کی نظر سے پردہ میں نہیں ہے۔ یہ جائز نہیں کہ وہ خدا کہلا کر پھر علم اشیاء سے غافل ہو۔ وہ اس عالم کے ذرہ ذرہ پر اپنی نظر رکھتا ہے لیکن انسان نہیں رکھ سکتا۔ وہ جانتا ہے کہ کب اس نظام کو توڑ دے گا اور قیامت برپا کردے گا۔ اور اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ایسا کب ہوگا؟ سو وہی خدا ہے جو ان تمام وقتوں کو جانتا ہے۔ پھر فرمایا **هُوَ الرَّحْمٰن** یعنی وہ جانداروں کی ہستی اور ان کے اعمال سے پہلے محض اپنے لطف سے نہ کسی غرض سے اور نہ کسی عمل کی پاداش میں ان کے لئے سامان راحت میسر کرتا ہے۔ جیسا کہ آفتاب اور زمین اور دوسری تمام چیزوں کو ہمارے وجود اور ہمارے اعمال کے وجود سے پہلے ہمارے لئے بنا دیا۔ اس عطیہ کا نام خدا کی کتاب میں رحمانیت ہے۔ اور اس کام کے لحاظ سے خدائے تعالیٰ رحمٰن کہلاتا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ **اَلرَّحِيْم** یعنی وہ خدا نیک عملوں کی نیک تر جزا دیتا ہے اور کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا اور اس کام کے لحاظ سے رحیم کہلاتا ہے۔ اور یہ صفت رحیمیت کے نام سے موسوم ہے۔ اور پھر فرمایا **مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْن** یعنی وہ خدا ہر ایک کی جزا اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔ اس کا کوئی ایسا کارپرداز نہیں جس کو اس نے زمین و آسمان کی حکومت سونپ دی ہو اور آپ الگ ہو بیٹھا ہو اور آپ کچھ نہ کرتا ہو۔ وہی کارپرداز سب کچھ جزا سزا دیتا ہو یا آئندہ دینے والا ہو۔ اور پھر فرمایا **اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ** یعنی وہ خدا بادشاہ ہے جس پر کوئی داغ عیب نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ انسانی بادشاہت عیب سے خالی نہیں۔ اگر مثلاً تمام رعیت جلا وطن ہو کر دوسرے ملک کی طرف بھاگ جاوے تو پھر بادشاہی قائم نہیں رہ سکتی یا اگر مثلاً تمام رعیت قحط زدہ ہو جائے تو پھر خراج شاہی کہاں سے آئے اور اگر رعیت کے لوگ اس سے بحث شروع کردیں کہ تجھ میں ہم سے زیادہ کیا ہے تو وہ کونسی لیاقت اپنی ثابت کرے۔ پس خدا تعالیٰ کی بادشاہی ایسی نہیں ہے۔ وہ ایک دم میں تمام ملک کو فنا کر کے

﴿۴۳﴾

اور مخلوقات پیدا کرسکتا ہے۔ اگر وہ ایسا خالق اور قادر نہ ہوتا تو پھر بجز ظلم کے اس کی بادشاہت چل نہ سکتی۔ کیونکہ وہ دنیا کو ایک مرتبہ معافی اور نجات دے کر پھر دوسری دنیا کہاں سے لاتا۔ کیا نجات یافتہ لوگوں کو دنیا میں بھیجنے کے لئے پھر پکڑتا اور ظلم کی راہ سے اپنی معافی اور نجات دہی کو واپس لیتا؟ تو اس صورت میں اس کی خدائی میں فرق آتا اور دنیا کے بادشاہوں کی طرح داغدار بادشاہ ہوتا جو دنیا کے لئے قانون بناتے ہیں۔ بات بات میں بگڑتے ہیں اور اپنی خودغرضی کے وقتوں پر جب دیکھتے ہیں کہ ظلم کے بغیر چارہ نہیں تو ظلم کو شیر مادر سمجھ لیتے ہیں۔ مثلاً قانون شاہی جائز رکھتا ہے کہ ایک جہاز کو بچانے کے لئے ایک کشتی کے سواروں کو تباہی میں ڈال دیا جائے اور ہلاک کیا جائے مگر خدا کو تو یہ اضطرار پیش نہیں آنا چاہئے۔ پس اگر خدا پورا قادر اور عدم سے پیدا کرنے والا نہ ہوتا تو یا تو وہ کمزور راجوں کی طرح قدرت کی جگہ ظلم سے کام لیتا اور یا عادل بن کر خدائی کو ہی الوادع کہتا۔ بلکہ خدا کا جہاز تمام قدرتوں کے ساتھ سچے انصاف پر چل رہا ہے۔ پھر فرمایا السَّـــلام یعنی وہ خدا جو تمام عیبوں اور مصائب اور سختیوں سے محفوظ ہے بلکہ سلامتی دینے والا ہے۔ اس کے معنے بھی ظاہر ہیں کیونکہ اگر وہ آپ ہی مصیبتوں میں پڑتا لوگوں کے ہاتھ سے مارا جاتا اور اپنے ارادوں میں ناکام رہتا تو پھر اس بدنمونہ کو دیکھ کر کس طرح دل تسلی پکڑتے کہ ایسا خدا ہمیں ضرور مصیبتوں سے چھڑا دے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ باطل معبودوں کے بارے میں فرماتا ہے۔ ﴿۴۴﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ [1]

جن لوگوں کو تم خدا بنائے بیٹھے ہو وہ تو ایسے ہیں کہ اگر سب مل کر ایک مکھی پیدا کرنا

[1] الحج :۷۴،۷۵

چاہیں تو کبھی پیدا نہ کر سکیں اگرچہ ایک دوسرے کی مدد بھی کریں۔ بلکہ اگر مکھی ان کی چیز چھین کر لے جائے تو انہیں طاقت نہیں ہوگی کہ وہ مکھی سے چیز واپس لے سکیں۔ ان کے پرستار عقل کے کمزور اور وہ طاقت کے کمزور ہیں۔ کیا خدا ایسے ہوا کرتے ہیں؟ خدا تو وہ ہے کہ سب قوتوں والوں سے زیادہ قوت والا اور سب پر غالب آنے والا ہے۔ نہ اُس کو کوئی پکڑ سکے اور نہ مار سکے۔ ایسی غلطیوں میں جو لوگ پڑتے ہیں وہ خدا کی قدر نہیں پہچانتے اور نہیں جانتے خدا کیسا ہونا چاہئے اور پھر فرمایا کہ خدا امن کا بخشنے والا اور اپنے کمالات اور توحید پر دلائل قائم کرنے والا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سچے خدا کا ماننے والا کسی مجلس میں شرمندہ نہیں ہوسکتا اور نہ خدا کے سامنے شرمندہ ہوگا کیونکہ اس کے پاس زبردست دلائل ہوتے ہیں۔ لیکن بناوٹی خدا کا ماننے والا بڑی مصیبت میں ہوتا ہے۔ وہ بجائے دلائل بیان کرنے کے ہر ایک بیہودہ بات کو راز میں داخل کرتا ہے تا ہنسی نہ ہو اور ثابت شدہ غلطیوں کو چھپانا چاہتا ہے۔

اور پھر فرمایا کہ **المُیھمن العزیز الجبّار المتکبر** یعنی وہ سب کا محافظ ہے اور سب پر غالب اور بگڑے ہوئے کاموں کا بنانے والا ہے۔ اور اس کی ذات نہایت ہی مستغنی ہے۔ اور فرمایا۔ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔ یعنی وہ ایسا خدا ہے کہ جسموں کا بھی پیدا کرنے والا اور روحوں کا بھی پیدا کرنے والا۔ رِحم میں تصویر کھینچنے والا ہے۔ تمام نیک نام جہاں تک خیال میں آسکیں سب اُسی کے نام ہیں۔ اور پھر فرمایا۔ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ یعنی آسمان کے لوگ بھی اس کے نام کو پاکی سے یاد کرتے ہیں اور زمین کے لوگ بھی۔ اس آیت میں اشارہ فرمایا کہ آسمانی اجرام میں آبادی ہے اور وہ لوگ بھی پابند خدا کی ہدایتوں کے ہیں۔ اور پھر فرمایا عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ یعنی خدا بڑا قادر ہے۔ یہ پرستاروں کے لئے تسلی ہے۔ کیونکہ اگر خدا عاجز ہو اور قادر نہ ہو تو ایسے خدا سے کیا امید رکھیں۔ اور پھر فرمایا۔ **ربّ العالمین.**

الرحمن الرحیم. مالک یوم الدین. اجیب دعوۃ الداع اذا دعان یعنی وہی خدا ہے جو تمام عالموں کا پرورش کرنے والا۔ رحمٰن رحیم اور جزا کے دن کا آپ مالک ہے۔ اس اختیار کو کسی کے ہاتھ میں نہیں دیا۔ ہر ایک پکارنے والے کی پکار کو سننے والا اور جواب دینے والا یعنی دعاؤں کا قبول کرنے والا۔ اور پھر فرمایا۔ **الحیُّ القیّوم** یعنی ہمیشہ رہنے والا اور تمام جانوں کی جان اور سب کے وجود کا سہارا۔ یہ اس لئے کہا کہ وہ ازلی ابدی نہ ہوتو اس کی زندگی کے بارے میں بھی دھڑکا رہے گا کہ شاید ہم سے پہلے فوت نہ ہو جائے۔ اور پھر فرمایا کہ وہ خدا اکیلا خدا ہے نہ وہ کسی کا بیٹا اور نہ کوئی اس کا بیٹا۔ اور نہ کوئی اس کے برابر اور نہ کوئی اس کا ہم جنس۔ ﴿۴۵﴾

اور یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کی توحید کو صحیح طور پر ماننا اور اس میں زیادت یا کمی نہ کرنا۔ یہ وہ عدل ہے جو انسان اپنے مالک حقیقی کے حق میں بجالاتا ہے۔ یہ تمام حصہ اخلاقی تعلیم کا ہے جو قرآن شریف کی تعلیم میں سے درج ہوا ہے۔ اس میں اصول یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمام اخلاق کو افراط اور تفریط سے بچایا ہے۔ اور ہر ایک خلق کو اس حالت میں خلق کے نام سے موسوم کیا ہے کہ جب اپنی واقعی اور واجب حد سے کم و بیش نہ ہو۔ یہ تو ظاہر ہے کہ نیکی حقیقی وہی چیز ہے جو دو حدوں کے وسط میں ہوتی ہے یعنی زیادتی اور کمی یا افراط اور تفریط کے درمیان ہوتی ہے۔ ہر ایک عادت جو وسط کی طرف کھینچے اور وسط پر قائم کرے وہی خلق فاضل کو پیدا کرتی ہے۔ محل اور موقعہ کا پہچاننا ایک وسط ہے۔ مثلاً اگر زمیندار اپنا تخم وقت سے پہلے بودے یا وقت کے بعد۔ دونوں صورتوں میں وہ وسط کو چھوڑتا ہے۔ نیکی اور حق اور حکمت سب وسط میں ہے اور وسط موقع بینی میں۔ یا یوں سمجھ لو کہ حق وہ چیز ہے کہ ہمیشہ دو متقابل باطلوں کے وسط میں ہوتا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ عین موقع کا التزام ہمیشہ انسان کو وسط میں رکھتا ہے اور خدا شناسی کے بارے میں وسط کی شناخت یہ ہے کہ خدا کی صفات بیان کرنے میں نہ تو نفی صفات کے پہلو کی طرف جھک جائے اور نہ خدا کو جسمانی چیزوں کا مشابہ قرار دے۔ یہی طریق قرآن شریف

نے صفات باری تعالیٰ میں اختیار کیا ہے۔ چنانچہ وہ یہ بھی فرماتا ہے کہ خدا دیکھتا، سنتا، جانتا، بولتا، کلام کرتا ہے۔ اور پھر مخلوق کی مشابہت سے بچانے کیلئے یہ بھی فرماتا ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ [۱] فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ [۲]

یعنی خدا کی ذات اور صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس کے لئے مخلوق سے مثالیں مت دو۔ سو خدا کی ذات کو تشبیہ اور تنزیہ کے بَین بَین رکھنا یہی وسط ہے۔ غرض اسلام کی تعلیم تمام میانہ روی کی تعلیم ہے۔ سورہ فاتحہ بھی میانہ روی کی ہدایت فرماتی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔ مغضوب علیہم سے وہ لوگ مراد ہیں جو خدا تعالیٰ کے مقابل پر قوت غضبی کو استعمال کر کے قویٰ سبعیہ کی پیروی کرتے ہیں اور ضالین سے وہ مراد ہیں جو قویٰ بہیمیہ کی پیروی کرتے ہیں۔ اور میانہ طریق وہ ہے جس کو لفظ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے یاد فرمایا ہے۔ غرض اس مبارک امت کے لئے قرآن شریف میں وسط کی ہدایت ہے۔ توریت میں خدائے تعالیٰ نے انتقامی امور پر زور دیا تھا اور انجیل میں عفو اور درگذر پر زور دیا تھا اور اس امت کو موقعہ شناسی اور وسط کی تعلیم ملی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔ [۳]

یعنی ہم نے تم کو وسط پر عمل کرنے والے بنایا اور وسط کی تعلیم تمہیں دی۔ سو مبارک وہ جو وسط پر چلتے ہیں۔ خیر الامور اوسطھا۔

روحانی حالتیں

تیسرا حصہ یعنی یہ کہ روحانی حالتیں کیا ہیں؟ واضح رہے کہ ہم پہلے اس سے بیان کر چکے ہیں کہ بموجب ہدایت قرآن شریف کے روحانی حالتوں کا منبع اور سر چشمہ نفس مطمئنہ ہے جو انسان کو با اخلاق ہونے کے مرتبہ سے باخدا ہونے کے مرتبہ تک پہنچاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے۔ ﴿۴۶﴾

[۱] الشوریٰ: ۱۲ [۲] النحل: ۷۵ [۳] البقرۃ: ۱۴۴

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۔[1]

یعنی اے نفس خدا کے ساتھ آرام یافتہ ۔اپنے رب کی طرف واپس چلا آ ۔وہ تجھ سے راضی اور تو اس سے راضی ۔پس میرے بندوں میں داخل ہوجا اور میری بہشت کے اندر آ جا۔ اس جگہ بہتر ہے کہ ہم روحانی حالتوں کے بیان کرنے کے لئے اس آیت کریمہ کی تفسیر کسی قدر توضیح سے بیان کریں۔ پس یاد رکھنا چاہئے کہ اعلیٰ درجہ کی روحانی حالت انسان کی اس دنیوی زندگی میں یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ آرام پاجائے ۔اور تمام اطمینان اور سرور اور لذت اس کی خدا میں ہی ہوجائے یہی وہ حالت ہے جس کو دوسرے لفظوں میں بہشتی زندگی کہا جاتا ہے۔اس حالت میں انسان اپنے کامل صدق اور صفا اور وفا کے بدلہ میں ایک نقد بہشت پالیتا ہے اور دوسرے لوگوں کی بہشت موعود پر نظر ہوتی ہے اور یہ بہشت موجود میں داخل ہوتا ہے۔ اسی درجہ پر پہنچ کر انسان سمجھتا ہے کہ وہ عبادت جس کا بوجھ اس کے سر پر ڈالا گیا ہے درحقیقت وہی ایک ایسی غذا ہے جس سے اس کی روح نشوونما پاتی ہے اور جس پر اس کی روحانی زندگی کا بڑا بھاری مدار ہے اور اس کے نتیجہ کا حصول کسی دوسرے جہان پر موقوف نہیں ہے۔ اسی مقام پر یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ وہ ساری ملامتیں جو نفس لوّامہ انسان کا اس کی ناپاک زندگی پر کرتا ہے اور پھر بھی نیک خواہشوں کو اچھی طرح ابھار نہیں سکتا اور بری خواہشوں سے حقیقی نفرت نہیں دلا سکتا۔ اور نہ نیکی پر ٹھہرنے کی پوری قوت بخش سکتا ہے اس پاک تحریک سے بدل جاتی ہیں جو نفس مطمئنہ کے نشوونما کا آغاز ہوتی ہے۔ اور اس درجہ پر پہنچ کر وقت آ جاتا ہے کہ انسان پوری فلاح حاصل کرے اور اب تمام نفسانی جذبات خودبخود افسردہ ہونے لگتے ہیں۔ اور روح پر ایک ایسی طاقت افزا ہوا چلنے لگتی ہے جس سے انسان پہلی کمزوریوں کو ندامت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس وقت انسانی سرشت پر ایک بھاری انقلاب آتا

[1] الفجر: ۲۸ تا ۳۱

ہے۔اور عادت میں ایک تبدّل عظیم پیدا ہوتا ہے اور انسان اپنی پہلی حالتوں سے بہت ہی دور جا پڑتا ہے، دھویا جاتا ہے اور صاف کیا جاتا ہے اور خدا نیکی کی محبت کو اپنے ہاتھ سے اس کے دل میں لکھ دیتا ہے اور بدی کا گند اپنے ہاتھ سے اس کے دل سے باہر پھینک دیتا ہے۔سچائی کی فوج سب کی سب دل کے شہرستان میں آجاتی ہے۔اور فطرت کے تمام برجوں پر راستبازی کا قبضہ ہو جاتا ہے اور حق کی فتح ہوتی ہے اور باطل بھاگ جاتا ہے اور اپنے ہتھیار پھینک دیتا ہے۔اس شخص کے دل پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے اور ہر ایک قدم خدا کے زیر سایہ چلتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ آیات ذیل میں انہی امور کی طرف اشارہ فرماتا ہے۔

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ[1] وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ۔ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ[2] ﴿۴۷﴾
جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا[3]

یعنی خدا نے مومنوں کے دل میں ایمان کو اپنے ہاتھ سے لکھ دیا ہے اور روح القدس کے ساتھ ان کی مدد کی۔اس نے اے مومنو! ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا اور اس کا حسن و جمال تمہارے دل میں بٹھا دیا اور کفر اور بدکاری اور معصیت سے تمہارے دل کو نفرت دے دی۔اور بُری راہوں کا مکروہ ہونا تمہارے دل میں جما دیا۔ یہ سب کچھ خدا کے فضل اور رحمت سے ہوا۔ حق آیا۔اور باطل بھاگ گیا اور باطل کب حق کے مقابل ٹھہر سکتا تھا۔

غرض یہ تمام اشارات اس روحانی حالت کی طرف ہیں جو تیسرے درجہ پر انسان کو حاصل ہوتی ہے اور سچی بینائی انسان کو کبھی نہیں مل سکتی جب تک یہ حالت اس کو حاصل نہ ہو۔اور یہ جو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے ایمان ان کے دل میں اپنے ہاتھ سے لکھا اور روح القدس سے ان کی مدد کی۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو سچی طہارت اور پاکیزگی کبھی حاصل

[1] المجادلة : ۲۳ [2] الحجرات : ۸ ، ۹ [3] بنی اسرائیل : ۸۲

نہیں ہوسکتی جب تک آسمانی مدد اس کے شامل حال نہ ہو۔ نفس لوامہ کے مرتبہ پر انسان کا یہ حال ہوتا ہے کہ بار بار توبہ کرتا اور بار بار گرتا ہے بلکہ بسا اوقات اپنی صلاحیت سے نا امید ہو جاتا ہے اور اپنے مرض کو ناقابل علاج سمجھ لیتا ہے اور ایک مدت تک ایسا ہی رہتا ہے اور پھر جب وقت مقدر پورا ہو جاتا ہے تو رات یا دن کو یک دفعہ ایک نور اس پر نازل ہوتا ہے اور اس نور میں الٰہی قوت ہوتی ہے۔ اس نور کے نازل ہونے کے ساتھ ہی ایک عجیب تبدیلی اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے اور غیبی ہاتھ کا ایک قوی تصرّف محسوس ہوتا ہے اور ایک عجیب عالم سامنے آ جاتا ہے۔ اس وقت انسان کو پتہ لگتا ہے کہ **خدا ہے** اور آنکھوں میں وہ نور آ جاتا ہے جو پہلے نہیں تھا۔ لیکن اس راہ کو کیونکر حاصل کریں اور اس روشنی کو کیونکر پاویں۔ سو جاننا چاہئے کہ اس دنیا میں جو دارالاسباب ہے ہر ایک معلول کے لئے ایک علت ہے اور ہر ایک حرکت کے لئے ایک محرک ہے اور ہر ایک علم حاصل کرنے کے لئے ایک راہ ہے جس کو صراط مستقیم کہتے ہیں۔ دنیا میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو بغیر پابندی ان قواعد کے مل سکے جو قدرت نے ابتدا سے اس کے لئے مقرر کر رکھے ہیں۔ قانون قدرت بتلا رہا ہے کہ ہر ایک چیز کے حصول کے لئے ایک صراط مستقیم ہے اور اس کا حصول اسی پر قدرتاً موقوف ہے۔ مثلاً اگر ہم ایک اندھیری کوٹھڑی میں بیٹھے ہوں اور آفتاب کی روشنی کی ضرورت ہو تو ہمارے لئے یہ صراط مستقیم ہے کہ ہم اس کھڑکی کو کھول دیں جو آفتاب کی طرف ہے۔ تب یک دفعہ آفتاب کی روشنی اندر آ کر ہمیں منور کر دے گی۔ سو ظاہر ہے کہ اسی طرح خدا کے سچے اور واقعی فیوض پانے کے لئے بھی کوئی کھڑکی اور پاک روحانیت کے حاصل کرنے کے لئے کوئی خاص طریق ہوگا۔ اور وہ یہ ہے کہ روحانی امور کے لئے صراط مستقیم کی تلاش کریں جیسا کہ ہم اپنی زندگی کے تمام امور میں اپنی کامیابیوں کے لئے صراط مستقیم کی تلاش کرتے رہتے ہیں۔ مگر کیا وہ یہ طریق ہے کہ ہم صرف اپنی ہی عقل کے زور سے اور اپنی ہی خود تراشیدہ باتوں سے خدا کے وصال کو ڈھونڈیں۔ کیا محض ہماری ہی اپنی منطق اور فلسفہ سے اس کے وہ دروازے ہم پر کھلتے ہیں جن کا کھلنا اس کے قوی ہاتھ پر موقوف ہے۔ یقیناً سمجھو

کہ یہ بالکل صحیح نہیں۔ہم اس **حیّ و قیّوم** کو محض اپنی ہی تدبیروں سے ہرگز نہیں پا سکتے۔ بلکہ اس راہ میں صراط مستقیم صرف یہ ہے کہ پہلے ہم اپنی زندگی مع اپنی تمام قوتوں کے خداتعالیٰ کی راہ میں وقف کر کے پھر خدا کے وصال کے لئے دعا میں لگے رہیں تا خدا کو خدا ہی کے ذریعہ سے پاویں۔ ﴿۴۸﴾

ایک پیاری دعا

اورسب سے زیادہ پیاری دعا جو عین محل اور موقع سوال کا ہمیں سکھاتی ہے اور فطرت کے روحانی جوش کا نقشہ ہمارے سامنے رکھتی ہے وہ دعا ہے جو خدائے کریم نے اپنی پاک کتاب قرآن شریف میں یعنی سورہ فاتحہ میں ہمیں سکھائی ہے اور وہ یہ ہے۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ تمام پاک تعریفیں جو ہوسکتی ہیں۔اس اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا اور قائم رکھنے والا ہے۔ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔وہی خدا جو ہمارے اعمال سے پہلے ہمارے لئے رحمت کا سامان میسر کرنے والا ہے اور ہمارے اعمال کے بعد رحمت کے ساتھ جزا دینے والا ہے۔ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ وہ خدا جو جزاء کے دن کا وہی ایک مالک ہے۔کسی اور کو وہ دن نہیں سونپا گیا۔ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ اے وہ جو ان تعریفوں کا جامع ہے ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں۔اور ہم ہر ایک کام میں توفیق تجھ ہی سے چاہتے ہیں۔ اس جگہ ہم کے لفظ سے پرستش کا اقرار کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہمارے تمام قویٰ تیری پرستش میں لگے ہوئے ہیں اور تیرے آستانہ پر جھکے ہوئے ہیں کیونکہ انسان باعتبار اپنے اندرونی قویٰ کے ایک جماعت اور ایک امت ہے اور اس طرح پر تمام قویٰ کا خدا کو سجدہ کرنا یہی وہ حالت ہے جس کو اسلام کہتے ہیں۔ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ ہمیں اپنی سیدھی راہ دکھلا اور اس پر ثابت قدم کر کے ان لوگوں کی راہ دکھلا جن پر تیرا انعام واکرام ہے۔اور تیرے مورد فضل وکرم ہوگئے ہیں غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ [1] اور ہمیں

[1] الفاتحۃ : ۱تا۷

ان لوگوں کی راہوں سے بچا جن پر تیرا غضب ہے اور جو تجھ تک نہیں پہنچ سکے اور راہ کو بھول گئے۔ آمین۔اے خدا! ایسا ہی کر۔

یہ آیات سمجھا رہی ہیں کہ خداتعالیٰ کے انعامات جو دوسرے لفظوں میں فیوض کہلاتے ہیں انہی پر نازل ہوتے ہیں جو اپنی زندگی کی خدا کی راہ میں قربانی دے کر اور اپنا تمام وجود اس کی راہ میں وقف کرکے اور اس کی رضا میں محو ہو کر پھر اس وجہ سے دعا میں لگے رہتے ہیں کہ تا جو کچھ انسان کو روحانی نعمتوں اور خدا کے قرب اور وصال اور اس کے مکالمات اور مخاطبات میں سے مل سکتا ہے وہ سب ان کو ملے اور اس دعا کے ساتھ اپنے تمام قویٰ سے عبادت بجالاتے ہیں اور گناہ سے پرہیز کرتے اور آستانہ الٰہی پر پڑے رہتے ہیں اور جہاں تک ان کے لئے ممکن ہے اپنے تئیں بدی سے بچاتے ہیں اور غضب الٰہی کی راہوں سے دور رہتے ہیں۔سو چونکہ وہ ایک اعلیٰ ہمت اور صدق کے ساتھ خدا کو ڈھونڈتے ہیں۔اس لئے اس کو پالیتے ہیں اور خداتعالیٰ کی پاک معرفت کے پیالوں سے سیراب کئے جاتے ہیں۔اس آیت میں جو استقامت کا ذکر فرمایا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سچا اور کامل فیض جو روحانی عالم تک پہنچاتا ہے' کامل استقامت سے وابستہ ہے اور کامل استقامت سے مراد ایک ایسی حالت صدق ووفا ہے جس کو کوئی امتحان ضرر نہ پہنچا سکے۔یعنی ایسا پیوند ہو جس کو نہ تلوار کاٹ سکے نہ آگ جلا سکے اور نہ کوئی دوسری آفت نقصان پہنچا سکے۔عزیزوں کی موتیں اس سے علیحدہ نہ کرسکیں۔ پیاروں کی جدائی اس میں خلل انداز نہ ہو سکے۔بے آبروئی کا خوف کچھ رعب نہ ڈال سکے۔ہولناک دکھوں سے مارا جانا ایک ذرہ دل کو نہ ڈرا سکے۔سو یہ دروازہ نہایت تنگ ہے۔اور یہ راہ نہایت[1] دشوار گذار ہے۔کس قدر مشکل ہے۔آہ!صد آہ!!

﴿۴۹﴾

اسی کی طرف اللہ جلشانہ،ان آیات میں اشارہ فرماتا ہے۔

قُلۡ اِنۡ کَانَ اٰبَآؤُکُمۡ وَاَبۡنَآؤُکُمۡ وَاِخۡوَانُکُمۡ وَاَزۡوَاجُکُمۡ وَ عَشِیۡرَتُکُمۡ وَاَمۡوَالُۨ اقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا وَتِجَارَةٌ تَخۡشَوۡنَ کَسَادَهَا وَ مَسٰکِنُ

[1] اصل مسودہ اور رپورٹ کے مطابق جبکہ ایڈیشن اول میں ''بہت'' لکھا ہے (ناشر)

تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۔[1]

یعنی ان کو کہدے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہاری برادری اور تمہارے وہ مال جو تم نے محنت سے کمائے ہیں اور تمہاری سوداگری جس کے بند ہونے کا تمہیں خوف ہے اور تمہاری حویلیاں جو تمہارے دل پسند ہیں۔ خدا سے اور اس کے رسول سے اور خدا کی راہ میں اپنی جانوں کو لڑانے سے زیادہ پیارے ہیں تو تم اس وقت تک منتظر رہو کہ جب تک خدا اپنا حکم ظاہر کرے اور خدا بدکاروں کو کبھی اپنی راہ نہیں دکھائے گا۔

ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ خدا کی مرضی کو چھوڑ کر اپنے عزیزوں اور اپنے مالوں سے پیار کرتے ہیں وہ خدا کی نظر میں بدکار ہیں وہ ضرور ہلاک ہوں گے کیونکہ انہوں نے غیر کو خدا پر مقدم رکھا۔ یہی وہ تیسرا مرتبہ ہے جس میں وہ شخص باخدا بنتا ہے جو اس کے لئے ہزاروں بلائیں خریدے اور خدا کی طرف ایسے صدق اور اخلاص سے جھک جائے کہ خدا کے سوا کوئی اس کا نہ رہے گویا سب مر گئے۔ پس سچ تو یہ ہے کہ جب تک ہم خود نہ مریں زندہ خدا نظر نہیں آ سکتا۔ خدا کے ظہور کا دن وہی ہوتا ہے کہ جب ہماری جسمانی زندگی پر موت آوے۔ ہم اندھے ہیں جب تک غیر کے دیکھنے سے اندھے نہ ہو جائیں۔ ہم مردہ ہیں جب تک خدا کے ہاتھ میں مردہ کی طرح نہ ہو جائیں۔ جب ہمارا منہ ٹھیک ٹھیک اس کے محاذات میں پڑے گا، تب وہ واقعی استقامت جو تمام نفسانی جذبات پر غالب آتی ہے ہمیں حاصل ہوگی اس سے پہلے نہیں اور یہی وہ استقامت ہے جس سے نفسانی زندگی پر موت آ جاتی ہے۔ ہماری استقامت یہ ہے کہ جیسا وہ فرماتا ہے کہ۔

بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ[2]

یعنی یہ کہ قربانی کی طرح میرے آگے گردن رکھ دو۔ ایسا ہی ہم اس وقت

[1] التوبة: ۲۴ [2] البقرة: ۱۱۳

درجۂ استقامت حاصل کریں گے کہ جب ہمارے وجود کے تمام پرزے اور ہمارے نفس کی تمام قوتیں اسی کام میں لگ جائیں اور ہماری موت اور ہماری زندگی اسی کے لئے ہو جائے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ [1]

یعنی کہہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا سب خدا کے لئے ہے اور جب انسان کی محبت خدا کے ساتھ اس درجہ تک پہنچ جائے کہ اس کا مرنا اور جینا اپنے لئے نہیں بلکہ خدا ہی کے لئے ہو جائے۔ تب وہ خدا جو ہمیشہ سے پیار کرنے والوں کے ساتھ پیار کرتا آیا ہے اپنی محبت کو اس پر اتارتا ہے اور ان دونوں محبتوں کے ملنے سے انسان کے اندر ایک نور پیدا ہوتا ہے جس کو دنیا نہیں پہچانتی اور نہ سمجھ سکتی ہے اور ہزاروں صدیقوں اور برگزیدوں کا اسی لئے خون ہوا کہ دنیا نے ان کو نہیں پہچانا۔ وہ اسی لئے مکار اور خود غرض کہلائے کہ دنیا ان کے نورانی چہرہ کو دیکھ نہ سکی۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ ﴿۵۰﴾

یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ وَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ [2]

یعنی وہ جو منکر ہیں تیری طرف دیکھتے تو ہیں مگر تو انہیں نظر نہیں آتا۔

غرض جب وہ نور پیدا ہوتا ہے تو اس نور کی پیدائش کے دن سے ایک زمینی شخص آسمانی ہو جاتا ہے۔ وہ جو ہر ایک وجود کا مالک ہے اس کے اندر بولتا ہے اور اپنی الوہیت کی چمکیں دکھلاتا ہے اور اس کے دل کو کہ جو پاک محبت سے بھرا ہوا ہے اپنا تخت گاہ بناتا ہے اور جب ہی سے کہ یہ شخص ایک نورانی تبدیلی پا کر ایک نیا آدمی ہو جاتا ہے۔ وہ اس کے لئے ایک نیا خدا ہو جاتا ہے اور نئی عادتیں اور سنتیں ظہور میں لاتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ نیا خدا ہے یا عادتیں نئی ہیں۔ مگر خدا کی عام عادتوں سے وہ الگ عادتیں ہوتی ہیں جو دنیا کا فلسفہ ان سے آشنا نہیں اور یہ شخص جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے فرمایا ہے۔

[1] الانعام: ۱۶۳ [2] الاعراف: ۱۹۹

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ[1]

یعنی انسانوں میں سے وہ اعلیٰ درجہ کے انسان ہیں جو خدا کی رضا میں کھوئے جاتے ہیں۔ وہ اپنی جان بیچتے ہیں اور خدا کی مرضی کو مول لیتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا کی رحمت ہے ایسا ہی وہ شخص جو روحانی حالت کے مرتبہ تک پہنچ گیا ہے خدا کی راہ میں فدا ہو جاتا ہے۔

خدا تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ تمام دکھوں سے وہ شخص نجات پاتا ہے جو میری راہ میں اور میری رضا کی راہ میں جان کو بیچ دیتا ہے اور جانفشانی کے ساتھ اپنی اس حالت کا ثبوت دیتا ہے کہ وہ خدا کا ہے اور اپنے تمام وجود کو ایک ایسی چیز سمجھتا ہے جو طاعت خالق اور خدمت مخلوق کے لئے بنائی گئی ہے اور پھر حقیقی نیکیاں جو ہر ایک قوت سے متعلق ہیں۔ ایسے ذوق وشوق وحضور دل سے بجالاتا ہے کہ گویا وہ اپنی فرماں برداری کے آئینہ میں اپنے محبوب حقیقی کو دیکھ رہا ہے اور ارادہ اس کا خدائے تعالیٰ کے ارادہ سے ہمرنگ ہو جاتا ہے اور تمام لذت اس کی فرمانبرداری میں ٹھہر جاتی ہے اور تمام اعمال صالحہ نہ مشقت کی راہ سے بلکہ تلذذ اور احظاظ کی کشش سے ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ وہ نقد بہشت ہے جو روحانی انسان کو ملتا ہے۔ اور وہ بہشت جو آئندہ ملے گا۔ وہ درحقیقت اسی کے اظلال وآثار ہیں جس کو دوسرے عالم میں قدرت خداوندی جسمانی طور پر متمثل کر کے دکھلائے گی۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ[2] وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا[3]
اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا. عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا[4]
وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا[5]

[1] البقرة: ۲۰۸ [2] الرحمٰن: ۴۷ [3] الدھر: ۲۲ [4] الدھر: ۶،۷ [5] الدھر: ۱۸، ۱۹

اِنَّآ اَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ سَلٰسِلَاۡ وَ اَغۡلٰلًا وَّ سَعِیۡرًا [1] وَ مَنۡ کَانَ فِیۡ ہٰذِہٖۤ اَعۡمٰی فَہُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ اَعۡمٰی وَ اَضَلُّ سَبِیۡلًا [2]

﴿۵۱﴾ یعنی جو شخص خدا تعالیٰ سے خائف ہے اور اس کی عظمت و جلال کے مرتبہ سے ہراساں ہے اس کے لئے دو بہشت ہیں۔ ایک یہی دنیا اور دوسری آخرت۔ اور ایسے لوگ جو خدا میں محو ہیں خدا نے ان کو وہ شربت پلایا ہے جس نے ان کے دل اور خیالات اور ارادات کو پاک کر دیا۔ نیک بندے وہ شربت پی رہے ہیں جس کی ملونی کافور ہے۔ وہ اس چشمہ سے پیتے ہیں جس کو وہ آپ ہی چیرتے ہیں۔

کافوری اور زنجبیلی شربت کی حقیقت

اور میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ کافور کا لفظ اس واسطے اس آیت میں اختیار فرمایا گیا ہے کہ لغت عرب میں کَفَرَ دبانے کو اور ڈھانکنے کو کہتے ہیں۔ سو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے ایسے خلوص سے انقطاع اور رجوع الی اللہ کا پیالہ پیا ہے کہ دنیا کی محبت بالکل ٹھنڈی ہو گئی ہے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ تمام جذبات دل کے خیال سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اور جب دل نالائق خیالات سے بہت ہی دور چلا جائے اور کچھ تعلقات ان سے باقی نہ رہیں تو وہ جذبات بھی آہستہ آہستہ کم ہونے لگتے ہیں یہاں تک کہ نابود ہو جاتے ہیں۔ سو اس جگہ خدا تعالیٰ کی یہی غرض ہے اور وہ اس آیت میں یہی سمجھاتا ہے کہ جو اس کی طرف کامل طور سے جھک گئے وہ نفسانی جذبات سے بہت ہی دور نکل گئے ہیں اور ایسے خدا کی طرف جھک گئے ہیں کہ دنیا کی سرگرمیوں سے ان کے دل ٹھنڈے ہو گئے اور ان کے جذبات ایسے دب گئے جیسا کہ کافور زہریلے مادوں کو دبا دیتا ہے۔

اور پھر فرمایا کہ وہ لوگ اس کافوری پیالہ کے بعد وہ پیالے پیتے ہیں جن کی ملونی زنجبیل ہے۔ اب جاننا چاہئے کہ زنجبیل دو لفظوں سے مرکب ہے یعنی زنا اور جبل سے۔ اور زنا

[1] الدھر : ۵ [2] بنی اسرائیل: ۷۳

لغت عرب میں اوپر چڑھنے کو کہتے ہیں اور جبل پہاڑ کو۔ اس کے ترکیبی معنی یہ ہیں کہ پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اب جاننا چاہیئے کہ انسان پر ایک زہریلی بیماری کے فرو ہونے کے بعد اعلیٰ درجہ کی صحت تک دو حالتیں آتی ہیں۔ ایک وہ حالت جبکہ زہریلے مواد کا جوش بکلی جاتا رہتا ہے اور خطرناک مادوں کا جوش رُو بہ اصلاح ہو جاتا ہے اور سمّی کیفیات کا حملہ بخیر و عافیت گذر جاتا ہے اور ایک مہلک طوفان جو اٹھا تھا نیچے دب جاتا ہے لیکن ہنوز اعضاء میں کمزوری باقی ہوتی ہے۔ کوئی طاقت کا کام نہیں ہوسکتا۔ ابھی مُردہ کی طرح افتاں وخیزاں چلتا ہے۔ اور دوسری وہ حالت ہے کہ جب اصلی صحت عود کر آتی اور بدن میں طاقت بھر جاتی ہے اور قوت کے بحال ہونے سے یہ حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے کہ بلا تکلف پہاڑ کے اوپر چڑھ جائے اور نشاط خاطر سے اونچی گھاٹیوں پر دوڑتا چلا جائے۔ سو سلوک کے تیسرے مرتبہ میں یہ حالت میسر آتی ہے ایسی حالت کی نسبت اللہ تعالیٰ آیت موصوفہ میں اشارہ فرماتا ہے۔ کہ انتہائی درجہ کے باخدا لوگ وہ پیالے پیتے ہیں۔ جن میں زنجبیل ملی ہوئی ہے یعنی وہ روحانی حالت کی پوری قوت پا کر بڑی بڑی گھاٹیوں پر چڑھ جاتے ہیں اور بڑے مشکل کام ان کے ہاتھ سے انجام پذیر ہوتے ہیں اور خدا کی راہ میں حیرت ناک جانفشانیاں دکھلاتے ہیں۔

زنجبیل کی تاثیر

اس جگہ یہ بھی واضح رہے کہ علم طب کی رو سے زنجبیل وہ دوا ہے جس کو ہندی میں سونٹھ کہتے ہیں۔ وہ حرارت غریزی کو بہت قوت دیتی ہے اور دستوں کو بند کرتی ہے اور اس کا زنجبیل اسی واسطے نام رکھا گیا ہے کہ گویا وہ کمزور کو ایسا قوی کرتی ہے اور ایسی گرمی پہنچاتی ہے جس سے وہ پہاڑوں پر چڑھ سکے۔ ان متقابل آیتوں کے پیش کرنے سے جن میں ایک جگہ کافور کا ذکر ہے اور ایک جگہ زنجبیل کا۔ خدا تعالیٰ کی یہ غرض ہے کہ تا اپنے بندوں کو سمجھائے کہ جب انسان جذبات نفسانی سے نیکی کی طرف حرکت کرتا ہے تو پہلے پہل اس حرکت کے بعد یہ حالت پیدا ہوتی ہے کہ اس کے زہریلے مواد نیچے دبائے جاتے ہیں۔ اور نفسانی جذبات رو بکمی ہونے لگتے ہیں جیسا کہ

﴿۵۲﴾

کافور زہریلے مواد کو دبا لیتا ہے اسی لئے وہ ہیضہ اور محرقہ تپوں میں مفید ہے اور پھر جب زہریلے مواد کا جوش بالکل جاتا رہے اور ایک کمزور صحت جوضعف کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے حاصل ہو جائے تو پھر دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ وہ ضعیف بیمار **زنجبیل** کے شربت سے قوت پاتا ہے۔اور **زنجبیلی** شربت خداتعالیٰ کے حسن و جمال کی تجلّی ہے جو روح کی غذا ہے۔جب اس تجلّی سے انسان قوت پکڑتا ہے تو پھر بلند اور اونچی گھاٹیوں پر چڑھنے کے لائق ہو جاتا ہے اور خداتعالیٰ کی راہ میں ایسی حیرت ناک سختی کے کام دکھلاتا ہے کہ جب تک یہ عاشقانہ گرمی کسی کے دل میں نہ ہو ہرگز ایسے کام دکھلا نہیں سکتا۔سو خداتعالیٰ نے اس جگہ ان دو حالتوں کے سمجھانے کے لئے عربی زبان کے دو۲ لفظوں سے کام لیا ہے۔ایک **کافور** سے جو نیچے دبانے والے کو کہتے ہیں اور دوسرے **زنجبیل** سے جو اوپر چڑھنے والے کو کہتے ہیں۔اور اس راہ میں بھی دو حالتیں سالکوں کے لئے واقع ہیں۔

باقی حصہ آیت کا یہ ہے۔ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَاۡ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا۔[1] یعنی ہم نے منکروں کے لئے جو سچائی کو قبول کرنا نہیں چاہتے۔زنجیریں تیار کر دی ہیں اور طوق گردن اور ایک افروختہ آگ کی سوزش۔اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ سچے دل سے خداتعالیٰ کو نہیں ڈھونڈتے۔ان پر خدا کی طرف سے رجعت پڑتی ہے وہ دنیا کی گرفتاریوں میں ایسے مبتلا رہتے ہیں کہ گویا پابزنجیر ہیں۔اور زمینی کاموں میں ایسے نگونسار ہوتے ہیں کہ گویا ان کی گردن میں ایک طوق ہے جو ان کو آسمان کی طرف سر نہیں اٹھانے دیتا اور ان کے دلوں میں حرص و ہوا کی ایک سوزش لگی ہوئی ہوتی ہے کہ یہ مال حاصل ہو جائے اور یہ جائیداد مل جائے۔اور فلاں ملک ہمارے قبضہ میں آ جائے اور فلاں دشمن پر ہم فتح پا جائیں۔اس قدر روپیہ ہو۔اتنی دولت ہو۔سو چونکہ خدائے تعالیٰ ان کو نالائق دیکھتا ہے۔اور برے کاموں میں مشغول پاتا ہے اس لئے یہ تینوں بلائیں ان کو لگا دیتا ہے۔اور اس جگہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جب انسان سے کوئی فعل صادر ہوتا ہے تو اسی کے مطابق خدا بھی

[1] الدھر: ۵

اپنی طرف سے ایک فعل صادر کرتا ہے مثلاً انسان جس وقت اپنی کوٹھڑی کے تمام دروازوں کو بند کردے تو انسان کے اس فعل کے بعد خدا تعالیٰ کا یہ فعل ہوگا کہ وہ اس کوٹھڑی میں اندھیرا پیدا کر دے گا۔ کیونکہ جو امور خدا تعالیٰ کے قانون قدرت میں ہمارے کاموں کیلئے بطور ایک نتیجہ لازمی کے مقدر ہو چکے ہیں وہ سب خدا تعالیٰ کے فعل ہیں۔ وجہ یہ کہ وہی علّتُ العلل ہے۔ ایسا ہی اگر مثلاً کوئی شخص زہر قاتل کھالے تو اس کے اس فعل کے بعد خدا تعالیٰ کا یہ فعل صادر ہوگا کہ اسے ہلاک کردے گا۔ ایسا ہی اگر کوئی ایسا بیجا فعل کرے جو کسی متعدّی بیماری کا موجب ہو۔ تو اس کے اس فعل کے بعد خدا تعالیٰ کا یہ فعل ہوگا کہ وہ متعدّی بیماری اس کو پکڑ لے گی۔ پس جس طرح ہماری دنیوی زندگی میں صریح نظر آتا ہے کہ ہمارے ہر ایک فعل کے لئے ایک ضروری نتیجہ ہے اور وہ نتیجہ خدا تعالیٰ کا فعل ہے۔ ایسا ہی دین کے متعلق بھی یہی قانون ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ ان دو مثالوں میں صاف فرماتا ہے۔ ﴿۵۳﴾

اَلَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا [1] فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ [2]

یعنی جو لوگ اس فعل کو بجالائے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کی جستجو میں پوری پوری کوشش کی تو اس فعل کیلئے لازمی طور پر ہمارا یہ فعل ہوگا کہ ہم انکو اپنی راہ دکھاویں گے اور جن لوگوں نے کجی اختیار کی اور سیدھی راہ پر چلنا نہ چاہا تو ہمارا فعل اسکی نسبت یہ ہوگا کہ ہم ان کے دلوں کو کج کر دیں گے اور پھر اس حالت کو زیادہ توضیح دینے کیلئے فرمایا۔

مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا [3]

یعنی جو شخص اس جہان میں اندھا رہا وہ آنے والے جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا۔ بلکہ اندھوں سے بدتر۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نیک بندوں کو خدا کا دیدار اسی جہان میں ہو جاتا ہے۔ اور وہ اسی جگ میں اپنے اس پیارے کا درشن پا لیتے ہیں جس کے لئے وہ سب

[1] العنکبوت:۷۰ [2] الصفّ: ۶ [3] بنی اسرائیل: ۷۳

کھوتے ہیں۔ غرض مفہوم اس آیت کا یہی ہے کہ بہشتی زندگی کی بنیاد اسی جہان سے پڑتی ہے اور جہنمی نابینائی کی جڑھ بھی اسی جہان کی گندی اور کورانہ زیست ہے اور پھر فرمایا۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ [1]

یعنی جو لوگ ایمان لاتے اور اچھے عمل بجالاتے ہیں وہ ان باغوں کے وارث ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ایمان کو باغ کے ساتھ مشابہت دی۔ جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

پس واضح رہے کہ اس جگہ ایک اعلیٰ درجہ کی فلاسفی کے رنگ میں بتلایا گیا ہے کہ جو رشتہ نہروں کا باغ کے ساتھ ہے وہی رشتہ اعمال کا ایمان کے ساتھ ہے۔ پس جیسا کہ کوئی باغ بغیر پانی کے سرسبز نہیں رہ سکتا ایسا ہی کوئی ایمان بغیر نیک کاموں کے زندہ ایمان نہیں کہلا سکتا اگر ایمان ہو اور اعمال نہ ہوں تو وہ ایمان ہیچ ہے اور اگر اعمال ہوں اور ایمان نہ ہو تو وہ اعمال ریاکاری ہیں۔ اسلامی بہشت کی یہی حقیقت ہے کہ وہ اس دنیا کے ایمان اور عمل کا ایک ظلّ ہے وہ کوئی نئی چیز نہیں جو باہر سے آکر انسان کو ملے گی بلکہ انسان کی بہشت انسان کے اندر ہی سے نکلتی ہے اور ہر ایک کی بہشت اسی کا ایمان اور اسی کے اعمال صالحہ ہیں جن کی اسی دنیا میں لذت شروع ہو جاتی ہے اور پوشیدہ طور پر ایمان اور اعمال کے باغ نظر آتے ہیں۔ اور نہریں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن عالم آخرت میں یہی باغ کھلے طور پر محسوس ہوں گے۔ خدا کی پاک تعلیم ہمیں یہی بتلاتی ہے کہ سچا اور پاک اور مستحکم اور کامل ایمان جو خدا اور اس کی ذات اور [2] اس کی صفات اور اس کے ارادوں کے متعلق ہو وہ بہشت خوش نما اور باروَر درخت ہے اور اعمال صالحہ اس بہشت کی نہریں ہیں۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا

[1] البقرۃ: ۲۶ [2] یہ الفاظ صرف اصل مسودہ میں ہیں۔ (ناشر)

فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيَ أُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ [1]

﴿۵۴﴾ یعنی وہ ایمانی کلمہ جو ہر ایک افراط تفریط اور نقص اور خلل اور کذب اور ہزل سے پاک اور من کل الوجوہ کامل ہو۔ اس درخت کے ساتھ مشابہ ہے جو ہر ایک عیب سے پاک ہو۔ جس کی جڑھ زمین میں قائم اور شاخیں آسمان میں ہوں اور اپنے پھل کو ہمیشہ دیتا ہو۔ اور کوئی وقت اس پر نہیں آتا کہ اس کی شاخوں میں پھل نہ ہوں۔ اس بیان میں خدائے تعالیٰ نے ایمانی کلمہ کو ہمیشہ پھل دار درخت سے مشابہت دے کر تین علامتیں اس کی بیان فرمائیں۔

(۱) **اول** یہ کہ جڑھ اس کی جو اصل مفہوم سے مراد ہے انسان کے دل کی زمین میں ثابت ہو یعنی انسانی فطرت اور انسانی کانشنس نے اس کی حقانیت اور اصلیت کو قبول کر لیا ہو۔

(۲) **دوسری** علامت یہ کہ اس کلمہ کی شاخیں آسمان میں ہوں یعنی معقولیت اپنے ساتھ رکھتا ہو اور آسمانی قانون قدرت جو خدا کا فعل ہے اس فعل کے مطابق ہو۔ مطلب یہ کہ اس کی صحت اور اصلیت کے دلائل قانون قدرت سے مستنبط ہو سکتے ہوں اور نیز یہ کہ وہ دلائل ایسے اعلیٰ ہوں کہ گویا آسمان میں ہیں جن تک اعتراض کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔

(۳) **تیسری** علامت یہ ہے کہ وہ پھل جو کھانے کے لائق ہے دائمی اور غیر منقطع ہو۔ یعنی عملی مزاولت کے بعد اس کی برکات وتاثیرات ہمیشہ اور ہر زمانہ میں مشہود اور محسوس ہوتی ہوں۔ یہ نہیں کہ کسی خاص زمانہ تک ظاہر ہو کر پھر آگے بند ہو جائیں۔

اور پھر فرمایا۔

مَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۣاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ [2]

یعنی پلید کلمہ اس درخت کے ساتھ مشابہ ہے جو زمین میں سے اکھڑا ہوا ہو یعنی فطرت انسانی اس کو قبول نہیں کرتی اور کسی طور سے وہ قرار نہیں پکڑتا۔ نہ دلائل عقلیہ کی رو سے نہ

[1] ابراھیم: ۲۵، ۲۶ [2] ابراھیم: ۲۷

قانون قدرت کی رو سے اور نہ کانشنس کی رو سے[1] صرف قصہ اور کہانی کے رنگ میں ہوتا ہے اور جیسا کہ قرآن شریف نے عالم آخرت میں ایمان کے پاک درختوں کو انگور اور انار اور عمدہ عمدہ میووں سے مشابہت دی ہے اور بیان فرمایا ہے کہ اس روز وہ ان میووں کی صورت میں متمثّل ہوں گے اور دکھائی دیں گے۔ ایسا ہی بے ایمانی کے خبیث درخت کا نام عالم آخرت میں زقوم رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے:

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ [2] اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ كَالْمُهْلِ يَغْلِىْ فِى الْبُطُوْنِ كَغَلْىِ الْحَمِيْمِ ... ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ [3]

یعنی تم بتلاؤ کہ بہشت کے باغ اچھے ہیں یا زقوم کا درخت۔ جو ظالموں کے لئے ایک بلا ہے۔ وہ ایک درخت ہے جو جہنم کی جڑھ میں سے نکلتا ہے یعنی تکبر اور خود بینی سے پیدا ہوتا ہے۔ یہی دوزخ کی جڑھ ہے اس کا شگوفہ ایسا ہے جیسا کہ شیطان کا سر۔ شیطان کے معنے ہیں ہلاک ہونے والا۔ یہ لفظ شیط سے نکلا ہے۔ پس حاصل کلام یہ ہے کہ اس کا کھانا ہلاک ہونا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ زقوم کا درخت ان دوزخیوں کا کھانا ہے جو عمداً گناہ کو اختیار کر لیتے ہیں۔ وہ کھانا ایسا ہے جیسا کہ تانبا گلا ہوا کھولتے ہوئے پانی کی طرح پیٹ میں جوش مارنے والا۔ پھر دوزخی کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ اس درخت کو چکھ، تُو عزّت والا اور بزرگ ہے۔ یہ کلام نہایت غضب کا ہے۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ اگر تو تکبر نہ کرتا اور اپنی بزرگی اور عزّت کا پاس کر کے حق سے منہ نہ پھیرتا تو آج یہ تلخیاں تجھے اٹھانی نہ پڑتیں۔ یہ آیت اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ دراصل یہ لفظ زقوم کا ذق اور ام سے مرکب ہے اور ام ۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۔ کا ملخص ہے۔ جس میں ایک حرف پہلے کا اور ایک حرف آخر کا موجود ہے اور کثرت استعمال نے

﴿۵۵﴾

[1] خط کشیدہ جملہ اصل مسودہ اور رپورٹ میں موجود ہے جب کہ ایڈیشن اول میں لکھنے سے رہ گیا ہے۔ (ناشر)

[2] الصّٰفّٰت: ۶۳ تا ۶۶ [3] الدخان: ۴۴ تا ۵۰

ذالؔ زا کے ساتھ بدل دیا ہے۔ اب حاصل کلام یہ ہے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی دنیا کے ایمانی کلمات کو بہشت کے ساتھ مشابہت دی ہے۔ ایسا ہی اسی دنیا کے بے ایمانی کے کلمات کو زقوم کے ساتھ مشابہت دی اور اس کو دوزخ کا درخت ٹھہرایا اور ظاہر فرمادیا کہ بہشت اور دوزخ کی جڑھ اسی دنیا سے شروع ہوتی ہے۔ جیسا کہ دوزخ کے باب میں ایک اور جگہ فرماتا ہے۔

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَةِ [1]

یعنی دوزخ وہ آگ ہے جو خدا کا غضب اس کا منبع ہے اور گناہ سے بھڑکتی ہے۔ اور پہلے دل پر غالب ہوتی ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس آگ کی اصل جڑھ وہ غم اور حسرتیں اور درد ہیں جو دل کو پکڑتے ہیں۔ کیونکہ تمام روحانی عذاب پہلے دل سے ہی شروع ہوتے ہیں اور پھر تمام بدن پر محیط ہو جاتے ہیں اور پھر ایک جگہ فرمایا۔

وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ [2]

یعنی جہنم کی آگ کا ایندھن جس سے وہ آگ ہمیشہ افروختہ رہتی ہے۔ دو چیزیں ہیں ایک وہ انسان جو حقیقی خدا کو چھوڑ کر اَور اَور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں یا ان کی مرضی سے ان کی پرستش کی جاتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ [3]

یعنی تم اور تمہارے باطل معبود جو انسان ہو کر خدا کہلاتے رہے جہنم میں ڈالے جائیں گے (۲) دوسرا ایندھن جہنم کا بت ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کا وجود نہ ہوتا تو جہنم بھی نہ ہوتا۔ سو ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کے پاک کلام میں بہشت اور دوزخ اس جسمانی دنیا کی طرح نہیں ہے بلکہ ان دونوں کا مبداء اور منبع روحانی امور ہیں۔ ہاں وہ چیزیں دوسرے عالم میں جسمانی شکل پر نظر آئیں گی۔ مگر اس جسمانی عالم سے نہیں ہوں گی۔

[1] الھمزۃ:۷،۸ [2] البقرۃ:۲۵ [3] الانبیاء:۹۹

اللہ تعالیٰ سے کامل روحانی تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ

اب ہم پھر اصل مطلب کی طرف عود کر کے کہتے ہیں کہ خدا کے ساتھ روحانی اور کامل تعلق پیدا ہونے کا ذریعہ جو قرآن شریف نے ہمیں سکھلایا ہے **اسلام** اور **دعائے فاتحہ** ہے۔ یعنی اول اپنی تمام زندگی خدا کی راہ میں وقف کر دینا اور پھر اس دعا میں لگے رہنا جو سورہ فاتحہ میں مسلمانوں کو سکھائی گئی ہے۔ تمام اسلام کا مغز یہ دونوں چیزیں ہیں۔ اسلام اور دعائے فاتحہ دنیا میں خدا تک پہنچنے اور حقیقی نجات کا پانی پینے کے لئے یہی ایک اعلیٰ ذریعہ ہے بلکہ یہی ایک ذریعہ ہے جو قانون قدرت نے انسان کی اعلیٰ ترقی اور وصال الٰہی کے لئے مقرر کیا ہے اور وہی خدا کو پاتے ہیں کہ جو اسلام کے مفہوم کی روحانی آگ میں داخل ہوں اور دعائے فاتحہ میں لگے رہیں۔ **اسلام** کیا چیز ہے۔ وہی جلتی ہوئی آگ جو ہماری سفلی زندگی کو بھسم کر کے اور ہمارے باطل معبودوں کو جلا کر سچے اور پاک معبود کے آگے ہماری جان اور ہمارے مال اور ہماری آبرو کی قربانی پیش کرتی ہے۔ ایسے چشمہ میں داخل ہو کر ہم ایک نئی زندگی کا پانی پیتے ہیں اور ہماری تمام روحانی قوتیں خدا سے یوں پیوند پکڑتی ہیں جیسا کہ ایک رشتہ دوسرے رشتہ سے پیوند کیا جاتا ہے۔ بجلی کی آگ کی طرح ایک آگ ہمارے اندر سے نکلتی ہے اور ایک آگ اوپر سے ہم پر اترتی ہے ان دونوں شعلوں کے ملنے سے ہماری تمام ہوا و ہوس اور غیر اللہ کی محبت بھسم ہو جاتی ہے۔ اور ہم اپنی پہلی زندگی سے مر جاتے ہیں۔ اس حالت کا نام قرآن شریف کی رو سے **اسلام** ہے۔ اسلام سے ہمارے نفسانی جذبات کو موت آتی ہے۔ اور پھر دعا سے ہم اَز سرِ نو زندہ ہوتے ہیں۔ اس دوسری زندگی کے لئے الہام الٰہی ہونا ضروری ہے۔ اسی مرتبہ پر پہنچنے کا نام لقاء الٰہی ہے یعنی خدا کا دیدار اور خدا کا درشن۔ اس درجہ پر پہنچ کر انسان کو خدا سے وہ اتصال ہوتا ہے کہ گویا وہ اس کو آنکھ سے دیکھتا ہے۔ اور اس کو قوت دی جاتی ہے اور اس کے تمام حواس اور تمام اندرونی قوتیں روشن کی جاتی ہیں اور پاک زندگی کی کشش بڑے زور سے شروع ہو جاتی ہے۔ اسی درجہ پر آ کر خدا انسان کی آنکھ ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے

﴿۵۶﴾

اور زبان ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ بولتا ہے۔ اور ہاتھ ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ حملہ کرتا ہے اور کان ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ سنتا ہے اور پیر ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ چلتا ہے۔ اسی درجہ کی طرف اشارہ ہے جو خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَدُاللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ [1]

یہ اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے جو ان کے ہاتھوں پر ہے۔ اور ایسا ہی فرماتا ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى [2]

یعنی جو تو نے چلایا تو نے نہیں بلکہ خدا نے چلایا۔ غرض اس درجہ پر خدا تعالیٰ کے ساتھ کمال اتحاد ہو جاتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی پاک مرضی روح کے رگ وریشہ میں سرایت کر جاتی ہے۔ اور اخلاقی طاقتیں جو کمزور تھیں اس درجہ میں محکم پہاڑوں کی طرح نظر آتی ہیں۔ عقل اور فراست نہایت لطافت پر آ جاتی ہے۔ یہ معنے اس آیت کے ہیں جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ [3]

اس مرتبہ میں محبت اور عشق کی نہریں ایسے طور سے جوش مارتی ہیں جو خدا کیلئے مرنا اور خدا کے لئے ہزاروں دکھ اٹھانا اور بے آبرو ہونا ایسا آسان ہو جاتا ہے کہ گویا ایک ہلکا سا تنکا توڑنا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ کون کھینچ رہا ہے۔ ایک غیبی ہاتھ اس کو اٹھائے پھرتا ہے اور خدا کی مرضیوں کو پورا کرنا اس کی زندگی کا اصل الاصول ٹھہر جاتا ہے۔ اس مرتبہ میں خدا بہت ہی قریب دکھائی دیتا ہے جیسا کہ اُس نے فرمایا ہے۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ [4]

یعنی ہم اس سے اس کی رگ جان سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔ ایسی حالت میں اس مرتبہ کا آدمی ایسا ہوتا ہے کہ جس طرح پھل پختہ ہو کر خود بخود درخت پر سے گر جاتا ہے۔ اسی

[1] الفتح: ۱۱ [2] الانفال: ۱۸ [3] المجادلة: ۲۳ [4] قٓ: ۱۷

طرح اس مرتبہ کے آدمی کے تمام تعلقات سفلی کالعدم ہو جاتے ہیں۔ اس کا اپنے خدا سے ایسا گہرا تعلق ہو جاتا ہے اور وہ مخلوق سے دور چلا جاتا اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات سے شرف پاتا ہے۔ اس مرتبہ کے حاصل کرنے کے لئے اب بھی دروازے کھلے ہیں جیسے کہ پہلے کھلے ہوئے تھے اور اب بھی خدا کا فضل یہ نعمت ڈھونڈنے والوں کو دیتا ہے جیسا کہ پہلے دیتا تھا۔ مگر یہ راہ محض زبان کی فضولیوں کے ساتھ حاصل نہیں ہوتی اور فقط بے حقیقت باتوں اور لافوں سے یہ دروازہ نہیں کھلتا۔ چاہنے والے بہت ہیں مگر پانے والے کم۔ اس کا کیا سبب ہے۔ یہی کہ یہ مرتبہ سچی سرگرمی، سچی جانفشانی پر موقوف ہے۔ باتیں قیامت تک کیا کرو۔ کیا ہو سکتا ہے۔ صدق سے اس آگ پر قدم رکھنا جس کے خوف سے اور لوگ بھاگتے ہیں۔ اس راہ کی پہلی شرط ہے۔ اگر عملی سرگرمی نہیں تو لاف زنی ہیچ ہے۔ اس بارے میں اللہ جلّ شانُہٗ فرماتا ہے۔[1] ﴿۵۷﴾

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ [2]

یعنی اگر میرے بندے میری نسبت سوال کریں کہ وہ کہاں ہے؟ تو انکو کہہ کہ وہ تم سے بہت ہی قریب ہے۔ میں دعا کرنیوالے کی دعا سنتا ہوں۔ پس چاہئے کہ وہ دعاؤں سے میرا وصل ڈھونڈیں اور مجھ پر ایمان لاویں تا کامیاب ہوں۔

دوسرا سوال

موت کے بعد انسان کی کیا حالت ہوتی ہے؟

سو اس سوال کے جواب میں یہ گذارش ہے کہ موت کے بعد جو کچھ انسان کی حالت ہوتی ہے درحقیقت وہ کوئی نئی حالت نہیں ہوتی بلکہ وہی دنیا کی زندگی کی حالتیں زیادہ صفائی سے کھل جاتی ہیں۔ جو کچھ انسان کے عقائد اور اعمال کی کیفیت صالحہ یا غیر صالحہ ہوتی ہے۔ وہ اس

[1] خط کشیدہ الفاظ اصل مسودہ اور رپورٹ میں موجود ہیں جبکہ ایڈیشن اول میں لکھنے سے رہ گئے ہیں (ناشر)
[2] البقرۃ: ۱۸۷

جہان میں مخفی طور پر اس کے اندر ہوتی ہے اور اس کا تریاق یا زہر ایک چھپی ہوئی تاثیر انسانی وجود پر ڈالتا ہے۔ مگر آنے والے جہان میں ایسا نہیں رہے گا بلکہ وہ تمام کیفیات کھلا کھلا اپنا چہرہ دکھلائیں گی۔ اس کا نمونہ عالم خواب میں پایا جاتا ہے کہ انسان کے بدن پر جس قسم کے مواد غالب ہوتے ہیں عالم خواب میں اسی قسم کی جسمانی حالتیں نظر آتی ہیں۔ جب کوئی تیز تپ چڑھنے کو ہوتا ہے تو خواب میں اکثر آگ اور آگ کے شعلے نظر آتے ہیں اور بلغمی تپوں اور ریزش اور زکام کے غلبہ میں انسان اپنے تئیں پانی میں دیکھتا ہے۔ غرض جس طرح کی بیماریوں کیلئے بدن نے تیاری کی ہو وہ کیفیتیں تمثل کے طور پر خواب میں نظر آجاتی ہیں۔ پس خواب کے سلسلہ پر غور کرنے سے ہر ایک انسان سمجھ سکتا ہے کہ عالم ثانی میں بھی یہی سنت اللہ ہے۔ کیونکہ جس طرح خواب ہم میں ایک خاص تبدیلی پیدا کر کے روحانیات کو جسمانی طور پر تبدیل کر کے دکھلاتا ہے۔ اس عالم میں بھی یہی ہوگا۔ اور اس دن ہمارے اعمال اور اعمال کے نتائج جسمانی طور پر ظاہر ہوں گے۔ اور جو کچھ ہم اس عالم سے مخفی طور پر ساتھ لے جائیں گے وہ سب اس دن ہمارے چہرہ پر نمودار نظر آئے گا۔ اور جیسا کہ انسان جو کچھ خواب میں طرح طرح کے تمثلات دیکھتا ہے اور کبھی گمان نہیں کرتا کہ یہ تمثلات ہیں بلکہ انہیں واقعی چیزیں یقین کرتا ہے ایسا ہی اُس ﴿۵۸﴾ عالم میں ہوگا بلکہ خدا تمثلات کے ذریعہ سے اپنی نئی قدرت دکھائے گا۔ چونکہ وہ قدرت کامل ہے۔ پس اگر ہم تمثلات کا نام بھی نہ لیں اور یہ کہیں کہ وہ خدا کی قدرت سے ایک نئی پیدائش ہے تو یہ تقریر بہت درست اور واقعی اور صحیح ہے۔ خدا فرماتا ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ [1]

یعنی کوئی نفس نیکی کرنے والا نہیں جانتا کہ وہ کیا کیا نعمتیں ہیں جو اس کے لئے مخفی ہیں۔ سو خدا نے ان تمام نعمتوں کو مخفی قرار دیا جن کا دنیا کی نعمتوں میں نمونہ نہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ دنیا کی نعمتیں ہم پر مخفی نہیں ہیں اور دودھ اور انار اور انگور وغیرہ کو ہم جانتے ہیں۔

[1] السجدۃ: ۱۸

اور ہمیشہ یہ چیزیں کھاتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ چیزیں اور ہیں اور ان کو ان چیزوں سے صرف نام کا اشتراک ہے۔ پس جس نے بہشت کو دنیا کی چیزوں کا مجموعہ سمجھا۔ اس نے قرآن شریف کا ایک حرف بھی نہیں سمجھا۔

اس آیت کی شرح میں جو ابھی میں نے ذکر کی ہے ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بہشت اور اسکی نعمتیں وہ چیزیں ہیں جو نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ دلوں میں کبھی گذریں۔ حالانکہ ہم دنیا کی نعمتوں کو آنکھوں سے بھی دیکھتے ہیں اور کانوں سے بھی سنتے ہیں اور دل میں بھی وہ نعمتیں گزرتی ہیں۔ پس جبکہ خدا اور رسول اس کا ان چیزوں کو ایک نرالی چیزیں بتلاتا ہے تو ہم قرآن سے دور جا پڑتے ہیں۔ اگر یہ گمان کریں کہ بہشت میں بھی دنیا کا ہی دودھ ہوگا جو گائیوں اور بھینسوں سے دوہا جاتا ہے۔ گویا دودھ دینے والے جانوروں کے وہاں ریوڑ کے ریوڑ موجود ہوں گے۔ اور درختوں پر شہد کی مکھیوں نے بہت سے چھتے لگائے ہوئے ہونگے اور فرشتے تلاش کر کے وہ شہد نکالیں گے اور نہروں میں ڈالیں گے کیا ایسے خیالات اس تعلیم سے کچھ مناسبت رکھتے ہیں جس میں یہ آیتیں موجود ہیں کہ دنیا نے ان چیزوں کو کبھی نہیں دیکھا اور وہ چیزیں روح کو روشن کرتی ہیں اور خدا کی معرفت بڑھاتی ہیں اور روحانی غذائیں ہیں۔ گو ان غذاؤں کا تمام نقشہ جسمانی رنگ پر ظاہر کیا گیا ہے مگر ساتھ ساتھ بتایا گیا ہے کہ انکا سرچشمہ روح اور راستی ہے۔ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت سے یہ پایا جاتا ہے کہ جو جو نعمتیں بہشت میں دی جائیں گی ان نعمتوں کو دیکھ کر بہشتی لوگ انکو شناخت کرلیں گے کہ یہی نعمتیں ہمیں پہلے بھی ملی تھیں۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا[۱] ﴿۵۰﴾

۱ البقرة: ۲۶

یعنی جولوگ ایمان لانے والے اور اچھے کام کرنے والے ہیں جن میں ذرہ فساد نہیں۔ ان کو خوش خبری دے کہ وہ اس بہشت کے وارث ہیں جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ جب وہ عالم آخرت میں ان درختوں کے ان پھلوں میں سے جو دنیا کی زندگی میں ہی ان کو مل چکے تھے پائیں گے تو کہیں گے کہ یہ تو وہ پھل ہیں جو ہمیں پہلے ہی دیئے گئے تھے۔ کیونکہ وہ ان پھلوں کو ان پہلے پھلوں سے مشابہ پائیں گے۔ اب یہ گمان کہ پہلے پھلوں سے مراد دنیا کی جسمانی نعمتیں ہیں بالکل غلطی ہے اور آیت کے بدیہی معنے اور اس کے منطوق کے بالکل برخلاف ہے۔ بلکہ اللہ جلّ شانہٗ اس آیت میں یہ فرماتا ہے کہ جولوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے انہوں نے اپنے ہاتھ سے ایک بہشت بنایا ہے جس کے درخت ایمان اور جس کی نہریں اعمال صالحہ ہیں۔ اسی بہشت کا وہ آئندہ بھی پھل کھائیں گے اور وہ پھل زیادہ نمایاں اور شیریں ہوگا۔ اور چونکہ وہ روحانی طور پر اسی پھل کو دنیا میں کھا چکے ہوں گے اس لئے دوسری دنیا میں اس پھل کو پہچان لیں گے اور کہیں گے کہ یہ تو وہی پھل معلوم ہوتے ہیں کہ جو پہلے ہمارے کھانے میں آچکے ہیں اور اس پھل کو اس پہلی خوراک سے مشابہ پائیں گے۔ سو یہ آیت صریح بتا رہی ہے کہ جولوگ دنیا میں خدا کی محبت اور پیار کی غذا کھاتے تھے۔ اب جسمانی شکل پر وہی غذا ان کو ملے گی اور چونکہ وہ پریت اور محبت کا مزہ چکھ چکے تھے اور اس کیفیت سے آگاہ تھے۔ اس لئے ان کی روح کو وہ زمانہ یاد آجائے گا کہ جب وہ گوشوں اور خلوتوں میں اور رات کے اندھیروں میں محبت کے ساتھ اپنے محبوب حقیقی کو یاد کرتے اور اس یاد سے لذت اٹھاتے تھے۔

غرض اس جگہ جسمانی غذاؤں کا کچھ ذکر نہیں۔ اور اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ جبکہ روحانی طور پر عارفوں کو یہ غذا دنیا میں مل چکی تھی تو پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ ایسی نعمتیں ہیں کہ نہ دنیا میں کسی نے دیکھیں نہ سنیں اور نہ کسی کے دل میں گذریں۔ اور اس صورت میں ان دونوں آیتوں میں تناقض پایا جاتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تناقض اس صورت میں ہوتا کہ جب اس آیت میں دنیا کی نعمتیں مراد ہوتیں لیکن جب اس جگہ دنیا کی نعمتیں مراد نہیں ہیں۔ جو کچھ عارف کو معرفت کے رنگ میں ملتا ہے وہ درحقیقت دوسرے جہان کی نعمت ہوتی ہے

جس کا نمونہ شوق دلانے کے لئے پہلے ہی دیا جاتا ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ باخدا آدمی دنیا میں سے نہیں ہوتا۔ اسی لئے تو دنیا اس سے بغض رکھتی ہے بلکہ وہ آسمان سے ہوتا ہے اس لئے آسمانی نعمت اس کو ملتی ہے۔ دنیا کا آدمی دنیا کی نعمتیں پاتا ہے اور آسمان کا آسمانی نعمتیں حاصل کرتا ہے۔ سو یہ بالکل سچ ہے کہ وہ نعمتیں دنیا کے کانوں اور دنیا کے دلوں اور دنیا کی آنکھوں سے چھپائی گئیں۔ لیکن جس کی دنیوی زندگی پر موت آجائے اور وہ پیالہ روحانی طور پر اس کو پلایا جائے جو آگے جسمانی طور پر پیا جائے گا اس کو یہ پینا اس وقت یاد آجائے گا جبکہ وہی پیالہ جسمانی طور پر اس کو دیا جائے گا۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ وہ اس نعمت سے دنیا کی آنکھ اور کان وغیرہ کو بے خبر سمجھے گا۔ چونکہ وہ دنیا میں تھا اگرچہ دنیا میں سے نہیں تھا۔ اس لئے وہ بھی گواہی دے گا کہ دنیا کی نعمتوں سے وہ نعمت نہیں۔ نہ دنیا میں اس کی آنکھ نے ایسی نعمت دیکھی نہ کان نے سنی اور نہ دل میں گذری۔ لیکن دوسری زندگی میں اس کے نمونے دیکھے جو دنیا میں سے نہیں تھے بلکہ وہ آنے والے جہاں کی ایک خبر تھی اور اُسی سے اُس کا رشتہ اور تعلق تھا۔ دنیا سے کچھ تعلق نہیں تھا۔ ﴿۶۰﴾

عالم معاد کے متعلق تین۳ قرآنی معارف

اب قاعدہ کلی کے طور پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ موت کے بعد جو حالتیں پیش آتی ہیں۔ قرآن شریف نے انہیں تین قسم پر منقسم کیا ہے اور عالم معاد کے متعلق یہ تین قرآنی معارف ہیں۔ جن کو ہم جدا جدا اس جگہ ذکر کرتے ہیں۔

پہلا دقیقہ معرفت

اوّل۔ یہ دقیقہ معرفت ہے کہ قرآن شریف بار بار یہی فرماتا ہے کہ عالم آخرت کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ اسکے تمام نظارے اسی دنیوی زندگی کے اظلال وآثار ہیں جیسا کہ وہ فرماتا ہے

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا۔[1]

[1] بنی اسرائیل: ۱۴

یعنی ہم نے اسی دنیا میں ہر ایک شخص کے اعمال کا اثر اس کی گردن سے باندھ رکھا ہے اور انہیں پوشیدہ اثروں کو ہم قیامت کے دن ظاہر کر دیں گے۔ اور ایک کھلے کھلے اعمال نامہ کی شکل پر دکھا دیں گے۔ اس آیت میں جو طائر کا لفظ ہے تو واضح ہو کہ طائر اصل میں پرندہ کو کہتے ہیں پھر استعارہ کے طور پر اس سے مراد عمل بھی لیا گیا ہے کیونکہ ہر ایک عمل نیک ہو یا بد ہو وہ وقوع کے بعد پرندہ کی طرح پرواز کر جاتا ہے اور مشقت یا لذت اس کی کالعدم ہو جاتی ہے اور دل پر اس کی کثافت یا لطافت باقی رہ جاتی ہے۔

یہ قرآنی اصول ہے کہ ہر ایک عمل پوشیدہ طور پر اپنے نقوش جماتا رہتا ہے جس طور کا انسان کا فعل ہوتا ہے اس کے مناسب حال ایک خدا تعالیٰ کا فعل صادر ہوتا ہے اور وہ فعل اس گناہ کو یا اس کی نیکی کو ضائع ہونے نہیں دیتا بلکہ اس کے نقوش دل پر، منہ پر، آنکھوں پر کانوں پر، ہاتھوں پر، پیروں پر لکھے جاتے ہیں اور یہی پوشیدہ طور پر ایک اعمالنامہ ہے جو دوسری زندگی میں کھلے طور پر ظاہر ہو جائے گا۔

اور پھر ایک دوسری جگہ بہشتیوں کے بارے میں فرماتا ہے۔

یَوۡمَ تَرَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ یَسۡعٰی نُوۡرُھُمۡ بَیۡنَ اَیۡدِیۡھِمۡ وَبِاَیۡمَانِھِمۡ [1]

یعنی اس دن بھی ایمانی نور جو پوشیدہ طور پر مومنوں کو حاصل ہے۔ کھلے کھلے طور پر ان کے آگے اور ان کے داہنے ہاتھ پر دوڑتا نظر آئے گا۔ پھر ایک اور جگہ بدکاروں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔

اَلۡھٰکُمُ التَّکَاثُرُ حَتّٰی زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ثُمَّ کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ کَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡیَقِیۡنِ لَتَرَوُنَّ الۡجَحِیۡمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّھَا عَیۡنَ

[1] الحدید: ۱۳

اَلْیَقِیْنِ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ [1]

یعنی دنیا کی کثرت حرص و ہوا نے تمہیں آخرت کی تلاش سے روک رکھا یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پڑے۔ دنیا سے دل مت لگاؤ۔ تم عنقریب جان لوگے کہ دنیا سے دل لگانا اچھا نہیں۔ پھر میں کہتا ہوں کہ عنقریب تم جان لوگے کہ دنیا سے دل لگانا اچھا نہیں۔ اگر تمہیں یقینی علم حاصل ہو تو تم دوزخ کو اسی دنیا میں دیکھ لوگے۔ پھر برزخ کے عالم میں یقین کی آنکھوں کے ساتھ دیکھوگے۔ پھر عالم حشر اجساد میں پورے مواخذہ میں آجاؤگے اور وہ عذاب تم پر کامل طور پر وارد ہو جائے گا۔ اور صرف قال سے نہیں بلکہ حال سے تمہیں دوزخ کا علم حاصل ہو جائے گا۔ ﴿۶۱﴾

علم کی تین قسمیں

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے کہ اسی جہان میں بدکاروں کے لئے جہنمی زندگی پوشیدہ طور پر ہوتی ہے۔ اور اگر غور کریں تو اپنی دوزخ کو اسی دنیا میں دیکھ لیں گے اور اس جگہ اللہ تعالیٰ نے علم کو تین درجوں پر منقسم کیا ہے یعنی علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین۔ اور عام کے سمجھنے کے لئے ان تینوں علموں کی یہ مثالیں ہیں کہ اگر مثلاً ایک شخص دور سے کسی جگہ بہت سا دُھواں دیکھے اور دھویں سے ذہن منتقل ہو کر آگ کی طرف چلا جائے اور آگ کے وجود کا یقین کرے اور اس خیال سے کہ دھوئیں اور آگ میں ایک تعلق لاینفک اور ملازمت تامّہ ہے۔ جہاں دھواں ہوگا ضرور ہے کہ آگ بھی ہو۔ پس اس علم کا نام **علم الیقین** ہے اور پھر جب آگ کے شعلے دیکھ لے تو اس علم کا نام **عین الیقین** ہے اور جب اس آگ میں آپ ہی داخل ہو جائے تو اس علم کا نام **حق الیقین** ہے۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جہنم کے وجود کا علم الیقین تو اسی دنیا میں ہو سکتا ہے۔ پھر عالم برزخ میں عین الیقین حاصل ہوگا۔ اور عالم حشر اجساد میں وہی علم حق الیقین کے کامل مرتبہ تک پہنچے گا۔

تین عالم

اس جگہ واضح رہے کہ قرآنی تعلیم کی رو سے تین عالم ثابت ہوتے ہیں۔

[1] التکاثر : ۲تا۹

اول یہ کہ دنیا جس کا نام **عالم کسب** اور **نشاء اولیٰ** ہے۔ اسی دنیا میں انسان اکتساب نیکی کا یا بدی کا کرتا ہے اور اگرچہ عالم بعث میں نیکوں کے واسطے ترقیات ہیں مگر وہ بعض خدا کے فضل سے ہیں۔ انسان کے کسب کو ان میں دخل نہیں۔

(۲) اور دوسرے عالم کا نام **برزخ** ہے۔ اصل میں لفظ **برزخ** لغت عرب میں اس چیز کو کہتے ہیں کہ جو دو چیزوں کے درمیان واقع ہو۔ سو چونکہ یہ زمانہ عالم بعث اور عالم نشاء اولیٰ میں واقع ہے۔ اس لئے اس کا نام برزخ ہے۔ لیکن یہ لفظ قدیم سے اور جب سے کہ دنیا کی بناء پڑی عالم درمیانی پر بولا گیا ہے۔ اس لئے اس لفظ میں عالم درمیانی کے وجود پر ایک عظیم الشان شہادت مخفی ہے۔ ہم اپنی کتاب[۱] **منن الرحمٰن** میں ثابت کر چکے ہیں کہ عربی کے الفاظ وہ الفاظ ہیں جو خدا کے منہ سے نکلے ہیں اور دنیا میں فقط یہی ایک زبان ہے جو خدائے قدوس کی زبان اور قدیم اور تمام علوم کا سرچشمہ اور تمام زبانوں کی ماں اور خدا کی وحی کا پہلا اور پچھلا تخت گاہ ہے۔ خدا کی وحی کا پہلا تخت گاہ اس لئے کہ تمام عربی خدا کا کلام تھا جو قدیم سے خدا کے ساتھ تھا۔ پھر وہی کلام دنیا میں اترا اور دنیا نے اس سے اپنی بولیاں بنائیں۔ اور آخری تخت گاہ خدا کا اس لئے لغت عربی ٹھہری کہ آخری کتاب خدا تعالیٰ کی جو قرآن شریف ہے۔ عربی میں نازل ہوئی۔ سو **برزخ** عربی لفظ ہے جو مرکب ہے **زَخَّ** اور **بَرّ** سے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ طریق کسب اعمال ختم ہو گیا اور ایک مخفی حالت میں پڑ گیا۔ برزخ کی حالت وہ حالت ہے کہ جب یہ ناپائیدار ترکیب انسانی تفرق پذیر ہو جاتی ہے اور روح الگ اور جسم الگ ہو جاتا ہے۔ اور جیسا کہ دیکھا گیا ہے کہ جسم کسی گڑھے میں ڈال دیا جاتا ہے اور روح بھی ایک قسم کے گڑھے میں پڑ جاتی ہے۔ جس پر لفظ زخّ کا دلالت کرتا ہے کیونکہ وہ افعال کسب خیر یا شر پر قادر نہیں ہو سکتی کہ جو جسم کے تعلقات سے اس سے صادر ہو سکتے تھے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ہماری روح کی عمدہ صحت جسم پر موقوف ہے۔ دماغ کے ایک خاص حصہ پر چوٹ لگنے سے حافظہ جاتا رہتا ہے اور دوسرے حصہ پر آفت پہنچنے سے قوت متفکرہ رخصت ہوتی ہے اور تمام ہوش و حواس رخصت

﴿۶۲﴾

[۱] خط کشیدہ الفاظ اصل مسودہ میں لکھے ہیں (ناشر)

ہو جاتے ہیں اور دماغ میں جب کسی قسم کا تشنج ہو جائے یا ورم پیدا ہو۔ یا خون یا کوئی اور مادہ ٹھہر جائے اور کسی سدّہ تام یا غیر تام کو پیدا کرے تو غشی یا مرگی یا سکتہ معاً لاحق حال ہو جاتا ہے۔ پس ہمارا قدیم کا تجربہ ہمیں یقینی طور پر سکھلاتا ہے کہ ہماری روح بغیر تعلق جسم کے بالکل نکمی ہے۔ سو یہ بات بالکل باطل ہے کہ ہم ایسا خیال کریں کہ کسی وقت میں ہماری مجرد روح جس کے ساتھ جسم نہیں ہے کسی خوشحالی کو پا سکتی ہے۔ اگر ہم قصہ کے طور پر اس کو قبول کریں تو کریں لیکن معقولی طور پر اس کے ساتھ کوئی دلیل نہیں۔ ہم بالکل سمجھ نہیں سکتے کہ وہ ہماری روح جو جسم کے ادنیٰ ادنیٰ خلل کے وقت بیکار ہو کر بیٹھ جاتی ہے وہ اس روز کیونکر کامل حالت پر رہے گی جبکہ بالکل جسم کے تعلقات سے محروم کی جائے گی۔ کیا ہر روز ہمیں تجربہ نہیں سمجھاتا کہ روح کی صحت کے لئے جسم کی صحت ضروری ہے۔ جب ایک شخص ہم میں سے پیر فرتوت ہو جاتا ہے تو ساتھ ہی اس کی روح بھی بوڑھی ہو جاتی ہے۔ اس کا تمام علمی سرمایہ بڑھاپے کا چور چرا کر لے جاتا ہے جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے۔

لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا [1]

یعنی انسان بڈھا ہو کر ایسی حالت تک پہنچ جاتا ہے کہ پڑھ پڑھا کر پھر جاہل بن جاتا ہے۔ پس ہمارا یہ مشاہدہ اس بات پر کافی دلیل ہے کہ روح بغیر جسم کے کچھ چیز نہیں۔ پھر یہ خیال بھی انسان کو حقیقی سچائی کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ اگر روح بغیر جسم کے کچھ چیز ہوتی تو خدائے تعالیٰ کا یہ کام لغو ٹھہرتا کہ اس کو خواہ نخواہ جسم فانی سے پیوند دے دیتا۔ اور پھر یہ بھی سوچنے کے لائق ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو غیر متناہی ترقیات کے لئے پیدا کیا ہے۔ پس جس حالت میں انسان اس مختصر زندگی کی ترقیات کو بغیر رفاقت جسم کے حاصل نہیں کر سکا تو کیونکر امید رکھیں کہ ان نا متناہی ترقیات کو جو نا پیدا کنار ہیں بغیر رفاقت جسم کے خود بخود حاصل کر لے گا۔

سو ان تمام دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ روح کے افعال کاملہ صادر ہونے کیلئے اسلامی

[1] الحج:٦

اصول کے رو سے جسم کی رفاقت روح کے ساتھ دائمی ہے۔ گو موت کے بعد یہ فانی جسم روح سے الگ ہو جاتا ہے مگر عالم برزخ میں مستعار طور پر ہر ایک روح کو کسی قدر اپنے اعمال کا مزہ چکھنے کے لئے جسم ملتا ہے۔ وہ جسم اس جسم کی قسم میں سے نہیں ہوتا بلکہ ایک نور سے یا اؔ یک تاریکی سے ﴿۶۳﴾ جیسا کہ اعمال کی صورت ہو جسم تیار ہوتا ہے۔ گویا کہ اس عالم میں انسان کی عملی حالتیں جسم کا کام دیتی ہیں۔ ایسا ہی خدا کے کلام میں بار بار ذکر آیا ہے۔ اور بعض جسم نورانی اور بعض ظلمانی قرار دیئے ہیں جو اعمال کی روشنی یا اعمال کی ظلمت سے تیار ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ راز ایک نہایت دقیق راز ہے مگر غیر معقول نہیں۔ انسان کامل اسی زندگی میں ایک نورانی وجود اس کیفیت جسم کے علاوہ پا سکتا ہے اور عالم مکاشفات میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ اگرچہ ایسے شخص کو سمجھانا مشکل ہوتا ہے جو صرف ایک موٹی عقل کی حد تک ٹھہرا ہوا ہے۔ لیکن جن کو عالم مکاشفات میں سے کچھ حصہ ہے وہ اس قسم کے جسم کو جو اعمال سے تیار ہوتا ہے تعجب اور استبعاد کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے بلکہ اس مضمون سے لذت اٹھائیں گے۔

غرض یہ جسم جو اعمال کی کیفیت سے ملتا ہے۔ یہی عالم برزخ میں نیک و بد کی جزاء کا موجب ہو جاتا ہے۔ میں اس میں صاحب تجربہ ہوں۔ مجھے کشفی طور پر عین بیداری میں بارہا بعض مردوں کی ملاقات کا اتفاق ہوا ہے۔ اور میں نے بعض فاسقوں اور گمراہی اختیار کرنے والوں کا جسم ایسا سیاہ دیکھا ہے کہ گویا وہ دھوئیں سے بنایا گیا ہے۔ غرض میں اس کوچہ سے ذاتی واقفیت رکھتا ہوں اور میں زور سے کہتا ہوں کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ایسا ہی ضرور مرنے کے بعد ہر ایک کو ایک جسم ملتا ہے خواہ نورانی خواہ ظلمانی۔ انسان کی یہ غلطی ہوگی اگر وہ ان نہایت باریک معارف کو صرف عقل کے ذریعہ سے ثابت کرنا چاہے۔ بلکہ جاننا چاہئے کہ جیسا کہ آنکھ شیریں چیز کا مزہ نہیں بتلا سکتی اور نہ زبان کسی چیز کو دیکھ سکتی ہے۔ ایسا ہی وہ علوم معاد جو پاک مکاشفات سے حاصل ہو سکتے ہیں صرف عقل کے ذریعہ سے ان کا عقدہ حل نہیں ہو سکتا۔ خدا نے اس دنیا میں مجہولات کے جاننے کیلئے علیحدہ علیحدہ وسائل رکھے ہیں۔ پس ہر ایک

چیز کو اس کے وسیلہ کے ذریعہ سے ڈھونڈو تب اسے پالو گے۔

ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ خدا نے ان لوگوں کو جو بدکاری اور گمراہی میں پڑ گئے اپنے کلام میں مردہ کے نام سے موسوم کیا ہے اور نیکوکاروں کو زندہ قرار دیا ہے۔ اس میں بھید یہ ہے کہ جو لوگ خدا سے غافل ہوئے ان کی زندگی کے اسباب جو کھانا پینا اور شہوتوں کی پیروی تھی منقطع ہو گئے اور روحانی غذا سے ان کو کچھ حصہ نہ تھا۔ پس وہ درحقیقت مر گئے اور وہ صرف عذاب اٹھانے کے لئے زندہ ہوں گے۔ اسی بھید کی طرف اللہ جل شانہ نے اشارہ فرمایا ہے۔ جیسا کہ وہ کہتا ہے۔

مَنْ يَّأْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى [1]

یعنی جو شخص مجرم بن کر خدا کے پاس آئے گا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے وہ اس میں نہ مرے گا اور نہ زندہ رہے گا۔ مگر جو لوگ خدا کے محبّ ہیں وہ موت سے نہیں مرتے کیونکہ ان کا پانی اور ان کی روٹی ان کے ساتھ ہوتی ہے۔ پھر برزخ کے بعد وہ زمانہ ہے جس کا نام عالمِ بعث ہے۔ اس زمانہ میں ہر ایک روح نیک ہو یا بد، صالح ہو یا فاسق ایک کھلا کھلا جسم حاصل کرے گی۔ اور یہ دن خدا کی ان پوری تجلیات کے لئے مقرر کیا گیا ہے جس میں ہر ایک انسان اپنے رب کی ہستی سے پورے طور پر واقف ہو جائے گا اور ہر ایک شخص اپنی جزاء کے انتہائی نقطہ تک پہنچے گا۔ یہ تعجب نہیں کرنا چاہئے کہ خدا سے یہ کیونکر ہو سکے گا کیونکہ وہ ہر ایک قدرت کا مالک ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے۔ «۶۴»

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ
وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ
قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُ [2]

[1] طٰهٰ: ۷۵ [2] یٰسٓ: ۷۸ تا ۸۰

اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ [1]

یعنی کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو ایک قطرہ پانی سے پیدا کیا جو رحم میں ڈالا گیا تھا پھر وہ ایک جھگڑنے والا آدمی بن گیا۔ ہمارے لئے باتیں بنانے لگا اور اپنی پیدائش بھول گیا اور کہنے لگا کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ جب کہ ہڈیاں بھی سلامت نہیں رہیں گی تو پھر انسان نئے سرے زندہ ہوگا۔ ایسی قدرت والا کون ہے جو اس کو زندہ کرے گا۔ ان کو کہہ وہی زندہ کرے گا جس نے پہلے اس کو پیدا کیا تھا اور وہ ہر ایک قسم سے اور ہر ایک راہ سے زندہ کرنا جانتا ہے۔ اس کے حکم کی یہ شان ہے کہ جب کسی چیز کے ہونے کا ارادہ کرتا ہے تو صرف یہی کہتا ہے کہ ہو پس وہ چیز پیدا ہو جاتی ہے۔ پس وہ ذات پاک ہے جس کی ہر ایک چیز پر بادشاہی ہے اور تم سب اسی کی طرف رجوع کرو گے۔ سو ان آیات میں اللہ جل شانہ نے فرما دیا ہے کہ خدا کے آگے کوئی چیز انہونی نہیں جس نے ایک قطرہ حقیر سے انسان کو پیدا کیا۔ کیا وہ دوسری مرتبہ پیدا کرنے سے عاجز ہے؟

اس جگہ ایک اور سوال ناواقفوں کی طرف سے ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جس حالت میں تیسرا عالم جو عالم بعث ہے مدت دراز کے بعد آئے گا۔ تو اس صورت میں ہر ایک نیک و بد کے لئے عالم برزخ صرف بطور حوالات کے ہوا جو ایک امر عبث معلوم ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا سمجھنا سراسر غلطی ہے جو محض ناواقفی سے پیدا ہوتی ہے بلکہ خدا کی کتاب میں نیک و بد کی جزا کے لئے دو مقام پائے جاتے ہیں۔ ایک عالم برزخ جس میں مخفی طور پر ہر ایک شخص اپنی جزا پائے گا۔ برے لوگ مرنے کے بعد ہی جہنم میں داخل ہوں گے۔ نیک لوگ

[1] یٰسٓ: ۸۲ تا ۸۴

مرنے کے بعد ہی جنت میں آرام پائیں گے۔ چنانچہ اس قسم کی آیتیں قرآن شریف میں بکثرت ہیں کہ بمجرد موت کے ہر ایک انسان اپنے اعمال کی جزا دیکھ لیتا ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ ایک بہشتی کے بارے میں خبر دیتا ہے اور فرماتا ہے۔

قِيۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّةَ [1]

یعنی اس کو کہا گیا کہ تو بہشت میں داخل ہو اور ایسا ہی ایک دوزخی کی خبر دے کر فرماتا ہے۔

فَرَاٰهُ فِىۡ سَوَآءِ الۡجَحِيۡمِ [2]

یعنی ایک بہشتی کا ایک دوست دوزخی تھا۔ جب وہ دونوں مر گئے تو بہشتی حیران تھا کہ میرا دوست کہاں ہے۔ پس اس کو دکھلایا گیا کہ وہ جہنم کے درمیان ہے۔ سو جزا سزا کی کارروائی تو بلاتوقف شروع ہو جاتی ہے اور دوزخی دوزخ میں اور بہشتی بہشت میں جاتے ہیں۔ مگر اس کے بعد ایک اور تجلّی اعلیٰ کا دن ہے جو خدا کی بڑی حکمت نے اس دن کے ظاہر کرنے کا تقاضا کیا ہے کیونکہ اس نے انسان کو پیدا کیا تا کہ وہ اپنی خالقیت کے ساتھ شناخت کیا جائے اور پھر وہ سب کو ہلاک کرے گا تا کہ وہ اپنی قہاریت کے ساتھ شناخت کیا جائے اور پھر ایک دن سب کو کامل زندگی بخش کر ایک میدان میں جمع کرے گا تا کہ وہ اپنی قادریت کے ساتھ پہچانا جائے۔ اب جاننا چاہیئے کہ دقائق مذکورہ میں سے یہ پہلا دقیقہ معرفت تھا جس کا بیان ہوا۔ ﴿۶۵﴾

دوسرا دقیقہ معرفت

دوسرا دقیقہ معرفت جس کو عالم معاد کے متعلق قرآن شریف نے ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ عالم معاد میں وہ تمام امور جو دنیا میں روحانی تھے جسمانی طور پر متمثل ہوں گے خواہ عالم معاد میں برزخ کا درجہ ہو یا عالم بعث کا درجہ۔ اس بارے میں جو کچھ خدا تعالیٰ نے

[1] یٰسٓ:۲۷ [2] الصّٰفّٰت:۵۶

فرمایا اس میں سے ایک یہ آیت ہے۔

مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا [۱]

یعنی جو شخص اس جہان میں اندھا ہوگا وہ دوسرے جہان میں بھی اندھا ہوگا۔ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ اِس جہان کی روحانی نابینائی اُس جہان میں جسمانی طور پر مشہود اور محسوس ہوگی۔ ایسا ہی دوسری آیت میں فرماتا ہے۔

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ [۲]

یعنی اس جہنمی کو پکڑو۔ اس کی گردن میں طوق ڈالو۔ پھر دوزخ میں اس کو جلاؤ۔ پھر ایسی زنجیر میں جو پیمائش میں ستر گز ہے اس کو داخل کرو۔ جاننا چاہئے کہ ان آیات میں ظاہر فرمایا ہے کہ دنیا کا روحانی عذاب عالم معاد میں جسمانی طور پر نمودار ہوگا۔ چنانچہ طوق گردن دنیا کی خواہشوں کا جس نے انسان کے سر کو زمین کی طرف جھکا رکھا تھا۔ وہ عالم ثانی میں ظاہری صورت پر نظر آ جائے گا۔ اور ایسا ہی دنیا کی گرفتاریوں کی زنجیر پیروں میں پڑی ہوئی دکھائی دے گی اور دنیا کی خواہشوں کی سوزشوں کی آگ ظاہر بھڑکی ہوئی نظر آئے گی۔

فاسق انسان دنیا کی زندگی میں ہوا و ہوس کا ایک جہنم اپنے اندر رکھتا ہے اور ناکامیوں میں اس جہنم کی سوزشوں کا احساس کرتا ہے۔ پس جبکہ اپنی فانی شہوات سے دور ڈالا جائے گا اور ہمیشہ کی ناامیدی طاری ہوگی تو خدا تعالیٰ ان حسرتوں کو جسمانی آگ کے طور پر اس پر ظاہر کرے گا۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔

وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ [۳]

یعنی ان میں اور ان کی خواہشوں کی چیزوں میں جدائی ڈالی جائے گی اور یہی عذاب کی جڑھ

[۱] بنی اسرائیل: ۷۳ [۲] الحاقة: ۳۱، ۳۲ [۳] سبا: ۵۵

ہوگی۔ اور پھر جو فرمایا کہ سترؔ گز کی زنجیر میں اس کو داخل کرو۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایک فاسق بسا اوقات ستر برس کی عمر پالیتا ہے بلکہ کئی دفعہ اس دنیا میں اس کو ایسے ستر برس بھی ملتے ہیں کہ خوردسالی کی عمر اور پیر فرتوت ہونے کی عمر الگ کرکے پھر اس قدر صاف اور خالص حصہ عمر کا اس کو ملتا ہے جو عقلمندی اور محنت اور کام کے لائق ہوتا ہے لیکن وہ بدبخت اپنی عمدہ زندگی کے سترؔ برس دنیا کی گرفتاریوں میں گذارتا ہے اور اس زنجیر سے آزاد ہونا نہیں چاہتا۔ سو خدا تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ وہی ستر برس جو اس نے گرفتاری دنیا میں گذارے تھے عالم معاد میں زنجیر کی طرح متمثل ہو جائیں گے جو ستر گز کی ہوگی۔ ہر ایک گز بجائے ایک سال کے ہے۔ اس جگہ یاد رکھنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ اپنی طرف سے بندہ پر کوئی مصیبت نہیں ڈالتا بلکہ وہ انسان کے اپنے ہی برے کام اس کے آگے رکھ دیتا ہے۔ پھر اسی اپنی سنت کے اظہار میں خدائے تعالیٰ ایک اور جگہ فرماتا ہے۔ ﴿۶۶﴾

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِىْ ثَلٰثِ شُعَبٍ لَّا ظَلِيْلٍ وَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ اللَّهَبِ [1]

یعنی اے بدکارو! گمراہو! سہ گوشہ سایہ کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں۔ جو سایہ کا کام نہیں دے سکتیں اور نہ گرمی سے بچا سکتی ہیں۔ اس آیت میں تین شاخوں سے مراد قوت سبعی اور بہیمی اور وہمی ہے۔ جو لوگ ان تینوں قوتوں کو اخلاقی رنگ میں نہیں لاتے اور ان کی تعدیل نہیں کرتے۔ ان کی یہ قوتیں قیامت میں اس طرح پر نمودار کی جائیں گی کہ گویا تین شاخیں بغیر پتوں کے کھڑی ہیں اور گرمی سے بچا نہیں سکتیں۔ اور وہ گرمی سے جلیں گے۔ پھر ایسا ہی خدا تعالیٰ اپنی اسی سنت کے اظہار کے لئے بہشتیوں کے حق میں فرماتا ہے۔

[1] المرسلٰت: ۳۱، ۳۲

یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ [1]

یعنی اس روز تو دیکھے گا کہ مومنوں کا یہ نور جو دنیا میں پوشیدہ طور پر ہے۔ ظاہر ظاہر ان کے آگے اور ان کی داہنی طرف دوڑتا ہوگا۔

اور پھر ایک اور آیت میں فرماتا ہے۔

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ [2]

یعنی اس دن بعض منہ سیاہ ہو جائیں گے اور بعض سفید اور نورانی ہو جائیں گے اور پھر ایک اور آیت میں فرماتا ہے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى [3]

یعنی وہ بہشت جو پرہیزگاروں کو دی جائے گی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک باغ ہے۔ اس میں اس پانی کی نہریں ہیں جو کبھی متعفن نہیں ہوتا اور نیز اس میں اس دودھ کی نہریں ہیں جس کا کبھی مزہ نہیں بدلتا۔ اور نیز اس میں اس شراب کی نہریں ہیں جو سراسر سرور بخش ہے جس کے ساتھ خمار نہیں۔ اور نیز اس میں اس شہد کی نہریں ہیں جو نہایت صاف ہے جس کے ساتھ کوئی کثافت نہیں۔ اس جگہ صاف طور پر فرمایا کہ اس بہشت کو مثالی طور پر یوں سمجھ لو کہ ان تمام چیزوں کی اس میں ناپیدا کنار نہریں ہیں۔ وہ زندگی کا پانی جو عارف دنیا میں روحانی طور پر پیتا ہے۔ اس میں ظاہری طور پر موجود ہے اور وہ روحانی دودھ جس سے وہ شیر خوار بچہ کی طرح روحانی طور پر دنیا میں پرورش پاتا ہے۔ بہشت میں ظاہر ظاہر دکھائی دے گا اور وہ خدا کی محبت کی شراب جس سے وہ دنیا میں روحانی طور پر ہمیشہ مست رہتا تھا

[1] الحدید:۱۳ [2] ال عمران:۱۰۷ [3] محمد: ۱۶

اب بہشت میں ظاہر ظاہر اس کی نہریں نظر آئیں گی۔ اور وہ حلاوت ایمانی کا شہد جو دنیا میں روحانی طور پر عارف کے منہ میں ڈالا[1] جاتا تھا وہ بہشت میں محسوس اور نمایاں نہروں کی طرح دکھائی دے گا اور ہر ایک بہشتی اپنی نہروں اور اپنے باغوں کے ساتھ اپنی روحانی حالت کا اندازہ برہنہ کر کے دکھلا دے گا اور خدا بھی اس دن بہشتیوں کے لئے حجابوں سے باہر آجائے گا۔ غرض روحانی حالتیں مخفی نہیں رہیں گی بلکہ جسمانی طور پر نظر آئیں گی۔

تیسرا دقیقہ معرفت

تیسرا دقیقہ معرفت کا یہ ہے کہ عالم معاد میں ترقیات غیر متناہی ہوں گی۔ اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ [2]

﴿۶۷﴾

یعنی جو لوگ دنیا میں ایمان کا نور رکھتے ہیں ان کا نور قیامت کو ان کے آگے اور ان کے داہنی طرف دوڑتا ہوگا، وہ ہمیشہ یہی کہتے رہیں گے کہ اے خدا ہمارے نور کو کمال تک پہنچا اور اپنی مغفرت کے اندر ہمیں لے لے۔ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اس آیت میں یہ جو فرمایا کہ وہ ہمیشہ یہی کہتے رہیں گے کہ ہمارے نور کو کمال تک پہنچا۔ یہ ترقیات غیر متناہیہ کی طرف اشارہ ہے یعنی ایک کمال نورانیت کا انہیں حاصل ہوگا۔ پھر دوسرا کمال نظر آئے گا۔ اس کو دیکھ کر پہلے کمال کو ناقص پائیں گے۔ پس کمال ثانی کے حصول کے لئے التجا کریں گے اور جب وہ حاصل ہوگا تو ایک تیسرا مرتبہ کمال کا ان پر ظاہر ہوگا۔ پھر اس کو دیکھ کر پہلے کمالات کو ہیچ سمجھیں گے۔ اور اس کی خواہش کریں گے۔

[1] بمطابق مسودہ (ناشر)
[2] التحریم: ۹

یہی ترقیات کی خواہش ہے جو اَتْمِمْ کے لفظ سے سمجھی جاتی ہے۔

غرض اسی طرح غیر متناہی سلسلہ ترقیات کا چلا جائے گا۔تنزل کبھی نہیں ہوگا اور نہ کبھی بہشت سے نکالے جائیں گے۔ بلکہ ہر روز آگے بڑھیں گے اور پیچھے نہ ہٹیں گے اور یہ جو فرمایا کہ وہ ہمیشہ اپنی مغفرت چاہیں گے۔اس جگہ سوال یہ ہے کہ جب بہشت میں داخل ہو گئے تو پھر مغفرت میں کیا کسر رہ گئی اور جب گناہ بخشے گئے تو پھر استغفار کی کون سی حاجت رہی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ **مغفرت** کے اصل معنے یہ ہیں۔ نا ملائم اور ناقص حالت کو نیچے دبانا اور ڈھانکنا۔ سو بہشتی اس بات کی خواہش کریں گے کہ کمال تام حاصل کریں اور سراسر نور میں غرق ہو جائیں۔ وہ دوسری حالت کو دیکھ کر پہلی حالت کو ناقص پائیں گے۔پس چاہیں گے کہ پہلی حالت نیچے دبائی جائے۔ پھر تیسرے کمال کو دیکھ کر یہ آرزو کریں گے کہ دوسرے کمال کی نسبت مغفرت ہو یعنی وہ حالت ناقصہ نیچے دبائی جاوے اور مخفی کی جاوے۔ اسی طرح غیر متناہی مغفرت کے خواہشمند رہیں گے۔ یہ وہی لفظ مغفرت اور استغفار کا ہے جو بعض نادان بطور اعتراض ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پیش کیا کرتے ہیں۔سو ناظرین نے اس جگہ سے سمجھ لیا ہوگا کہ یہی خواہش استغفار فخر انسان ہے۔ جو شخص کسی عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا اور پھر ہمیشہ کے لئے استغفار اپنی عادت نہیں پکڑتا وہ کیڑا ہے نہ انسان' اور اندھا ہے نہ سوجاکھا' اور ناپاک ہے نہ طیّب۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن شریف کی رو سے دوزخ اور بہشت دونوں اصل میں انسان کی زندگی کے اظلال اور آثار ہیں۔کوئی ایسی نئی جسمانی چیز نہیں ہے کہ جو دوسری جگہ سے آوے۔ یہ سچ ہے کہ وہ دونوں جسمانی طور سے متمثل ہوں گے مگر وہ اصل روحانی حالتوں کے اظلال و آثار ہوں گے۔ ہم لوگ ایسی بہشت کے قائل نہیں کہ صرف جسمانی طور پر ایک زمین پر درخت لگائے گئے ہوں اور نہ ایسی دوزخ کے ہم قائل ہیں جس میں درحقیقت گندھک کے پتھر ہیں۔ بلکہ **اسلامی عقیدہ کے موافق بہشت دوزخ انہی اعمال کے انعکاسات ہیں جو دنیا میں انسان کرتا ہے۔**

تیسرا سوال

دنیا میں زندگی کے مدعا کیا ہیں

اور

ان کا حصول کس طرح ہوتا ہے[۱]

﴿۶۸﴾

اِس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر چہ مختلف الطبائع انسان اپنی کوتاہ فہمی یا پست ہمتی سے مختلف طور کے مدعا اپنی زندگی کے لئے ٹھہراتے ہیں اور فقط دنیا کے مقاصد اور آرزوؤں تک چل کر آگے ٹھہر جاتے ہیں مگر وہ مدعا جو خدا تعالیٰ اپنے پاک کلام میں بیان فرماتا ہے وہ یہ ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے[۲]

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ [۳]

یعنی میں نے جن اور انسان کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ مجھے پہچانیں اور میری پرستش کریں۔ پس اس آیت کی رو سے اصل مدعا انسان کی زندگی کا خدا کی پرستش اور خدا کی معرفت اور خدا کے لئے ہو جانا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ انسان کو یہ تو مرتبہ حاصل نہیں ہے کہ اپنی زندگی کا مدعا اپنے اختیار سے آپ مقرر کرے کیونکہ انسان نہ اپنی مرضی سے آتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے واپس جائے گا۔ بلکہ وہ ایک مخلوق ہے اور جس نے اسے پیدا کیا اور تمام حیوانات کی نسبت عمدہ اور اعلیٰ قویٰ اس کو عنایت کئے۔ اسی نے اس کی زندگی کا ایک مدعا ٹھہرا رکھا ہے۔ خواہ کوئی انسان اس مدعا کو سمجھے یا نہ سمجھے۔ مگر انسان کی پیدائش کا مدعا بلاشبہ خدا کی پرستش اور خدا کی معرفت اور خدا میں فانی ہو جانا ہی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں ایک اور جگہ فرماتا ہے۔

۱؎ عنوان اصل مسودہ کے مطابق ہے (ناشر) ۲؎ اصل مسودہ کے مطابق (ناشر) ۳؎ الذّٰریات: ۵۷

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ [1] فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا .... ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ [2]

یعنی وہ دین جس میں خدا کی معرفت صحیح اور اس کی پرستش احسن طور پر ہے۔ وہ اسلام ہے اور اسلام انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے اور خدا نے انسان کو اسلام پر پیدا کیا اور اسلام کے لئے پیدا کیا ہے۔ یعنی یہ چاہا ہے کہ انسان اپنے تمام قویٰ کے ساتھ اس کی پرستش اور اطاعت اور محبت میں لگ جائے۔ اسی وجہ سے اس قادر کریم نے انسان کو تمام قویٰ اسلام کے مناسب حال عطا کئے ہیں۔

ان آیتوں کی تفصیل بہت بڑی ہے اور ہم کسی قدر پہلے سوال کے تیسرے حصہ میں لکھ بھی چکے ہیں۔ لیکن اب ہم مختصر طور پر صرف یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ انسان کو جو کچھ اندرونی اور بیرونی اعضاء دیئے گئے ہیں یا جو کچھ قوتیں عنایت ہوئی ہیں، اصل مقصود ان سے خدا کی معرفت اور خدا کی پرستش اور خدا کی محبت ہے۔ اسی وجہ سے انسان دنیا میں ہزاروں شغلوں کو اختیار کر کے پھر بھی بجز خدا کے اپنی سچی خوشحالی کسی میں نہیں پاتا۔ بڑا دولتمند ہو کر، بڑا عہدہ پا کر، بڑا تاجر بن کر، بڑی بادشاہی تک پہنچ کر، بڑا افلاسفر کہلا کر آخر ان دنیوی گرفتاریوں سے بڑی حسرتوں کے ساتھ جاتا ہے اور ہمیشہ دل اس کا دنیا کے استغراق سے اس کو ملزم کرتا رہتا ہے اور اس کے مکروں اور فریبوں اور ناجائز کاموں میں کبھی اس کا کانشنس اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ ایک دانا انسان اس مسئلہ کو اس طرح بھی سمجھ سکتا ہے کہ جس چیز کے قویٰ ایک اعلیٰ سے اعلیٰ کام کر سکتے ہیں اور پھر آگے جا کر ٹھہر جاتے ہیں۔ وہی اعلیٰ کام اس کی پیدائش کی علت غائی سمجھی جاتی ہے۔ مثلاً بیل کا کام اعلیٰ سے اعلیٰ قلبہ رانی یا آبپاشی یا بار برداری ہے۔ اس سے زیادہ اس کی قوتوں میں کچھ ثابت نہیں ہوا۔ سو بیل کی زندگی کا مدعا یہی تین چیزیں ہیں۔ اس سے زیادہ کوئی

[1] ال عمران:۲۰ [2] الروم : ۳۱

﴿۶۹﴾

قوت اس میں پائی نہیں جاتی۔ مگر جب ہم انسان کی قوتوں کو ٹٹو لتے ہیں کہ ان میں اعلیٰ سے اعلیٰ کونسی قوت ہے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ خدائے اعلیٰ برتر کی اس میں تلاش پائی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ چاہتا ہے کہ خدا کی محبت میں ایسا گداز اور محو ہو کہ اس کا اپنا کچھ بھی نہ رہے سب خدا کا ہو جائے۔ وہ کھانے اور سونے وغیرہ طبعی امور میں دوسرے حیوانات کو اپنا شریک غالب رکھتا ہے۔ صنعت کاری میں بعض حیوانات اس سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ بلکہ شہد کی مکھیاں بھی ہر ایک پھول کا عطر نکال کر ایسا شہد نفیس پیدا کرتی ہیں کہ اب تک اس صنعت میں انسان کو کامیابی نہیں ہوئی۔ پس ظاہر ہے کہ انسان کا اعلیٰ کمال خدا تعالیٰ کا وصال ہے۔ لہٰذا اس کی زندگی کا اصل مدعا یہی ہے کہ خدا کی طرف اس کے دل کی کھڑکی کھلے۔

انسانی زندگی کے حصول کے وسائل

ہاں اگر یہ سوال ہو کہ یہ مدعا کیونکر اور کس طرح حاصل ہو سکتا ہے اور کن وسائل سے انسان اس کو پا سکتا ہے۔ پس واضح ہو کہ سب سے **پہلا وسیلہ**[۱] جو اس مدعا کے پانے کے لئے شرط ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو صحیح طور پر پہچانا جائے اور سچے خدا پر ایمان لایا جائے۔ کیونکہ اگر پہلا قدم ہی غلط ہے اور کوئی شخص مثلاً پرند یا چرند یا عناصر یا انسان کے بچہ کو خدا سمجھ بیٹھا ہے تو پھر دوسرے قدموں میں اس کے راہ راست پر چلنے کی کیا امید ہے۔ سچا خدا اس کے ڈھونڈنے والوں کو مدد دیتا ہے مگر مردہ مردہ کو کیونکر مدد دے سکتا ہے۔ اس میں اللہ جلّ شانہ نے خوب تمثیل فرمائی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ
لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ

[۱] مطابق مسودہ و رپورٹ۔ جبکہ پہلے ایڈیشن میں اس کی بجائے ''بڑا وسیلہ'' لکھا ہے (ناشر)

لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۭ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ [1]

یعنی دعا کرنے کے لائق وہی سچا خدا ہے جو ہر ایک بات پر قادر ہے اور جو لوگ اس کے سوا اوروں کو پکارتے ہیں وہ کچھ بھی ان کو جواب نہیں دے سکتے۔ ان کی مثال ایسی ہے کہ جیسا کوئی پانی کی طرف ہاتھ پھیلاوے کہ اے پانی میرے منہ میں آ جا تو کیا وہ اس کے منہ میں آ جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ سو جو لوگ سچے خدا سے بے خبر ہیں ان کی تمام دعائیں باطل ہیں۔

دوسرا وسیلہ خدا تعالیٰ کے اس حسن و جمال پر اطلاع پانا ہے جو باعتبار کمال تام کے اس میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ حسن ایک ایسی چیز ہے جو بالطبع دل اس کی طرف کھینچا جاتا ہے اور اس کے مشاہدہ سے طبعاً محبت پیدا ہوتی ہے تو حسن باری تعالیٰ اس کی وحدانیت اور اس کی عظمت اور بزرگی اور صفات ہیں جیسا کہ قرآن شریف نے یہ فرمایا ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ. لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ [2]

یعنی خدا اپنی ذات اور صفات اور جلال میں ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔ سب اس کے حاجت مند ہیں۔ ذرہ ذرہ اس سے زندگی پاتا ہے۔ وہ کل چیزوں کے لئے مبداء فیض ہے اور آپ کسی سے فیضیاب نہیں۔ وہ نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کسی کا باپ اور کیونکر ہو کہ اس کا کوئی ہم ذات نہیں۔ قرآن نے بار بار خدا کا کمال پیش کر کے اور اس کی عظمتیں دکھلا کے لوگوں کو توجہ دلائی ہے کہ دیکھو ایسا خدا دلوں کا مرغوب ہے نہ کہ مردہ اور کمزور اور کم رحم اور کم قدرت۔

تیسرا وسیلہ جو مقصود حقیقی تک پہنچنے کے لئے دوسرے درجہ کا زینہ ہے۔ خدا تعالیٰ کے احسان پر اطلاع پانا ہے۔ کیونکہ محبت کی محرک دو ہی چیزیں ہیں حسن یا احسان اور

[1] الرعد: ۱۵ [2] الاخلاص: ۲تا۵

خداتعالیٰ کی احسانی صفات کا خلاصہ سورہ فاتحہ میں پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ [1]

کیونکہ ظاہر ہے کہ احسان کامل اس میں ہے کہ خداتعالیٰ اپنے بندوں کو محض نابود سے پیدا کرے اور پھر ہمیشہ اس کی ربوبیت ان کے شامل حال ہو اور وہی ہر ایک چیز کا آپ سہارا ہو اور پھر اس کی تمام قسم کی رحمتیں اس کے بندوں کے لئے ظہور میں آئی ہوں اور اس کا احسان بے انتہا ہو۔ جس کا کوئی شمار نہ کر سکے۔ سو ایسے احسانوں کو خداتعالیٰ نے بار بار جتلایا ہے۔ جیسا کہ ایک اور جگہ فرماتا ہے۔ ﴿۷۰﴾

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا [2]

یعنی اگر خداتعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ہرگز گن نہ سکو گے۔

چوتھا وسیلہ خداتعالیٰ نے اصل مقصود کو پانے کے لئے دعا کو ٹھہرایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔

اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ [3]

یعنی تم دعا کرو میں قبول کروں گا۔ اور بار بار دعا کے لئے رغبت دلائی ہے تا انسان اپنی طاقت سے نہیں بلکہ خدا کی طاقت سے پاوے۔

پانچواں وسیلہ اصل مقصود کے پانے کے لئے خداتعالیٰ نے مجاہدہ ٹھہرایا ہے۔ یعنی اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اور اپنی طاقتوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اور اپنی جان کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اور اپنی عقل کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اس کو ڈھونڈا جائے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔

[1] الفاتحة: ۲تا۴ [2] ابراهيم: ۳۵ [3] المؤمن: ۶۱

جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ [1]

وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ [2] وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا

لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا [3]

یعنی اپنے مالوں اور اپنی جانوں اور اپنے نفسوں کو مع ان کی تمام طاقتوں کے خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ اور جو کچھ ہم نے عقل اور علم اور فہم اور ہنر وغیرہ تم کو دیا ہے۔ وہ سب کچھ خدا کی راہ میں لگاؤ۔ جو لوگ ہماری راہ میں ہر ایک طور سے کوشش بجالاتے ہیں ہم ان کو اپنی راہیں دکھادیا کرتے ہیں۔

چھٹا وسیلہ اصل مقصود کے پانے کے لئے استقامت کو بیان فرمایا گیا ہے یعنی اس راہ میں درماندہ اور عاجز نہ ہو اور تھک نہ جائے اور امتحان سے ڈر نہ جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ

اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ [4]

یعنی وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور باطل خداؤں سے الگ ہو گئے پھر استقامت اختیار کی یعنی طرح طرح کی آزمائشوں اور بلا کے وقت ثابت قدم رہے۔ ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ تم مت ڈرو اور مت غمگین ہو اور خوش ہو اور خوشی میں بھر جاؤ کہ تم اس خوشی کے وارث ہو گئے جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے۔ ہم اس دنیوی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے دوست ہیں۔ اس جگہ ان کلمات سے یہ اشارہ فرمایا کہ استقامت سے خدا تعالیٰ

[1] التوبة: ۴۱ [2] البقرة: ۴ [3] العنكبوت: ۷۰ [4] حٰمٓ السجدة: ۳۱، ۳۲

کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ یہ سچ بات ہے کہ استقامت فوق الکرامت ہے۔ کمال استقامت یہ ہے کہ چاروں طرف بلاؤں کو محیط دیکھیں اور خدا کی راہ میں جان اور عزت اور آبرو کو معرض خطر میں پاویں اور کوئی تسلی دینے والی بات موجود نہ ہو یہاں تک کہ خدا تعالیٰ بھی امتحان کے طور پر تسلی دینے والے کشف یا خواب یا الہام کو بند کر دے اور ہولناک خوفوں میں چھوڑ دے۔ اس وقت نامردی نہ دکھلاویں اور بزدلوں کی طرح پیچھے نہ ہٹیں۔ اور وفاداری کی صفت میں کوئی خلل پیدا نہ کریں۔ صدق اور ثبات میں کوئی رخنہ نہ ڈالیں۔ ذلت پر خوش ہو جائیں۔ موت پر راضی ہو جائیں اور ثابت قدمی کے لئے کسی دوست کا انتظار نہ کریں کہ وہ سہارا دے۔ نہ اس وقت خدا کی بشارتوں کے طالب ہوں کہ وقت نازک ہے اور باوجود سراسر بے کس اور کمزور ہونے کے اور کسی تسلی کے نہ پانے کے سیدھے کھڑے ہو جائیں اور ہر چہ بادا باد کہہ کر گردن کو آگے رکھ دیں اور قضاء وقدر کے آگے دم نہ ماریں اور ہرگز بے قراری اور جزع فزع نہ دکھلاویں جب تک کہ آزمائش کا حق پورا ہو جائے۔ یہی استقامت ہے جس سے خدا ملتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی رسولوں اور نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کی خاک سے اب تک خوشبو آ رہی ہے۔ اسی کی طرف اللہ جلّ شانہٗ اس دعا میں اشارہ فرماتا ہے۔ ﴿۷۱﴾

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ [1]

یعنی اے ہمارے خدا! ہمیں استقامت کی راہ دکھلا۔ وہی راہ جس پر تیرا انعام واکرام مترتب ہوتا ہے اور تو راضی ہو جاتا ہے۔ اور اسی کی طرف اس دوسری آیت میں اشارہ فرمایا۔

رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّتَوَفَّنَا مُسۡلِمِيۡنَ [2]

اے خدا! اس مصیبت میں ہمارے دل پر وہ سکینت نازل کر جس سے صبر آ جائے۔

[1] الفاتحۃ:۶، ۷ [2] الاعراف: ۱۲۷

اور ایسا کر کہ ہماری موت اسلام پر ہو۔ جاننا چاہئے کہ دکھوں اور مصیبتوں کے وقت میں خدا تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کے دل پر ایک نور اتارتا ہے جس سے وہ قوت پا کر نہایت اطمینان سے مصیبت کا مقابلہ کرتے ہیں اور حلاوت ایمانی سے ان زنجیروں کو بوسہ دیتے ہیں جو اس کی راہ میں ان کے پیروں میں پڑیں۔ جب با خدا آدمی پر بلائیں نازل ہوتی ہیں اور موت کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں تو وہ اپنے رب کریم سے خواہ نخواہ کا جھگڑا شروع نہیں کرتا کہ مجھے ان بلاؤں سے بچا۔ کیونکہ اس وقت عافیت کی دعا میں اصرار کرنا خدا تعالیٰ سے لڑائی اور موافقت تامہ کے مخالف ہے۔ بلکہ سچا محبّ بلا کے اترنے سے اَور آگے قدم رکھتا ہے اور ایسے وقت میں جان کو ناچیز سمجھ کر اور جان کی محبت کو الوداع کہکر اپنے مولیٰ کی مرضی کا بکلی تابع ہو جاتا ہے اور اس کی رضا چاہتا ہے۔ اسی کے حق میں اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ
وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ [1]

یعنی خدا کا پیارا بندہ اپنی جان خدا کی راہ میں دیتا ہے اور اس کے عوض میں خدا کی مرضی خرید لیتا ہے۔ وہی لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کی رحمت خاص کے مورد ہیں۔ غرض وہ استقامت جس سے خدا ملتا ہے اس کی یہی روح ہے جو بیان کی گئی۔ جس کو سمجھنا ہو سمجھ لے۔

ساتواں وسیلہ اصل مقصود کے پانے کے لئے راستبازوں کی صحبت اور ان کے کامل نمونوں کو دیکھنا ہے۔ پس جاننا چاہئے کہ انبیاء کی ضرورتوں میں سے ایک یہ بھی ضرورت ہے کہ انسان طبعاً کامل نمونہ کا محتاج ہے اور کامل نمونہ شوق کو زیادہ کرتا ہے اور ہمت کو بڑھاتا ہے اور جو نمونہ کا پیرو نہیں وہ سست ہو جاتا ہے اور بہک جاتا ہے۔

[1] البقرة: ۲۰۸

اسی کی طرف اللہ جلّ شانہٗ اس آیت میں اشارہ فرماتا ہے۔

كُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ [1] صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ [2]

یعنی تم ان لوگوں کی صحبت اختیار کرو جو راستباز ہیں۔ ان لوگوں کی راہیں سیکھو جن پر تم سے پہلے فضل ہو چکا ہے۔

آٹھواں وسیلہ خدا تعالیٰ کی طرف سے پاک کشف اور پاک الہام اور پاک خوابیں ہیں۔ چونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سفر کرنا ایک نہایت دقیق در دقیق راہ ہے اور اس کے ساتھ طرح طرح کے مصائب اور دکھ لگے ہوئے ہیں اور ممکن ہے کہ انسان اس نادیدہ راہ میں بھول جاوے یا ناامیدی طاری ہو اور آگے قدم بڑھانا چھوڑ دے۔ اس لئے خدا تعالیٰ کی رحمت نے چاہا کہ اپنی طرف سے اس سفر میں ساتھ ساتھ اس کو تسلی دیتی رہے اور اس کی دلدہی کرتی رہے اور اس کی کمر ہمت باندھتی رہے اور اس کے شوق کو زیادہ کرے۔ سو اس کی سنت اس راہ کے مسافروں کے ساتھ اس طرح پر واقع ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً اپنے کلام اور الہام سے ان کو تسلی دیتا اور ان پر ظاہر کرتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تب وہ قوت پا کر بڑے زور سے اس سفر کو طے کرتے ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں وہ فرماتا ہے۔ ﴿۷۲﴾

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ [3]

اسی طرح اور بھی کئی وسائل ہیں جو قرآن شریف نے بیان فرمائے ہیں مگر افسوس ہم اندیشہ طول کی وجہ سے ان کو بیان نہیں کر سکتے۔ فقط [4]

چوتھا سوال یہ ہے کہ

زندگی میں اور زندگی کے بعد عملی شریعت کا فعل کیا ہے؟[5]

اس سوال کا جواب وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ خدا کی سچی اور

[1] التوبة: ۱۱۹ [2] الفاتحة: ۷ [3] یونس: ۶۵ [4] یہ لفظ ایڈیشن اول میں نہیں لیکن مسودہ اور رپورٹ میں موجود ہے (ناشر)
[5] موجودہ عنوان پہلے ایڈیشن۔ مسودہ اور رپورٹ کے مطابق ہے (ناشر)

کامل شریعت کا فعل جو اس کی زندگی میں انسان کے دل پر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کو وحشیانہ حالت سے انسان بناوے اور پھر انسان سے با اخلاق انسان بناوے اور پھر با اخلاق انسان سے باخدا انسان بناوے اور نیز اس زندگی میں عملی شریعت کا ایک فعل یہ ہے کہ شریعت حقہ پر قائم ہو جانے سے ایسے شخص کا بنی نوع پر یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ درجہ بدرجہ ان کے حقوق کو پہچانتا ہے اور عدل اور احسان اور ہمدردی کی قوتوں کو اپنے اپنے محل پر استعمال کرتا ہے اور جو کچھ خدا نے اس کو علم اور معرفت اور مال اور آسائش میں سے حصہ دیا ہے سب لوگوں کو حسب مراتب ان نعمتوں میں شریک کر دیتا ہے۔ وہ تمام بنی نوع پر سورج کی طرح اپنی تمام روشنی ڈالتا ہے اور چاند کی طرح حضرت اعلیٰ سے نور پا کر وہ نور دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ وہ دن کی طرح روشن ہو کر نیکی اور بھلائی کی راہیں لوگوں کو دکھاتا ہے۔ وہ رات کی طرح ہر ایک ضعیف کی پردہ پوشی کرتا ہے اور تھکوں اور ماندوں کو آرام پہنچاتا ہے۔ وہ آسمان کی طرح ہر ایک حاجت مند کو اپنے سایہ کے نیچے جگہ دیتا ہے اور وقتوں پر اپنے فیض کی بارشیں برساتا ہے وہ زمین کی طرح کمال انکسار سے ہر ایک آدمی کی آسائش کے لئے بطور فرش کے ہو جاتا ہے اور سب کو اپنی کنار عاطفت میں لے لیتا اور طرح طرح کے روحانی میوے ان کے لئے پیش کرتا ہے۔ سو یہی کامل شریعت کا اثر ہے کہ کامل شریعت پر قائم ہونے والا حق اللہ اور حق العباد کو کمال کے نقطہ تک پہنچا دیتا ہے۔ خدا میں وہ محو ہو جاتا ہے اور مخلوق کا سچا خادم بن جاتا ہے۔ یہ تو عملی شریعت کا اس زندگی میں اس پر اثر ہے مگر زندگی کے بعد جو اثر ہے وہ یہ ہے کہ خدا کا روحانی اتصال اس روز کھلے کھلے دیدار کے طور پر اس کو نظر آئے گا اور خلق اللہ کی خدمت جو اس نے خدا کی محبت میں ہو کر کی جس کا محرک ایمان اور اعمال صالحہ کی خواہش تھی وہ بہشت کے درختوں اور نہروں کی طرح متمثل ہو کر دکھائی دے گی۔ اس میں خدائے تعالیٰ کا فرمان یہ ہے۔

﴿۷۳﴾

وَالشَّمۡسِ وَضُحٰہَا وَالۡقَمَرِ اِذَا تَلٰہَا وَالنَّہَارِ اِذَا جَلّٰہَا وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰہَا وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰہَا وَالۡاَرۡضِ وَمَا طَحٰہَا وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰہَا فَاَلۡہَمَہَا فُجُوۡرَہَا وَتَقۡوٰىہَا قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰىہَا وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىہَا کَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ بِطَغۡوٰىہَاۤ اِذِ انۡۢبَعَثَ اَشۡقٰہَا فَقَالَ لَہُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ نَاقَۃَ اللّٰہِ وَسُقۡیٰہَا فَکَذَّبُوۡہُ فَعَقَرُوۡہَا فَدَمۡدَمَ عَلَیۡہِمۡ رَبُّہُمۡ بِذَنۡۢبِہِمۡ فَسَوّٰىہَا وَلَا یَخَافُ عُقۡبٰہَا[1]

یعنی قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی۔ اور قسم ہے چاند کی جب پیروی کرے سورج کی یعنی سورج سے نور حاصل کرے اور پھر سورج کی طرح اس نور کو دوسروں تک پہنچاوے اور قسم ہے دن کی جب سورج کی صفائی دکھاوے اور راہوں کو نمایاں کرے اور قسم ہے رات کی جب اندھیرا کرے اور اپنے پردہ تاریکی میں سب کو لے لے اور قسم ہے آسمان کی اور اس علت غائی کی جو آسمان کی اس بناء کا موجب ہوئی اور قسم ہے زمین کی اور اس علت غائی کی جو زمین کے اس قسم کے فرش کا موجب ہوئی اور قسم ہے نفس کی اور نفس کے اس کمال کی جس نے ان سب چیزوں کے ساتھ اس کو برابر کر دیا۔ یعنی وہ کمالات جو متفرق طور پر ان چیزوں میں پائے جاتے ہیں کامل انسان کا نفس ان سب کو اپنے اندر جمع رکھتا ہے اور جیسے یہ تمام چیزیں علیحدہ علیحدہ نوع انسان کی خدمت کر رہی ہیں۔ کامل انسان ان تمام خدمات کو اکیلا بجا لاتا ہے۔ جیسا کہ میں ابھی لکھ چکا ہوں۔ اور پھر فرماتا ہے کہ وہ شخص

[1] الشمس: ۲تا۱۶

نجات پا گیا اور موت سے بچ گیا جس نے اس طرح پر نفس کو پاک کیا یعنی سورج اور چاند اور زمین وغیرہ کی طرح خدا میں محو ہو کر خلق اللہ کا خادم بنا۔

یاد رہے کہ حیات سے مراد حیات جاودانی ہے جو آئندہ کامل انسان کو حاصل ہوگی۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عملی شریعت کا پھل آئندہ زندگی میں حیات جاودانی ہے جو خدا کے دیدار کی غذا سے ہمیشہ قائم رہے گی اور پھر فرمایا کہ وہ شخص ہلاک ہوگیا اور زندگی سے نا امید ہوگیا جس نے اپنے نفس کو خاک میں ملا دیا اور جن کمالات کی اس کو استعدادیں دی گئی تھیں ان کمالات کو حاصل نہ کیا اور گندی زندگی بسر کر کے واپس گیا۔ اور پھر مثال کے طور پر فرمایا کہ ثمود کا قصہ اس بد بخت کے قصہ سے مشابہ ہے۔ انہوں نے اس اونٹنی کو زخمی کیا جو خدا کی اونٹنی کہلاتی تھی اور اپنے چشمہ سے پانی پینے سے اس کو روکا۔ سو اس شخص نے درحقیقت خدا کی اونٹنی کو زخمی کیا اور اس کو اس چشمہ سے محروم رکھا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کا نفس خدا کی اونٹنی ہے جس پر وہ سوار ہوتا ہے یعنی انسان کا دل الٰہی تجلیات کی جگہ ہے اور اس اونٹنی کا پانی خدا کی محبت اور معرفت ہے جس سے وہ جیتی ہے اور پھر فرمایا کہ ثمود نے جب اونٹنی کو زخمی کیا اور اس کو اس کے پانی سے روکا تو ان پر عذاب نازل ہوا۔ اور خدا تعالیٰ نے اس بات کی کچھ بھی پرواہ نہ کی کہ ان کے مرنے کے بعد ان کے بچوں اور بیواؤں کا کیا حال ہوگا۔ سو ایسا ہی جو شخص اس اونٹنی یعنی نفس کو زخمی کرتا ہے اور اس کو کمال تک پہنچانا نہیں چاہتا اور پانی پینے سے روکتا ہے وہ بھی ہلاک ہوگا۔ ﴿۷۴﴾

اللہ تعالیٰ کے مختلف اشیاء کی قسم کھانے میں حکمت

اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ خدا کا سورج اور چاند وغیرہ کی قسم کھانا ایک نہایت دقیق حکمت پر مشتمل ہے جس سے ہمارے اکثر مخالف ناواقف ہونے کی وجہ سے اعتراض کر بیٹھتے

ہیں کہ خدا کو قسموں کی کیا ضرورت پڑی اور اس نے مخلوق کی کیوں قسمیں کھائیں۔ لیکن چونکہ ان کی سمجھ زمینی ہے نہ آسمانی اس لئے وہ معارف حقہ کو سمجھ نہیں سکتے۔ سو واضح ہو کہ قسم کھانے سے اصل مدعا یہ ہوتا ہے کہ قسم کھانے والا اپنے دعوے کے لئے ایک گواہی پیش کرنا چاہتا ہے کیونکہ جس کے دعوے پر اور کوئی گواہ نہیں ہوتا وہ بجائے گواہ کے خدا تعالیٰ کی قسم کھاتا ہے اس لئے کہ خدا عالم الغیب ہے اور ہر ایک مقدمہ[1] میں وہ پہلا گواہ ہے۔ گویا وہ خدا کی گواہی اس طرح پیش کرتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ اس قسم کے بعد خاموش رہا اور اس پر عذاب نازل نہ کیا تو گویا اس نے اس شخص کے بیان پر گواہوں کی طرح مہر لگا دی۔ اس لئے مخلوق کو نہیں چاہئے کہ دوسری مخلوق کی قسم کھاوے۔ کیونکہ مخلوق عالم الغیب نہیں اور نہ جھوٹی قسم پر سزا دینے پر قادر ہے۔ مگر خدا کی قسم ان آیات میں ان معنوں سے نہیں جیسا کہ مخلوق کی قسم میں مراد لی جاتی ہے بلکہ اس میں یہ سنت اللہ ہے کہ خدا کے دو قسم کے کام ہیں، ایک بدیہی جو سب کی سمجھ میں آ سکتے ہیں اور ان میں کسی کو اختلاف نہیں اور دوسرے وہ کام جو نظری ہیں جن میں دنیا غلطیاں کھاتی ہے اور باہم اختلاف رکھتی ہے سو خدا تعالیٰ نے چاہا کہ بدیہی کاموں کی شہادت سے نظری کاموں کو لوگوں کی نظر میں ثابت کرے۔

پس یہ تو ظاہر ہے کہ سورج اور چاند اور دن اور رات اور آسمان اور زمین میں وہ خواص درحقیقت پائے جاتے ہیں جن کو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ مگر جو اس قسم کے خواص انسان کے نفس ناطقہ میں موجود ہیں ان سے ہر ایک شخص آگاہ نہیں۔ سو خدا نے اپنے بدیہی کاموں کو نظری کاموں کے کھولنے کے لئے بطور گواہ کے پیش کیا ہے۔ گویا وہ فرماتا ہے کہ اگر تم ان خواص سے شک میں ہو جو نفس ناطقہ انسانی میں پائے جاتے ہیں تو چاند اور سورج وغیرہ میں غور کرو کہ ان میں بدیہی طور پر یہ خواص موجود ہیں اور تم جانتے ہو کہ انسان ایک عالم صغیر ہے جس کے نفس میں تمام عالم کا نقشہ اجمالی طور پر مرکوز ہے۔ پھر جب کہ یہ ثابت ہے کہ عالم کبیر کے بڑے بڑے اجرام یہ خواص اپنے اندر رکھتے ہیں اور اسی طرح پر مخلوقات

[1] ایڈیشن اول میں ''مقدمہ کی بجائے'' ''مقصد'' لکھا ہے جو سہو کتابت معلوم ہوتا ہے جبکہ اصل مسودہ اور رپورٹ میں ''مقدمہ'' لکھا ہے جو درست معلوم ہوتا ہے (ناشر)

کو فیض پہنچا رہے ہیں تو انسان جوان سب سے بڑا کہلاتا ہے اور بڑے درجہ کا پیدا کیا گیا ہے وہ کیونکر ان خواص سے خالی اور بے نصیب ہوگا۔ نہیں بلکہ اس میں بھی سورج کی طرح ایک علمی اور عقلی روشنی ہے جس کے ذریعہ سے وہ تمام دنیا کو منور کر سکتا ہے اور چاند کی طرح وہ حضرت اعلیٰ سے **کشف** اور **الہام** اور **وحی** کا نور پاتا ہے اور دوسروں تک جنہوں نے انسانی کمال ابھی تک حاصل نہیں کیا اس نور کو پہنچاتا ہے۔ پھر کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ نبوت باطل ہے اور تمام رسالتیں اور شریعتیں اور کتابیں انسان کی مکاری اور خود غرضی ہے۔ یہ بھی دیکھتے ہو کہ کیونکر دن کے روشن ہونے سے تمام راہیں روشن ہو جاتی ہیں۔ تمام نشیب و فراز نظر آ جاتے ہیں۔ سو کامل انسان روحانی روشنی کا دن ہے۔ اس کے چڑھنے سے ہر ایک راہ نمایاں ہو جاتی ہے، وہ سچی راہ کو دکھلا دیتا ہے کہ کہاں اور کدھر ہے کیونکہ راستی اور سچائی کا وہی روز روشن ہے۔ ایسا ہی یہ بھی مشاہدہ کر رہے ہو کہ رات کیسی تھکوں ماندوں کو جگہ دیتی ہے۔ تمام دن کے شکستہ کوفتہ مزدور رات کے کنار عاطفت میں بخوشی سوتے ہیں اور محنتوں سے آرام پاتے ہیں اور رات ہر ایک کے لئے پردہ پوش بھی ہے۔ ایسا ہی خدا کے کامل بندے دنیا کو آرام دینے کے لئے آتے ہیں۔ خدا سے وحی اور الہام پانے والے تمام عقلمندوں کو جانکاہی سے آرام دیتے ہیں۔ ان کے طفیل سے بڑے بڑے معارف آسانی کے ساتھ حل ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی خدا کی وحی انسانی عقل کی پردہ پوشی کرتی ہے جیسا کہ رات پردہ پوشی کرتی ہے۔ اس کی ناپاک خطاؤں کو دنیا پر ظاہر ہونے نہیں دیتی۔ کیونکہ عقلمند وحی کی روشنی کو پا کر اندر ہی اندر اپنی غلطیوں کی اصلاح کر لیتے ہیں اور خدا کے پاک الہام کی برکت سے اپنے تئیں پردہ دری سے بچا لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ افلاطون کی طرح اسلام کے کسی فلاسفر نے کسی بت پر مرغ کی قربانی نہ چڑھائی۔ چونکہ افلاطون الہام[۱] کی روشنی سے بے نصیب تھا۔ اس لئے دھوکا کھا گیا اور ایسا فلاسفر کہلا کر یہ مکروہ اور احمقانہ حرکت اس سے صادر ہوئی۔ مگر اسلام کے حکماء کو

﴿۷۵﴾

[۱] ایڈیشن اول میں اس لفظ کو اسلام لکھا گیا ہے جبکہ اصل مسودہ اور رپورٹ میں یہ لفظ ’’الہام‘‘ ہے جو درست معلوم ہوتا ہے (ناشر)

ایسی ناپاک اور احمقانہ حرکتوں سے ہمارے سید و مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نے بچا لیا۔ اب دیکھو کیسا ثابت ہوا کہ الہام عقلمندوں کا رات کی طرح پردہ پوش ہے۔

یہ بھی آپ لوگ جانتے ہیں کہ خدا کے کامل بندے آسمان کی طرح ہر ایک درماندہ کو اپنے سایہ میں لے لیتے ہیں۔ خاص کر اس ذات پاک کے انبیاء اور الہام پانے والے عام طور پر آسمان کی طرح فیض کی بارشیں برساتے ہیں۔ ایسا ہی زمین کی خاصیت بھی اپنے اندر رکھتے ہیں۔ ان کے نفس نفیس سے طرح طرح کے علوم عالیہ کے درخت نکلتے ہیں۔ جن کے سایہ اور پھل اور پھول سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ سو یہ کھلا کھلا قانون قدرت جو ہماری نظر کے سامنے ہے اسی چھپے ہوئے قانون کا ایک گواہ ہے۔ جس کی گواہی کو قسموں[1] کے پیرایہ میں خدا تعالیٰ نے ان آیات میں پیش کیا ہے۔ سو دیکھو کہ یہ کس قدر پُرحکمت کلام ہے جو قرآن شریف میں پایا جاتا ہے۔ یہ اس کے منہ سے نکلا ہے جو ایک امّی اور بیابان کا رہنے والا تھا۔ اگر یہ خدا کا کلام نہ ہوتا تو اس طرح عام عقلیں اور وہ تمام لوگ جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں اس کے اس دقیق نکتہ معرفت سے عاجز آکر اعتراض کی صورت میں اس کو نہ دیکھتے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ انسان جب ایک بات کو کسی پہلو سے بھی اپنی مختصر عقل کے ساتھ نہیں سمجھ سکتا تب ایک حکمت کی بات کو جائے اعتراض ٹھہرا لیتا ہے اور اس کا اعتراض اس بات کا گواہ ہو جاتا ہے کہ وہ دقیقہ حکمت عام عقلوں سے برتر و اعلیٰ تھا۔ تب ہی تو عقلمندوں نے عقلمند کہلا کر پھر بھی اس پر اعتراض کر دیا۔ مگر اب جو یہ راز کھل گیا تو اب اس کے بعد کوئی عقلمند اس پر اعتراض نہیں کرے گا بلکہ اسؔ سے لذت اٹھائے گا۔ ﴿۷۶﴾

یاد رہے کہ قرآن شریف نے وحی اور الہام کی سنت قدیمہ پر قانون قدرت سے گواہی لانے کے لئے ایک اور مقام میں بھی اسی قسم کی قسم کھائی ہے اور وہ یہ ہے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجۡعِ ۙ وَالۡاَرۡضِ ذَاتِ الصَّدۡعِ

[1] روحانی خزائن میں سہو کتابت سے ''دو قسموں'' لکھا ہے (ناشر)

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ[1]

یعنی اس آسمان کی قسم ہے جس کی طرف سے بارش آتی ہے اور اس زمین کی قسم ہے جو بارش سے طرح طرح کی سبزیاں نکالتی ہے کہ یہ قرآن خدا کا کلام ہے۔ اور اس کی وحی ہے اور وہ باطل اور حق میں فیصلہ کرنے والا ہے اور عبث اور بیہودہ نہیں۔ یعنی بے وقت نہیں آیا موسم کے مینہ کی طرح آیا ہے۔ اب خدا تعالیٰ نے قرآن شریف کے ثبوت کے لئے جو اس کی وحی ہے ایک کھلے کھلے قانون قدرت کو قسم کے رنگ میں پیش کیا یعنی قانون قدرت میں ہمیشہ یہ بات مشہود اور مرئی ہے کہ ضرورتوں کے وقت آسمان سے بارش ہوتی ہے اور تمام مدار زمین کی سرسبزی کا آسمان کی بارش پر ہے۔ اگر آسمان سے بارش نہ ہو تو رفتہ رفتہ کنویں بھی خشک ہو جاتے ہیں۔ پس دراصل زمین کے پانی کا وجود بھی آسمان کی بارش پر موقوف ہے۔ اسی وجہ سے جب کبھی آسمان سے پانی برستا ہے تو زمین کے کنوؤں کا پانی چڑھ آتا ہے۔ کیوں چڑھ آتا ہے؟ اس کا یہی سبب ہے کہ آسمانی پانی زمین کے پانی کو اوپر کی طرف کھینچتا ہے۔ یہی رشتہ وحی اللہ اور عقل میں ہے۔ وحی اللہ یعنی الہام الٰہی آسمانی پانی ہے اور عقل زمینی پانی ہے اور یہ پانی ہمیشہ آسمانی پانی سے جو الہام ہے تربیت پاتا ہے اور اگر آسمانی پانی یعنی وحی ہونا بند ہو جائے تو یہ زمینی پانی بھی رفتہ رفتہ خشک ہو جاتا ہے۔ کیا اس کے واسطے یہ دلیل کافی نہیں کہ جب ایک زمانہ دراز گذر جاتا ہے اور کوئی الہام یافتہ زمین پر پیدا نہیں ہوتا تو عقلمندوں کی عقلیں نہایت گندی اور خراب ہو جاتی ہیں۔ جیسے زمینی پانی خشک ہو جاتا اور سڑ جاتا ہے۔[2]

اس کے سمجھنے کے لئے اس زمانہ پر ایک نظر ڈالنا کافی ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے اپنا رنگ تمام دنیا میں دکھلا رہا تھا۔ چونکہ اس وقت حضرت مسیحؑ کے زمانہ کو چھ سو برس گذر گئے تھے اور اس عرصہ

[1] الطارق: ۱۲تا۱۵ [2] اصل مسودہ میں خط کشیدہ فقرہ یوں ہے۔ ”جیسے پانی سڑ جاتا ہے۔“ (ناشر)

میں کوئی الہام یافتہ پیدا نہیں ہوا تھا اس لئے تمام دنیا نے اپنی حالت کو خراب کر دیا تھا۔ ہر ایک ملک کی تاریخیں پکار پکار کر کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مگر آپ کے ظہور سے پہلے تمام دنیا میں خیالات فاسدہ پھیل گئے تھے۔ ایسا کیوں ہوا تھا اور اس کا کیا سبب تھا؟ یہی تو تھا کہ الہام کا سلسلہ مدتوں تک بند ہو گیا تھا۔ آسمانی سلطنت صرف عقل کے ہاتھ میں تھی۔ پس اس ناقص عقل نے کن کن خرابیوں میں لوگوں کو ڈالا، کیا اس سے کوئی ناواقف بھی ہے۔ دیکھو الہام کا پانی جب مدت تک نہ برسا تو تمام[1] عقلوں کا پانی کیسا خشک ہو گیا۔

سوان قسموں میں یہی قانون قدرت اللہ تعالیٰ پیش کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ تم غور کر کے دیکھو کہ کیا خدا کا یہ محکم[2] اور دائمی قانون قدرت نہیں کہ زمین کی تمام سرسبزی کا مدار آسمان کا پانی ہے۔ سو اس پوشیدہ قانون قدرت کے لئے جو الہام الٰہی کا سلسلہ ہے۔ یہ کھلا کھلا قانون قدرت بطور گواہ کے ہے۔ سو اس گواہ سے فائدہ اٹھاؤ اور صرف عقل کو اپنا رہبر مت بناؤ کہ وہ ایسا پانی نہیں جو آسمانی پانی کے سوا موجود رہ سکے۔ جس طرح آسمانی پانی کا یہ خاصہ ہے کہ خواہ کسی کنویں میں اس کا پانی پڑے یا نہ پڑے وہ اپنی طبعی خاصیت سے تمام کنوؤں کے پانی کو اوپر چڑھا دیتا ہے۔ ایسا ہی جب خدا کا ایک الہام یافتہ دنیا میں ظہور فرماتا ہے خواہ کوئی عقلمند اس کی پیروی کرے یا نہ کرے۔ مگر اس الہام یافتہ کے زمانہ میں خود عقلوں میں ایسی روشنی اور صفائی آ جاتی ہے کہ پہلے اس سے موجود نہ تھی۔ لوگ خواہ نخواہ حق کی تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں اور غیب سے ایک حرکت ان کی قوت متفکرہ میں پیدا ہو جاتی ہے۔ سو یہ تمام عقلی ترقی اور دلی جوش اس الہام یافتہ کے قدم مبارک سے پیدا ہو جاتا ہے اور بالخاصیت زمین کے پانیوں کو اوپر اٹھاتا ہے جب تم دیکھو کہ مذاہب کی جستجو میں ہر ایک شخص کھڑا ہو گیا ہے اور زمینی پانی کو کچھ ابال آیا ہے تو اٹھو اور خبردار ہو جاؤ اور یقیناً سمجھو کہ آسمان سے زور کا مینہ برسا ہے اور کسی دل پر الہامی بارش ہو گئی ہے۔ فقط

﴿۷۷﴾

[1] ایڈیشن اول میں ’’تمام‘‘ کا لفظ سہو کتابت سے لکھنے سے رہ گیا ہے (ناشر)

[2] ایڈیشن اول میں ’’محکم‘‘ کی بجائے ’’حکم‘‘ لکھا ہے جبکہ روحانی خزائن میں دونوں لفظ مسودہ کے مطابق ہیں۔ (ناشر)

پانچواں سوال

یہ ہے کہ

علم اور معرفت کے ذریعے کیا کیا ہیں؟[۱]

اس سوال کے جواب میں واضح ہو کہ اس بارے میں جس قدر قرآن شریف نے مبسوط طور پر ذکر فرمایا ہے۔ اس کے ذکر کرنے کی تو اس جگہ کسی طرح گنجائش نہیں لیکن بطور نمونہ کسی قدر بیان کیا جاتا ہے۔ سو جاننا چاہئے کہ قرآن شریف نے علم تین قسم پر قرار دیا ہے۔ (۱) علم الیقین (۲) عین الیقین (۳) حق الیقین۔ جیسا کہ ہم پہلے اس سے سورہ **اَلْهٰكُم التكاثر** کی تفسیر میں ذکر کر چکے ہیں اور بیان کر چکے ہیں کہ **علم الیقین** وہ ہے کہ شئے مقصود کا کسی واسطہ کے ذریعہ سے نہ بلا واسطہ پتہ لگایا جائے۔ جیسا کہ ہم دھوئیں سے آگ کے وجود پر استدلال کرتے ہیں ہم نے آگ کو دیکھا نہیں مگر دھوئیں کو دیکھا ہے کہ جس سے ہمیں آگ کے وجود پر یقین آیا۔ سو یہ علم الیقین ہے اور اگر ہم نے آگ کو ہی دیکھ لیا ہے تو یہ بموجب بیان قرآن شریف یعنی سورہ **اَلْهٰكُم التكاثر** کے علم کے مراتب میں سے **عین الیقین** کے نام سے موسوم ہے۔ اور اگر ہم اس آگ میں داخل بھی ہو گئے ہیں تو اس علم کے مرتبہ کا نام قرآن شریف کے بیان کی رو سے **حق الیقین** ہے۔ سورہ **اَلْهٰكُم التكاثر** کے اب دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ناظرین اس موقع سے اس تفسیر کو دیکھ لیں۔

اب جاننا چاہئے کہ پہلی قسم کا جو علم ہے یعنی علم الیقین۔ اس کا ذریعہ عقل اور منقولات ہیں۔ اللہ تعالیٰ دوزخیوں سے حکایت کر کے فرماتا ہے۔

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ [۲]

[۱] عنوان ایڈیشن اول کے مطابق ہے۔ [۲] الملک : ۱۱

یعنی دوزخی کہیں گے کہ اگر ہم عقلمند ہوتے اور مذہب اور عقیدہ کو معقول طریقوں سے آزماتے یا کامل عقلمندوں اور محققوں کی تحریروں اور تقریروں کو توجہ سے سنتے تو آج دوزخ میں نہ پڑتے۔ یہ آیت اس دوسری آیت کے موافق ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿۷۸﴾

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا[1]

یعنی خدائے تعالیٰ انسانی نفوس کو ان کی وسعت علمی سے زیادہ کسی بات کو قبول کرنے کے لئے تکلیف نہیں دیتا اور وہی عقیدے پیش کرتا ہے جن کا سمجھنا انسان کی حد استعداد میں داخل ہے۔ تا اس کے حکم تکلیف مالایطاق میں داخل نہ ہوں اور ان آیات میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان کانوں کے ذریعہ سے بھی علم الیقین حاصل کرسکتا ہے۔ مثلاً ہم نے لنڈن تو نہیں دیکھا، صرف دیکھنے والوں سے اس شہر کا وجود سنا ہے۔ مگر کیا ہم شک کرسکتے ہیں کہ شاید ان سب نے جھوٹ بول دیا ہوگا۔ یا مثلاً ہم نے عالمگیر بادشاہ کا زمانہ نہیں پایا اور نہ عالمگیر کی شکل دیکھی ہے۔ مگر کیا ہمیں اس بات میں کچھ بھی شبہ ہے کہ عالمگیر چغتائی بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا۔ پس ایسا یقین کیوں حاصل ہوا؟ اس کا جواب یہی ہے کہ صرف سماع کے تواتر سے۔ پس اس میں کچھ شک نہیں کہ سماع بھی علم الیقین کے مرتبہ تک پہنچاتا ہے۔ نبیوں کی کتابیں اگر سلسلہ سماع میں کچھ خلل نہ رکھتی ہوں وہ بھی ایک سماعی علم کا ذریعہ ہیں۔ لیکن اگر ایک کتاب آسمانی کتاب کہلا کر پھر مثلاً پچاس ساٹھ نسخے اس کے پائے جائیں اور بعض بعض کے مخالف ہوں تو گو کسی فریق نے یقین بھی کرلیا ہو کہ ان میں سے صرف دو چار صحیح ہیں اور باقی وضعی اور جعلی۔ لیکن محقق کے لئے ایسا یقین جو کسی کامل تحقیقات پر مبنی نہیں بے ہودہ ہوگا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ سب کتابیں اپنے تناقض کی وجہ سے ردّی اور ناقابل اعتبار قرار دی جائیں گی۔ اور ہرگز جائز

[1] البقرۃ : ۲۸۷

نہیں ہوگا کہ ایسے متناقض بیانات کو کسی علم کا ذریعہ ٹھہرایا جائے۔ کیونکہ علم کی یہ تعریف ہے کہ ایک یقینی معرفت عطا کرے اور مجموعہ متناقضات میں یقینی معرفت کا پایا جانا ممکن نہیں۔

اس جگہ یاد رہے کہ قرآن شریف صرف سماع کی حد تک محدود نہیں ہے کیونکہ اس میں انسانوں کے سمجھانے کے لئے بڑے بڑے معقول دلائل ہیں اور جس قدر عقائد اور اصول اور احکام اس نے پیش کئے ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا امر نہیں جس میں زبردستی اور تحکّم ہو جیسا کہ اس نے خود فرما دیا ہے کہ یہ سب عقائد وغیرہ انسان کی فطرت میں پہلے سے منقوش ہیں اور قرآن شریف کا نام ذکر رکھا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے **ھذا ذکر مبارک** یعنی یہ قرآن بابرکت کوئی نئی چیز نہیں لایا بلکہ جو کچھ انسان کی فطرت اور صحیفہ قدرت میں بھرا پڑا ہے اس کو یاد دلاتا ہے اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ [1]

یعنی یہ دین کوئی بات جبر سے منوانا نہیں چاہتا بلکہ ہر ایک بات کے دلائل پیش کرتا ہے۔ ماسوا اس کے قرآن میں دلوں کو روشن کرنے کے لئے ایک روحانی خاصیت بھی ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔

شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ [2]

یعنی قرآن اپنی خاصیت سے تمام بیماریوں کو دور کرتا ہے۔ اس لئے اس کو منقولی کتاب نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کے معقول دلائل اپنے ساتھ رکھتا ہے اور ایک چمکتا ہوا نور اس میں پایا جاتا ہے۔

ایسا ہی عقلی دلائل جو صحیح مقدمات سے مستنبط ہوئے ہوں بلاشبہ علم الیقین تک پہنچاتے ہیں۔ اسی کی طرف اللہ جلّ شانہ آیات مندرجہ ذیل میں اشارہ فرماتا ہے جیسا کہ وہ کہتا ہے۔

[1] البقرۃ : ۲۵۷ [2] یونس: ۵۸

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ [۱]

﴿۷۹﴾

یعنی جب دانشمند اور اہل عقل انسان زمین اور آسمان کے اجرام کی بناوٹ میں غور کرتے اور رات اور دن کی کمی بیشی کے موجبات اور علل کو نظر عمیق سے دیکھتے ہیں انہیں اس نظام پر نظر ڈالنے سے خدا تعالیٰ کے وجود پر دلیل ملتی ہے۔ پس وہ زیادہ انکشاف کے لئے خدا سے مدد چاہتے ہیں اور اس کو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور کروٹ پر لیٹ کر یاد کرتے ہیں جس سے ان کی عقلیں بہت صاف ہو جاتی ہیں۔ پس جب وہ ان عقلوں کے ذریعہ سے اجرام فلکی اور زمینی کی بناوٹ احسن اور اولیٰ میں فکر کرتے ہیں۔ تو بے اختیار بول اٹھتے ہیں کہ ایسا نظام ابلغ اور محکم ہرگز باطل اور بے سود نہیں بلکہ صانع حقیقی کا چہرہ دکھلا رہا ہے۔ پس وہ الوہیت صانع عالم کا اقرار کر کے یہ مناجات کرتے ہیں یا الٰہی تو اس سے پاک ہے کہ کوئی تیرے وجود سے انکار کر کے نالائق صفتوں سے تجھے موصوف کرے۔ سو تو ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا۔ یعنی تجھ سے انکار کرنا عین دوزخ ہے۔ اور تمام آرام اور راحت تجھ میں اور تیری شناخت میں ہے۔ جو شخص کہ تیری سچی شناخت سے محروم رہا وہ درحقیقت اسی دنیا میں آگ میں ہے۔

انسانی فطرت کی حقیقت

ایسا ہی ایک علم کا ذریعہ انسانی کانشنس بھی ہے جس کا نام خدا کی کتاب میں

[۱] اٰل عمران: ۱۹۱، ۱۹۲

انسانی فطرت رکھا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فِطۡرَتَ اللّٰہِ الَّتِیۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡہَا [1]

یعنی خدا کی فطرت جس پر لوگ پیدا کئے گئے ہیں۔ اور وہ نقش فطرت کیا ہے؟ یہی ہے کہ خدا کو واحد لاشریک، خالق الکل، مرنے اور پیدا ہونے سے پاک سمجھنا۔ اور ہم کانشنس کو علم الیقین کے مرتبہ پر اس لئے کہتے ہیں کہ گو بظاہر اس میں ایک علم سے دوسرے علم کی طرف انتقال نہیں پایا جاتا جیسا کہ دھوئیں کے علم سے آگ کے علم کی طرف انتقال پایا جاتا ہے۔ لیکن ایک قسم کے باریک انتقال سے یہ مرتبہ خالی نہیں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہر ایک چیز میں خدا نے ایک نامعلوم خاصیت رکھی ہے جو بیان اور تقریر میں نہیں آ سکتی۔ لیکن اس چیز پر نظر ڈالنے اور اس کا تصور کرنے سے بلاتوقف اس خاصیت کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے۔ غرض وہ خاصیت اس وجود کو ایسی لازم پڑی ہوتی ہے جیسا کہ آگ کو دھواں لازم ہے۔ مثلاً جب ہم خدا تعالیٰ کی ذات کی طرف توجہ کرتے ہیں کہ کیسی ہونی چاہئے آیا خدا ایسا ہونا چاہئے کہ ہماری طرح پیدا ہو اور ہماری طرح دکھ اٹھاوے اور ہماری طرح مرے تو معاً اس تصور سے ہمارا دل دکھتا اور کانشنس کانپتا ہے اور اس قدر جوش دکھلاتا ہے کہ گویا اس خیال کو دھکے دیتا ہے اور بول اٹھتا ہے کہ وہ خدا جس کی طاقتوں پر تمام امیدوں کا مدار ہے۔ وہ تمام نقصانوں سے پاک اور کامل اور قوی چاہئے اور جب ہی کہ خدا کا خیال ہمارے دل میں آتا ہے معاً توحید اور خدا میں دھوئیں اور آگ کی طرح بلکہ اس سے بہت زیادہ ملازمت تامہ کا احساس ہوتا ہے۔ لہٰذا جو علم ہمیں ہمارے کانشنس کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے وہ **علم الیقین** کے مرتبہ میں داخل ہے۔ لیکن اس پر ایک اور مرتبہ ہے جو **عین الیقین** کہلاتا ہے اور اس مرتبہ سے اس طور کا علم مراد ہے کہ جب ہمارے **یقین** اور اس چیز میں

﴿۸۰﴾

[1] الروم: ۳۱

جس پر کسی نوع کا یقین کیا گیا ہے کوئی درمیانی واسطہ نہ ہو۔ مثلاً جب ہم قوت شامہ کے ذریعہ سے ایک خوشبو یا بدبو کو معلوم کرتے ہیں اور یا ہم قوت ذائقہ کے ذریعہ سے شیریں یا نمکین پر اطلاع پاتے ہیں یا قوت حاسّہ کے ذریعہ سے گرم یا سرد کو معلوم کرتے ہیں تو یہ تمام معلومات ہمارے عین الیقین کی قسم میں داخل ہیں۔ مگر عالم ثانی کے بارے میں ہمارا علم الٰہیات تب عین الیقین کی حد تک پہنچتا ہے کہ جب خود بلا واسطہ ہم الہام پاویں خدا کی آواز کو اپنے کانوں سے سنیں اور خدا کے صاف اور صحیح کشفوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ ہم بے شک کامل معرفت کے حاصل کرنے کے لئے بلا واسطہ الہام کے محتاج ہیں اور اس کامل معرفت کی ہم اپنے دل میں بھوک اور پیاس بھی پاتے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے پہلے سے اس معرفت کا سامان میسر نہیں کیا تو یہ پیاس اور بھوک ہمیں کیوں لگا دی ہے۔ کیا ہم اس زندگی میں جو ہماری آخرت کے ذخیرہ کے لئے یہی ایک پیمانہ ہے اس بات پر راضی ہو سکتے ہیں کہ ہم اس سچے اور کامل اور قادر اور زندہ خدا پر صرف قصوں اور کہانیوں کے رنگ میں ایمان لاویں یا محض عقلی معرفت پر کفایت کریں۔ جو اب تک ناقص اور ناتمام معرفت ہے۔ کیا خدا کے سچے عاشقوں اور حقیقی دلدادوں کا دل نہیں چاہتا کہ اس محبوب کے کلام سے لذت حاصل کریں؟ کیا جنہوں نے خدا کے لئے تمام دنیا کو برباد کیا، دل کو دیا، جان کو دیا' وہ اس بات پر راضی ہو سکتے ہیں کہ صرف ایک دھندلی سی روشنی میں کھڑے رہ کر مرتے رہیں اور اس آفتاب صداقت کا مُنہ نہ دیکھیں کیا یہ سچ نہیں ہے کہ اُس زندہ خدا کا **اناالموجود** کہنا وہ معرفت کا مرتبہ عطا کرتا ہے کہ اگر دنیا کے تمام فلاسفروں کی خود تراشیدہ کتابیں ایک طرف رکھیں اور ایک طرف **اناالموجود** خدا کا کہنا تو اس کے مقابل وہ تمام دفتر ہیچ ہیں جو فلاسفر کہلا کر اندھے رہے۔ وہ ہمیں کیا سکھائیں گے۔ غرض اگر خدا تعالیٰ نے حق کے طالبوں کو کامل معرفت دینے کا ارادہ فرمایا ہے تو ضرور اس نے اپنے مکالمہ اور مخاطبہ کا طریق کھلا رکھا ہے۔ اس بارے میں

اللہ جل شانہ قرآن شریف میں یہ فرماتا ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ . صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ [1]

یعنی اے خدا ہمیں وہ استقامت کی راہ بتلا جو راہ ان لوگوں کی ہے جن پر تیرا انعام ہوا ہے۔ اس جگہ انعام سے مراد الہام اور کشف وغیرہ آسمانی علوم ہیں جو انسان کو براہ راست ملتے ہیں۔ ایسا ہی ایک دوسری جگہ فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ [2]

یعنی جو لوگ خدا پر ایمان لا کر پوری پوری استقامت اختیار کرتے ہیں۔ ان پر خدائے تعالیٰ کے فرشتے اترتے ہیں۔ اور یہ الہام ان کو کرتے ہیں کہ تم کچھ خوف اور غم نہ کرو۔ تمہارے لئے وہ بہشت ہے جس کے بارے میں تمہیں وعدہ دیا گیا ہے۔ سو اس آیت میں بھی صاف لفظوں میں فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ کے نیک بندے غم اور خوف کے وقت خدا سے الہام پاتے ہیں اور فرشتے اتر کر ان کی تسلی کرتے ہیں اور پھر ایک اور آیت میں فرمایا ہے۔ ﴿۸۱﴾

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ [3]

یعنی خدا کے دوستوں کو الہام اور خدا کے مکالمہ کے ذریعہ سے اس دنیا میں خوشخبری ملتی ہے اور آئندہ زندگی میں بھی ملے گی۔

الہام سے کیا مراد ہے؟

لیکن اس جگہ یاد رہے کہ الہام کے لفظ سے اس جگہ یہ مراد نہیں ہے کہ سوچ اور

[1] الفاتحۃ:۶، ۷ [2] حٰم السجدۃ :۳۱ [3] یونس: ۶۵

فکر کی کوئی بات دل میں پڑ جائے جیسا کہ جب شاعر شعر کے بنانے میں کوشش کرتا ہے یا ایک مصرع بنا کر دوسرا سوچتا رہتا ہے تو دوسرا مصرع دل میں پڑ تا ہے۔سو یہ دل میں پڑ جانا الہام نہیں ہے بلکہ یہ خدا کے قانون قدرت کے موافق اپنی فکر اور سوچ کا ایک نتیجہ ہے۔ جو شخص اچھی باتیں سوچتا ہے یا بری باتوں کے لئے فکر کرتا ہے اس کی تلاش کے موافق کوئی بات ضرور اس کے دل میں پڑ جاتی ہے۔ایک شخص مثلاً نیک اور راستباز آدمی ہے جو سچائی کی حمایت میں چند شعر بناتا ہے اور دوسرا شخص جو ایک گندہ اور پلید آدمی ہے اپنے شعروں میں جھوٹ کی حمایت کرتا ہے اور راستبازوں کو گالیاں نکالتا ہے تو بلاشبہ یہ دونوں کچھ نہ کچھ شعر بنالیں گے بلکہ کچھ تعجب نہیں کہ وہ راستبازوں کا دشمن جو جھوٹ کی حمایت کرتا ہے بباعث دائمی مشق کے اس کا شعر عمدہ ہو۔سو اگر صرف دل میں پڑ جانے کا نام الہام ہے تو پھر ایک بدمعاش شاعر جو راست بازی اور راست بازوں کا دشمن اور ہمیشہ حق کی مخالفت کے لئے قلم اٹھاتا اور افتراؤں سے کام لیتا ہے، خدا کا ملہم کہلائے گا۔دنیا میں ناولوں وغیرہ میں جادو بیانیاں پائی جاتی ہیں اور تم دیکھتے ہو کہ اس طرح سراسر باطل مگر مسلسل مضمون لوگوں کے دلوں میں پڑتے ہیں۔پس کیا ہم ان کو الہام کہہ سکتے ہیں؟ بلکہ اگر الہام صرف دل میں بعض باتیں پڑ جانے کا نام ہے تو ایک چور بھی ملہم کہلا سکتا ہے کیونکہ وہ بسا اوقات فکر کر کے اچھے اچھے طریق نقب زنی کے نکال لیتا ہے اور عمدہ عمدہ تدبیریں ڈاکہ مارنے اور خون ناحق کرنے کی اس کے دل میں گذر جاتی ہیں تو کیا لائق ہے کہ ہم ان تمام ناپاک طریقوں کا نام الہام رکھ دیں؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ ان لوگوں کا خیال ہے جن کو اب تک اس سچے خدا کی خبر نہیں جو آپ خاص مکالمہ سے دلوں کو تسلی دیتا اور ناواقفوں کو روحانی علوم سے معرفت بخشتا ہے۔

الہام کیا چیز ہے؟ وہ پاک اور قادر خدا کا ایک برگزیدہ بندہ کے ساتھ یا اس کے ساتھ جس کو برگزیدہ کرنا چاہتا ہے ایک زندہ اور باقدرت کلام کے ساتھ مکالمہ

اور مخاطبہ ہے۔ سو جب یہ مکالمہ اور مخاطبہ کافی اور تسلی بخش سلسلہ کے ساتھ شروع ہو جائے اور اس میں خیالات فاسدہ کی تاریکی نہ ہو اور نہ غیر مکتفی اور چند بے سرو پا لفظ ہوں اور کلام لذیذ اور پُرحکمت اور پُرشوکت ہو تو وہ خدا کا کلام ہے جس سے وہ اپنے بندے کو تسلی دینا چاہتا ہے اور اپنے تئیں اس پر ظاہر کرتا ہے۔ ہاں کبھی ایک کلام محض امتحان کے طور پر ہوتا ہے اور پورا اور بابرکت سامان ساتھ نہیں رکھتا۔ اس میں خدا تعالیٰ کے بندہ کو اس کی ابتدائی حالت میں آزمایا جاتا ہے تا وہ ایک ذرہ الہام کا مزہ چکھ کر پھر واقعی طور پر اپنا حال و قال سچے ملہموں کی طرح بناوے یا ٹھوکر کھاوے۔ پس اگر وہ حقیقی راستبازی صدیقوں کی طرح ﴿۸۲﴾ اختیار نہیں کرتا تو اس نعمت کے کمال سے محروم رہ جاتا ہے اور صرف بیہودہ لاف زنی اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ کروڑ ہا نیک بندوں کو الہام ہوتا رہا ہے مگر ان کا مرتبہ خدا کے نزدیک ایک درجہ کا نہیں بلکہ خدا کے پاک نبی جو پہلے درجہ پر کمال صفائی سے خدا کا الہام پانے والے ہیں وہ بھی مرتبہ میں برابر نہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ [1]

یعنی بعض نبیوں کو بعض نبیوں پر فضیلت ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ الہام محض فضل ہے اور فضیلت کے وجود میں اس کو دخل نہیں بلکہ فضیلت اس صدق اور اخلاص اور وفاداری کی قدر پر ہے جس کو خدا جانتا ہے۔ ہاں الہام بھی اگر اپنی بابرکت شرائط کے ساتھ ہو تو وہ بھی ان کا ایک پھل ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر اس رنگ میں الہام ہو کہ بندہ سوال کرتا ہے اور خدا اس کا جواب دیتا ہے۔ اسی طرح ایک ترتیب کے ساتھ سوال و جواب ہو اور الٰہی شوکت اور نور الہام میں پایا جاوے اور علوم غیب یا معارف صحیحہ پر مشتمل ہو تو وہ خدا کا الہام ہے۔ خدا کے الہام میں یہ ضروری ہے کہ

[1] البقرة : ۲۵۴

جس طرح ایک دوست دوسرے دوست سے مل کر باہم ہم کلام ہوتا ہے۔ اسی طرح رب اوراس کے بندے میں ہم کلامی واقع ہواور جب کسی امر میں سوال کرے تو اس کے جواب میں ایک کلام لذیذ فصیح خدا تعالیٰ کی طرف سے سنے۔ جس میں اپنے نفس اور فکر اور غور کا کچھ بھی دخل نہ ہواور وہ مکالمہ اور مخاطبہ اس کے لئے موہبت ہو جائے تو وہ خدا کا کلام ہے اور ایسا بندہ خدا کی جناب میں عزیز ہے۔ مگر یہ درجہ جو الہام بطور موہبت ہو اور زندہ اور پاک الہام کا سلسلہ ایسے خدا سے بندہ کو حاصل ہو[1]۔ اور صفائی اور پاکیزگی کے ساتھ ہو۔ یہ کسی کو نہیں ملتا۔ بجز ان لوگوں کے جو ایمان اور اخلاص اور اعمال صالحہ میں ترقی کریں اور نیز اس چیز میں جس کو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ سچا اور پاک الہام الوہیت کے بڑے بڑے کرشمے دکھلاتا ہے۔ بارہا ایک نہایت چمکدار نور پیدا ہوتا ہے اور ساتھ اس کے پرشوکت اور ایک چمکدار الہام آتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ ملہم اس ذات سے باتیں کرتا ہے جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے۔ دنیا میں خدا کا دیدار یہی ہے کہ خدا سے باتیں کرے۔ مگر اس ہمارے بیان میں انسان کی وہ حالت داخل نہیں ہے جو کسی کی زبان پر بے ٹھکانہ کوئی لفظ یا فقرہ یا شعر جاری ہو اور ساتھ اس کے کوئی مکالمہ اور مخاطبہ نہ ہو بلکہ ایسا شخص خدا کے امتحان میں گرفتار ہے۔ کیونکہ خدا اس طریق سے بھی سست اور غافل بندوں کو آزماتا ہے کہ کبھی کوئی فقرہ یا عبارت کسی کے دل پر یا زبان پر جاری کی جاتی ہے اور وہ شخص اندھے کی طرح ہو جاتا ہے۔ نہیں جانتا کہ وہ عبارت کہاں سے آئی۔ خدا سے یا شیطان سے۔ سو ایسے فقرات سے استغفار لازم ہے لیکن اگر ایک صالح اور نیک بندہ کو بے حجاب مکالمہ الٰہی شروع ہو جائے اور مخاطبہ اور مکالمہ کے طور پر ایک کلام روشن، لذیذ، پُرمعنی، پُرحکمت پوری شوکت کے ساتھ اس کو سنائی دے اور کم سے کم بارہا اس کو ایسا اتفاق ہوا ہو کہ خدا میں اور اس میں عین بیداری میں دس مرتبہ سوال و جواب ہوا ہو۔ اس ﴿۸۳﴾

[1] ایڈیشن اول اور روحانی خزائن میں خط کشیدہ الفاظ سہو کتابت سے ''ایسے بندہ سے خدا کو حاصل ہو'' لکھے گئے ہیں۔ جبکہ مسودہ میں درست الفاظ لکھے گئے ہیں۔ (ناشر)

نے سوال کیا اور خدا نے جواب دیا۔ پھر اسی وقت عین بیداری میں اس نے کوئی اور عرض کی اور خدا نے اس کا بھی جواب دیا۔ پھر گذارش عاجزانہ کی، خدا نے اس کا بھی جواب عطا فرمایا۔ ایسا ہی دس مرتبہ تک خدا میں اور اس میں باتیں ہوتی رہیں اور خدا نے بارہا ان مکالمات میں اس کی دعائیں منظور کی ہوں۔ عمدہ عمدہ معارف پر اس کو اطلاع دی ہو۔ آنے والے واقعات کی اس کو خبر دی ہو اور اپنے برہنہ مکالمہ سے بار بار کے سوال و جواب میں اس کو مشرف کیا ہو تو ایسے شخص کو خدا تعالیٰ کا بہت شکر کرنا چاہئے اور سب سے زیادہ خدا کی راہ میں فدا ہونا چاہئے کیونکہ خدا نے محض اپنے کرم سے اپنے تمام بندوں میں سے اسے چن لیا اور ان صدیقوں کا اس کو وارث بنا دیا جو اس سے پہلے گذر چکے ہیں۔ یہ نعمت نہایت ہی نادر الوقوع اور قسمت[1] کی بات ہے جس کو ملی۔ اس کے بعد جو کچھ ہے وہ ہیچ ہے۔

اسلام کی خصوصیت

اس مرتبہ اور اس مقام کے لوگ اسلام میں ہمیشہ ہوتے رہے ہیں اور ایک اسلام ہی ہے جس میں خدا بندہ سے قریب ہو کر اس سے باتیں کرتا اور اس کے اندر بولتا ہے۔ وہ اس کے دل میں اپنا تخت بناتا اور اس کے اندر سے اسے آسمان کی طرف کھینچتا ہے اور اس کو وہ سب نعمتیں عطا فرماتا ہے جو پہلوں کو دی گئیں۔ افسوس اندھی دنیا نہیں جانتی کہ انسان نزدیک ہوتا ہوتا کہاں تک پہنچ جاتا ہے۔ وہ آپ تو قدم نہیں اٹھاتے اور جو قدم اٹھائے یا تو اس کو کافر ٹھہرایا جاتا ہے اور یا اس کو معبود ٹھہرا کر خدا کی جگہ دی جاتی ہے۔ یہ دونوں ظلم ہیں۔ ایک افراط سے اور ایک تفریط سے پیدا ہوا۔ مگر عقلمند کو چاہئے کہ وہ کم ہمت نہ ہو اور اس مقام اور اس مرتبہ کا انکاری نہ رہے اور نہ صاحب اس مرتبہ کی کسر شان کرے اور نہ اس کی پوجا شروع کردے۔ اس مرتبہ پر خدا تعالیٰ وہ تعلقات اس بندہ سے ظاہر کرتا ہے کہ گویا اپنی الوہیت کی چادر اس پر ڈال دیتا ہے اور ایسا شخص خدا کے دیکھنے کا آئینہ بن جاتا ہے۔ یہی بھید ہے جو ہمارے

[1] اصل مسودہ کے مطابق (ناشر)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مجھے دیکھا اس نے خدا کو دیکھ لیا۔ غرض یہ بندوں کیلئے انتہائی تنبیہ ہے اور اس پر تمام سلوک ختم ہو جاتے ہیں اور پوری تسلی ملتی ہے۔

مقرر کا مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہونا

میں بنی نوع پر ظلم کروں گا اگر میں اس وقت ظاہر نہ کروں کہ وہ مقام جس کی میں نے یہ تعریفیں کی ہیں اور وہ مرتبہ مکالمہ اور مخاطبہ کا جس کی میں نے اس وقت تفصیل بیان کی۔ وہ خدا کی عنایت نے مجھے عنایت فرمایا ہے تا میں اندھوں کو بینائی بخشوں اور ڈھونڈنے والوں کو اس گم گشتہ کا پتہ دوں اور سچائی کو قبول کرنے والوں کو اس پاک چشمہ کی خوشخبری سناؤں جس کا تذکرہ بہتوں میں ہے اور پانے والے تھوڑے ہیں[1]۔ میں سامعین کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ خدا جس کے ملنے میں انسان کی نجات اور دائمی خوشحالی ہے، وہ بجز قرآن شریف کی پیروی کے ہرگز نہیں مل سکتا۔ کاش جو میں نے دیکھا ہے لوگ دیکھیں اور جو میں نے سنا ہے وہ سنیں اور قصوں کو چھوڑ دیں اور حقیقت کی طرف دوڑیں۔ وہ کامل علم کا ذریعہ جس سے خدا نظر آتا ہے۔ وہ میل اتارنے والا پانی جس سے تمام شکوک دور ہو جاتے ہیں، وہ آئینہ جس سے اس برتر ہستی کا درشن ہو جاتا ہے، خدا کا وہ مکالمہ اور مخاطبہ ہے جس کا میں ابھی ذکر کر چکا ہوں۔ جس کی روح میں سچائی کی طلب ہے وہ اٹھے اور تلاش کرے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر روحوں میں سچی تلاش پیدا ہو اور دلوں میں سچی پیاس لگ جائے تو لوگ اس طریق کو ڈھونڈیں اور اس راہ کی تلاش میں لگیں۔ مگر یہ راہ کس طریق سے کھلے گی اور حجاب کس دوا سے اٹھے گا۔ میں سب طالبوں کو یقین دلاتا ہوں کہ صرف اسلام ہی ہے جو اس راہ کی خوشخبری دیتا ہے۔ اور دوسری قومیں تو خدا کے الہام پر مدت سے مہر لگا چکی ہیں۔ سو یقیناً سمجھو کہ یہ خدا کی طرف سے مہر نہیں بلکہ محرومی کی وجہ سے انسان ایک حیلہ پیدا کر لیتا ہے[2]۔ اور یقیناً سمجھو کہ جس طرح یہ ممکن نہیں کہ ہم بغیر آنکھوں کے دیکھ سکیں یا بغیر کانوں کے سن سکیں یا بغیر زبان کے

﴿۸۴﴾

[1] خط کشیدہ الفاظ ایڈیشن اول کے ہیں جب کہ اصل مسودہ میں ان کی بجائے مندرجہ ذیل الفاظ ہیں۔ ’’جس کا تذکرہ ہر ایک میں ہے اور پینے والے تھوڑے ہیں‘‘ (ناشر)

[2] اصل مسودہ میں اس کی بجائے یوں لکھا ہے۔ ’’بلکہ محروم رہنے سے انسان ایک حیلہ کر لیتا ہے‘‘ (ناشر)

بول سکیں اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ بغیر قرآن کے اس پیارے محبوب کا منہ دیکھ سکیں۔ میں جوان تھا۔ اب بوڑھا ہوا مگر میں نے کوئی نہ پایا جس نے بغیر اس پاک چشمہ کے اس کھلی کھلی معرفت کا پیالہ پیا ہو۔

کامل علم کا ذریعہ خدائے تعالیٰ کا الہام ہے

اے عزیزو۔ اے پیارو۔ کوئی انسان خدا کے ارادوں میں اس سے لڑائی نہیں کر سکتا۔ یقیناً سمجھ لو کہ کامل علم کا ذریعہ خدا تعالیٰ کا الہام ہے جو خدا تعالیٰ کے پاک نبیوں کو ملا۔ پھر بعد اس کے اس خدا نے جو دریائے فیض ہے یہ ہرگز نہ چاہا کہ آئندہ اس الہام پر مہر لگا دے اور اس طرح پر دنیا کو تباہ کرے بلکہ اس کے الہام اور مکالمے اور مخاطبے کے ہمیشہ دروازے کھلے ہیں۔ ہاں ان کو ان کی راہوں سے ڈھونڈو۔ تب وہ آسانی سے تمہیں ملیں گے۔ وہ زندگی کا پانی آسمان سے آیا اور اپنے مناسب مقام پر ٹھہرا۔ اب تمہیں کیا کرنا چاہئے تا تم اس پانی کو پی سکو۔ یہی کرنا چاہئے کہ افتاں وخیزاں اس چشمہ تک پہنچو، پھر اپنا منہ اس چشمہ کے آگے رکھ دو تا اس زندگی کے پانی سے سیراب ہو جاؤ۔ انسان کی تمام سعادت اسی میں ہے کہ جہاں روشنی کا پتہ ملے اسی طرف دوڑے اور جہاں اس گم گشتہ دوست کا نشان پیدا ہو، اسی راہ کو اختیار کرے۔ دیکھتے ہو کہ ہمیشہ آسمان سے روشنی اترتی اور زمین پر پڑتی ہے۔ اسی طرح ہدایت کا سچا نور آسمان سے ہی اترتا ہے۔ انسان کی اپنی ہی باتیں اور اپنی ہی اٹکلیں سچا گیان اس کو نہیں بخش سکتیں۔ کیا تم خدا کو بغیر خدا کی تجلی کے پا سکتے ہو؟ کیا تم بغیر اس آسمانی روشنی کے اندھیرے میں دیکھ سکتے ہو؟ اگر دیکھ سکتے ہو تو شاید اس جگہ بھی دیکھ لو۔ مگر ہماری آنکھیں گو بینا ہوں تا ہم آسمانی روشنی کی محتاج ہیں۔ اور ہمارے کان گو شنوا ہوں تا ہم اس ہوا کے حاجتمند ہیں جو خدا کی طرف سے چلتی ہے۔ وہ خدا سچا خدا نہیں ہے جو خاموش ہے اور سارا مدار ہماری اٹکلوں پر

ہے۔ بلکہ کامل اور زندہ خدا وہ ہے جو اپنے وجود کا آپ پتہ دیتا رہا ہے اور اب بھی اس نے یہی چاہا ہے کہ آپ اپنے وجود کا پتہ دیوے۔ آسمانی کھڑکیاں کھلنے کو ہیں۔ عنقریب صبح صادق ہونے والی ہے۔ مبارک وہ جو اٹھ بیٹھیں اور اب سچے خدا کو ڈھونڈیں۔ وہی خدا جس پر کوئی گردش اور مصیبت نہیں آتی۔ جس کے جلال کی چمک پر کبھی حادثہ نہیں پڑتا۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [1]

﴿۸۵﴾

یعنی خدا ہی ہے جو ہر دم آسمان کا نور اور زمین کا نور ہے۔ اُسی سے ہر ایک جگہ روشنی پڑتی ہے۔ آفتاب کا وہی آفتاب ہے۔ زمین کے تمام جانداروں کی وہی جان ہے۔ سچا زندہ خدا وہی ہے۔ مبارک وہ جو اس کو قبول کرے۔

تیسرا علم کا ذریعہ وہ امور ہیں جو حق الیقین کے مرتبہ پر ہیں۔ اور وہ تمام شدائد اور مصائب اور تکالیف ہیں جو خدا کے نبیوں اور راستبازوں کو مخالفوں کے ہاتھ سے یا آسمانی قضا و قدر سے پہنچتے ہیں اور اس قسم کے دکھوں اور تکلیفوں سے وہ تمام شرعی ہدایتیں جو محض علمی طور پر انسان کے دل میں تھیں اس پر وارد ہو کر عملی رنگ میں آ جاتی ہیں اور پھر عمل کی زمین سے نشو ونما پا کر کمالِ تام تک پہنچ جاتی ہیں اور عمل کرنے والوں کا اپنا ہی وجود ایک نسخہ مکمل خدا کی ہدایتوں کا ہو جاتا ہے اور وہ تمام اخلاق عفو اور انتقام اور صبر اور رحم وغیرہ جو صرف دماغ اور دل میں بھرے ہوئے تھے اب تمام اعضاء کو عملی مزاولت کی برکت سے ان سے حصہ ملتا ہے اور وہ تمام جسم پر وارد ہو کر اپنے نقش و نگار اس پر جما دیتے ہیں جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ

[1] النور: ۳۶

اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ. اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ ۟ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ [1] لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْٓا اَذًی کَثِیْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ [2]

یعنی ہم تمہیں خوف اور فاقہ اور مال کے نقصان اور جان کے نقصان اور کوشش ضائع جانے اور اولاد کے فوت ہو جانے سے آزمائیں گے یعنی یہ تمام تکلیفیں قضاء وقدر کے طور پر یا دشمن کے ہاتھ سے تمہیں پہنچیں گی۔ سو ان لوگوں کو خوشخبری ہو جو مصیبت کے وقت صرف یہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے ہیں اور خدا کی طرف رجوع کریں گے۔ ان لوگوں پر خدا کا درود اور رحمت ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت کے کمال تک پہنچ گئے ہیں۔ یعنی محض اس علم میں کچھ شرف اور بزرگی نہیں جو صرف دماغ اور دل میں بھرا ہوا ہو بلکہ حقیقت میں علم وہ ہے کہ دماغ سے اتر کر تمام اعضاء اس سے متأدّب اور رنگین ہو جائیں اور حافظہ کی یادداشتیں عملی رنگ میں دکھائی دیں۔ سو علم کے مستحکم کرنے اور اس کے ترقی دینے کا یہ بڑا ذریعہ ہے کہ عملی طور پر اس کے نقوش اپنے اعضاء میں جمالیں۔ کوئی ادنیٰ علم بھی عملی مزاولت کے بغیر اپنے کمال کو نہیں پہنچتا۔ مثلاً مدت دراز سے ہمارے علم میں یہ بات ہے کہ روٹی پکانا نہایت ہی سہل بات ہے اور اس میں کوئی زیادہ باریکی نہیں۔ صرف اتنا ہے کہ آٹا گوندھ کر اور بقدر ایک ایک روٹی کے اس آٹے کے پیڑے بنا دیں اور ان کو دونوں ہاتھوں کے باہم ملانے سے چوڑے کر کے توے پر ڈال دیں اور ادھر ادھر پھیر کر اور آگ پر سینک کر رکھ لیں، روٹی پک جائے گی۔ یہ تو ہماری صرف علمی لاف وگزاف ہے لیکن جب ہم ناتجربہ کاری کی حالت میں پکانے لگیں گے تو اول ہم پر یہی مصیبت

﴿۸۶﴾

[1] البقرۃ: ۱۵۶ تا ۱۵۸ [2] آل عمران: ۱۸۷

پڑے گی کہ آٹے کو اس کے مناسب قوام پر رکھ سکیں بلکہ یا تو پتھر سا رہے گا اور یا پتلا ہو کر گلگلوں کے لائق ہو جائے گا اور اگر مر مر کر تھک تھک کر[1] گوندھ بھی لیں تو روٹی کا یہ حال ہوگا کہ کچھ جلے گی اور کچھ کچی رہے گی۔ بیچ میں ٹکیہ رہے گی اور کئی طرف سے کان نکلے ہوئے ہوں گے حالانکہ پچاس برس تک ہم پکتی ہوئی دیکھتے رہے۔ غرض مجرد علم کی شامت سے جو عملی مشق کے نیچے نہیں آیا، کئی سیر آٹے کا نقصان کریں گے۔ پھر جبکہ ادنیٰ ادنیٰ سی بات میں ہمارے علم کا یہ حال ہے تو بڑے بڑے امور میں بجز عملی مزاولت اور مشق کے صرف علم پر کیونکر بھروسہ رکھیں۔ سو خدا تعالیٰ ان آیتوں میں یہ سکھاتا ہے کہ جو مصیبتیں میں تم پر ڈالتا ہوں وہ بھی علم اور تجربہ کا ذریعہ ہیں۔ یعنی ان سے تمہارا علم کامل ہوتا ہے۔

اور پھر آگے فرماتا ہے کہ تم اپنے مالوں اور جانوں میں بھی آزمائے جاؤ گے۔ لوگ تمہارے مال لوٹیں گے، تمہیں قتل کریں گے اور تم یہودیوں اور عیسائیوں اور مشرکوں کے ہاتھ سے بہت ہی ستائے جاؤ گے۔ وہ بہت کچھ ایذا کی باتیں تمہارے حق میں کہیں گے۔ پس اگر تم صبر کرو گے اور بیجا باتوں سے بچو گے تو یہ ہمت اور بہادری کا کام ہوگا۔ ان تمام آیات کا مطلب یہ ہے کہ بابرکت علم وہی ہوتا ہے جو عمل کے مرتبہ میں اپنی چمک دکھاوے اور منحوس علم وہ ہے جو صرف علم کی حد تک رہے کبھی عمل تک نوبت نہ پہنچے۔

جاننا چاہئے کہ جس طرح مال تجارت سے بڑھتا ہے اور پھولتا ہے۔ ایسا ہی علم عملی مزاولت سے اپنے روحانی کمال کو پہنچتا ہے۔ سو علم کو کمال تک پہنچانے کا بڑا ذریعہ عملی مزاولت ہے۔ مزاولت سے علم میں نور آ جاتا ہے اور یہ بھی سمجھو کہ علم کا حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچنا اور کیا ہوتا ہے۔ یہی تو ہے کہ عملی طور پر ہر ایک گوشہ اس کا آزمایا جاوے۔ چنانچہ اسلام میں ایسا ہی ہوا۔ جو کچھ خدا تعالیٰ نے قرآن کے ذریعہ سے لوگوں کو سکھایا ان کو یہ موقع دیا کہ عملی طور پر اس تعلیم کو چمکاویں اور اس کے نور سے پر ہو جاویں۔

[1] اصل مسودہ میں ”مر کر اور تھک کر“ کے الفاظ لکھے ہیں (ناشر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے دو زمانے

اسی غرض سے خدا تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح کو دو حصوں پر منقسم کر دیا۔

ایک حصہ دکھوں اور مصیبتوں اور تکلیفوں کا اور دوسرا حصہ فتحیابی کا۔ تا مصیبتوں کے وقت میں وہ خلق ظاہر ہوں جو مصیبتوں کے وقت ظاہر ہوا کرتے ہیں اور فتح اور اقتدار کے وقت میں وہ خلق ثابت ہوں جو بغیر اقتدار کے ثابت نہیں ہوتے۔ سو ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں قسم کے اخلاق دونوں زمانوں اور دونوں حالتوں کے وارد ہونے سے کمال وضاحت سے ثابت ہو گئے۔ چنانچہ وہ مصیبتوں کا زمانہ جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تیرہ برس تک مکہ معظّمہ میں شامل حال رہا۔ اس زمانہ کی سوانح پڑھنے سے نہایت واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اخلاق جو مصیبتوں کے وقت کامل راستباز کو دکھلانے چاہئیں یعنی خدا پر توکل رکھنا اور جزع فزع سے کنارا کرنا اور اپنے کام میں سست نہ ہونا اور کسی کے رعب سے نہ ڈرنا ایسے طور پر دکھلا دیئے جو کفار ایسی استقامت کو دیکھ کر ایمان لائے اور شہادت دی کہ جب تک کسی کا پورا بھروسہ خدا پر نہ ہو تو اس استقامت اور اس طور سے دکھوں کی برداشت نہیں کر سکتا۔ ﴿۸۷﴾

اور پھر جب دوسرا زمانہ آیا یعنی فتح اور اقتدار اور ثروت کا زمانہ، تو اس زمانہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق عفو اور سخاوت اور شجاعت کے ایسے کمال کے ساتھ صادر ہوئے جو ایک گروہ کثیر کفار کا انہی اخلاق کو دیکھ کر ایمان لایا۔ دکھ دینے والوں کو بخشا اور شہر سے نکالنے والوں کو امن دیا۔ ان کے محتاجوں کو مال سے مالا مال کر دیا اور قابو پا کر اپنے بڑے بڑے دشمنوں کو بخش دیا۔ چنانچہ بہت سے لوگوں نے آپ کے اخلاق دیکھ کر گواہی دی کہ جب تک کوئی خدا کی طرف سے اور حقیقتاً راستباز نہ ہو یہ اخلاق ہرگز دکھلا نہیں سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کے دشمنوں کے پرانے کینے یکلخت دور ہوگئے۔ آپ کا بڑا بھاری خلق جس کو آپ نے ثابت کر کے دکھلا دیا وہ خلق تھا جو قرآن شریف میں ذکر فرمایا گیا ہے اور وہ یہ ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ [1]

یعنی ان کو کہہ دے کہ میری عبادت اور میری قربانی اور میرا مرنا اور میرا جینا خدا کی راہ میں ہے یعنی اس کا جلال ظاہر کرنے کے لئے اور نیز اس کے بندوں کے آرام دینے کے لئے ہے تا میرے مرنے سے ان کو زندگی حاصل ہو۔ اس جگہ جو خدا کی راہ میں اور بندوں کی بھلائی کے لئے مرنے کا ذکر کیا گیا ہے اس سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ آپ نے نعوذ باللہ جاہلوں یا دیوانوں کی طرح درحقیقت خودکشی کا ارادہ کرلیا تھا۔ اس وہم سے کہ اپنے تئیں کسی آلہ سے قتل کے ذریعہ سے ہلاک کر دینا اوروں کو فائدہ پہنچائے گا بلکہ آپ ان بیہودہ باتوں کے سخت مخالف تھے اور قرآن ایسی خودکشی کے مرتکب کو سخت مجرم اور قابل سزا ٹھہراتا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔

وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ [2]

یعنی خودکشی نہ کرو اور اپنے ہاتھوں سے اپنی موت کے باعث نہ ٹھہرو اور یہ ظاہر ہے کہ اگر مثلاً خالد کے پیٹ میں درد ہو اور زید اس پر رحم کر کے اپنا سر پھوڑے تو زید نے خالد کے حق میں کوئی نیکی کا کام نہیں کیا بلکہ اپنے سر کو احمقانہ حرکت سے ناحق پھوڑا۔ نیکی کا کام تب ہوتا کہ جب زید خالد کی خدمت میں مناسب اور مفید طریق کے ساتھ سرگرم رہتا۔ اور اس کے لئے عمدہ دوائیں میسر کرتا اور طبابت کے قواعد کے موافق اس کا علاج کرتا۔ مگر اس کے سر کے پھوڑنے سے زید کو تو کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ ناحق اس نے اپنے وجود کے ایک شریف عضو کو دکھ پہنچایا۔ غرض اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی ہمدردی اور محنت اٹھانے سے بنی نوع کی رہائی کے لئے جان کو وقف کر دیا تھا اور دُعا

[1] الانعام:۱۶۳ [2] البقرۃ:۱۹۶

کے ساتھ اور تبلیغ کے ساتھ اور ان کے جور و جفا اٹھانے کے ساتھ اور ہر ایک مناسب اور حکیمانہ طریق کے ساتھ اپنی جان اور اپنے آرام کو اس راہ میں فدا کر دیا تھا۔ جیسا کہ اللہ جلّ شانہ، فرماتا ہے۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ اَلَّا يَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ [۱]
فَلَا تَذۡهَبۡ نَفۡسُكَ عَلَيۡهِمۡ حَسَرٰتٍ [۲]

کیا تو اس غم اور اس سخت محنت میں جو لوگوں کے لئے اٹھا رہا ہے اپنے تئیں ہلاک کر دے گا؟ اور کیا ان لوگوں کے لئے جو حق کو قبول نہیں کرتے تُو حسرتیں کھا کھا کر اپنی جان دے گا؟ ﴿۸۸﴾ سو قوم کی راہ میں جان دینے کا حکیمانہ طریق یہی ہے کہ قوم کی بھلائی کے لئے قانون قدرت کی مفید راہوں کے موافق اپنی جان پر سختی اٹھاویں اور مناسب تدبیروں کے بجالانے سے اپنی جان ان پر فدا کر دیں نہ یہ کہ قوم کو سخت بلا یا گمراہی میں دیکھ کر اور خطرناک حالت میں پا کر اپنے سر پر پتھر ماریں یا دو تین رتی اسٹرکنیا [۳] کھا کر اس جہان سے رخصت ہو جائیں اور پھر گمان کریں کہ ہم نے اپنی اس حرکت بیجا سے قوم کو نجات دے دی ہے۔ یہ مَردوں کا کام نہیں ہے۔ زنانہ خصلتیں ہیں اور بے حوصلہ لوگوں کا ہمیشہ سے یہی طریق ہے کہ مصیبت کو قابل برداشت نہ پا کر جھٹ پٹ خودکشی کی طرف دوڑتے ہیں۔ ایسی خودکشی کی گو بعد میں کتنی ہی تاویلیں کی جائیں مگر یہ حرکت بلاشبہ عقل اور عقلمندوں کا ننگ ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ ایسے شخص کا صبر اور دشمن کا مقابلہ نہ کرنا معتبر نہیں ہے۔ جس کو انتقام کا موقعہ ہی نہ ملا کیونکہ کیا معلوم ہے کہ اگر وہ انتقام پر قدرت پاتا تو کیا کچھ کرتا۔ جب تک انسان پر وہ زمانہ نہ آوے جو ایک مصیبتوں کا زمانہ اور ایک مقدرت اور حکومت اور ثروت کا زمانہ ہو۔ اس وقت تک اس کے سچے اخلاق ہرگز ظاہر نہیں ہو سکتے۔ صاف ظاہر ہے کہ جو شخص صرف کمزوری اور ناداری اور بے اقتداری کی حالت میں لوگوں کی ماریں کھاتا مرجاوے اور اقتدار اور حکومت اور ثروت

[۱] الشعراء: ۴ [۲] فاطر: ۹ [۳] Strychnia کچلہ (ناشر)

کا زمانہ نہ پاوے۔ اس کے اخلاق میں سے کچھ بھی ثابت نہ ہوگا۔ اور اگر کسی میدان جنگ میں حاضر نہیں ہوا تو یہ بھی ثابت نہ ہوگا کہ وہ دل کا بہادر تھا یا بزدل۔ اس کے اخلاق کی نسبت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ ہم نہیں جانتے۔ ہمیں کیا معلوم ہے کہ اگر وہ اپنے دشمنوں پر قدرت پاتا تو ان سے کیا سلوک بجالاتا اور اگر وہ دولت مند ہو جاتا تو اس دولت کو جمع کرتا یا لوگوں کو دیتا اور اگر وہ کسی میدان جنگ میں آتا تو دم دبا کر بھاگ جاتا یا بہادروں کی طرح ہاتھ دکھاتا۔ مگر خدا کی عنایت اور فضل نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان اخلاق کے ظاہر کرنے کا موقعہ دیا۔ چنانچہ سخاوت اور شجاعت اور حلم اور عفو اور عدل اپنے اپنے موقعہ پر ایسے کمال سے ظہور میں آئے کہ صفحۂ دنیا میں اس کی نظیر ڈھونڈنا لاحاصل ہے۔ اپنے دونوں زمانوں میں ضعف اور قدرت اور ناداری اور ثروت میں تمام جہان کو دکھلا دیا کہ وہ ذات پاک کیسی اعلیٰ درجہ کے اخلاق کی جامع تھی اور کوئی انسانی خلق اخلاق فاضلہ میں سے ایسا نہیں ہے جو اس کے ظاہر ہونے کے لئے آپ کو خدا تعالیٰ نے ایک موقعہ نہ دیا۔ شجاعت، سخاوت، استقلال، عفو، حلم وغیرہ وغیرہ تمام اخلاق فاضلہ ایسے طور پر ثابت ہو گئے کہ دنیا میں اس کی نظیر کا تلاش کرنا طلب محال ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ جنہوں نے ظلم کو انتہا تک پہنچا دیا اور اسلام کو نابود کرنا چاہا خدا نے ان کو بھی بے سزا نہیں چھوڑا۔ کیونکہ ان کو بے سزا چھوڑنا گویا راست بازوں کو ان کے پیروں کے نیچے ہلاک کرنا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگوں کی غرض

﴿۸۹﴾ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائیوں کی ہرگز یہ غرض نہ تھی کہ خواہ نخواہ لوگوں کو قتل کیا جائے۔ وہ اپنے باپ دادا کے ملک سے نکالے گئے تھے اور بہت سے مسلمان مرد اور عورتیں بے گناہ شہید کئے گئے تھے۔ اور ابھی ظالم ظلم سے باز نہیں آتے تھے اور اسلام کی تعلیم کو روکتے تھے۔ لہٰذا خدا کے قانون حفاظت نے یہ چاہا کہ مظلوموں کو بالکل نابود ہونے سے بچالے۔

سو جنہوں نے تلوار اٹھائی تھی انہیں کے ساتھ تلوار کا مقابلہ ہوا۔ غرض قتل کرنے والوں کا فتنہ فرو کرنے کے لئے بطور مدافعت شر کے وہ لڑائیاں تھیں اور اس وقت ہوئیں جبکہ ظالم طبع لوگ اہل حق کو نابود کرنا چاہتے تھے۔ اس حالت میں اگر اسلام اس حفاظت خود اختیاری کو عمل میں نہ لاتا تو ہزاروں بچے اور عورتیں بیگناہ قتل ہو کر آخر اسلام نابود ہو جاتا۔

یاد رہے کہ ہمارے مخالفین کی یہ بڑی زبردستی ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ الہامی ہدایت ایسی ہونی چاہئے جس کے کسی مقام اور کسی محل میں دشمنوں کے مقابلہ کی تعلیم نہ ہو اور ہمیشہ حلم اور نرمی کے پیرایہ میں اپنی محبت اور رحمت کو ظاہر کرے۔ ایسے لوگ اپنی دانست میں خدائے عزوجل کی بڑی تعظیم کر رہے ہیں کہ جو اس کی تمام صفات کاملہ کو صرف نرمی اور ملائمت پر ہی ختم کرتے ہیں۔ لیکن اس معاملہ میں فکر اور غور کرنے والوں پر بآسانی کھل سکتا ہے کہ یہ لوگ بڑی موٹی اور فاش غلطی میں مبتلا ہیں۔ خدا کے قانون قدرت پر نظر ڈالنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کے لئے وہ رحمت محض تو ضرور ہے مگر وہ رحمت ہمیشہ اور ہر حال میں نرمی اور ملائمت کے رنگ میں ظہور پذیر نہیں ہوتی بلکہ وہ سراسر رحمت کے تقاضا سے طبیب حاذق کی طرح کبھی شربت شیریں ہمیں پلاتا ہے اور کبھی دوائی تلخ دیتا ہے۔ اس کی رحمت نوع انسان پر اس طرح وارد ہوتی ہے جیسے ہم میں سے ایک شخص اپنے تمام وجود پر رحمت رکھتا ہے۔ اس بات میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا کہ ہر ایک فرد ہم میں سے اپنے سارے وجود سے پیار رکھتا ہے۔ اور اگر کوئی ہمارے ایک بال کو اکھاڑنا چاہے تو ہم اس پر سخت ناراض ہوتے ہیں۔ لیکن باوصف اس کے کہ ہماری محبت جو ہم اپنے وجود سے رکھتے ہیں ہمارے تمام وجود میں بٹی ہوئی ہے اور تمام اعضاء ہمارے لئے پیارے ہیں۔ ہم کسی کا نقصان نہیں چاہتے۔ مگر پھر بھی یہ بات بداہت ثابت ہے کہ ہم اپنے اعضاء سے ایک ہی درجہ کی اور یکساں محبت نہیں رکھتے بلکہ اعضاء رئیسہ و شریفہ کی محبت جن

پر ہمارے مقاصد کا بہت کچھ مدار ہے۔ ہمارے دلوں پر غالب ہوتی ہے۔ایسا ہی ہماری نظر میں ایک ہی عضو کی محبت کی نسبت مجموعہ اعضاء کی محبت بہت بڑھ کر ہوتی ہے۔پس جب کبھی ہمارے لئے کوئی ایسا موقع آ پڑتا ہے کہ ایک عضو کا بچاؤ ادنیٰ درجہ کے عضو کے زخمی کرنے یا کاٹنے یا توڑنے پر موقوف ہوتا ہے تو ہم جان کے بچانے کے لئے بلا تامل اسی عضو کے زخمی کرنے یا کاٹنے پر مستعد ہو جاتے ہیں۔اور گو اس وقت ہمارے دل میں یہ رنج بھی ہوتا ہے کہ ہم اپنے ایک پیارے عضو کو زخمی کرتے یا کاٹتے ہیں۔مگر اس خیال سے کہ اس عضو کا فساد کسی دوسرے شریف عضو کو بھی ساتھ ہی تباہ نہ کرے ہم کاٹنے کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں۔پس اسی مثال سے سمجھ لینا چاہئے کہ خدا بھی جب دیکھتا ہے کہ اس کے راستباز باطل پرستوں کے ہاتھ سے ہلاک ہوتے ہیں اور فساد پھیلتا ہے تو راستبازوں کی جان کے بچاؤ اور فساد کے فرو کرنے کے لئے مناسب تدبیر ظہور میں لاتا ہے۔خواہ آسمان سے خواہ زمین سے اس لئے کہ وہ جیسا کہ رحیم ہے ویسا ہی حکیم بھی ہے۔ اَلحمد للّٰہ ربّ العالمین۔

انڈیکس

روحانی خزائن جلد ۱۰

مرتبہ: طاہر محمود احمد مربی سلسلہ احمدیہ
زیر نگرانی
سید عبد الحی

آیاتِ قرآنیہ

ترتیب بلحاظ سورۃ

الفاتحة

البقرة

آل عمران

النساء

المائدة

الانعام

الاعراف

الانفال

التوبة

یونس

هود

یوسف

الرعد

ابراهیم

الحجر

النحل

بنی اسراء یل

الکهف

مریم

الصافات

المؤمن

حٰمٓ السجدة

الشوریٰ

الزخرف

الدخان

محمد

الفتح

الحجرات

قٓ

الذّاریٰت

النجم

الرحمٰن

الواقعة

الحدید

المجادلة

الحشر

مضامین

آ

آخرت

آریہ دھرم

ا

استغفار

استقامت

اسلام

اعمال

اللہ تعالیٰ جلّ جلالُہٗ

صفاتِ باری تعالیٰ

دلائل ہستی باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کا فعل بندے کے فعل کے مقابلہ میں

الہام

بہشت

پ

پادری صاحبان کو دو نصیحتیں

ت

تناسخ

تناسخ کی تین صورتیں اسلام نے روا رکھی ہیں

ث

ثواب

ج

جلسہ مہوتسو (جلسہ اعظم مذاہب)

حلالہ

خ

خاتم النبیین

ختم شریعت

خُلق /اخلاق

ایصالِ خیر کی اقسام

ترکِ شر کی اقسام

سچائی

شجاعت

صبر

ہمدردیٔ خلق

خنزیر

د

ر

رسول/رُسل

روح

روحانیت

ز

زقوم

زنجبیل

زندگی

س

سعادتِ عظمیٰ

سکھ مذہب

ش

شراب

شیطان

ص

صدقہ

صراطِ مستقیم

ط

طلاق

ع غ

عارف

عالَم

عدل

عذاب

عربی (زبان)

عرش

علم

علم کی تین قسمیں۔

عیسائیت

غضِ بصر

ق

قرآن کریم

و

ہ

ی

اسماء

خ

د

ع

غ

ن

مقامات

آ ا

ب پ ت

ع

ف ق

ک گ

ل م ن

❀❀❀

کتابیات

س

ش

ط

ق

ک

گ

ل

م

و

ہ

ی